BAPS101CCT

سیاسیات: ایک تعارف

(Political Science: An Introduction)

فاصلاتی اور روایتی نصاب پر مبنی خود اکتسابی مواد

برائے

بیچلر آف آرٹس (بی۔اے)

(پہلا سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-بھارت

©Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Course-Bachelor of Arts
ISBN: 978-93-80322-91-9
Edition: **June, 2021**

ناشر	:	رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
اشاعت	:	جون، 2021
قیمت	:	170/-
تعداد	:	3000
ترتیب وتزئین	:	ڈاکٹر محمد اکمل خان، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
سرورق	:	ڈاکٹر محمد اکمل خان
مطبع	:	کرشک پرنٹ سولیوشنس، حیدرآباد

سیاسیات: ایک تعارف
(Political Science: An Introduction)
For B.A. 1st Semester

On behalf of the Registrar, Published by:
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), Bharat
Director: dir.dde@manuu.edu.in *Publication:* ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

مجلس ادارت

(Editorial Board)

مضمون مدیران (Subject Editors)	
ڈاکٹر اشتیاق احمد (کورس کوآرڈی نیٹر) اسسٹنٹ پروفیسر (نظم ونسق عامہ)، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد Dr. Ishtiyaq Ahmad (Course Coordinator) Assistant Professor (Public Administration), DDE, MANUU, Hyderabad	
پروفیسر مہتاب منظر (ریٹائرڈ) شعبہ سیاسیات، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی Prof. Mahtab Manzar (Retd.) Dept. of Political Science, JMI, New Delhi	پروفیسر محمد عابد (ریٹائرڈ) شعبہ سیاسیات, علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، یو۔پی۔ Prof. Mohd Abid (Retd.) Dept. of Political Science, AMU. Aligarh , U.P
ڈاکٹر عبدالقیوم اسوشی ایٹ پروفیسر، شعبہ نظم ونسق عامہ، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد Dr. Abdul Qayyum Asso. Prof., Dept. of Public Administration, MANUU, Hyderabad	پروفیسر محمد عمر (ریٹائرڈ) شعبہ سیاسیات، ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر مراٹھواڑا یونیورسٹی، اورنگ آباد، مہاراشٹرا Prof. Mohd Umar (Retd.) Dept. of Political Science, Dr. B.R.A.M.U, Aurangabad, MH
ڈاکٹر محمد شاہد عالم گیسٹ فیکلٹی (سیاسیات)، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد Dr. Md. Shahid Alam Guest Faculty (Political Science), DDE, MANUU, Hyderabad	پروفیسر افروز عالم صدر، شعبہ سیاسیات، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد Prof. Afroz Alam Head, Dept. of Political Science, MANUU, Hyderabad
زبان مدیر (Language Editor)	
Dr. Mohd Akmal Khan Guest Faculty (Urdu), DDE, MANUU, Hyderabad	ڈاکٹر محمد اکمل خان گیسٹ فیکلٹی (اردو)، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-بھارت

کورس کو آرڈی نیٹر

ڈاکٹر اشتیاق احمد

اسسٹنٹ پروفیسر (نظم ونسق عامہ)، نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
• نوید اشرفی، گیسٹ فیکلٹی، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد	اکائی 1
• محمد قمر سلیم، اسوشی ایٹ پروفیسر، انجمن اسلام، اکبر پیر بھائی کالج آف ایجوکیشن، واشی، نوی ممبئی	اکائی 2،14
• ڈاکٹر محمد امین میر، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سیاسیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ	اکائی 3،13
• ڈاکٹر نعمان حیدر، اسسٹنٹ پروفیسر، اررریہ کالج، اررریہ، بہار	اکائی 4،10،22
• ڈاکٹر محمد طارق انور، پرنسپل، ایس ڈی ایس پی جی کالج، مرزاپور، ضلع شاہجہانپور، یوپی	اکائی 5،16
• محمد اکبر القادری، پی ایچ۔ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف مدراس، چنئی	اکائی 6،7،12،20
• اختر رضا، ٹی جی ٹی ٹیچر، مانو ماڈل اسکول، نوح، ہریانہ	اکائی 8
• ڈاکٹر مصعیب احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سیاسیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ	اکائی 9
• ڈاکٹر ظفر عالم، گیسٹ فیکلٹی، سیاسیات، مانو سیٹلائٹ کیمپس، لکھنؤ	اکائی 11
• ڈاکٹر محمد شاہد عالم، گیسٹ فیکلٹی، سیاسیات، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد	اکائی 15،17
• ڈاکٹر اشتیاق احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، نظم ونسق عامہ، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد	اکائی 18
• ڈاکٹر شکیل احمد، اسسٹنٹ پروفیسر (سیاسیات)، شعبہ قانون، اے ایم یو سنٹر، مرشد آباد، مغربی بنگال	اکائی 19
• ڈاکٹر عبدالقیوم، اسوشی ایٹ پروفیسر، شعبہ نظم ونسق عامہ، مانو، حیدرآباد	اکائی 21
• ڈاکٹر محمد فہیم الدین، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تعلیم، اے ایم یو سنٹر، مرشد آباد، مغربی بنگال	اکائی 23
• ڈاکٹر واحدہ شیخ، صدر شعبہ سیاسیات، عابدہ انعام دار سینئر کالج، اعظم کیمپس، پونا، مہاراشٹرا	اکائی 24

پروف ریڈرس:

اول	:	ڈاکٹر محمد شاہد عالم
دوم	:	ڈاکٹر محمد اکمل خان
فائنل	:	ڈاکٹر اشتیاق احمد

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	9
بلاک I	**سیاسیات: ایک تعارف**	
اکائی 1	سیاسیات: ایک عمومی جائزہ	11
اکائی 2	علم سیاسیات: معنی اور تعریفیں	26
اکائی 3	علم سیاسیات: نوعیت اور وسعت	41
اکائی 4	علم سیاسیات کی اہمیت	56
بلاک II	**دیگر سماجی علوم سے سیاسیات کا تعلق**	
اکائی 5	سیاسیات کا دیگر سماجی علوم سے تعلق	71
اکائی 6	سیاسیات کا تاریخ سے تعلق	86
اکائی 7	سیاسیات کا سماجیات سے تعلق	101
اکائی 8	سیاسیات کا معاشیات سے تعلق	116
بلاک III	**مملکت اور اس کا آغاز**	
اکائی 9	مملکت: معنی اور نوعیت	131
اکائی 10	مملکت کے عناصر	146
اکائی 11	نظریات برائے آغاز مملکت: ایک جائزہ	161
اکائی 12	نظریات کی ابتدا: نظریہ سماجی معاہدہ	176

بلاک IV	**مملکت کی تقسیم اور فرائض**	
اکائی 13	مملکت کی درجہ بندی	191
اکائی 14	مملکت کے فرائض: روایتی نقطہ نظر	206
اکائی 15	مملکت کے فرائض: جدید لبرل کے تناظر میں	221
اکائی 16	مملکت کے فرائض: مارکسی تناظر	236
بلاک V	**تصور اور نظریات-اول**	
اکائی 17	شہریت: تصور اور نظریہ	251
اکائی 18	اقتدار اعلا: مفہوم، خصوصیات اور اقسام	266
اکائی 19	اقتدار اعلا کا وحدانی نظریہ	281
اکائی 20	اقتدار اعلا: نظریہ تکثیریت	296
بلاک VI	**تصور اور نظریات- دوم**	
اکائی 21	حقوق: معنی اور اقسام	311
اکائی 22	حقوق کے نظریات	326
اکائی 23	سیاسی ذمے داری کے نظریات	341
اکائی 24	آزادی، مساوات اور انصاف	356
نمونہ امتحانی پرچہ		371

پیغام

وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے جس ایکٹ کے تحت مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ہے اُس کی بنیادی سفارش اُردو کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کا فروغ ہے۔ یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جو ایک طرف اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد بناتا ہے تو دوسری طرف ایک امتیازی وصف ہے، ایک شرف ہے جو ملک کے کسی دوسرے اِدارے کو حاصل نہیں ہے۔ اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ بھی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند "ادبی" اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت رسائل و اخبارات کی اکثریت میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہماری یہ تحریریں قاری کو کبھی عشق و محبت کی پُر پیچ راہوں کی سیر کراتی ہیں تو کبھی جذباتیت سے پُر سیاسی مسائل میں اُلجھاتی ہیں ، کبھی مسلکی اور فکری پس منظر میں مذاہب کی توضیح کرتی ہیں تو کبھی شکوہ شکایت سے ذہن کو گراں بار کرتی ہیں۔ تاہم اُردو قاری اور اُردو سماج آج کے دور کے اہم ترین علمی موضوعات چاہے وہ خود اُس کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، وہ جن مشینوں اور آلات کے درمیان زندگی گزار رہا ہے اُن کی بابت ہوں یا اُس کے گرد و پیش اور ماحول کے مسائل ہوں۔ وہ ان سے نابلد ہے۔ عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے جس کا مظہر اُردو طبقے میں علمی لیاقت کی کمی ہے۔ یہی وہ مبارزات (Challenges) ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح کی اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیرِ بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی میں ذریعہ تعلیم ہی اُردو ہے اور اس میں علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمے داری ہے۔ چوں کہ اسی مقصد کے تحت اردو یونیورسٹی کا آغاز فاصلاتی تعلیم سے 1998 میں ہوا تھا۔ احقر کو اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اس کے ذمے داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور قلم کاروں کے بھرپور تعاون کے نتیجے میں کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کم سے کم وقت میں خود اکتسابی مواد اور خود اکتسابی کتب کی اشاعت کے بعد اِس کے ذمے داران، عام اردو قارئین کے لیے بھی علمی مواد، آسان زبان میں تحریر کرا کے کتابوں کی شکل میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کریں گے تاکہ ہم اِس یونیورسٹی کے وجود اور اِس میں اپنی موجودگی کا حق ادا کر سکیں۔

پروفیسر ایس۔ ایم۔ رحمت اللہ

وائس چانسلر، انچارج

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد

پیغام

آپ تمام بخوبی واقف ہیں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا باقاعدہ آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈویژن سے ہوا تھا۔ 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کا آغاز ہوا۔ متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو جی سی۔ ڈی ای بی UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کماحقہ ہم آہنگ کر کے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بند کر کے خود اکتسابی مواد SLM از سرِ نو بالترتیب یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھے بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جا رہے ہیں۔

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جا چکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفیض ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ اِس طرح سے یونیورسٹی نے روایتی طریقۂ تعلیم سے پہلے فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے اردو آبادی تک تعلیم پہنچانے کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے پہل یہاں کے تدریسی پروگراموں کے لیے امبیڈکر یونیورسٹی اور اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی کے نصابی مواد سے من و عن یا ترجمے کے ذریعے استفادہ کیا گیا۔ اِرادہ یہ تھا کہ بہت تیزی سے اپنا نصابی مواد تیار کرا لیا جائے گا اور دوسری یونیورسٹیوں کے مواد پر انحصار ختم ہو جائے گا، لیکن اِرادہ اور کوشش دونوں ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہو پائے، جس کی وجہ سے اپنے خود اکتسابی مواد کی تیاری میں اچھی خاصی تاخیر ہوئی۔ بالآخر منظم اور جنگی پیمانے پر کام شروع ہوا، جس کے دوران میں قدم قدم پر مسائل پیش آئے۔ مگر کوششیں جاری ہیں، نتیجتاً بہت تیزی سے یونیورسٹی نے اپنے نصابی مواد کی اشاعت شروع کر دی ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلا رہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 5 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 155 متعلم امدادی مراکز کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ ڈی ڈی اِی نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کر دیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جا رہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جا رہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔

پروفیسر ابوالکلام

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

علم سیاسیات سماجی علوم کا ایک اہم مضمون ہے۔ ارسطو نے علم سیاسیات کو عظیم علم کہا ہے۔ سیاسیات کا مطالعہ کرنے سے ہمیں مملکتوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہے۔ اس کے مطالعے سے حکومت سے متعلق بھی معلومات حاصل ہوتی ہے۔ سیاسی طور سے بیدار ہونے کے لیے بھی ہمیں سیاسیات کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے۔ علم سیاسیات پڑھنے سے ہمیں یہ معلومات حاصل ہوتی ہے کہ ہمارے حقوق کیا ہیں؟ ہمارے فرائض کیا ہیں؟ اس لیے علم سیاسیات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ سیاسیات کے اندر ہم بہت سے اصولوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس لیے علم سیاسیات کا مطالعہ کرنا ہمارے لیے اہم، مفید اور شاذ و نادر ہے۔ اس کا مطالعہ کرنے سے ہمیں حقوق، مساوات، آزادی اور انصاف کی معلومات ہوتی ہے۔ علم سیاسیات کے مطالعے کی افادیت یہ ہے کہ یہ انسان کو سیاسی نظر سے بیدار بناتا ہے۔ انسان ایک سیاسی مخلوق ہے، یعنی انسان کی کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جن کے لیے مملکت کی معلومات حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس کے مطالعے سے ہمیں ماضی، حال کا تعارف اور کامیاب مستقبل کی تشکیل کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

یہ کتاب "علم سیاسیات: ایک تعارف" مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے فاصلاتی تعلیم کے بی۔اے سمسٹر اول کے طلبا و طالبات کے لیے تیار کی گئی ہے جو چوبیس اکائیوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تیاری میں UGC-DEB کے تمام احکامات اور رہنمایانہ اصولوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں "علم سیاسیات کے بنیادی تصورات اور اصولات" کو متعارف کرایا گیا ہے۔ یہ کتاب ہر اس شخص کے لیے مفید ہے جو علم سیاسیات کے طالبِ علم ہیں۔ اس کورس کا اہم مقصد طلبا و طالبات کو علم سیاسیات کے بنیادی تصور اور اصول سے آگاہ کرنا ہے۔ اس کتاب کی زبان بہت آسان ہے۔ ایسی کتابیں اردو ذریعہ تعلیم میں دستیاب نہیں ہیں، اور جو دستیاب ہیں بھی انہیں ہم عصر تبدیلیوں کے مطابق ترمیم نہیں کیا گیا ہے۔

یہ کورس چھے بلاک میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر بلاک چار اکائیوں پر مشتمل ہے۔ پہلے بلاک میں "سیاسیات: ایک عمومی جائزہ، سیاسیات: معنی اور تعریف، سیاسیات: نوعیت اور وسعت اور اس کی اہمیت" کو متعارف کرایا گیا ہے۔ دوسرے بلاک میں "علم سیاسیات کا سماجی علوم سے تعلق" کو پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے بلاک میں "مملکت: معنی اور نوعیت، مملکت کے عناصر، نظریات برائے آغاز مملکت: ایک جائزہ، نظریات برائے آغاز مملکت: سماجی معاہدے کا نظریہ" کو پیش کیا گیا ہے۔ چوتھے بلاک میں "مملکت کی درجہ بندی، مملکت کے فرائض: کلاسیکی نظریہ، مملکت کے فرائض: جدید لبرل نظریہ اور مملکت کے فرائض: مارکسی نظریہ" کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ پانچویں بلاک میں "شہریت: تصور اور نظریہ، اقتدار اعلا: معنی، خصوصیات اور اقسام، اقتدار اعلا: وحدانی نظریہ، اقتدار اعلا: تکثیریتی نظریہ" کو پیش کیا گیا ہے۔ چھٹے بلاک میں "حقوق: معنی اور اقسام، نظریات، حقوق، سیاسی ذمے داری کے نظریات اور آزادی، مساوات اور انصاف" کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں علم سیاسیات، ان سے متعلق نظریوں و دیگر سرگرمیوں کی معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ علم سیاسیات کی بنیادی معلومات کے ساتھ ساتھ سیاسیات کے میرے ساتھی دانشور مصنفوں نے یہ کوشش کی ہے کہ کتاب کی زبان آسان اور دلچسپ رہے۔ اس کتاب کو تیار کرنے میں اراکین مدیران کا شکر گزار ہوں جن کی ہدایت اور کوششوں و کاوشوں سے یہ کتاب منظر عام پر آسکی۔

امید ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر سماجی علوم خاص طور سے علم سیاسات کا مطالعہ کرنے والے طلبا و طلبات کی رہنمائی کرے گی اور ان کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ اور ان کی لیاقت و صلاحیت میں اضافہ کرے گی۔

ڈاکٹر اشتیاق احمد

کورس کوآرڈی نیٹر

سیاسیات: ایک تعارف

(Political Science: An Introduction)

اکائی 1۔ سیاسیات: ایک عمومی جائزہ

(Political Science: A General View)

اکائی کے اجزا

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 سیاسیات بطور سماجی علم

1.3 سیاسیات کیوں پڑھیں؟

1.4 سیاسیات کے اجزا

1.4.1 سیاسی نظریات

1.4.2 سیاسی فکر، فلسفہ اور سیاسی مفکرین

1.4.3 سیاسی ادارے

1.4.4 سیاسی طریق عمل

1.4.5 نظم ونسق عامہ اور عوامی پالیسی

1.4.6 بین الاقوامی تعلقات

1.4.7 تقابلی سیاست

1.5 سیاسیات کی اہمیت

1.6 اکتسابی نتائج

1.7 کلیدی الفاظ

1.8 نمونہ امتحانی سوالات

1.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1.0 تمہید (Introduction)

معروف یونانی فلسفی اور مفکر ارسطو (Aristotle) کو علم سیاسیات کا بانی کہا جاتا ہے۔ اُس کا ماننا تھا کہ سیاسیات ایک سائنس ہے اور یہ کہ علم سیاسیات سب سے بہترین سائنس ہے۔ ارسطو معروف یونانی مفکر و فلسفی افلاطون کا شاگرد تھا اور اُس نے اپنی شروعاتی تعلیم افلاطون کے تعلیمی ادارے اکیڈمی (Academy) میں ہی حاصل کی تھی۔ علم سیاسیات یعنی Political Science کی موجودہ اصطلاح یونانی مفکرین کی کاوشوں کا ہی ثمر ہے۔ لفظ Political یونانی اصطلاح politikos سے ماخوذ ہے جس کے معنی "of or pertaining to the polis" کے آتے ہیں۔ یعنی پولس کا یا پولس سے متعلق۔

قدیم یونان کو تقریباً ایک ہزار علاقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ان ارضی علاقوں میں کچھ بہت چھوٹے تھے اور کچھ بہت بڑے۔ ان علاقوں کو سٹی مملکت (City State) یا پولس (Polis) کہا جاتا تھا۔ ایتھنز، اسپارٹا، تھیبیس، ارگوس، ایریٹریا اور ایلس وغیرہ کچھ ایسے ہی سٹی مملکت تھے۔ ایتھنز اور اسپارٹا چھوٹے پولس میں شمار کیے جاتے تھے لیکن سیاسی، ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے بہت یکساں تھے اور باہمی طور پر منسلک تھے۔ لہٰذا، قدیمی طور پر Political Science سے مراد اُس علم سے ہے جس کہ تعلق سٹی مملکت یا پولس کے نظم وضبط اور انصرام سے ہے۔

ارسطو نے سائنسی علوم کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

- مراقبی علم (Contemplative Science)
- عملی علم (Practical Science)
- تخلیقی علم (Productive Science)

ارسطو کے مطابق مراقبی علم کا مقصد صرف حصول علم کی غرض سے حقیقت کی تلاش کرنا ہے۔ علم کی یہ شاخ طبیعیاتی علوم (Physical Sciences) اور مابعد طبیعیاتی علوم (Metaphysical Sciences) دونوں کا احاطہ کرتی ہے۔ طبیعیاتی علوم مادّہ کے مطالعے پر مبنی ہوتے ہیں جب کہ مابعد طبیعیاتی علوم مادّہ کی حدود سے ماوراہوتے ہیں اور خالص فلسفیانہ، تصوراتی، نظریاتی اور تجریدی استدلال پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان دونوں ذرائع سے تلاش حق مقصود ہے۔ عملی سائنس کا مقصد پولس کی خوشی اور فلاح کے لیے بہتر اقدامات اُٹھانا ہے۔ جب کہ تخلیقی علم کا مقصد ایسی اشیا کی تخلیق کرنا ہے جس کے استعمال سے لوگوں کو خوشی حاصل ہو۔

ارسطو علم سیاسیات کو عملی سائنس قرار دیتا ہے کیوں کہ اس کا تعلق شہریوں کی خوشی اور شادمانی کے لیے اچھے کام کرنے سے ہے۔

انگریزی اصطلاح Politics ارسطو کے استعمال کردہ یونانی لفظ Politike سے ماخوذ ہے۔ دراصل Politike کی مکمل یونانی اصطلاح politike episteme ہے جس کو ارسطو نے politike کی شکل میں استعمال کیا تھا۔ Politike episteme کو ہی جدید دور میں Political Science کہا جاتا ہے۔

ارسطو یونان کے ہر سٹی مملکت کو ایک کمیونٹی قرار دیتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ ہر سٹی مملکت کی بنیاد کمیونٹی کی بھلائی اور خوش حالی کے لیے رکھی گئی ہے۔ اس لیے یہ لازمی ہے کہ ہر سٹی مملکت اپنے عوام کی خوش حالی کی طرف متوجہ رہے۔ عوام کے لیے خوش حال اور بہتر زندگی کا تعین کرنا ہی ہر سٹی مملکت کا حتمی مقصد ہونا چاہیے۔ ارسطو تجویز پیش کرتا ہے کہ سٹی مملکت کے اس مقصد کی تکمیل کے لیے ایک آئین بہت ضروری ہے جس کو وہ باشندوں کے یقینی نظم وترتیب سے تعبیر کرتا ہے۔ ارسطو کے مطابق سٹی مملکت کا آئین اُس کے باشندوں کو منظم ہو کر باقاعدہ زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے اور سٹی مملکت میں شہریوں کو خوش حال زندگی فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ارسطو سٹی مملکت کے مختلف امور کی انجام دہی کے لیے حکمران اور قانون ساز کے وجود کو بھی قبول کرتا ہے۔

1.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ،

- سیاسیات کی اصطلاح کی اصل اور ارتقا کے بارے میں جان جائیں گے۔
- سیاسیات کے تعلق سے ارسطو کے تجویز کردہ درجہ بندی اور اقسام سے واقف ہو جائیں گے۔
- سیاسیات کے مطالعے کی ضرورت کو سمجھ جائیں گے۔
- سیاسیات کے مختلف اجزا کو جان جائیں گے۔
- سیاسیات کے مطالعے کی اہمیت کو سمجھ جائیں گے۔

1.2 علم سیاسیات بطور سماجی علم (Political Science as a Social Science)

سیاسیات سماجی علوم کی وہ شاخ ہے جس میں شہریوں کی خوش حالی اور بہتر زندگی کے تعین کے لیے مملکت، حکومت، آئین، حکمران اور قانون ساز اداروں کے ذریعے مثبت اقدامات اٹھائے جاتے ہیں۔ میریم ویبسٹر ڈکشنری (Merriam Webster Dictionary) کے مطابق سیاسیات ایک ایسا سماجی علم ہے جس کا تعلق خاص طور پر سرکاری اداروں اور حکومتی سرگرمیوں کے تجزیہ سے ہے۔ متعدد مفکرین نے سیاسیات کی اپنے طریقے سے تعریف بیان کی ہے۔ بعض مفکرین سیاسیات کو عوامی فلاح کی نظر سے دیکھتے ہیں تو دیگر مفکرین اس کو مملکت کے ضابطے سے سمجھتے ہیں۔ جے ڈبلیو گارنر (J. W. Garner) کے مطابق سیاسیات کی ابتدا اور انتہا مملکت سے ہوتی ہے۔ ہرولڈ لاسکی (Harold J. Laski) ایک جامع تعریف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سیاسیات سے مراد ایک

منظم مملکت اور اُس میں مقیم مرد اور عورتوں کے درمیان باہمی تعلق سے ہے۔ اِس کے علاوہ متعدد مفکرین نے علم سیاسیات کی مختلف تعریفیں بیان کی ہے اور علم سیاسیات کو سماجی علوم کی اُس شاخ سے تعبیر کیا ہے جس کا تعلق درج ذیل معاملات سے ہے:

- سماج میں طاقت اور اختیار کا تعین اور اس کا اطلاق۔
- مختلف فریقین کے درمیان اختلافات اور تنازع کو رفع کرنا۔
- قانون سازی کا عمل اور اُس کے اطلاق کا اختیار۔
- مملکت اور اُس کی نوعیت اور اغراض و مقاصد کا تعین۔

ایک فلاحی مملکت میں عوام کی فلاح و بہبود ہی حکومت کا فرض عین ہوتا ہے جس کی تکمیل کے لیے حکومت مختلف پالیسیاں بناتی ہے۔ یہ پالیسیاں مقننہ سے منظور شدہ ہوتی ہیں جن کو حکومت کی عاملہ شاخ کے ذریعے لاگو کیا جاتا ہے۔ انسانی معاشرے میں اقدار کو مختص (Allocation of Values) کرنے کے مطالعے کو علم سیاسیات کہا جاتا ہے۔ یہ سماجی علوم کی وہ شاخ جو مملکت اور اُس کے باشندوں کے درمیان تعلق کو آشکار کرتی ہے اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے حکومت کی جانب سے منتخب کی جانے والی متعدد پالیسیوں کا جواز طے کرتی ہے۔

سماجی علوم کو انگریزی میں سوشل سائنسز (Social Sciences) کہا جاتا ہے۔ سوشل سائنسز کی اس اصطلاح میں لفظ 'سائنسز' کی نوعیت مادی علوم یعنی فزیکل سائنسز (Physical Sciences) کے لفظ 'سائنس' سے مختلف ہوتی ہے۔ مادی علوم ہی حقیقی طور پر لفظ سائنس کی ترجمانی کرتے ہیں جن میں مجموعی طور پر طبیعیات (Physics)، کیمیات (Chemistry)، ارضیات (Geology)، حیاتیات (Biology) حیوانیات (Zoology) اور نباتیات (Botany) جیسے علوم شامل ہیں۔ ان تمام علوم کو خالص سائنسی علوم میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان ماڈی علوم کی تین خصوصیات درج ذیل ہیں:

- قطعیت (Exactness)
- معقولیت (Validity)
- پیش قیاسی (Predictability)

یہ تمام سائنسی علوم سائنسی طریقے کار (Scientific Methods) پر منحصر ہوتے ہیں جو قابل تصدیق ضوابط (Verifiable Principles) کے تابع ہوتے ہیں۔ ان علوم میں علمی نظریات کی تشکیل (Theory Building) علمی تجربہ (Experiment) اور سائنسی مشاہدات (Observations) کے بعد ہی کی جاتی ہے۔ یہ مشاہدات سائنس کو قطعیت فراہم کرتے ہیں۔ سائنسی مشاہدات میں ماحولیاتی عناصر کا دخل نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے نتائج کے بارے میں پیش قیاسی آسان ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس سماجی علوم میں قطعیت، معقولیت اور پیش قیاسی کا فقدان ہوتا ہے۔ سائنسی علوم میں مادّہ کی فطرت اور حرکات کا مطالعہ کیا جاتا ہے جس میں محققین کو معقول نتائج (Valid Results) حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن سماجی علوم میں انسان کے طرز عمل، برتاؤ،

سلوک، اقدار، فطرت، حرکات اور نفسیاتی روِش کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ انسان کی فطرت اور اُس کی نفسیاتی روِش مادّہ کی طرح معقول اور قطعی ضوابط کی تابع نہیں ہوتی ہے۔ انسان کا سلوک اس کے معاشرے کے مطابق ہر گھڑی تبدیل ہوتا ہے جس کی وجہ سے سماجی علوم میں پیش قیاسی کا فقدان ہوتا ہے۔ اسی لیے سائنسی علوم کے ہم پلہ ہونے کے لیے سماجی علوم کو اپنی قطعیت، معقولیت اور پیش قیاسی ثابت کرنا ضروری ہے، جو بہت مشکل کام ہے۔ لہٰذا، سماجی علوم کو انسانی فطرت اور نفسیات (Nature and Psychology) کے مطالعے کے لیے ایسے ہمہ گیر اور آفاقی اصولوں (Universal Principles) کو وضع کرنا ضروری ہے جو اپنی قطعیت، معقولیت اور پیش قیاسی میں مکمل ہوں۔ سماجی علوم کے اکثر موضوعات (Disciplines) ایسا کرنے میں قاصر ہیں لیکن کچھ موضوعات اس کمی کو پورا کرنے کے لیے نئی تکنیک ایجاد کر رہے ہیں یا دوسری جدید علمی روایتوں سے ان تکنیک کو اخذ کر رہے ہیں۔ سماجی علوم میں بھی اب سائنسی طریقے کار کا استعمال کیا جارہا ہے تاکہ تحقیق کے نتائج میں قطعیت، معقولیت اور پیش قیاسی کا تعین کیا جاسکے۔ نظریہ سلوکیت (نظریۂ طرز عمل)(Behaviourism) نے سماجی علوم کو کافی حد تک متاثر کیا ہے جس کی وجہ سے تحقیق میں اختباری طریقے کار (Empirical Methods) کو ترجیح دی جاتی ہے۔ سلوکیت کی تحریک نے انسانی طرز عمل، فطرت و حرکات کے فہم کے لیے اختباری طریقوں پر زور دیا جس نے سے سماجی علوم کو بین الکلیات علمی (Inter-Disciplinary) نوعیت فراہم کی۔ موجودہ دور میں علم سیاسیات ان تمام تکنیک اور طریقے کار کا مجموعہ بن چکا ہے۔

1.3 سیاسیات کیوں پڑھیں؟ (Why to Study Political Science?)

علم کے حصول سے معاشرے کی ترقی اور فلاح کے راستے روشن ہوتے ہیں۔ سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی کے مطابق تعلیم ایک 'فلاحی اور جمہوری قوت' (Liberating and Democratising Force) ہے جو معاشرے میں عوام کی ترقی اور جمہوری اقدار کو فروغ دیتی ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ملک کے عوام ملک کے تعلیمی اداروں میں جدید علم حاصل کریں۔ اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ان جدید علوم میں سیاسیات بھی شامل ہے اور کیا سیاسیات کے مطالعے سے واقعی ترقی کے امکانات ہیں؟ ارسطو سیاسیات کو تمام علوم میں سب سے بہترین علم قرار دیتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ سیاسیات کو عملی علم کے زمرے میں شمار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بنی نوع انساں کے لیے سیاسیات سب سے بہتر علم ہے کیوں کہ یہ خد انسانی معاشرے کا مطالعہ ہے۔ عزیز طلبا، آپ یہ بخوبی جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام علوم کا اول مقصد انسان کی ترقی، فلاح اور بہبود ہوتا ہے اور حقیقی علم وہی ہے جو انسان کو معاشرے میں عدل، انصاف، ہم آہنگی، یکجہتی، اخوت اور مساوات قائم کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ علم سیاسیات طاقت اور اقتدار کا مطالعہ ہے۔ یہ مملکت کی ماہیت اور اس کے حکمرانوں کی طرز حکومت کی جانکاری فراہم کرتا ہے اور عوام کو حکمرانوں کے جبر اور آمریت کی تنقید و مخالفت کرنا سکھاتا ہے۔ برازیل کے مشہور مفکر اور ماہر تعلیم پاؤلو فریرے کے مطابق تعلیم کا مقصد سوال کرنے کا ہنر اور تنقیدی شعور بیدار کرنا ہے اور تعلیم کبھی بھی غیر سیاسی یا نیم سیاسی نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ مکمل طور پر سیاسی ہوتی ہے۔ اس طرح یہ واضح ہے کہ ایسا ہر امر جو بنی نوع انسان کی فلاح اور بہبود کے سروکار پر حکومت اور حکمرانوں کی تنقید کرتا ہے، سیاسی امر کہلاتا ہے اور علم سیاسیات ایک ایسا مضمون ہے جو جامع طور پر طلبا کو اس ذمے داری کے لیے تیار کرتا

ہے۔

لہٰذا، سیاسیات کا مطالعہ کیوں کریں؟ اس سوال کا جواب اس حقیقت میں مضمر ہے کہ علم سیاسیات دراصل انسان کو ان حقائق سے متعارف کراتا ہے جو بطور شہری اس کو ہر لمحہ متاثر کرتے ہیں۔ سماج میں کسی فرد کی حیات و ممات کے معاملات، اس کی ابتدائی تعلیم، اس کو فراہم کی جانے والی طبی سہولیات، اس کے لیے کھیل، کسرت اور ورزش کے اداروں کا قیام، اس کی اعلا تعلیم کا بندوبست، اس کے لیے روزگار کے مواقع کی کثرت، اس کے بڑھاپے کے لیے فلاحی اور بہبودی اقدامات اور آخر میں اس جہانِ فانی سے اس کی پُر وقار وداعی، یہ تمام معاملات مملکت اور حکومت کے دائرۂ ذمے داری میں آتے ہیں اور ان کو یقینی بنانا مملکت اور حکومت کا فرض عین ہے۔ اگر حکومت اپنی ذمے داری نبھانے میں ناکام ہوتی ہے تو عوام کو یہ حق ہے کہ وہ حکومت سے سوال کریں اور اس کی جوابدہی طے کریں۔ سیاسیات عوام کو اسی بات کا فن سکھاتی ہے۔ سیاسیات پڑھنے کی دیگر وجوہات درج ذیل ہیں:

- سیاسیات طلبا کو قوت اور اختیار کی نوعیت اور ماہیت سے روبرو کراتی ہے اور اس بات کو واضح کرتی ہے کہ کسی بھی مملکت میں حقیقی طور پر مقتدر کون ہے یعنی قوت اور اختیارات کی اصل کنجیاں کس کے قبضے میں ہیں۔ اگر مملکت میں آمریت کا غلبہ ہے تو سیاسیات طلبا کے ساتھ عوام کی بھی اس طور پر پرورش کرتی ہے کہ وہ نظامِ آمریت کا خاتمہ کردیں اور سلطانی جمہور کے نئے دور کا آغاز کریں۔
- سیاسیات ملک کے آئین اور آئینی فلسفے کے بارے میں جانکاری فراہم کرتی ہے اور اس کو عوام الناس میں عام کرتی ہے۔ آئینی اقدار اور آئینی فلسفے کا بنیادی فہم رکھنے والے عوام کسی بھی ملک کے بہترین مستقبل کی ضمانت ہوتے ہیں۔ صاحبِ تفہیم عوام اور سیاسیات کے طلبا ایسی 'سیاسی ثقافت' کی تشکیل کرتے ہیں جس میں آمریت کے عناصر، سیاسی انتشار اور فسطائی طاقتوں کا پنپنا مشکل ہوجاتا ہے۔
- سیاسیات آپ کو ملک کے مختلف اداروں کا فہم عطا کرتی ہے۔ سیاسیات اس حقیقت کا انکشاف کرتی ہے کہ کسی بھی ملک کی طرز حکومت کا کنٹرول مختلف اداروں کے ہاتھ میں ہوتا ہے جن میں آئینی ادارے (Constitutional Bodies)، قانون ساز ادارے(Legislative Bodies)، عاملانہ ادارے(Executive Bodies)، عوامی ادارے(Public Institutions)، قانونی ادارے(Judicial Bodies)، سیاسی جماعتیں(Political Parties) اور غیر حکومتی تنظیموں (Non-Government Organisations) جیسی متعدد اکائیاں شامل ہیں۔ کسی ملک کا حکومتی نظام تین حصوں(مقننہ، عاملہ اور عدلیہ) میں منقسم ہوتا ہے، یہ بنیادی معلومات بھی سیاسیات کے مطالعے سے ہی ممکن ہے۔
- ملک میں سیاسی طریق عمل کی جانکاری بھی سیاسیات سے ہی ملتی ہے۔ حکومتی ادارے کس طرح کام کر رہے ہیں؟ کیا وہ آئینی اقدار کے تحفظ کے لیے کام کر رہے ہیں؟ کیا عاملہ کا مقصد جمہوری اہداف کو حاصل کرنے کے علاوہ بھی کچھ اور ہے؟ ان تمام سوالات کو سمجھنے کا فن سیاسیات کے مطالعے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

- سیاسیات انسانی سماج میں انصاف، اخوت اور مساوات جیسی جدید اقدار کے قیام میں مدد کرتی ہے۔
- سیاسیات بین القوامی سطح پر عالمی سیاست کی حرکات اور اس تاثرات سے واقف کراتی ہے۔
- سیاسیات آپ کو ایک بہتر اور ہوشیار شہری بناتی ہے۔

1.4 سیاسیات کے اجزا (Constituents of the Political Science)

علم سیاسیات کی ابتدا یونان کے مختلف پولسوں میں مملکت اور شہریوں کے درمیان تعلق کے مطالعے سے ہوئی تھی لیکن بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ اس میں متعدد تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں اور اس کا دائرہ مسلسل وسیع ہوتا چلا گیا۔ قدیم زمانے میں سیاسیات کے مطالعے میں مملکت کی تعریف، حکمران کے فرائض، سماجی ساخت، عدل وانصاف کا تصور جیسے بنیادی عناوین کو شامل کیا جاتا تھا لیکن اج دور جدید میں دیگر عنوان بھی سیاسیات کا حصہ بن چکے ہیں۔ یہ درج ذیل ہیں:

1.4.1 سیاسی نظریات (Political Theories)

سیاسی نظریات اُن سیاسی افکار اور اقدار کا مطالعہ ہیں جو سیاسی طریق عمل اور سیاسی اداروں کو سمجھنے اور ان کا محاسبہ کرنے کے لیے ہماری مدد کرتے ہیں۔ یہ سیاسی تصورات اور سیاسی افکار کے ارتقا کی تاریخ کا احاطہ کرتے ہیں جن میں جمہوریت، مملکت، اختیار، اقتدار، انصاف، مساوات جیسے تصورات شامل ہوتے ہیں۔ سیاسی نظریات کا مقصد انسانی سماج کی فلاح اور ترقی کے لیے بے لوث ہو کر علمی دستور اور عملی تکنیک کو تشکیل کرنا ہے۔ یہ کسی خاص موضوع (جیسے مملکت) پر مختلف مفکرین کے افکار اور رائے کا جائزہ کرتے ہیں اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔

1.4.2 سیاسی افکار یا سیاسی فلسفہ (Political Thought or Political Philosophy)

سیاسی افکار یا سیاسی فلسفہ حکومت کا فلسفیانہ مطالعہ ہے جو سیاسی اداروں اور سیاسی عناصر کے درمیان تعلق، ماہیت، اور جواز کو طے کرتا ہے۔ سیاسی فلسفہ سیاست، آزادی، انصاف، حقوق، جائیداد اور قانون جیسے متعدد موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ سیاسیات کی معیاری شاخ ہے جو سیاسی اداروں، سیاسی تصورات، اور سیاسی تاریخ عمل کا ایک معیاری تصور پیش کرتی ہے تاکہ سماج اس معیار تک پہنچ جائے اور انسانی معاشرے کی تکمیل کی جا سکے۔ سیاسی فلسفہ دراصل مضمون فلسفہ کا ذیلی مضمون ہے جو سیاسیات کے مختلف موضوعات پر فلسفیانہ بحث کرتا ہے۔

1.4.3 سیاسی ادارے (Political Institutions)

حکومت کے ایسے ادارے جو قانون بنانے کے ساتھ ساتھ اُن کے اطلاق کے لیے ذمے دار ہوتے ہیں اور جو قانون سازی اور اُن کے

نفاذ کا جواز طے کرتے ہیں، اُن کو سیاسی اداروں کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ادارے عوام کو نمائندگی فراہم کرتے ہیں، عوام اور مملکت کے درمیان تنازعے کو ختم کرتے ہیں، عوام کے باہمی اختلافات کو دور کرتے ہیں، عوامی پالیسی کی تشکیل کرتے ہیں، عوام کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کرتے ہیں اور مملکت کی سیاسی، سماجی اور معاشی ترقی کے لیے ہر ممکن اقدامات اٹھاتے ہیں۔ علم سیاسیات میں سیاسی اداروں کا مطالعہ دراصل ان کی کارکردگی مطالعہ ہوتا ہے۔ مقننہ، عاملہ، اور عدلیہ تین عظیم سیاسی اداروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ سیاسی اداروں کی دیگر خوبیاں درج ذیل ہیں:

- سیاسی ادارے عوامی فلاح اور بہبود کے لیے نظم و نسق کی مختلف اکائیوں کو فنڈ تقسیم کرتے ہیں۔
- سیاسی ادارے عوام کے لیے طبّی سہولیات، تعلیمی اداروں اور دیگر سہولیات کا بندوبست کرتے ہیں۔
- سیاسی ادارے کسی بھی معاشرے میں اقتدار اور طاقت کا قانونی سرچشمہ اور منبع ہوتے ہیں کیوں کہ یہ قانون کی حکمرانی کے اصول پر مبنی ہوتے ہیں۔
- سیاسی ادارے معاشرے میں طاقت اور اقتدار کو تقسیم کرتے ہیں اور سماجی ساخت کو متاثر کرتے ہیں۔
- سیاسی ادارے مقامی سطح پر عوام کو سیاسی طور پر طاقتور بناتے ہیں۔
- سیاسی ادارے عوام کے شکوہ اور شکایت کا ایک ذریعہ ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعے عوام حکومت کے متعلق اپنی شکایتوں کو درج کرا سکتے ہیں۔

1.4.4 سیاسی طریق عمل (Political Process)

حکومت اور عوام کے درمیان رابطہ اور تعامل کی ہر سرگرمی کو سیاسی طریق عمل کہا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے حکومت عوام کی فلاح کے لیے متعدد پالیسیاں تشکیل کرتی ہے اور اُن کے اطلاق کو یقینی بناتی ہے۔ یہاں حکومت سے مراد مختلف حکومتی ادارے ہیں جو مرکزی سطح سے مقامی سہ سطح پر سرگرم رہتے ہیں اور عوام سے مراد عوام الناس کے مختلف گروہ، سماجی انجمنیں اور پریشر گروپ وغیرہ ہیں۔ عوام کے یہ گروہ، انجمنیں یا پریشر گروپ رائے عامہ یعنی Public Opinion کی تشکیل کرتے ہیں۔ اس طرح یہ کہنا درست ہوگا کہ سیاسی طریق عمل دراصل حکومت اور رائے عامہ کے باہمی تعامل کا نام ہے۔ مثال کے طور پر رائے دہندگی یعنی انتخابات میں ووٹنگ کا عمل ایک سیاسی عمل ہے جس کے ذریعے عوام اپنے ووٹوں کی بنیاد پر ہی کسی شخص کو اپنا وزیر اعظم یا وزیر اعلا تعلیم کرتے ہیں۔ یہ سیاسی طریق عمل کی جمہوری شکل ہے۔ دنیا کے دوسرے ممالک میں غیر جمہوری سیاسی طریق عمل بھی موجود ہیں۔

1.4.5 نظم و نسق عامہ اور عوامی پالیسی (Public Administration & Public Policy)

سیاست کا کام عوامی پالیسی کی تشکیل کرنا ہے جب کہ نظم و نسق عامہ حکومتی سرگرمی کا وہ حصّہ ہے جس کی ذمے داری ہوتی ہے کہ مقننہ کی تشکیل کردہ پالیسیوں کو باقاعدہ نافذ کیا جائے۔ 1887 میں شائع اپنے مضمون 'دی اسٹڈی آف ایڈمنسٹریشن' (The Study of

Administration) میں ووڈرو ولسن نے سیاست اور نظم و نسق کی دولختیت (Politics-Administration Dichotomy) کا فلسفہ پیش کیا تھا۔ ولسن کا اسرار تھا کہ سیاست اور نظم و نسق دو مختلف علاقے ہیں۔ سیاست کا تعلق عوامی پالیسی کی تشکیل، قانون سازی اور فیصلہ سازی ہے۔ سیاست سیاست داں (Statesman) کا محکمہ ہے۔ اس کے برعکس، نظم و نسق کی ذمے داری قانون کا اطلاق اور عوامی پالیسی کا نفاذ ہے۔ نظم و نسق ماہر ایڈمنسٹریٹر کا علاقہ ہے۔

نظم و نسق عامہ کی تمام روایتی تعریفیں اس کو حکومت کی عاملہ شاخ کا مظہر تسلیم کرتی ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق نظم و نسق کا تعلق حکومت کی تشکیل کردہ پالیسیوں کو نافذ کرنے سے ہے اور فیصلہ سازی و پالیسی کی تشکیل سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ نظم و نسق کا کردار حکومت کی صرف عاملہ شاخ تک محدود ہے اور مقننہ و عدلیہ کا اس کے معاملات میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس نظریے کے حامیوں کا ماننا ہے کہ عوامی پالیسی کی تشکیل مقننہ کی ذمے داری ہے اور ان پالیسیوں کے لیے فیصلہ لینے اور قانون سازی کا حق صرف مقننہ کو ہے۔ اس کے بر عکس جدید نظریہ یہ ہے کہ نظم و نسق عامہ وسیع تر معنوں میں حکومت کی تینو شاخوں پر مشتمل ہے، عاملہ کے ساتھ ساتھ اس کا تعلق مقننہ اور عدلیہ سے بھی ہے۔ یہ صرف عوامی پالیسی کے نفاذ میں ہی اہم کردار ادا نہیں کرتا ہے بلکہ پالیسی کی تشکیل، قانون سازی اور فیصلہ سازی میں بھی نظم و نسق عامہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

عوامی پالیسی ان سرگرمیوں کا مجموعہ ہے جس میں حکومتیں اپنی معیشت اور معاشرے کو تبدیل کرنے کے مقصد میں مشغول ہوتی ہیں۔ عوامی فلاح و بہبود کے مقصد سے اٹھائے جانے والے تمام اقدامات عوامی پالیسی کا حصّہ ہوتے ہیں۔ عوامی پالیسی ان فیصلوں پر مرکوز ہوتی ہے جو سیاسی نظام کے نتائج کو جنم دیتے ہیں ، جیسے ٹرانسپورٹ کی پالیسیاں ، عوامی صحت کا انتظام، ملک میں تعلیم کا بندوبست اور دفاعی قوت کی تنظیم۔ عوامی پالیسی کی بنیاد قومی آئینی قوانین اور ضوابط پر مشتمل ہوتی ہے۔

1.4.6 بین الاقوامی تعلقات (International Relations)

بین الاقوامی تعلقات عالمی سطح پر مختلف مملکتوں عالمی سیاسی، معاشی، سماجی و ثقافتی اداروں کے درمیان ہونے والے تعامل کا مطالعہ ہے۔ یہ ایک بین الکلیات علمی مضمون ہے جس کی ابتدا بیس ویں صدی کی شروعات امریکا میں ہوئی۔ عصری معاشرے میں بین الاقوامی تعلقات کا ایک وسیع مقصد ہوتا ہے، کیونکہ یہ درج ذیل معاملات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے:

- جنگ کی ابتدا اور امن کی بحالی۔
- عالمی نظام کے اندر اقتدار کی نوعیت اور ممالک کے ذریعے اس کا استعمال۔
- بین الاقوامی فیصلہ سازی میں حصہ لینے والے مملکتی اور غیر مملکتی اداکاروں کا بدلتا ہوا کردار۔
- اقوام عالم کے مابین کامیاب تجارتی پالیسیوں کو فروغ دینا۔
- ثقافتی تبادلے، سفارت کاری، اور پالیسی ترقی کے ذریعے انسانی ثقافت کی ترقی۔

1.4.7 تقابلی سیاست (Comparative Politics)

تقابلی سیاست بیرونی ممالک میں سیاست کا مطالعہ ہے۔ تقابلی سیاست مختلف ممالک، شہریوں، مختلف سیاسی اکائیوں کا مکمل یا جزوی طور پر تقابلی مطالعہ ہے اور اِن سیاسی اکائیوں کے مابین مماثلت اور فرق کا تجزیہ کرتا ہے۔ تقابلی سیاست غیر امریکی سیاسی فکر کا سیاسی مطالعہ بھی ہے۔ مضمون مطالعہ کے طور پر، تقابلی سیاست کسی ملک یا سیاسی نظام میں رونما ہونے والے سیاسی مظاہر کو سمجھنے اور سمجھانے پر مرکوز ہے۔

دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ تقابلی سیاسیات علم سیاسیات کا تجربی طریقہ مطالعہ ہے داخلی سیاست، سیاسی اداروں، اور مملکتوں کے درمیان پیدا ہونے والے تمام تصادم کا مطالعہ یکساں پیمانوں کے اطلاق کے ذریعے کیا جاتا ہے

تقابلی سیاست کو اور بہتر طریقہ سے سمجھنے کے لیے اس کے تعریفات پر روشنی ڈالنا ضروری ہے

تعریفات (Definitions)

- ایم جی اسمتھ (M.G Smith)۔ تقابلی سیاست سیاسی تنظیموں، ان کی خصوصیات، باہمی تعلق، مختلف حالتوں اور تبدیلی کی کیفیت کا مطالعہ ہے۔
- جین بلنڈل (Jean Blondel)۔ تقابلی حکومت کی تعریف بنیادی طور پر عصری عالم میں قومی حکومتوں کے طرز کے طور پر کی جائے گی۔
- ایڈورڈ اے۔ فری مین (Edward A. Freeman)۔ تقابلی سیاست مختلف طرز حکومتوں اور مختلف النوع سیاسی اداروں کا تقابلی تجربہ ہے۔

1.5 سیاسیات کی اہمیت (Importance of Political Science)

علم سیاسیات کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ سیاسیات اس معاشرے کا سیاسی مطالعہ کرتا ہے جس کی بنیادی اکائی انسان از خود ہے اور جس کی حرکات وسکنات سے انسان لمحہ درلمحہ متاثر ہوتا ہے۔ سیاسیات نہ صرف مقامی، صوبائی اور قومی سطح پر واقع ہونے والی سرگرمیوں کا باقاعدہ اور منظم جائزہ ہے بلکہ یہ عالمی سطح پر رونما ہونے والی تمام سرگرمیوں کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ارسطو سیاسیات کو ایک عظیم علم قرار دیتا ہے۔ سیاسیات کا مطالعہ عوام میں حکومتی نظام کا فہم پیدا کرتا ہے اور طلبا میں تنقیدی نظریہ کو جنم دیتا ہے۔ یہ واضح کرتا ہے کہ سیاسیات مملکت اور عوام کے درمیان واقع ہونے والے تمام تعلقات اور تعاملات کا مجموعہ ہے۔ سیاسیات معاشرے میں اقتدار کی نوعیت کا مطالعہ ہے۔ اس لیے یہ باشعور عوام کے لیے ایک آلہ کار کی طرح ہے جو عوام بالخصوص، ووٹرز کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ معاشرے اور قوم کے حق میں بہتر نمائندوں کو منتخب کرکے قانون سازی کی ذمے داری سپرد کرسکیں۔ صاحب اقتدار سیاسی قیادت جب عوام کی امیدوں کو پورا نہیں کرپاتی ہے تو عوام اُن کو آئندہ انتخابات میں اقتدار سے باہر کردیتے ہیں۔ اس طرح جمہوری نظام میں بغیر کسی تنازعے کے حکومت

میں تبدیلیاں آسان ہو جاتی ہیں۔ سیاسیات سماج میں مساوات، انصاف اور اخوت کا ماحول قائم رکھنے میں مدد کرتا ہے کیوں کہ یہ قانون کی حکمرانی کی وکالات کرتا ہے۔ اس کے علاوہ سیاسیات کا مطالعہ روزگار کے بہتر مواقع بھی فراہم کرتا ہے۔

1.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

علم سیاسیات عصر حاضر کا بے حد خاص مضمون ہے۔ اس مضمون کی ابتدا ہزاروں برسوں پہلے ہوئی لیکن آج بھی اس کی اہمیت محسوس کیا جاتا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ انسانی سماج کی تمام حرکات و سکنات کا مطالعہ بخوبی کرتا ہے جس میں مملکت اور عوام کے درمیان واقع ہونے والے متعدد تعاملات اور تعلقات کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ علم سیاسیات عوام کی فلاح اور بہبود کے ہزاروں راستوں کو کھولتا ہے۔

اس اکائی میں آپ نے سیاسیات کے اہم پہلوؤں کے بارے میں جانکاری حاصل کی جس میں علم سیاسیات کے اصطلاحی ارتقا، سیاسیات کی اصطلاح کی اصل، سیاسیات کے تعلق سے ارسطو کے تجویز کردہ درجہ بندی اور اقسام، سیاسیات کے مطالعے کی ضرورت، سیاسیات کے مختلف اجزا، سیاسیات کے مطالعے کی اہمیت جیسے موضوعات کا مطالعہ کیا۔

1.7 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **ووڈرو ولسن (Woodrow Wilson)**

تھامس ووڈرو ولسن (28 دسمبر، 1856 - 3 فروری، 1924) ایک امریکی سیاست داں اور ماہر تعلیم تھے جنھوں نے 1913 سے 1921 تک امریکا کے 28ویں صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اپنے تعلیمی کیریئر کے دوران، ولسن نے تاریخ اور سیاسیات کے متعدد کتب و مضامین تصنیف کیے اور ایک سہ ماہی رسالہ 'Political Science Quarterly' کے باقاعدہ معاون بن گئے۔ اُن کا مضمون The Study of Administration بے حد مقبول ہوا اور اُن کو نظم و نسق عامہ کے نئے موضوعِ مطالعہ کا بانی تسلیم کیا جانے لگا۔ ولسن کا یہ مضمون 1887 میں 'Political Science Quarterly' میں شائع ہوا تھا۔

- **مقننہ (Legislature)، عاملہ (Executive) اور عدلیہ (Judiciary)**

جدید دور میں حکومت کا اختیار سہ رخی ہوتا ہے۔ حکومت کے تین رکن مقننہ (Legislature)، عاملہ (Executive) اور عدلیہ (Judiciary) ہوتے ہیں۔ مقننہ حکومت کا وہ رکن ہے جو ملک کے لیے قانون بناتا ہے اور اس لحاظ سے اس کو قانون ساز اسمبلی بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بنائے قوانین کو نافذ کرنے کی ذمے داری حکومت کی عاملہ شاخ کی ہے۔ عدلیہ اس بات کا تعین کرتی ہے کہ مقننہ کے قوانین اور عاملہ کے ذریعے ان کا اطلاق آئین کی روح کے مطابق ہو۔ ایک انتخابی جمہوریت میں مقننہ اہم کردار ادا کرتی ہے کیوں کہ یہ عوام کے منتخب کیے ہوئے نمائندوں کو پلیٹ فارم مہیا کرتی ہے اور اقتدار میں موجود سیاسی جماعت کے نمائندوں و وزیروں کی عوام کے سامنے ذمے

داری طے کرتی ہے۔ رولنگ پارٹی اور اپوزیشن پارٹی دونوں ہی مقننہ کا حصّہ ہوتی ہیں۔ ہندوستانی مقننہ کو سنسد کہا جاتا ہے۔ یہ لوک سبھا، راجیہ سبھا اور صدر جمہوریہ پر مشتمل ہے۔ عاملہ حکومت کی وہ شاخ ہے جو دراصل حکومت کی تمام کارگزاریوں کا مرکز ہوتی ہے۔ درحقیقت، عاملہ کو ہی عرفِ عام میں 'سرکار' کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں مرکزی سطح پر صدر جمہوریہ اس کی نمائندگی کرتا ہے جو برائے نام ہوتی ہے۔ عاملہ کی اصل نمائندگی وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کرتی ہے۔

- **افسر شاہی یا دفتر شاہی (Bureaucracy)**

افسر شاہی (Bureaucracy) عاملہ کا وہ نظام ہے جس میں عاملہ کے تمام امور کو انجام دینا پیشیور ماہرین کی ذمے داری ہوتی ہے جن کی تقرری مسابقتی امتحانات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد کی جاتی ہے۔ افسر شاہی یعنی بیوروکریسی لاطینی لفظ 'Bureau' سے ماخوذ ہے جس کے معنی میز کے ہیں۔ یہاں Bureau سے مراد اس دفتر سے بھی ہے جس میں یہ میز رکھی جاتی ہے۔ De'Gournay نے سب سے پہلے لفظ Bureaucracy کا اختراع کیا تھا۔

- **نظریہ طرز عمل (Behaviouralism)**

نظریہ طرز عمل سماجی علوم کی نئی شاخ ہے جو سب سے پہلے امریکہ میں منظر عام پر آئی۔ اس کو علم سیاسیات کا ہی نقطہء نظر تسلیم کیا جاتا ہے جس نے سیاسی طرز عمل کی وضاحت اور پیش قیاسی کے اعتبار سے علم سیاسیات کے سابقہ نقاط سے علاحدہ اور منفرد شناخت حاصل کی۔ نظریہ سلوکیت مادی سائنسی علوم کی طرح غیر جانب دارانہ طریقے سے سیاسی طرز عمل کی وضاحت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ سلوکیت کے ماہرین سیاسی اداروں (مقننہ، عاملہ، عدلیہ) کی سرگرمیوں کے مقابل افراد کے طرز عمل، سلوک اور حرکات کے مطالعے پر زور دیتے ہیں۔ نظریہ سلوکیت کی شروعات 20ویں صدی کی 5ویں دہائی میں ہوئی۔ Behaviouralism کی اصطلاح کا استعمال سب سے پہلے ڈوائٹ والڈو نے اپنی کتاب Political Science in the United States میں کیا۔ ڈیوڈ ایسٹن نے اس اصطلاح کو عام کیا۔

- **اختباری طریق کار (Empirical Methods)**

اختباری طریق کار تحقیق کا وہ طریقہ ہے جس میں نظریات کے بجائے مشاہدے اور عملی تجربے کے ذریعے تحقیق کے نتائج پر پہنچا جاتا ہی۔ صرف اُنہیں حقائق کو تسلیم کیا جاتا ہے جو حسی مشاہدات کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔

- **ایجابیت (Positivism)**

ایجابیت صرف مادی اور قابل مشاہدہ مظاہر کو تسلیم کرنے کا ایک نظریہ ہے۔ اس نظریہ کے تحت صرف اُن حقائق کو قبول کیا جاتا ہے جو ظاہری طور پر حواس خمسہ کو قبول ہوتے ہیں۔

- **تقابلی سیاست (Comparative Politics)**

تقابلی سیاست بیرونی ممالک میں سیاست کا مطالعہ ہے۔ تقابلی سیاست مختلف ممالک، شہریوں، مختلف سیاسی اکائیوں کا مکمل یا جزوی طور پر تقابلی مطالعہ ہے

- **سِٹی مملکت (City State) یا پولس (Polis)**

قدیم یونان کو تقریباً ایک ہزار علاقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ان ارضی علاقوں میں کچھ بہت چھوٹے تھے اور کچھ بہت بڑے۔ ان علاقوں کو سِٹی مملکت (City State) یا پولس (Polis) کہا جاتا تھا۔

1.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

1.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Anwer Type Questions)

1۔ سیاسیات کا بانی کس کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

(a) ارسطو (b) افلاطون (c) پائتھاگورس (d) یہ تمام

2۔ نظم و نسق عامہ سیاسیات کا اطلاقی پہلو ہے۔ یہ حکومت کی کس شاخ کی ترجمانی کرتا ہے؟

(a) مقننہ (b) عاملہ (c) عدلیہ (d) میڈیا

3۔ تعلیمی ادارے 'دی اکیڈمی' کا بانی کون تھا؟

(a) ارسطو (b) افلاطون (c) پائتھاگورس (d) جارج واشنگٹن

4۔ قانون سازی کا عمل حکومت کی کون سی شاخ انجام دیتی ہے؟

(a) مقننہ (b) عاملہ (c) عدلیہ (d) میڈیا

5۔ دی اسٹڈی آف ایڈمنسٹریشن (The Study Administration) نامی مضمون کس کی تصنیف ہے؟

(a) ووڈرو ولسن (b) ایف گڈناؤ (c) کارل مارکس (d) ارسطو

6۔ انتخابات میں ووٹنگ کرنا کس طرح کا طریق عمل ہے؟

(a) سیاسی طریق عمل (b) سماجی طریق عمل (c) اشتراکی طریق عمل (d) معاشی طریق عمل

7۔ ہندوستان کے کس وزیر اعظم نے تعلیم کو ایک 'فلاحی اور جمہوری قوت' (Liberating and Democratising Force) قرار دیا؟

(a) جواہر لعل نہرو (b) اندرا گاندھی (c) راجیو گاندھی (d) منموہن سنگھ

8۔ قدیم یونانی مملکتوں کو کیا کہا جاتا تھا؟

(a) پولس (b) سِٹی مملکت (c) یہ دونوں (d) ان میں کوئی نہیں

9۔ "سیاسیات کی ابتدا اور انتہا مملکت سے ہوتی ہے۔" یہ کس کا قول ہے؟

(a) میکس ویبر (b) ڈی گورنے (c) لاسکی (d) گارنر

10۔ہندوستانی پارلیمنٹ کے اجزا ہیں:

(a) لوک سبھا (b) راجیہ سبھا (c) صدر جمہوریہ (d) یہ سبھی

1.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ سیاسیات کی اہمیت بیان کیجیے؟

2۔ ارسطو نے سیاسیات کو سب سے بہترین علم کیوں قرار دیا؟

3۔ سیاسیات میں سیاسی اداروں کی کیا اہمیت ہے؟

4۔ نظم ونسق عامہ سیاسیات کا اطلاقی پہلو ہے ۔وضاحت کریں۔

5۔ سیاسیات کی اصطلاح پر ایک نوٹ لکھیے۔ارسطو نے سیاسیات کو عملی علم کیوں قرار دیا؟

1.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ سیاسیات کے مختلف اجزا پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

2۔ سیاسیات کا مطالعہ کرنا کیوں ضروری ہے؟

3۔ بطور سماجی علم سیاسیات کی ماہیت کو بیان کیجیے؟

1.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. O.P. Gauba (2017), An Introduction to Political Theory, Macmillan, New Delhi
2. Andrew Heywood (2005), Political Theory, Palgrave, Macmillan, New York
3. Andrew Heywood(2012), Political Ideologies, Palgrave, Macmillan, London
4. Will Kymlicka(2002), Contemporary Political Philosophy, Oxford University Press
5. P.M. Bakshi(2017), The Constitution of India, Universal Law Publishers, Lucknow
6. S. Mukherjee and S. Ramaswamy (2011) , A History of Political Thought, PHI Learning Pvt. Ltd., New Delhi
7. A. K. Mukhopadhyay, Western Political Thought, Calcutta - KP Bagchi and Company.
8. Amal Ray and Mohit Bhattacharya Mohit (1962), 'Political Theory, Ideas and

Institutions' Word Press, Calcutta

9. P.G. Das(1996), Modern Political Theory, New Central Book Agency (P) Ltd, Calcutta.
10. D. Gauthier(1977), The Social Contract as Ideology, Philosophy and Public Affairs.
11. Almond, G. A. & Bingham, G. Powell Jr. (1966), Comparative Politics: System, Process, and Policy. Boston: Little, Brown, USA
12. Barrow, C. W. (1993), Critical Theories of the State: Marxist , Neo -Marxist, Post Marxist. Madison : University of Winsconsin Press.
13. Bernard, C. (1972), In Defence of Politics. University of Chicago Press
14. Easten, D. (1953), The Political System: An Inquiry into the State of Political Science. New York: Alfred A. Knopf.

اکائی 2 ۔ علم سیاسیات : معنی اور تعریفیں

(Political Science: Meaning and Definitions)

اکائی کے اجزا

2.0 تمہید
2.1 مقاصد
2.2 علم سیاسیات: معنی اور تعریفیں
2.2.1 علم سیاسیات کی اہمیت
2.2.1.1 علم سیاسیات کیوں پڑھیں؟
2.2.1.2 آج کے تناظر میں علم سیاسیات پڑھنے کی وجوہات
2.2.2 علم سیاسیات کی تاریخ
2.2.2.1 قدیم
2.2.2.2 وسطیٰ
2.2.2.3 عصر حاضر
2.2.3 علم سیاسیات کے معنی
2.2.3.1 اشتقاقی معنی
2.2.3.2 ارتقا، معنی و مفہوم
2.2.4 علم سیاسیات کی تعریفیں
2.2.5 علم سیاسیات کی نوعیت
2.2.5.1 کیا یہ سائنس ہے؟
2.2.5.2 کیا یہ فن ہے؟
2.2.5.3 سیاست یا علم سیاسیات
2.2.6 علم سیاسیات کا دائرہ کار

2.2.6.1 دائرہ کار کا مفہوم
2.2.6.2 علم سیاسیات کے شعبہ جات
2.3 اکتسابی نتائج
2.4 کلیدی الفاظ
2.5 نمونہ امتحانی سوالات
2.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
2.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
2.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
2.6 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

2.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں طلبا علم سیاسیات کے معنی اور تعریفوں سے روشناس ہوں گے۔ اس اکائی میں بتایا جائے گا کہ علم سیاسیات کے مقاصد کیا ہیں؟ علم سیاسیات کی اہمیت سے بھی طلبا کو آگاہ کیا جائے گا۔ علم سیاسیات کی تاریخ کیا ہے؟ یعنی مختلف ادوار میں علم سیاسیات کی صورت حال کیا تھی۔ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ علم سیاسیات نے کس طرح ارتقا کی منازل کو طے کیا۔ اس کے اشتقاقی معنی سے طلبا کو روشناس کرایا جائے گا۔ چند تعریفیں بیان کرکے علم سیاسیات کے مفہوم کو مزید واضح کیا جائے گا۔ ساتھ ہی اس کی نوعیت کا اندازہ بھی کیا جائے گا یعنی علم سیاسیات سائنس ہے یا فن ہے یا دونوں۔ اسی اکائی میں علم سیاسیات کی دائرہ کار کا بھی مطالعہ کیا جائے گا۔ اکائی پر بحث کرنے کے بعد اکتسابی نتائج جاننے کے لیے لیے معروضی اور مختصر سوالات دیے جائیں گے۔

2.1 مقاصد (Objectives)

- علم سیاسیات کی اہمیت اور تاریخ کو سمجھنا۔
- علم سیاسیات کے مفہوم، اشتقاقی معنی اور مختلف تعریفوں کو سمجھنا اور ان کا علم حاصل کرنا۔
- علم سیاسیات کی نوعیت اور دائرہ کار کو سمجھنا۔

2.2 علم سیاسیات: معنی اور تعریفیں(Political Science: Meaning and Definitions)

2.2.1 علم سیاسیات کی اہمیت (Importance of Political Science)

علم سیاسیات کی اہمیت جاننے کے لیے ہمیں مندرجہ نکات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

2.2.1.1 علم سیاسیات کیوں پڑھیں؟ (Why to study Political Science?)

کیا علم سیاسیات کا مضمون کا انتخاب کرتے وقت آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ ہم علم سیاسیات کیوں پڑھیں ؟اس سوال کے ذہن میں آتے ہی دوسرے مختلف سوالات بھی ابھرنے لگتے ہیں جیسے کیا آپ کو سیاست میں دلچسپی ہے؟ کیا آپ سیاست میں قدم رکھنے والے ہیں؟ کیا آپ سیاسی مبصر بننے والے ہیں؟ کیا آپ ملک اور دنیا کے حالات سے پریشان ہیں؟ کیا آپ ایک اچھی حکومت چاہتے ہیں؟ کیا آپ علم سیاسیات اس لیے پڑھنا چاہتے ہیں کہ اسے آپ اپنا ذریعہ روزگار بنائیں گے؟ علم سیاسیات کا مطالعہ کرنے والے طلبا کے ذہن میں عام طور سے یہ سوالات آتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم سیاسیات شروع سے ہی ایک مقبول مضمون رہا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہی لوگ سیاسیات کا علم حاصل کرتے ہیں جنہیں یا تو اس میں دلچسپی ہوتی ہے یا وہ اسے ذریعۂ معاش بنانا چاہتے ہیں بلکہ حکومت کرنے والے منتخب نمائندے، مختلف سیاسی جماعتوں کے سربراہاں، کارکنان یا عام سیاسی آدمی بھی سیاسیات کا علم حاصل کرتے ہیں۔ جہاں تک ذریعۂ معاش کا تعلق ہے علم سیاسیات کا دامن بہت وسیع ہے۔ علم سیاسیات کی ہی نہیں بلکہ کسی مضمون کا انتخاب کرتے وقت یہ سوال کرنا چاہیے کہ اس مضمون کو ہم کیوں پڑھیں یا اس مضمون کے پڑھنے سے آپ کو کیا حاصل ہوگا۔ اگر آپ کو ان سوالوں کے صحیح جواب مل جاتے ہیں تو آپ کو اپنا مضمون اور اپنا ذریعۂ معاش کا انتخاب کرنے میں پریشانی نہیں ہوگی۔

2.2.1.2 آج کے تناظر میں علم سیاسیات پڑھنے کی وجوہات

(Reason to Study of Political Scinece in Contemporary Context)

اگر آپ 25 سے 30 سال پیچھے مڑ کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا اور ہمارے ملک نے اتنی ترقی نہیں کی تھی جتنا کہ اب کی ہے۔ نہ ہی ہمارے مواصلاتی نظام نے اتنی ترقی کی تھی۔ آج ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے دور میں دنیا سکڑ کر ہماری ہتھیلی میں آگئی ہے۔ گھر بیٹھے ہم پوری دنیا کا حال چند سیکنڈوں میں معلوم کر سکتے ہیں۔ آج زیادہ تر لوگ اسمارٹ فون، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، انٹرنیٹ کا استعمال کر رہے ہیں اور دنیا میں ہونے والی کسی بھی ہل چل کی خبر فوراً مل جاتی ہے۔ دنیا اور ہمارے ملک کی ترقی کے ساتھ ساتھ علم سیاسیات کی اہمیت بھی بڑھ گئی ہے کیوں کہ دنیا میں، قومی سطح یا مقامی سطح پر کچھ بھی واقعہ یا حادثہ رونما ہوتا ہے وہ ٹوئٹر، واٹس ایپ، انسٹا گرام، ٹی وی چینلوں پر آگ کی طرح پھیل جاتا ہے ایسے موقعوں پر سیاسی پارٹیاں، پریشر گروپس، کاروباری لوگ اپنے مفاد کے لیے سیاست شروع کر دیتے ہیں۔ عام لوگوں تک نہ جانے کتنی سچی اور جھوٹی خبریں پھیلنے لگتی ہیں، جس سے سماج کے ماحول میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ علم سیاسیات کے ایک اچھے طالب علم کے لیے

ضروری ہے کہ وہ ماحول کو خراب ہونے سے بچائے اور مثبت رول ادا کرے۔

2.2 .2 علم سیاسیات کی تاریخ (History of Political Science)

علم سیاسیات کی تاریخ کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

2.2.2.1 قدیم (Ancient)

یوں تو انسان کی پیدائش اور اس کی ضروریات کے ساتھ ہی سیاست کی تاریخ شروع ہوگئی تھی۔ دراصل سیاست کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے لیکن اس کی باقاعدہ تاریخ ہمیں آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے ایتھینس سے ملتی ہے۔اسٹینفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی انکشاف کرتا ہے کہ علم سیاسیات کا شعبہ ٔ ایک سماجی علم ہے جو 2500 سال قبل افلاطون اور ارسطو کی تحریروں سے شروع ہوا۔ جنہوں نے اسے مملکت کے مطالعے کے طور پر بیان کیا اور وہ اپنے شہریوں کی زیادہ سے زیادہ بھلائی میں دلچسپی رکھتے تھے۔ مغرب کے مشہور مفکر افلاطون (Plato) کے استعارات سے شروع ہوئی حالاں کہ زیادہ تر مفکرین ارسطو(Aristotle) سے ہی سیاست کی تاریخ کو جوڑتے ہیں کیوں کہ اس نے باقاعدہ سیاست کا مطالعہ کیا تھا۔ ارسطو کے شاگردوں نے 150 سے زائد یونانی شہری مملکتوں کا ذکر کیا ہے۔ ارسطو نے اپنے سیاسی نظام کو سمجھانے کے لیے چھ سطحی قسموں کو بیان کیا ہے۔اس میں حکومت کرنے والا ایک شخص ہو سکتا ہے، کچھ لوگ ہو سکتے ہیں یا بہت سے لوگ ہو سکتے ہیں۔اگر یہ لوگ عوام کی بھلائی کے لیے کام کرتے ہیں تو اس نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اگر وہ لوگ اپنے مفاد کے لیے کام کرتے ہیں تو وہ بدعنوان ہیں۔ جائز طریقوں سے حکومت کرنے والوں میں بادشاہت(Monarchy) یعنی ایک شخص کے ذریعے حکومت، امرا کی حکومت (Aristocracy) یعنی کچھ لوگوں کی حکومت، اور (Polity) بہت سے لوگوں کی حکومت۔ اس کے برعکس بدعنوان شکلیں (Tyranny) یعنی جابرانہ حکومت، (Oligarchy) یعنی مطلق العنان طبقہ ٔ امرا کی حکومت اور (Democracy) یعنی جمہوریت۔ ارسطو نے جمہوریت کو سب سے خراب حکومت بتایا تھا۔ اس نے اسے بھیڑ سے مترادف کیا۔ اس نے پولیٹی کو سب سے اچھی حکومت قرار دیا ہے۔اس کا ماننا تھا کہ اگر حکومت میں متوسط طبقے کی کی شمولیت زیادہ ہوگی تو وہ اچھی حکومت دے سکتے ہیں۔ افلاطون اور ارسطو نے شہری مملکتوں پر زیادہ زور دیا تھا۔ ان کے مطابق اس میں سماج اور سیاسی نظام دونوں شامل ہوتے ہیں۔

اسٹینفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی (Stanford Encyclopedia of Philosophy) انکشاف کرتا ہے کہ علم سیاسیات کا شعبہ ٔ ایک سماجی علم ہے جو 2500 سال قبل افلاطون اور ارسطو کی فکر اور تحریروں سے شروع ہوا۔ جنہوں نے اسے مملکت کے مطالعے کے طور پر بیان کیا اور وہ اپنے شہریوں کی زیادہ سے زیادہ بھلائی میں دلچسپی رکھتے تھے۔

قدیم زمانے میں چین میں کنفیوشس(Confucius 551-479BC) ،ہندوستان میں کوٹلیہ (Kautilya 300BC) وغیرہ نے بھی سیاست کا تجزیہ کیا۔ سیسرو (Cicero 106-43BC) کا ماننا تھا کہ سب لوگ تہذیبی نقطہ ٔ نظر سے برابر ہیں۔ عیسائیت کے شروع کے دور میں آگسٹین(Augustine 354-430AD) نے دنیا سے زیادہ آخرت کو اہمیت دی۔ بعد میں ارسطو کے فلسفے کو یورپ نے ایک طرح سے بھلا دیا تھا لیکن عرب کے فلسفیوں ابو نصر محمد بن محمد فارابی (al-Farabi 870-950) ابن رشد (Averroes 1126-

1198) نے اسے زندہ رکھا۔ابن خلدون(1332-1406) نے شمالی افریقہ میں عرب سیاست کو متاثر کیا۔

بارہ سو سال کے بعد اسپین نے یورپ میں ارسطو کے خیالات کو پھر اجاگر کیا۔ سینٹ تھامس ایکونس (St. Thomas Aquinas 1224-1274) نے ارسطو کے فلسفے کو اخلاقیات کے لیے استعمال کیا۔اس نے بادشاہت کی وکالت کی۔ دانتے (Dante Alighieri 1265-1321) نے ایک بین الاقوامی دنیا حکومت کی بات کی جب کہ مارسیلیس (Marsilius 1280-1343) نے سیکولر قدروں کی وکالت کی اور چرچ کی جگہ مملکت کو قانون بنانے کے اختیارات کی بات کی۔

2.2.2.2 وسطیٰ (Meideval)

میکاولی (Machiavelli-1527-1469) جدید علم سیاست کا بانی کہلاتا ہے۔اپنی کتاب" پرنس" میں اس ے فلورینس کے حکمرانوں سے خطاب کیا ہے۔ میکالوی کا فلسفہ وجوہات پر مبنی تھا۔اس نے شہزادوں کو سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے حقیقت پسندانہ مشورے دیے۔اس نے مارسیلیئس کے ذریعے سیاست میں شروع کیے گئے سیکولرایزیشن کے نظریے کو آگے بڑھایا۔ میکاولی کے مطابق بادشاہ کو لومڑی کی طرح چالاک اور شیر کی طرح طاقت ور ہونا چاہیے۔ تھامس ہابس(Thomas Hobbs 1588-1679)نے بھی طاقت کو اپنے سیاسی تجزیے کا مرکز بنایا۔اس کے نظریات کے مطابق اپنے تحفظ اور موت کے خوف سے امن وامان کی زندگی گزارنے کے لیے لوگ متحد ہو کر طاقت کسی ایک خود مختار اتھارٹی بادشاہ کے سپرد کر کے ایک سوسائٹی تشکیل کرتے ہیں جس میں ہر ایک کے حقوق اور فرائض کی وضاحت ہوتی ہے۔اسی طرح ایک اور مشہور فلسفی جان لاک (John Lock 1632-1704)نے انگریزی خانہ جنگی کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ان کا کہنا تھا کہ لوگ اپنے قدرتی حقوق "زندگی، آزادی اور جائداد" کے تحفظ کے لیے سماجی معاہدہ (Social Contract) کرتے ہیں اور اگر حکومت ان کے قدرتی حقوق کے تحفظ میں ناکام رہتی ہے تو اسے ختم کر دینا چاہیے۔لاک کے خیالات کا امریکہ کی سیاست پر کافی اثر ہوا۔امریکہ کی آزادی کا مسودہ لکھنے والوں میں سے تھامس جیفرسن (Thomas Jefferson 1743-1826)اس سے بہت متاثر تھے۔جون جیکس روسو(John Jacques Rousseau 1712-1778) کے مطابق سماجی معاہدہ ایک سول سوسائٹی کی تشکیل دیتا ہے جس میں افراد مشترکہ طور پر عوامی خواہش کے لیے انفرادی خواہشات کو ترک کر دیتے ہیں۔

مانٹیسکو (Montesquieu 1689-1755) نے جدید تقابلی سیاست کو بڑھاوا دیا۔انگلینڈ میں آزادی وہاں کی پارلیمنٹ اور بادشاہت کے درمیان اقتدار کی علاحدگی اور توازن پر مبنی ہے۔امریکہ میں بھی اسی اصول کو اپنایا گیا۔مانٹیسکو نے حکمرانی کا جدید تجزیہ کیا جیسے جمہوریت خوبی پر مبنی ہے، بادشاہت عزت واحترام پر جب کہ آمریت خوف پر مبنی ہے۔ اس کے تجزیے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکومتیں طاقت سے نہیں بلکہ عوامی پالیسیوں سے چلتی ہیں۔ایڈم اسمتھ(Adam Smith 1723-1790) نے معاشی آزاد خیالی کو بنیاد بنایا۔اس کے خیال میں مملکتوں کو معاہدوں کے نفاذ تک ہی محدود رہنا چاہیے۔جب کہ اس کے برخلاف ایڈمنڈ برک (Edmond Burke 1729-1797)نے قائم شدہ اقدار اور اداروں کو معاشرے کالازمی عنصر قرار دیا۔اس نے ایک اہم نفسیاتی اور ثقافتی بصیرت کا تعارف کرایا کہ سیاسی نظام زندہ حیاتیات ہیں جو صدیوں پر محیط ہیں۔ جین بودین(Jean Bodin 1530- 1596) نے اقتدار اعلا کا

نظریہ پیش کیا جس میں مملکت کو ایک مخصوص علاقے میں قانون کا آخری ذریعہ قرار دیا۔ بودین نے جدید مملکت کی بنیاد ڈالتے ہوئے قومی حکومت کا جواز پیش کیا۔

2.2.2.3 عصری (Modern)

اگر عصری علم سیاست کی بات کریں تو اس کی جڑیں ہمیں انیسویں صدی میں ملتی ہیں جب قدرتی علوم کی تیز رفتار نشوونما نے ایک نئی سماجی سائنس کی تخلیق کے لیے جوش وخروش پیدا کیا۔ ان میں کامٹے ڈیسٹٹ ڈی ٹریسی (Comte Destutt de Tracy 1754-1836) بھی تھے جنہوں نے اپنے سائنسی نظریات کے لیے اصطلاح 'نظریہ (ideology)' کو فروغ دیا۔ تجرباتی تحریک کے اہم رکن ہنری ڈی سینٹ سائمن (Henry de Saint Simon 1760-1825) جو عیسائی سوشلزم کے بانی تھے، کا کہنا تھا کہ اخلاقیات اور سیاست ایک مثبت علوم بن سکتے ہیں۔ فلسفی آگسٹ کامٹے (Auguste Comte 1798-1857) جنہیں سماجیات کا بانی سمجھا جاتا ہے، نے دعوی کیا تھا کہ سیاست ایک سماجی طبیعیات بن جائے گی اور معاشی ترقی کے سائنسی قوانین تیار کرے گی۔

انیسویں صدی میں سیاست کے لیے سائنسی نقطۂ نظر نے دو الگ الگ خطوط کشیدہ کیے ہیں۔ مورخ اور سائنس داں الیکس ڈی ٹوکویل (Alexis de Tocqueville 1820-1895) نے امریکہ کی جمہوریت کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ امریکیوں نے انجمن کے فن کو فروغ دیا اور وہ مساوی گروپ بنانے والے تھے۔

فرانس:1872 (Ecole Libre des Sciences Politiques) علم سیاسیات کا پہلا مکتب

انگلینڈ:1895 (London School of Economics and Political Science) کی سنگ بنیاد

آکسفورڈ:1912 (First Chair of Politics) آکسفورڈ یونیورسٹی میں قائم

اشتراکی مفکر کارل مارکس (Karl Marx 1818-1883) اور فریڈرک اینجلس (Friedrich Engels 1820-1895) کے خیالات کے ساتھ ڈی ٹوکویل کے خیالات کا تصادم ہے۔ انہوں نے مملکت کے مادیت پسندی اور معاشی نظریے کو تسلط کے آلہ کے طور پر فروغ دیا۔ ان کے مطابق رائج اقدار اور ثقافت صرف حکمران طبقے کی نمائندگی کرتی ہے اور بہت جلد یہ صنعتی مزدور طبقے کے ذریعے اقتدار سے ہٹا دیے جائیں گے اور وہ منصفانہ اور یکسانیت کی شکل میں سوشلزم کو قائم کریں گے۔

1872 میں علم سیاسیات کا پہلا مکتب (Ecole Libre des Sciences Politiques) فرانس میں قائم کیا گیا اور 1895 میں انگلینڈ میں لندن اسکول آف اکنامکس اور علم سیاسیات کی بنیاد رکھی گئی اور سیاست کی پہلی چیئر 1912 میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں قائم کی گئی۔ سیاسی ماہر روڈولف کیجیلن (Rudolf Kjellen 1864-1922) نے مملکت کو جغرافیہ کے ذریعے طے شدہ عضوی اور ثقافتی امتزاج بتایا۔ کیجیلن کو جیوپولیٹک کی اصطلاح کا بانی کہا جاتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد اس اصطلاح کو کافی اہمیت ملی۔ ماہر عمرانیات میکس ویبر (Max Weber 1864-1920) جس نے مارکس کے خیالات کو رد کر کے ڈی ٹوکویل سے قربت حاصل کی اور انیسویں اور بیسویں صدی کا ایک اہم سیاسی مفکر بن کر ابھرا۔ مارکس نے پروٹیسٹنٹ ازم کے لیے سرمایہ دارانہ نظام کو موردالزام ٹھہرایا تھا ویبر نے اس

خیال کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ پروٹیسٹنٹ ازم نے سرمایہ دارانہ نظام کو متحرک کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ مذہب اور تہذیب سماج کے معاشی ڈھانچے اور سیاسی نظام پر اثر ڈالتے ہیں۔ ویبر نے اختیارات کی تین قسموں کو بیان کیا۔ روایتی یعنی بادشاہوں کی طرح، کرشماتی یعنی رہنماؤں کی خصوصیات جس کی بنا پر وہ عوام کو اپنی طرف کھینچتے ہیں اور عقلی۔ قانونی جو جدید معاشرے کی خصوصیات ہیں۔ ویبر نے بیوروکریسی ,نوکر شاہی کی اصطلاح تیار کی۔ اس کے نظریات جس میں ثقافت کو معاشی نمو اور جمہوریت کے ایک اہم وسیلے کے طور پر پیش کیا۔

اس کے علاوہ معاشی اور سیاسی تجزیہ کار والٹر بیگہاٹ (Walter Bagehot 1826-1877)، جیمز برائس (James Bryce 1838-1922)، ایک اور سیاسی ماہر موسی اوسٹگرسکی (Moisey Ostrogorsky 1854-1919) جنہوں نے جمہوریت اور سیاسی جماعتوں کی تنظیم میں پارٹیوں ، انتخابات اور رائے شماری کے مطالعے کا آغاز کیا، ہربرٹ ٹنگسٹن (Herbert Tingsten 1896-1973) نے سماجی گروپوں اور ان کے ووٹنگ کے رجحانات کے مابین روابط استوار کیے۔ یہاں مختصراً سیاسی ثقافت کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی ملک یا قوم کی سیاسی نفسیات، اس میں ایک معاشرے سے گہرا لگاؤ اور اس کی دیرینہ اقدار ہیں جو کچھ خاص امور پر رویوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

2.2.3 علم سیاسیات کے معنی (Meaning of Political Science)

2.2.3.1 اشتقاقی معنی (Derived Meaning)

علم سیاسیات یونانی لفظ پولس (Polis) جس کا مطلب شہری مملکت ہے، یعنی شہروں یا مملکت کے امور کے لیے اور لاطینی لفظ سکائیر (Scire) جس کے معنی سائنس یا علم ہے، سے ماخوذ ہے۔ اس لیے علم سیاسیات کا مطلب ہے شہر سے متعلق مطالعہ ہے۔ یونانی اصطلاح پولس کا ترجمہ ''سٹی مملکت'' کے طور پر کیا گیا ہے۔ اس کا ترجمہ شہر، مملکت یا پولس کے طور پر بھی کیا گیا ہے۔ دراصل ایتھنز اور اسپارٹا جیسی سٹی اسٹیٹس نسبتاً چھوٹی اور مربوط اکائیاں ہوتی تھیں جس میں مذہبی، سیاسی اور ثقافتی امور ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ جدید قومی مملکتوں کے ساتھ ان کی مماثلت کی حدیں متنازعہ ہیں۔

علم سیاسیات کیا ہے؟ (What is Political Science)

علم سیاسیات کا تعلق لوگوں کی عملی کارکردگی سے ہے اس لیے سیاست کو عملی سائنس میں شمار کیا جاتا ہے۔ سیاسی سائنس داں اس کی وضاحت ایک ایسے سماجی علم کے طور پر کرتے ہیں جو مملکت کی نوعیت، شکل، مظہر، تنظیم اور ترقی میں مملکت کے منظم مطالعہ سے متعلق ہے۔ ارسطو نے لفظ 'politics' کے لیے لفظ 'politike' کا استعمال کیا جو علم سیاسیات کے لیے محدود ہے یعنی اس سے علم سیاسیات کا مفہوم واضح نہیں ہوتا ہے۔ علم سیاسیات علم کی تین شاخوں میں سے ایک ہے۔ ایک غور وفکر کا علم جس میں طبیعات اور مابعد طبیعات آتی ہیں جو اپنی خاطر حق اور علم کو تلاش کرتی ہے، دوسرا عملی علم ہے جس کا تعلق اچھے کاموں سے ہے اور تیسرا علم ہے جس کا تعلق ثمر آوری یا نتیجہ خیز کارکردگی سے ہے۔ کیونکہ علم سیاسیات کا تعلق لوگوں کی عملی کارکردگی سے ہے اس لیے سیاست کو عملی سائنس میں شمار کیا جاتا ہے۔ سیاسی سائنس داں اس کی وضاحت ایک ایسے سماجی علم کے طور پر کرتے ہیں جو مملکت کی نوعیت، شکل، مظہر، تنظیم اور ترقی میں مملکت کے

منظم مطالعہ سے متعلق ہے۔

سیاست عربی زبان کا لفظ ہے۔ فیروز اللغات اور مرکزی اردو بورڈ کی لغت میں اس کے معنی ہیں: بادشاہت کرنے کا طریقہ، نگہبانی، تنبیہ کرنا، لوگوں کو قصور اور جرم کی سزا دینا، دبدبہ، رعب وغیرہ ہیں۔

2.2.3.2 ارتقا، معنی و مفہوم (Evolution and Meaning)

ہم نے اوپر علم سیاسیات کی تاریخ بیان کرتے وقت بہت سے مفکرین اور فلسفیوں کے توسط سے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کس دور میں علم سیاسیات کا مفہوم کیا تھا اور وہ عصر حاضر میں اس کی شکل کس طرح ہم تک منتقل ہوئی۔ یونان جہاں سے اس علم کی شروعات ہوئی وہاں کے عظیم فلسفیوں افلاطون اور ارسطو نے اس کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت علم سیاسیات زیادہ تر فلسفے پر مبنی تھا۔ اس وقت علم سیاسیات میں شہروں یا پولس مملکت کی سیاست ہی شامل تھی۔ ارسطو نے کہا تھا کہ انسان سیاسی حیوان ہے۔ یہ ہم سب جانتے ہیں کہ انسان ضروریات کا پتلا ہے اور شروع سے ہی انسان اکیلا نہیں رہا بلکہ اس کی ضرورتوں نے اسے ایک دوسرے سے مل کر رہنا سکھایا۔ انسان ایک دوسرے سے مل کر اس وقت ہی رہ سکتا ہے جب وہ دوسروں کی ضروریات اور خواہشات کو بھی اہمیت دے۔ ظاہر سی بات ہے جب ہم ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہتے ہیں تو ہم اپنی من مانی نہیں کر سکتے ہیں اس لیے ہمیں کچھ ضوابط اور قواعد کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ اگر کوئی شخص ان ضوابط و قوائد کی پاس داری نہیں رکھتا یا انہیں نہیں مانتا تو کون اس سے ان کی پابندی کروائے۔ ان ضوابط و قواعد کی پابندی کے لیے حکومتیں وجود میں آئیں۔ ایتھینز اور اسپارٹا میں چھوٹے چھوٹے شہر اور مملکتیں تھیں اور ہر شہر ہر مملکت اپنا نظم و نسق دیکھتی تھی جو آج سے قدرے مختلف تھا۔

ہر دور میں علم سیاسیات کا مفہوم بدلتا گیا رومن بادشاہوں کے زمانے میں سیاست کو نئی جہات ملیں۔ اس وقت سیاست کا مطالعہ سلطنتوں اور دیگر حکومتوں کی تواریخ سمجھنے، حکومت کرنے کے طریقوں اور حکومتوں کے طرز عمل کو سمجھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ عام طور سے عہد وسطیٰ میں ریاست کا محور چرچ تھے اور پادریوں کو حکومتوں کو بنانے اور بگاڑنے میں بہت اہمیت حاصل تھی لیکن اس وقت تک علم سیاسیات کا مفہوم وسیع ہو گیا ہے۔ آج ہم دیکھیں تو سیاسیات سے کوئی بھی پہلو اچھوتا نہیں ہے یعنی اس میں کسی بھی معاشرے، ملک، مملکت کے اندرونی معاملات شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک ملک کے دوسرے ملک سے تعلقات، ملکوں کے آپس میں تعلقات، جغرافیائی حالات، معاشی حالات، سفارتی تعلقات، فوج، جنگ، ماحولیات، آبادکاری وغیرہ تقریباً ہر بات شامل ہے یعنی آج کے دور میں علم سیاسیات زندگی کے ہر شعبے سے منسلک ہو گیا ہے۔

یہاں ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ علم سیاسیات کیا ہے؟ علم سیاسیات مقامی، مملکتی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر حکومت اور سیاست کے نظریے اور عمل پر مرکوز ہے۔ آج یہ گھریلو، قومی، بین الاقوامی اور تقابلی نقطۂ نظر سے سیاست اور طاقت کا مطالعہ ہے۔ اس میں نظریے، سیاسی نظریات،، اداروں، منصوبوں، عمل اور طرز عمل کے ساتھ ساتھ گروہ، طبقات، حکومتوں، ماحولیات، سفارت کاری، قانون، حکمت عملی، تصادم اور دیگر معاملات کو سمجھنا شامل ہے۔ اس میں دیگر علوم کو بھی شامل کیا گیا ہے جیسے سیاسی فلسفہ، سیاسی نفسیات، سیاسی

اخلاقیات، سیاسی معاشیات، سیاسی جغرافیہ وغیرہ۔

علم سیاسیات کا بنیادی موضوع مملکت ہے اور یہ علم اس کا احاطہ کرتا ہے۔ مملکت کے بارے جب بھی ہم کچھ معلومات حاصل کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مملکت کا کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جس کا تعلق سیاست سے نہ ہو۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ لوگ جس جگہ رہتے ہیں وہاں کچھ نہ کچھ ضروریات اور مسائل ہوتے ہیں۔ یہ ضروریات اور مسائل جگہ جگہ اور لوگوں کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ ان ضروریات کو پورا کرنے اور مسائل کو حل کرنے کے لیے ہمیں حکومت کی ضرورت ہوتی ہے اور حکومت اسی وقت ان ضروریات کو پورا کرتی ہے اور مسائل کا حل کرتی ہے جب اس کے پاس طاقت ہوتی ہے۔ اگر ہم علم سیاسیات کا تجزیہ کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ علم سیاسیات کا مطالعہ مندرجہ ذیل نکات کی بنا پر کیا جا سکتا ہے:۔

1۔ مملکت کے مطالعے کے لیے علم سیاسیات (Political Science as Study for State): روایتی طور پر علم سیاسیات مملکت کے علم کا مطالعہ ہے۔ بہت سے مفکرین جیسے بلنٹشیلی، آر۔ جے۔ گیٹل، جے۔ ڈبلیو گارنر وغیرہ نے علم سیاسیات کو مملکت کے مطالعے کا علم بتایا۔ گارنر کا ماننا تھا کہ علم سیاسیات کی شروعات اور خاتمہ مملکت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنے ہی ملک کی بات کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک کی سرحدوں کے لیے دوسرے ملکوں سے تنازعہ اور اپنے ہی ملک میں مختلف امور کو لے کر اندرونی مملکتوں میں تنازعہ جیسے مختلف مملکتوں میں رہنے والے لوگ اپنے خطے کی الگ مملکت بنانے کے لیے آوازیں اٹھاتے ہیں اور اس طرح کی بہت سی مملکتیں قائم بھی ہوئی ہیں جیسے جھارکھنڈ، چھتیس گڑھ، اترا کھنڈ، تلنگانہ وغیرہ۔

2۔ حکومت کے مطالعے کے طور پر علم سیاسیات (Political Science as Study of Government): پال جینٹ، جارج کیٹلن، ہنس ایلن وغیرہ کا ماننا تھا کہ علم سیاسیات کا تعلق مملکت کے ساتھ حکومت سے بھی ہے۔ پال جینٹ کہتا ہے کہ علم سیاسیات مملکت کی بنیادوں اور حکومت کے اصولوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمارے ہی ملک میں مرکزی حکومت اور مملکتی حکومتوں میں کسی نہ کسی بات کو لے کر تنازعہ رہتا ہے۔

3۔ طاقت کے مطالعے کے طور پر علم سیاسیات (Political Science as a Study for Power): بہت سارے مفکرین اس بات کو مانتے ہیں کہ علم سیاسیات طاقت کا مطالعہ ہے۔ ڈیوڈ ایسٹن کہتا ہے کہ طاقت ایک ایسا رشتہ ہے جس میں افراد کا ایک گروہ اپنے اپنے انجام کی سمت میں دوسروں کے اعمال کا تعین کرنے کا اہل ہوتا ہے۔ ہم نے یہ دیکھا ہے کہ جب کسی بھی سیاسی پارٹی کو مکمل اکثریت مل جاتی ہے تو وہ طاقت کا بے پناہ استعمال کرتی ہیں اور عام طور سے طاقت کا استعمال حکمران جماعتیں کرتی ہیں۔

4۔ تنازعات کے حل کے مطالعے کے طور پر علم سیاسیات (Political Science as a Study to Resolve Disputes): ملر کہتا ہے کہ سیاسی سرگرمی کا مقصد یا تو تبدیلی لانا ہوتا ہے یا تبدیلی کی مزاحمت کرنا ہوتا ہے۔ لوگ اپنی ضرورتوں کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ جب وسائل محدود ہوتے ہیں اور زیادہ لوگ ان کو استعمال کرنا چاہتے ہیں تو آپس میں تنازعات پیدا ہوتے ہیں اور سیاست ان کو حل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ سیاسی مفکرین کسی بھی مسئلے یا تنازعے پر اپنی اپنی رائے اور نظریے پیش کرتے ہیں اور وہ حکومتوں

کو مشورے دیتے ہیں۔ حکومتیں ان کے مشوروں پر عمل کر کے تنازعات کے حل نکالتی ہیں۔ علم سیاسیات کا استعمال مملکت، حکومت، طاقت اور تنازعات کے حل کے مطالعے کے طور پر کیا جاتا ہے

2.2.4 علم سیاسیات کی تعریفیں (Definitions of Political Science)

علم سیاسیات کی مندرجہ ذیل تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔

1۔ میریم۔ویبسٹر ڈکشنری کے مطابق: "یہ ایک سماجی علم ہے جو خاص طور پر سیاسی، اس میں بھی خاص کر سرکاری اداروں، اور طریقہ کار کے بیان اور تجزیے سے تعلق رکھتی ہے۔"

2۔ بلنشلی کے مطابق: "علم سیاسیات ایک سائنس ہے جس کا تعلق مملکت سے ہے۔ مملکت کو اس کے لیے لازمی نوعیت، مختلف اشکال، مظاہروں اور ترقی میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔"

3۔ کارل مارکس کہتا ہے کہ "معاشرے میں طاقت کی ایک محدود مقدار ہے، جو ایک وقت میں صرف ایک شخص یا گروہ کے پاس ہو سکتی ہے۔"

4۔ ارسطو کے مطابق "انسان فطری طور پر ایک سیاسی جانور ہے اور وہ، جو محض حادثاتی طور پر نہیں بلکہ فطری طور پر مملکت کے بغیر رہتا ہے تو وہ یا تو انسانیت سے بالاتر ہوتا ہے یا اس سے نیچے ہوتا ہے۔"

5۔ ڈیوڈ ایسٹن کے مطابق "علم سیاسیات معاشرے کے قدروں کے لیے تحمکانہ طور پر مختص کیا جاتا ہے۔"

2.2.5 علم سیاسیات کی نوعیت (Nature of Political Science)

علم سیاسیات کی نوعیت طے کرتے وقت غور کرنا ہوتا ہے کہ اس علم کا کن کن باتوں اور کن امور سے تعلق ہے۔ سیاست صرف حکومت کرنے کا ایک ادارہ نہیں ہے بلکہ سماج کے مقاصد کو حاصل کرنے کا میکانکی طریقہ ہے۔ علم سیاسیات ایک سماجی علم ہے جو سیاست کے نظریے اور مشق سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا تعلق فیصلے لینے کی طاقت کے تعین اور منتقلی سے ہے۔ اس میں حکومت کا نظام اور اس کے مختلف کام شامل ہیں جیسے بین الاقوامی تنظیمیں، سیاسی رویوں، عوامی منصوبے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ علم سیاسیات ایک منظم مطالعے کا نام ہے اور اس میں ہم سیاسی نظریوں، سیاسی اداروں، سیاسی طاقتوں اور سیاسی عمل کو شامل کرتے ہیں۔ یہ بحث شروع سے ہی جاری ہے کہ علم سیاسیات کو کس زمرے میں رکھا جائے۔ اس کے لیے ہم مندرجہ نکات کا مطالعہ کریں گے۔

2.2.5.1 کیا یہ سائنس ہے؟ (Is it Science?)

اکثر و بیشتر ہر کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ علم سیاسیات کیا ایک سائنس ہے۔ اگر ہم اس کے نام پر غور کریں تو اس کو ہم ایک منظم علم کے طور پر استعمال کرتے ہیں حالاں کہ تمام مفکرین اسے سائنس کہنے کے لیے اتفاق رائے نہیں رکھتے ہیں۔ اس بات کو جاننے کے لیے پہلے ہمیں سائنس کو سمجھنا ہوگا۔

انسائکلوپیڈیا برٹانکا کے مطابق سائنس، علم کا کوئی بھی ایسا نظام ہے جس کا تعلق جسمانی دنیا اور اس کے مظاہر سے ہے اور اس میں غیر جانبدار مشاہدات اور منظم تجربہ ہوتا ہے۔ عام طور پر، سائنس میں عام سچائیوں یا بنیادی قوانین کے عمل کو جاننے والے علم کا حصول شامل ہوتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ علم سیاسیات خالص سائنس نہیں ہے لیکن سماجی سائنس ہے۔ جب کسی بھی مضمون کی نوعیت سچائی جاننے اور واقعات، سانحات، امور کی جانچ منظم طرح سے کی جائے تو وہ سائنس کے زمرے میں آجاتا ہے۔ سیاست علم کی منظم شکل ہے۔ کسی بھی معاملے کی سچائی جاننے کے لیے اس کا منظم طور پر جائزہ لیا جاتا ہے، معاملات کی سچائی اور حقیقت جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح علم سیاسیات ایک سائنس ہے۔

2.2.5.2 کیا یہ فن ہے؟ (Is it an Art?)

علم سیاسیات کو فن بتانے یا کہنے سے پہلے یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ فن ہے؟ فن کی تعریف صدیوں سے فلسفیوں کے مابین بحث کا موضوع رہا ہے۔ فلسفہ جمالیات کا سب سے بنیادی سوال ہے کہ فن کیا ہے۔ اس میں فن کی لازمی طور پر نوعیت اور اس کی سماجی اہمیت کو دیکھا جاتا ہے۔ فن میں نمائندگی، اظہار اور قسم شامل ہے۔ ایچ ڈبلیو جانسن نے فن کی تعریف اس طرح کی ہے کہ ہم وقت اور حالات کے تناظر میں فن کا نظارہ دیکھنے سے نہیں بچ سکتے، چاہے ماضی ہو یا حال۔ واقعی یہ دوسری صورت میں کیسے ہوسکتا ہے جب تک کہ ہمارے ارد گرد فن اب بھی تخلیق کیا جارہا ہے، روزانہ ہماری آنکھیں نئے تجربات کی طرف کھلتی ہے اور یہ ہمیں اپنی نگاہیں اس کے موافق بنانے پر مجبور کرتا ہے۔ فن علم کے عملی اطلاق کا نام ہے۔ علم سیاسیات سیاست میں علم کا اطلاق ہی نہیں کرتی ہے بلکہ وہ علم کا انسان کے سماجی اور سیاسی معاملات میں بھی اطلاق کرتی ہے۔

2.2.5.3 سیاست یا علم سیاسیات (Politics or Political Science)

یہ بھی ایک اہم سوال ہے کہ ہم اس علم کو صرف سیاست کا نام دیں یا علم سیاست کہیں۔ افلاطون اور ارسطو نے خاص طور سے اسے سیاست کہا لیکن اس وقت اس کے معنی بہت محدود تھے۔ اس وقت اس علم کا اطلاق یونان کی چھوٹے شہروں اور چھوٹی مملکتوں پر ہوتا تھا۔ عصر حاضر میں اس علم کا مفہوم بہت بدل گیا ہے۔ اس وقت سیاست زندگی کے ہر شعبے میں شامل ہوگئی ہے اور یہ علم ایک علاحدہ علم کی شکل میں ابھرا ہے۔ آج ہم اس میں ہر اس بات کا مطالعہ کرتے ہیں جس کا تعلق لوگوں کی زندگی، سماج کے ڈھانچے، جنگ اور آبادکاری، بین الاقوامی تعلقات، ماحول کا کرۂ ارض پر پڑنے والے اثرات اور اس پر سیاست۔ ان تمام باتوں کو مدنظر، علم سیاسیات ہر ایک بات کا گہرائی سے تجزیہ کرتا ہے اور ہر عام و خاص کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس لیے زیادہ مفکرین کا ماننا ہے کہ آج اس علم کو صرف سیاست نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ علم سیاسیات ہے۔

2.2.6 علم سیاسیات کا دائرہ کار / یا وسعت (Scope of Political Science)

2.2.6.1 مفہوم اور وسعت (Meaning and Scope): دائرے سے مراد موضوعات یا علم کی حدود ہیں۔ علم سیاسیات کا دائرہ وسیع

ہے۔اس کے دائرے کو لے کر ماہرین میں اختلاف ضرور ہے لیکن کچھ موضوعات ایسے ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے۔کچھ ماہرین نے علم سیاسیات کے میدان کو چار یا پانچ ذیلی مضامین میں تقسیم کیا ہے۔اس میں سیاسی نظریہ، عوامی انتظامیہ، تقابلی سیاست، بین الاقوامی تعلقات اور عوامی قانون شامل ہیں جب کہ 1948 میں پیرس کانفرنس میں بین الاقوامی علم سیاسیات ایسوسی ایشن نے سیاسیات کے دائرہ کار کے موضوع پر تبادلہ ٔخیال کیا۔اس میں سیاسی نظریہ، سیاسی ادارے، سیاسی حرکیات اور بین الاقوامی تعلقات کو سیاسیات کے دائرے میں شامل کیا گیا۔یہی نہیں بلکہ اب سیاسی معیشت کو بھی اس میں شامل کیا جاتا ہے۔ان ذیلی میدانوں کے ساتھ ساتھ اقتدار کی منتقلی سے متعلق امور کا مطالعہ سیاسی سائنس دانوں کی اہم غرض ہے۔پوری دنیا میں سیاسی نظاموں میں ہونے والی تبدیلیوں کے ساتھ ہی علم سیاسیات کے دائرہ کار میں کافی حد تک اضافہ ہوا ہے۔علم سیاست کا تعلق افراد، افراد کے گروپوں ،ایجینسیوں، اداروں، تنظیم اور دیگر سیاسی طرز عمل سے ہے۔ان تمام میں تبدیلی لازم ہے اسی وجہ سے اس میں ان میں تبدیلی بھی علم سیاسیات کا موضوع ہے۔علم سیاسیات کے دائرہ کار کی درجہ بندی کو حتمی نہیں سمجھا جاسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کیوں کہ نئے مظاہر اور صورت حال کے ظہور سے حکومت، حکومت اور حکومت کے تعلقات کے فیصلہ سازی کے عمل، سیاست اور حکومت کی طرف لوگوں کا رویہ اور مملکت کے افعال کے بارے میں لوگوں کے نظریات پر اثر پڑے گا۔ اوپر بتائے گئے علم سیاسیات کا دائرہ کار کے علاوہ بھی یہاں کچھ اہم ہیں جس کا ذکر لازمی ہے، انصاف،عدلیہ، آزادی، مساوات، سیاسی جماعتیں رائے شماری اور قانون وغیرہ۔

سیاسی نظریے میں علم سیاسیات کے بنیادی نظریات جیسے مملکت، حکومت،انصاف، آزادی، مساوات، قانون، مطلق العنانی، قوت کا بٹوارہ، حکومت کی قسمیں، سیاسی پابندیاں وغیرہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔سیاسی اداروں کا تعلق ان اداروں یعنی مملکت اور حکومت، مجلس قانون ساز، مجلس عاملہ، عدلیہ، رائے دہندگان اور انتظامیہ کا مطالعہ شامل ہے۔سیاسی حرکیات میں وہ طاقتیں اور عمل شامل ہیں جو حکومت اور سیاست جیسے سیاسی جماعتیں، پریشر گروپس، انٹریسٹ گروپس، لابیز، رائے شماری، نشرواشاعت اوغیرہ۔جب کہ بین الاقوامی تعلقات میں دنیا کے ممالک کے بیچ تعلقات جس میں کاروبار، ماحولیات، جغرافیائی حدود، جنگ اور امن جیسے میدان شامل ہے۔

2.3 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبا اس لایق ہو جائیں گے کہ:

- علم سیاسیات کے معنی اور تعریفیں اور اس کے دائرہ کار کو بیان کر سکیں۔
- علم سیاسیات کی اہمیت اور تاریخ کو واضح کر سکیں۔
- علم سیاسیات کے ارتقا اور مقاصد کو بتا سکیں۔
- علم سیاسیات کی نوعیت، مفہوم واشتقاقی معنی کو بھی جان سکیں گے۔

2.4 کلیدی الفاظ (Keywords)

- **سیاسی نظریہ** : مملکت اور حکومت کی ابتدائی، شکل، طرز عمل اور مقاصد کے نظریات کا مطالعہ
- **عوامی پالیسی** : حکومت عوام سے مطلق مختلف منصوبہ بناتی ہے
- **فن** : علم کے عملی اطلاق کا نام ہے
- **پولس** : یونانی سماج میں اس الفاظ کا استعمال شہری مملکت کے لیے ہوتا تھا

2.5 نمونہ امتحانی سوالات (Model Eaxminatin Questions)

2.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات(Objective Answer Type Questions)

1۔علم سیاسیات کی اہمیت کس بات سے ظاہر ہوتی ہے:۔

(a) سچی اور جھوٹی خبریں پھیلانا سماج میں مثبت رول ادا کرنا

(b)سماج کا ماحول خراب کرنے میں

(c)جنہیں سیاست میں دلچسپی ہوتی ہے۔

(d)ان میں سے کوئی نہیں

2۔مندرجہ ذیل جملوں کو درست کیجیے:

(a) ویبر نے نارتھ افریقہ میں عرب سیاست کو متاثر کیا

(b) ابن خلدون نے جدید تقابلی سیاست کو بڑھاوادیا

(c) مانٹیسکو کو پولیٹک کی اصطلاح کا بانی کہا جاتا ہے

(d) کیجیلن کو جیو نے بیورو کریسیکر شاہ کی اصطلاح تیار کی۔

3۔سیاسیات کس کی تحریروں سے شروع ہوا؟

(a) افلاطون (b) کنفوشیش

(c)اگستائن (d) تھامس اکوینس

4۔سیاسیات کا بانی کون ہے؟

(a)ارسطو (b)سقراط

(c)سکندر (d)افلاطون

5۔ ہندوستان میں سیاسیات کو شروع کرنے کا سہرا کس کو دیا جاتا ہے؟

(a) منو
(b) کوٹلیہ
(c) چندر گپت موریہ
(d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ کس نے لفظ 'politics' کے لیے لفظ 'politike' کا استعمال کیا؟

(a) ارسطو
(b) میکس ویبر
(c) گارنر
(d) افلاطون

7۔ کس مفکر نے جدید تقابلی سیاست کو بڑھاوا دیا؟

(a) جان لاک
(b) کارل مارکس
(c) مانٹیسکیو
(d) میکاولی

8۔ علم سیاسیات ایک فن ہے کیوں کہ:

a) علم سیاسیات ایک سماجی علم ہے
(b) سیاست علم کی منظم باڈی ہے
(c) سیاست علم کا اطلاق کرتی ہے
(d) سیاست زندگی کے ہر شعبے میں شامل ہو گئی ہے

9۔ جدید علم سیاسیات کا بانی کس کو کہا جاتا ہے؟

a) میکاولی
(b) جان لاک
(c) تھامس ہابس
(d) جان جیکس روسو

10۔ مندرجہ ذیل کون سا مفکر علم سیاسیات کو طاقت کا مطالعہ تصور کرتا ہے؟

a) پال جنٹ
(b) جارج کیٹلن
(c) ہنس ایلن
(d) ڈیوڈ ایسٹن

2.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. علم سیاسیات کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟
2. عصر حاضر کے تناظر میں علم سیاسیات کی اہمیت کو واضح کیجیے۔
3. عہد وسطیٰ میں علم سیاسیات پر کس طرح کا تصادم تھا؟
4. علم سیاسیات کا دائرہ کار یا وسعت بیان کیجیے۔
5. علم سیاسیات کے شعبہ جات میں سے کسی دو کے بارے میں لکھیے۔

2.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Question)

1. علم سیاسیات کے معنی و مفہوم واضح کیجیے۔ علم سیاسیات کے اشتقاقی معنی اور اس کا پس منظر لکھیے۔
2. علم سیاسیات کی معنویت پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔
3. کیوں کہا جاتا ہے کہ یونان کے سماجی، سیاسی زندگی پر افلاطون اور ارسطو کے گہرے اثرات ہیں؟

2.6 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Almond, G. A. & Bingham, G. Powell Jr. (1966). Comparative Politics: System, Process, and Policy. Boston: Little, Brown
2. Barrow, C. W. (1993) . Critical Theories of the State: Marxist , Neo -Marxist, Post Marxist. Madison: University of Winsconsin Press
3. Bernard, C. (1972). In Defence of Politics. University of Chicago Press
4. Easten, D. (1953). The Political System: An Inquiry into the State of Political Science. New York: Alfred A. Knopf

اکائی 3۔ علم سیاسیات: نوعیت اور وسعت

(Political Science : Nature and Scope)

اکائی کے اجزا

3.0 تمہید
3.1 مقاصد
3.2 علم سیاسیات کی تعریفات
3.3 علم سیاسیات کی نوعیت
3.4 علم سیاسیات کی وسعت
3.5 اکتسابی نتائج
3.6 کلیدی الفاظ
3.7 نمونہ امتحانی سوالات
3.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
3.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
3.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
3.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

3.0 تمہید (Introduction)

علم سیاسیات ایک قدیم سماجی علم ہے جس کا آغاز منظم طور سے قدیم یونان میں ہوا اور اس کی بنیاد یونان کے ماہر ومشہور فلسفی ارسطو (Aristotle) نے ڈالی۔ ارسطو کے نزدیک انسان ایک سماجی مخلوق ہے کیونکہ انسان کی فطرت کچھ اس طرح سے ہے کہ وہ اپنی زندگی تنہا بسر نہیں کرسکتا بلکہ سماج کے بغیر وہ زندہ ہی نہیں رہ سکتا ہے۔ اس لیے کہ انسان اپنی زندگی کی مختلف ضرورتوں و حاجت کو پورا کرنے کے لیے دوسروں کی مدد کا محتاج ہے۔ پیدائش سے لے کر موت تک برابر یہی صورتِ انسان کے لیے رہتی ہے۔ وہ انسان جو تنہا زندگی بسر کرسکتا ہے ارسطو کے نزدیک یا تو وہ حیوان ہے یا تو خدا۔

اگرچہ سماج (Society)انسان کے لیے ناگزیر اور مجبوری ہے مگر ساتھ ہی یہ بات بھی سچ ہے کہ انسانی فطرت میں شر وفساد بھی ہوتا ہے۔اس لیے بہت سے ماہرین ومفکرین انسان کی خراب فطرت (Bad Nature) میں یقین رکھتے ہیں جیسے ہابس(Hobbes) اور میکاوٗلی (Machiavelli) کے نزدیک انسان فطری طور پر جھگڑالواور لالچی ہے۔ اس انسانی فطرت سے پتہ چلتاہے کہ انسان کی بہتر زندگی گزارنے کی جگہ سماج ہے یعنی انسان کے لیے سماج ناگزیر ہے مگر دوسری طرف سے انسان کی خراب فطرت سماج کو ناممکن بناتی ہے۔

اس تضاد کو جو انسانی فطرت میں ہے کیسے روکا جائے اورانسان کی سماجی زندگی کو کیسے ممکن اور بہتر بنایاجائے۔اس سوال کے جواب میں بہت سارے ماہرینِ سیاسیات اس نتیجہ پر پہنچے کہ انسان کی سماجی زندگی کے لیے کچھ اُصولوں و قواعد کو بنانے اور ان کو نفاذ کرنے کے لیے ایک اختیار (Authority) کی ضرورت ہے۔یہی اختیار انسان کی سماجی زندگی کو ممکن بناتی ہے کیونکہ جب کوئی منظم اور قاعدگی سے کرنے والی قوّت موجود ہو تبھی انسان مِل جُل کر رہ سکتے ہیں۔ اگر اس قسم کی تنظیم نہ ہو تو ہر طرف گڑبڑ پھیل جائے گی،طاقتور لوگ کمزوروں کو دبا کر رکھیں گے اور سماج میں انسان کو زندگی بسر کرنا دُشوار ہو گا۔ اسی لیے ضروری ہوا کہ کوئی ایسی تنظیم قائم کی جائے جو سماج میں نظم و قانون (Law and Order) قائم کرنے اور سب کو اپنی ماتحتی میں رکھے۔سب پر اپنا حکم چلائے اور اس تنظیم کو کبھی مملکت (State) اور کبھی حکومت(Government) کہتے ہیں۔

3.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ بی۔اے(B.A) کے طلبہ کو اُردو کی عام فہم زبان میں علم سیاسیات کے معنی، اس کی اہمیت اور اس کی نوعیت ووسعت سے روشناس کرانا ہے تاکہ وہ علم سیاسیات کے بنیادی اُصول و قواعد کو سمجھیں اور علم سیاسیات کے دوسرے تصورات جیسے آزادی، مساوات، قومیت اور حقوق کو متصفانہ طور سے سمجھیں اور ان کو اپنی ذاتی زندگی میں خاندان میں، اسکول میں، دوستوں واقارب میں استعمال کرنے کے قابل بن جائیں۔

3.2 علم سیاسیات کی تعریفات (Definition of Political Science)

علم سیاسیات ایک ایسا سماجی علم ہے جو اس وقت سے موجود ہے جب سے انسان زمین پر آیااورایک سماجی زندگی گزارنا شروع کیا۔اس علم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی نوعیت Dynamic ہے یعنی وقت کے ساتھ ساتھ یہ علم بھی بدلتااور پروان چڑھتاہے۔ لہٰذا ماہرینِ سیاسیات میں اس بات کا اتفاق نہیں ہے کہ علم سیاسیات کیاہے؟ لہٰذا بہت سے ماہرین نے اس علم کی تعریف اپنے وقت اور حالات کے حساب سے کی۔ طلبا کی آسانی کے لیے ہم علم سیاسیات کی تعریفوں کو مختلف اَدوار میں تقسیم کرکے سمجھنے کی کوشش کریں گئے۔

3.2.1 یونان میں علم سیاسیات کا تصوّر(Concept of Political Science in Greek)

علم سیاسیات کا آغاز منظم اور سائنٹیفک طور پر یونان میں ہوا جس کی بنیاد ارسطو نے ڈالی۔ قدیم یونان میں ”شہری مملکتیں (City- “

Political, Polity, Politics اسی یونانی لفظ 'Polis' سے ہی ماخوذ ہیں۔ آج کے دور کے الفاظ (States ہوا کرتی تھیں۔ جن کو 'Polis' جو ایک یونانی لفظ ہے بھی کہا جاتا تھا۔ سمندر، پہاڑ، ندیاں اور دوسری قدرتی رُکاوٹوں نے ان شہری مملکتوں کو ایک دوسرے سے الگ کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ شہری مملکتیں سماجی، ثقافتی اور تہذیبی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تھیں اور ان شہری مملکتوں میں سب سے ممتاز ایتھنس (Athens) اوراسپارٹا (Sparta) تھیں خاص کر ایتھنس جو علم کا مرکز بناہوا تھا۔ ہر ایک شہری مملکت (City-State) کی اپنی خاص سماجی زندگی اور تہذیب تھی جس میں سب ادارے ایک دوسرے سے منسلک تھے اور ان اداروں اوران کے کام کا مقصد صرف انسان کو ایک اچھی اور بہتر زندگی فراہم کرنا تھا۔ چنانچہ قدیم یونان میں علم سیاسیات کا تصور وسیع تھا۔ کیونکہ علم سیاسیات کے دائرے میں نہ صرف عوامی ادارے اوران کے کام آتے تھے بلکہ انسان کے ذاتی کام اور کوششیں جن کا مقصد ایک ایسا سماج بنانا تھا جس میں انسان ایک اچھی اور بہتر زندگی بسر کر سکتا۔ لہٰذا قدیم یونان میں علم سیاسیات کے مطالعے میں نہ صرف سماجی بلکہ انفرادی وذاتی معاملات بھی آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ارسطو کی کتاب 'Politics' میں نہ صرف علم سیاسیات سے بحث کی گئی ہے بلکہ معاشی، اخلاقی اور دیگر سماجی علوم کا بھی ذکر ملتا ہے اور اسی لیے ارسطو (Aristotle) نے علم سیاسیات کو عظیم علم (Master Science) کہا ہے۔

بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ جب تشخیص کا تصور (Concept of Specialization) وجود میں آیا تو سماجی اور دیگر علوم میں بھی تبدیلی آئی اور یہ علوم Specialized ہوگئے جیسے قدیم زمانے میں ایک طبیب انسان کے ہر جز اور بیماری کا علاج کرتا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ جب میڈیکل سائنس نے ترقی کی تو اس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ آج کے دور میں انسان کے ہر جز اور ہر خاص بیماری کے لیے ایک خاص ماہر طبیب ہے جو اس خاص بیماری کا علاج کرتا ہے، یہی تبدیلی سماجی علوم میں وقوع پذیر ہوئی اور ہر سماجی علم نے ایک خاص دائرۂ احاطہ کا تعین کیا جیسے علم معاشیات نے دولت (Wealth) پر زور دیا، سماجیات (Sociology) نے سماج کو اپنا مطالعہ بنایا ایسے ہی علم سیاسیات نے مملکت کو اپنا بنیادی مضمون بنایا۔

3.2.2 قدیم روایتی تعریفات (Ancient Traditional Definitions)

قدیم یونان میں علم سیاسیات کا دائرہ وسیع تھا اوراس میں تمام سرگرمیاں (Activities) آتی تھیں مگر قدیم روایتی تعریفات میں یہ دائرہ مطالعہ تنگ ہو گیا جس کی عکاسی مندرجہ ذیل کچھ ماہرین سیاسیات کی تعریفات سے ہوتی ہے۔

1۔ گارنر (Garner) کے مطابق "علم سیاسیات وہ علم ہے جو مملکت (State) سے شروع ہوتا ہے اوراسی پر ختم ہوتا ہے۔"

2۔ R.S.Gettel کے نزدیک " علم سیاسیات مملکت کا علم ہے۔"

3۔ ہیرالڈ لاس ویل (Hearld Lasswell) کے مطابق "علم سیاست طاقت میں حصے داری اور طاقت کی بناوٹ کا علم ہے۔ اس تجربہ کے مطابق سماج میں کسی تبدیلی کی توضیح افراد، گروہوں اور دیگر اکائیوں کے درمیان طاقت کی تقسیم کے طریقے میں فرق سے کی جائے گی۔ اقتدار مرتکز یا بھی ہو سکتا ہے۔ اقتدار میں مختلف افراد، طبقات، مذاہب، گروہوں لیڈروں اور غیر لیڈروں کے درمیان حصے داری ہو سکتی ہے۔"

4۔ گارِس (Garris) کے مطابق "علم سیاسیات کا تعلق مملکت کی ابتدائی، ترقی، مقصد اور اس کے سیاسی مسائل سے ہے۔"

5۔ بلنشلے (Bluntschili) نے "علم سیاست کی تعریف یہ کی ہے کے یہ علم مملکت سے متعلق ہے اور بنیادی طور پر مملکت اور اس کی مختلف شکلوں کا اس میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔"

6۔ اسٹیفن لیکاک (Stephon Leacock) کے مطابق "علم سیاسیات وہ علم ہے جس کا تعلق حکومت سے ہے۔"

اوپر دی گئی تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قدیم دور میں ماہرینِ سیاسیات علم سیاسیات کو مملکت اور اس کے مختلف اداروں جیسے حکومت، قانون ساز وغیرہ کے مطالعے کا علم مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں مملکت کی ابتدائی و ارتقائی کا ذکر ہوتا ہے۔ مملکت کی دوسری مملکتوں سے تعلقات، اس کے مقاصد واغراض اور فرائض کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔ مملکت میں رہنے والے شہریوں کے باہمی تعلقات اور ان کے مملکت کے ساتھ تعلقات کا ذکر ہوتا ہے۔

ان قدیم روایتی تعریفات میں کچھ کمزوریاں اور کمیاں ہیں جیسے انسان کا کہیں ان میں ذکر نہیں ہے بلکہ پورہ زور مملکت کے مطالعے پر دیا گیا اور ایسا لگتا ہے کہ سماج میں مملکت کے علاوہ اور کوئی تنظیم اور ادارہ نہیں ہے جب کہ سماج میں بہت سی تنظیمیں ایسی ہیں جیسے، خاندان، سول سوسائٹی اور دیگر عوامل جو مملکت پر اثر انداز ہوتی ہیں ان کے مطالعے کو ان قدیم روایتی تعریفات میں نظر انداز کر دیا گیا۔ لہٰذا ان خامیوں کو دور کرنے کے لیے علم سیاسیات کو ایک نئے طریقے سے بیاں کیا گیا ہے۔

3.2.3 جدید تعریفات (Modern Definitions)

علم سیاسیات کی جدید تعریفات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ امریکی ماہر سیاسیات پروفیسر کیٹلن (Prof. Catlin) کے مطابق "علم سیاسیات انسانی اور سماجی کنٹرول کی سرگرمی کا مطالعہ ہے۔"

2۔ ایچ۔لازویل اور اے۔ کیپلن (H. Lasswell and A. Kaplan) کے مطابق" علم سیاسیات "طاقت میں حصے داری اور اس کی بناوٹ" کا مطالعہ ہے۔"

3۔ ڈیوڈ ایسٹن (David Easton) کے مطابق "علم سیاسیات کا تعلق سماج میں اقتدار کے ذریعے قدروں کی تقسیم کا مطالعہ ہے۔ "

4۔ رابرٹ ڈاہل (Robert Dahl) نے بھی "علم سیاسیات کو طاقت کا مطالعہ کہا ہے۔"

5۔ اینڈریو ہیووڈ (Andrew Heywood) کے مطابق" علم سیاسیات وہ Activity ہے جس کے ذریعے لوگ قانون بناتے، اس کو محفوظ کرتے ہیں اور کبھی کبھی اس میں ترمیم لاتے ہیں تا کہ ان کی زندگی بہتر ہو۔"

اوپر دی گئی جدید تعریفات یونانی اور قدیمی تعریفات سے مختلف ہیں۔ جو علم سیاسیات کو محض مملکت اور اس کے اداروں کے مطالعے تک محدود نہیں رکھنا چاہتی ہیں بلکہ سیاست کے عملی پہلوؤں اور سیاسی عمل کے عوامل پر چاہے وہ سماجی، معاشی یا ثقافتی ہو جن کا اثر مملکت اور

اس کے اداروں پر پڑتا ہے کو علم سیاسیات کے مطالعے میں داخل کیا ہے۔ علم سیاسیات کی قدیم تعریفات مملکت اور اس کی سر گرمیوں کے اطراف گھومتی ہیں اور دیگر سیاسی محرکات کو نظر انداز کرتے ہوئے علم سیاسیات کو محض مملکت اس کے مقاصد اور اس کی شکلوں اور ارتقائی کا مطالعہ قرار دیا تھا۔ لیکن علم سیاسیات کو محض مملکت کے مطالعے سے جوڑنا زیادہ مناسب نہیں ہے۔ اگرچہ مملکت کا مطالعہ علم سیاسیات کا بنیادی جزو ہے۔ لیکن صرف مملکت کا مطالعہ علم سیاسیات کو ایک جامد مضمون بنادیتا ہے، جب کہ آج کے دور میں مملکت کی سر گرمیاں نہ صرف بڑھ گئی ہیں بلکہ ان سر گرمیوں کے پیچھے کار فرما عوامل کا مطالعہ بھی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ چنانچہ گزشتہ صدی کی ابتدائی میں امریکہ میں علم سیاسیات کے مطالعے کے نئے طریقوں و تعریفات پر زور دیا گیا اور علم سیاسیات کو صحیح معنوں میں سائنس (Science) بنانے کے لیے ایک تحریک شروع کی گئی جس کا نام طرز عمل تحریک (Behavioral Movement) رکھا گیا۔

اس نئی تحریک کے اہم شخصیتوں میں Catlin, David Easton, Robert Dahl, Charles E. Merriam وغیرہ اہم ہیں۔ اس تحریک کا مقصد علم سیاسیات کے مطالعے کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا اور مطالعہ کے نئے طریقوں کو اپناتے ہوئے علم سیاسیات کو حقیقی معنیٰ میں ایک علم (Science) بنانا تھا۔ چنانچہ اس تحریک نے کسی سیاسی عمل، واقعہ یا رویّہ کے مطالعے میں محرکات و عوامل کے مطالعے کو اہمیت دی جب کہ قدیمی روایت نے ان چیزوں کو نظر انداز کیا تھا۔

3.3 علم سیاسیات کی نوعیت (Nature of Political Science)

جس طرح ماہرینِ سیاسیات میں علم سیاسیات کی تعریف پر یکسانیت نہیں پائی جاتی ہے اسی طرح علم سیاسیات کی نوعیت کے متعلق ماہرین سیاسیات اتفاق رائے نہیں پائی جاتی ہیں۔ بعض ماہرین سیاسیات کے نزدیک یہ سائنس (Science) ہے اور بعض کے نزدیک یہ ایک فن (Art) ہے۔ ارسطو (Aristotle) بودان (Bodin) مان تس کیو (Montesquieu) لارڈ براس (Lord Brace) ایسے نامور سیاسی مفکر ہیں جو علم سیاسیات کو سائنس مانتے ہیں ارسطو کے نزدیک علم سیاسیات (Political Science) ایک مکمل سائنس ہے اور اس کو سب سے عظیم علم (Master Science) کا نام دیا اور وہ پہلا شخص ہے جس نے اس کے مطالعے کے لیے سائنسی طریقوں (Scientific Methods) کا استعمال کیا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ بانیٔ علم سیاسیات قرار پایا نہ کہ اس کا استاد افلاطون (Plato)۔ سائنس اس علم کو کہتے ہیں جو ہم مشاہدوں اور تجربوں سے حاصل کرتے ہیں پھر اس کی بناپر کچھ اصول بناتے ہیں اور ان کی روشنی میں پیشن گوئی کرتے ہیں۔ لارڈ برائس (Lord Bryce) کے نزدیک علم سیاسیات ان معنوں میں سائنس ہے کہ انسانی رجحانوں کے جھکاؤ میں یکسانیت اور تسلسل پایا جاتا ہے۔ قوموں کی درجہ بندی کی جاسکتی ہے اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کیا جاسکتا ہے۔ علم سیاسیات میں ایک تحریک چلی جس کا مقصد اس علم سیاسیات کو سائنس بنانا تھا اور اس تحریک کو Behavioral Movement کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس نے مطالعہ کے نئے طریقوں کو اپنا تا کہ علم سیاسیات کو حقیقی معنوں میں سائنس بنایا جائے۔ بعض مفکرین اس بات سے اتفاق نہیں رکھتے ہیں کہ علم سیاسیات سائنس ہے بلکہ ان کے نزدیک علم سیاسیات ایک فن (Art) ہے اور فن کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ صحیح راہ عمل پیش

کرتا ہے اور عملی پہلو پر زیادہ زور دیتا ہے۔ اس میں محض اُصولوں کا جاننا کافی نہیں ہے بلکہ ان پر عمل کرنا زیادہ ضروری ہے۔ لہٰذا ان ماہرین کے نزدیک علم سیاسیات ایک آرٹ ہے کیونکہ اس میں قطعی اصول نہیں پائے جاتے ہیں جن کی بنائی پر کوئی پیش گوئی کی جاسکتی۔ مثال کے طور پر کوئی یہ نہیں کہ سکتا ہے کہ فلاں ملک میں کس وقت سیاسی انقلاب برعکس طبعی سائنسوں (Physical Sciences) یعنی فزکس، کیمسٹری وغیرہ جو اصول ہوتے ہیں وہ بالکل قطعی ہوتے ہیں ان اصولوں کو تجربوں کے ذریعے بنایا جاتا ہے اور انہی کے ذریعے انہیں غلط ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ ان تمام وجوہات کی بنائی پر علم سیاسیات کو سائنس سے زیادہ ایک فن سمجھا جاتا ہے۔ افلاطون (Plato) کے مطابق یہ علم سیاسیات ایک فن ہی ہے جس طرح ایک بہتر ہنر مند ہی کسی چیز میں جان ڈال سکتا ہے۔ اسی طرح ایک فلسفی حکمران (Philosopher-King) ہی بہتر حکمرانی کر سکتا ہے۔ لیکن ان باتوں کے باوجود علم سیاسیات کو سائنس کہا جاسکتا ہے کیونکہ ماہر سیاسیات سیاسی زندگی سے متعلق پہلے سب واقعات کا مطالعہ کرتا ہے پھر اس مطالعہ سے جو نتیجے نکلتے ہیں ان کو اصول کے طور پر مرتب کرتا ہے اور یہی طریقہ سائنس کا بھی ہے۔ مثال کے طور پر ارسطو نے اپنے زمانے میں 158 مختلف دستور (Constitutions) کا مطالعہ کیا تھا اور اس کی بنائی پر اس نے دنیا کو یہ بتایا کہ انقلاب کن وجہوں سے وقوع پذیر ہوتا ہے اور کن طریقوں سے اس کو روکا جاسکتا ہے۔

اوپر کی بحث سے یہ بات ظاہر ہے کہ ماہرینِ سیاسیات علم سیاسیات کی نوعیت میں اتفاق رائے نہیں رکھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ ایک سائنس ہے اور بعض کے نزدیک یہ ایک فن ہے۔ لیکن جائزہ لینے کے بعد یہ بات صاف ہوتی ہے کہ یہ دونوں نظریے مکمل نہیں ہیں اور دونوں میں کچھ خامیاں ہیں۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ علم سیاسیات کو سَو فی صدی سائنس نہیں مانا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق براہِ راست انسانوں سے ہے۔ جن کی فطرت پیچیدہ ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے جذبات اور احساسات میں بہت اختلاف ہوتا ہے۔ ان باتوں کی وجہ سے لوگوں کی سیاسی زندگی کے بارے میں پیشن گوئی کرنا یا ایسے اصول بنانا جو ہمیشہ صحیح ہوں ناممکن ہے۔ اس کے برعکس طبیعیاتی سائنس (Physical Sciences) کا تعلق بے جان چیزوں سے ہوتا ہے اور ان کی نوعیت (Nature) میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی اسی لیے ان میں دائمی قانون بنائے جاسکتے ہیں۔ دوسری طرف سے کچھ ماہرین اس کو فن مانتے ہیں۔ حکومت چلانا یقیناً ایک فن ہے لیکن اس فن کو سیکھنا ایک اصولی سائنس سے کم نہیں ہے اور یہ فن انسان اس وقت سیکھ سکتا ہے جب وہ سماجی زندگی کو ایک تجربہ گاہ سمجھے۔ ہر نیا قانون، ہر نئی سیاسی پارٹی، ہر نئی سیاسی تحریک انسان کو تجربہ فراہم کرتی ہے جس سے اس کو پتہ چلتا ہے کہ ان کا سماج پر کیا اثر پڑا۔ پھر ان کی چھان بین کر سکتا ہے اور اصول سیاسیات مرتب کر سکتا ہے۔ دوسری طرف سے گزشتہ ایک صدی کے دوران علم سیاسیات کے مطالعے کے طریقوں (Methods of Political Science) میں کچھ تبدیلی آئی ہے جس کے نتیجے میں اب ماہرین سیاسیات اس کو اصولی طور پر ایک سائنس تسلیم کرتے ہیں۔ علم سیاسیات کی کئی ذیلی شاخیں (Sub-disciplines) وجود میں آئی ہیں جیسے نظم و نسق عامہ (Public Administration)، بین الاقوامی تعلقات (International Relations) جنہیں اب باضابطہ ایک علم سمجھا جاتا ہے۔

3.4 علم سیاسیات کی وسعت (Scope of Political Science)

کسی بھی علم کو اس کے دائرہ احاطہ (وسعت) سے جانا جاتا ہے جیسا کہ ہمیں پتہ ہے کہ علم سیاسیات ایک Dynamic علم ہے اس لیے وقت کے ساتھ ساتھ اس کے دائرہ مطالعہ میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ قدیم یونان میں یونانی فلسفیوں جیسے افلاطون وارسطو نے مملکت اور اس کے تمام اداروں اور ان کے کام اور اس کے ساتھ ساتھ ہر فرد کا کام جو سماجی زندگی کو بہتر واچھا بنانے میں مددگار ہو۔ علم سیاسیات کے دائرہ مطالعہ میں لایا۔ یعنی علم سیاسیات نے دونوں انفرادی اور سماجی زندگیوں کو اپنے احاطہ میں لایا۔ اس سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ قدیم یونان میں علم سیاسیات کا دائرہ مطالعہ بہت وسیع تھا جس میں ہر کوئی ایسا کام آتا تھا جس کا مقصد انسان کو ایک اچھی اور بہتر زندگی فراہم کرنا تھا۔ لیکن بعد میں ماہرین سیاسیات نے علم سیاسیات میں اداروں پر زور دیا جیسے مملکت، حکومت، پارلیمنٹ کا مطالعہ۔ اس سے علم سیاسیات کی وسعت میں کمی آئی۔ لیکن بعد میں جدید ماہرین سیاسیات نے علم سیاسیات کی وسعت میں اضافہ کیا ان کے نزدیک علم سیاسیات صرف حکومت کے اداروں کا مطالعہ نہیں ہے بلکہ ان سارے عوامل (Factors) کا مطالعہ ہے جو حکومت کے فیصلوں اور اداروں پر اثر انداز ہوتے ہیں اس لیے انہوں نے انسان کے رویے (Behaviour) پر زور دیا اور دوسرے نئے مضامین جیسے صنف (Gender) جنس (Sex)، نسل (Class)، گروہ (Group)، ماحولیاتی (Environmental)، انسانی حقوق (Human rights) اور دوسرے عوامل کو علم سیاسیات کے احاطہ میں لانے پر زور دیا۔ 1948 میں اقوام متحدہ (United Nations) کے ادارہ یونیسکو (UNESCO) نے ایک کمیٹی (Committee) تشکیل دی جس کا کام علم سیاسیات کی وسعت کو متعین کرنا تھا۔ اس کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق علم سیاسیات کی وسعت سیاسی نظریہ (Political Theory) حکومت (Government) جماعتیں اور گروہ (Parties and Groups) بین الاقوامی تعلقات (International Relations) بین الاقوامی قانون (International Law) بین الاقوامی تنظیمیں (International Organizations) اور رائے عامہ (Public Opinion) پر مشتمل ہے۔

علم سیاسیات کی وسعت کا جائزہ لیتے وقت اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اکثر قدیم مفکرین نے سیاست (Politics) اور علم سیاسیات (Political Science) میں فرق نہیں کیا تھا۔ چنانچہ ارسطو کی مشہور تصنیف کا نام بھی 'Politics' ہی ہے۔ Harold Laski کی مشہور کتاب کا نام 'A Grammar of Politics' ہے۔ ایسے ہی کچھ یونیورسٹیوں میں شعبہ سیاسیات کے لیے Politics کا لفظ استعمال کیا گیا جیسے ممبئی یونیورسٹی میں Department of Civics and Politics لفظ استعمال کیا گیا ایسے ہی کچھ یونیورسٹیوں میں شعبہ سیاسیات کے لیے Political Science کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں Department of Political Science ہے ایسے ہی London School of Economics and Political Science ہے۔ لہٰذا اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ ماہرین سیاسیات میں علم سیاسیات کے نام پر بھی اتفاق نہیں ہے۔

جدید ماہرین سیاسیات نے دونوں الفاظ میں فرق کیا۔ ان کے نزدیک پالیٹکس (Politics) کا لفظ عملی سیاسیات ہے۔ اس کو مملکت کے روزمرّہ کے مسئلوں کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً حکومت کی کسی پالیسی کی مخالفت میں مظاہرے ہونا۔ سیاسی پارٹیوں کی طرف

سے مختلف ہتھکنڈوں کا استعمال کرنا تاکہ وہ الیکشن جیت جائے۔ یہ سب پالیٹکس کے دائرے میں آتا ہے۔ اسی عملی سیاسیات کی وجہ سے لوگ سیاست سے بد ظن ہوئے کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ سیاست مفادات وخواہشات کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس خود غرضی کی روش سے لوگ سیاست سے اُکتا گئے اور یہ عام سی بات ہو گئی کہ مجھے سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ لوگوں کا ماننا ہے کہ سیاست سے لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ صرف سیاسی جماعتوں اور ان کو چندہ دینے والے بڑے بڑے تجار کا ہی فائدہ ہے۔

علم سیاسیات اور پالیٹکس میں وہی فرق ہے جو ماہر سیاسیات اور سیاست داں میں ہے۔ سیاست داں وہ شخص ہے جو اپنا سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور اپنی پارٹی کو اقتدار لانے میں ہر طرح کی جدوجہد کرتا ہے۔ اس سے اس کو کوئی غرض نہیں ہے کہ مملکت کیسے وجود میں آیا اس کے کیا اغراض و مقاصد ہیں۔ حکومت کو کن اُصولوں کے تحت کام کرنا چاہیئے۔ سماج میں کیسے انصاف و مساوات کو قائم کیا جائے۔ ان سب چیزوں کی واقفیت رکھنا ماہر سیاسیات کا کام ہے۔

ذیل میں ہم علم سیاسیات کی وسعت کا جائزہ لیں گے۔

3.4.1 مملکت اور حکومت کا مطالعہ (Study of State and Government)

یونانی اور قدیم تعریفات میں علم سیاسیات کو بنیادی طور پر مملکت اور حکومت کا مطالعہ سمجھا جاتا تھا۔ اس میں مملکت کا ارتقا، اغراض و مقاصد، اس کو بہتر بنانا اور دیگر پہلوؤں پر بحث کی جاتی ہے۔ افلاطون سے بہتر مملکت کی تلاش میں مثالی مملکت (Ideal State) کا خاکہ پیش کیا تھا جب کہ ارسطو نے حکمرانوں کی تعداد اور ان کے مقاصد کی بنیاد پر حکومتوں کی درجہ بندی (Classification of Governments) کی تھی۔ گارنر نے بھی کہا کہ علم سیاسیات مملکت سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔ تب سے لے کر آج تک مملکت کی مختلف شکلیں (Forms of State)، اس کے دائرہ عمل، اس کے مقاصد کے ساتھ ساتھ حکومت کی قسموں اور حکومت کو کیسے بہتر بنایا جائے وغیرہ اُمور پر بحث کی جاتی ہے۔ مملکت علم سیاسیات کا مرکزی تصورات رہا دنیا کے ہر خطے میں قدیم زمانے سے لے کر آج تک مملکت کی کوئی نہ کوئی شکلیں ہمیشہ سے وجود میں رہی ہے لیکن ہمیشہ سے اس میں تبدیلیاں بھی دیکھنے کو ملتی رہی ہے۔ لیکن دور جدید میں مملکت سے مراد ہے اس کے چار اہم عناصر کا پایا جانا اس کے بغیر مملکت کا تصور مشکل ہے۔ یہ چار عناصر ہیں۔ حکومت، علاقہ، آبادی اور اقتدار اعلا۔ اگر کسی مملکت میں یہ چار عناصر ہے تب ہی وہ مملکت کہلائے گا۔ ان چاروں عناصر میں اقتدار اعلا سب سے اہم ہے۔ اقتدار اعلا سے مراد ہے کسی بھی مملکت کا داخلی اور بیرونی طور سے کسی بھی طرح کا مداخلت سے آزادی کا مطلب وہ مملکت داخلی اور باہری طور سے اپنے مملکت سے متعلق فیصلہ لے سکتی ہے۔

3.4.2 انجمنوں اور اداروں کا مطالعہ (Study of Associations and Institutions)

ارسطو کے مطابق انسان ایک سماجی جانور ہے۔ لہٰذا اس کی سماجی زندگی مختلف انجمنوں اور اداروں کا تقاضہ کرتی ہے۔ انسان اپنی زندگی کا آغاز خاندان سے کرتا ہے جو اس کی پہلی انجمن ہے جب کہ وہ بڑا ہوتا ہے تو اسکول جاتا ہے جو کہ اس کا دوسرا ادارہ ہے ایسے ہی جب

وہ بڑا ہو تا جاتا ہے تو اپنی ضروریات و حاجات کو پورا کرنے کے لیے وہ دوسری انجمنوں واداروں سے منسلک ہو جاتا ہے اوران انجمنوں میں سب سے بڑی انجمن مملکت ہے۔ مملکت کے ارتقامیں ان اداروں وانجمنوں کا بڑارول رہاہے جو کہ ارسطو کی کتاب Politics کے مطالعے سے ظاہر ہو تا ہے۔ یہ سب انجمنیں وادارے جیسے طلبہ کی یونین، ٹریڈیونین، کسانوں کے گروہ وغیرہ وغیرہ سیاسی اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ یہ مملکت پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دوسرے عوامل جیسے ذات، مذہب، خونی رشتہ وغیرہ کا مطالعہ بھی آج کل علم سیاسیات میں اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ سب مملکت پر اثر انداز ہوتے ہیں لہٰذا علم سیاسیات ان تمام اداروں وانجمنوں کا مطالعہ کرتی ہے اور اس انجمن کی خوبیاں اور خامیاں سے بھی واقف رہتی ہے۔

3.4.3 خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ

(Study of Foreign Policy and International Relations)

خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ گزشتہ ایک صدی کے دوران علم سیاسیات کا ایک لازمی جز بن گیا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد بہت سے نئے ممالک وجود میں آئے اور دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے عالمی تنظیموں جیسے اقوام متحدہ اور علاقی تنظیموں جیسے یوروپین یونین کو قائم کیا گیا ہے۔ ان عالمی اداروں اور تنظیموں کا مطالعہ اہمیت اختیار کر گیا کیونکہ انہوں نے کچھ قوانین بنائے جس کی روح میں دنیا کے ممالک کو ایک دوسرے سے پیش آنا چاہے اسی طرح مختلف ممالک کی خارجہ پالیسیاں بھی علم سیاسیات کے مطالعے کا جزو بن گئی کیونکہ عالمی اداروں اور ممالک کی خارجہ پالیسیوں کا تعلق براہِ راست عالمی امن سے ہے۔ اس عالمی امن کے لیے جو بھی خطرات دنیا میں وقوع پذیر ہوتے ہیں علم سیاسیات ان کا بھی مطالعہ کرتی ہے۔

3.4.4 عوامی پالیسی کا مطالعہ (Study of Public Policy)

دورِ جدید میں عوامی پالیسی کے مطالعے نے علم سیاسیات میں اہمیت حاصل کی۔ حکومت جو کچھ کرتی ہے یا نہیں کرتی ہے اس کو عوامی پالیسی کہتے ہیں۔ عوامی پالیسی کی تشکیل، نفاذ اور اس کا جائزہ وغیرہ سیاسیات کے مطالعے میں شامل کیا گیا۔ آج یورپ وامریکہ میں علم سیاسیات کا دوسرا نام عوامی پالیسی (Public Policy) ہے۔ Charles Lindblame & David Easton وغیرہ نے علم سیاسیات کو پالیسی سائنس (Policy Science) قرار دیا ہے۔ جدید دور میں دنیاں کا کوئی بھی ایسا ملک نہیں جہاں کی حکومت عوامی پالیسی نہ بناتی ہو۔ عوامی پالیسی حکومت کی ایک اہم کارکردگی ہے اس پالیسی کو بنانے میں علم سیاست کارول بہت ہی اہم ہو جاتا ہے۔

حکومت کی کئی اسکیموں اور پالیسیوں سے غذا برائے کام (Food for work) وغیرہ پالیسیوں کا مطالعہ عوامی پالیسی کا مطالعہ کہلاتا ہے۔

3.4.5 طاقت، اقتدا اور اثر ورسوخ کا مطالعہ

(Study of the Concepts of Power, Authority and Influence)

دور جدید میں ماہرین سیاسیات خاص کر امریکی ماہرین سیاسیات نے علم سیاسیات کو طاقت کا مطالعہ قرار دیا ہے جیسے Laswell, Robert Dahl سیاسیات کو طاقت کا مطالعہ کہتے ہیں ۔ یعنی علم سیاسیات طاقت واقتدار کی حصول کا مطالعہ ہے۔ Hans.J. Morgenthau جو بین الاقوامی سیاسیات کا ماہر ہے، اس نے بھی سیاست کو طاقت قرار دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں علم سیاسیات ہمیں یہ بتاتا ہے کہ طاقت کیا ہے اور اس کو کیسے حاصل کیا جائے کیسے بر قرار رکھا جائے اور اس کو کیسے استعمال کیا جائے۔ علم سیاسیات کے اس نئے تصور نے اس کی وسعت میں اضافہ کیا اور نئے تصورات علم سیاسیات میں شامل ہوگئے ۔ جیسے سیاسی سماجیانہ (Political Socialization) سیاسی تمدن (Political Culture) سیاسی شرکت (Political Participation) اور نئے نئے جماعتیں اور گروہ جیسے مفاد اور بااثر طبقہ (Interest and Pressure Groups)۔

3.4.6 سیاسی حرکیات کا مطالعہ (Study of Political Dynamics)

علم سیاسیات میں صرف اقتدار اثر ورسوخ کا ہی مطالعہ نہیں ہوتا بلکہ سیاسی زندگی کے حرکیاتی پہلوؤں کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے۔ حالیہ عرصے میں سیاسیات کے طریقہ ہائے عمل، رائے دہندوں کے رویے اور ان کے مختلف قوتوں کا مطالعہ بھی علم سیاسیات کے وسعت میں شامل ہو گیا ہے۔ جو سیاسی اداروں کی کارگزاری پر اس کے اثرات دکھتے ہیں۔

عدالتی اور قانونی عمل کا مطالعہ علم سیاسیات کو تعاون کرنے والے ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مطالعہ کے ذریعے اس پہلو کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے کہ حکومت کی کاگزاری کے کیا دستوری اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور دستوری نکات حکومت کی کارگزاری پر کتنے اور کیسے اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس کے تحت یہ مطالعہ بھی شامل ہے کے قوانین کس طرح بنائے جاتے ہیں اور ان پر کیسے عمل کیا جاتا ہے۔ ان کی توضیع کس طرح ہوتی ہے اور ان کو کیسے نافذ کیا جاتا ہے۔ قانون سازی کا عمل بھی علم سیاسیاست کا ایک اور پہلو ہے اس میدان میں قانون بنانے کے طریقے، قوانین سے متعلق تضادات قانون کے متن کے بارے میں کے مقننہ کے قواعد وضوابط اور اختیارات وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

3.4.7 حقوق اور فرائض کے بارے میں معلومات فراہم کرنا

(Information Provide to the Knowledge of Rights and Duties)

دنیا کے ہر جمہوری ملک کے آئین نے اپنے شہریوں کے لیے تفصیل سے حقوق اور فرائض کی توضیعات کر رکھی ہے۔ ہندوستان کے آئین نے بھی دفعہ 12 سے 36 تک ہر شہری کو بنیادی حقوق فراہم کیے ہیں۔ جس کی خلاف ورزی ہونے پر کوئی بھی شہری عدلیہ کا رخ کر سکتا ہے اور اپنے حقوق کی بحالی ممکن بنا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ آئین ہند نے حصہ 5 میں شہریوں کے لیے 11 اہم فرائض کی بھی فراہمی کی گئی ہے اور یہ خاص جانکاری علم سیاسیات ایک ڈسیپلین کے طور پر ان حقوق اور فرائض کے سارے پہلو کی جانکاری ملتی ہے۔ اس فن کے

مطالعے سے ہمیں علم ہوتا ہے کہ فرد، سماج اور مملکت کے تیئں ہمارا کیا فرض ہے۔ یہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ ہمیں سماج اور مملکت سے کیا کیا حقوق حاصل ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے مطالعے سے ہمیں اپنے حقوق کی بحالی اور فرائض کی ادئیگی کا بھی بخوبی معلومات حاصل ہوتی ہے۔

3.5 علم سیاست کی اہمیت (Importance of Political Science)

علم سیاسیات کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ سیاسیات اس معاشرے کا سیاسی مطالعہ کرتا ہے جس کی بنیادی اکائی انسان از خود ہے اور جس کی حرکات و سکنات سے انسان لمحہ در لمحہ متاثر ہوتا ہے۔ سیاسیات نہ صرف مقامی، صوبائی اور قومی سطح پر واقع ہونے والی سرگرمیوں کا با قاعدہ اور منظم جائزہ ہے بلکہ یہ عالمی سطح پر رونما ہونے والی تمام سرگرمیوں کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ارسطو سیاسیات کو ایک عظیم علم قرار دیتا ہے۔ سیاسیات کا مطالعہ عوام میں حکومتی نظام کا فہم پیدا کرتا ہے اور طلبا میں تنقیدی نظریہ کو جنم دیتا ہے۔ یہ واضح کرتا ہے کہ سیاسیات مملکت اور عوام کے درمیان واقع ہونے والے تمام تعلقات اور تعمیلات کا مجموعہ ہے۔ سیاسیات معاشرے میں اقتدار کی نوعیت کا مطالعہ ہے۔ اس لیے یہ باشعور عوام کے لیے ایک آلہ کار کی طرح ہے جو عوام بالخصوص، ووٹرز کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ معاشرے اور قوم کے حق میں بہتر نمائندوں کو منتخب کر کے قانون سازی کی ذمے داری سپرد کر سکیں۔ صاحب اقتدار سیاسی قیادت جب عوام کی امیدوں کو پورا نہیں کر پاتی ہے تو عوام اُن کو آئندہ انتخابات میں اقتدار سے باہر کر دیتے ہیں۔ اس طرح جمہوری نظام میں بغیر کسی تنازعے کے حکومت میں تبدیلیاں آسان ہو جاتی ہیں۔ سیاسیات سماج میں مساوات، انصاف اور اخوت کا ماحول قائم رکھنے میں مدد کرتا ہے کیوں کہ یہ قانون کی حکمرانی کی وکالت کرتا ہے۔ سیاسیات کے علم سے ایک ملک کے امور حکومت کو ہاتھ میں رکھنے والے لیڈروں کو اڈمنسٹریشن کے اونچے معیارات کو برقرار رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ عوام کو اپنے حقوق اور ذمے داریوں کا شعور حاصل ہوتا ہے اور یہ واقفیت سماجی اور سیاسی امور میں ایک مفید رول انجام دیتی ہے۔ جمہوریت کے اندر سیاسی معاملات کا شعور اور احساس اس عوام کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ ایک ایماندار اور کارکرد نظم و نسق کا مطالبہ کرے۔

علم سیاسیات ایک شہری کے لیے سیاسی معاملات پر صحیح قابل قبول رائے کے اظہار کے خاطر سیاست کے اچھی اور گہری معلومات حاصل کرنا ضروری ہے۔ سیاسی اصولوں کے علم سے ایک شہری کو جمہوری عمل میں موثر حصہ ادا کرنے کا سامان فراہم ہوتا ہے۔ ان سب کے باوجود علم سیاسیات کے مطالعے سے عوام بہتر شہری بننے کے تربیت حاصل کرتے ہیں۔ بہتر شہری حکومت کو جواب دہ اور ذمے دار بننے اور عوامی رائے کو قبول کرنے پر مائل کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ سیاسیات کا مطالعہ روزگار کے بہتر مواقع بھی فراہم کرتا ہے۔

3.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس باب (Chapter) کو پڑھنے کے بعد طلبہ علم سیاسیات کے بارے میں مندرجہ ذیل ماخوذ کریں گے:

- علم سیاسیات کیا ہے اور یہ کیسے اور کیوں وجود میں آیا۔

- علم سیاسیات ایک قدیم سماجی علم ہے جس کا آغاز قدیم یونان میں ہوا ہے۔اس علم کا مقصد انسان کی سماجی زندگی کو بہتر اور ممکن بنانا ہے۔
- طلبہ علم سیاسیات کی تعریفات سے بھی واقف ہوں گے کہ قدیم یونان میں علم سیاسیات کا کیا تصوّر تھا اور قدیم اور جدید تصوّرات کیا ہیں۔
- علم سیاسیات کی نوعیت کے بارے میں ماہرینِ سیاسیات میں اتفاق نہیں ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ایک سائنس ہے اور بعض کے نزدیک یہ ایک فن ہے۔ ان دونوں نظریے کو باریکی سے جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علم سیاسیات کی نوعیت دونوں کا مرکب ہے۔
- علم سیاسیات کا دائرہ احاطہ بہت وسیع ہے جس میں مملکت، حکومت، جماعتوں، گروہوں، بین الاقوامی قانون وجماعتوں وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔
- علم سیاسیات اور سیاست میں کیا فرق ہے کو بھی جان لیں گے۔

3.6 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **علم سیاسیات (Political Science)** : یہ ایک ایسا علم ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا اور پروان چڑھتا ہے۔ لہٰذا ماہرینِ سیاسیات میں اس پر اتفاق نہیں ہے کہ علم سیاسیات کیا ہے۔ لیکن عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ ایک ایسا علم ہے جس میں مملکت اور حکومت کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔
- **نوعیت (Nature)** : کسی بھی علم کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس کی نوعیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ماہرینِ سیاسیات میں علم سیاسیات کی نوعیت کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔
- **دائرہ احاطہ یا وسعت (Scope)** : کسی بھی مضمون (Subject) کی اہمیت کا اندازہ اس کے دائرہ احاطہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا دائرہ وسیع ہے کہ تنگ۔ علم سیاسیات کا دائرہ بہت وسیع ہے کیونکہ بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ اس کے دائرہ میں بھی تبدیلی آتی ہے۔
- **رویہ جاتی تحریک (Behavioral Movement)** : یہ ایک ایسی تحریک ہے جو علم سیاسیات کو حقیقی معنوں میں سائنس بنانا چاہتی ہے۔
- **طاقت:** کسی کی خواہشات سے قطع نظر، کسی کو اپنا طرزِ عمل تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کی اہلیت۔
- **نظریہ:** ایک عالمی نظریہ یا لوگوں اور حکومت کے کردار کے بارے میں جامع عقائد کا ایک سیٹ۔

- **بین المضامین:** انٹر ڈسپلن، دو مضامین کو جوڑ کر پڑھنا
- **عوامی پالیسی:** ایسی پالیسی جو حکومت کے ذریعے بنائی جاتی ہے جس کے اثرات مملکت کے تمام لوگوں پڑتی ہے
- **آمریت:** آمریت یا مطلق العنان حکومت اس نظام کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص (آمریت) موجودہ قوانین کو نظر انداز کرتے ہوئے طاقت کے زور پر حکومت کرتا ہے۔
- **سامراجیت :** سامراجیت ایک ملک کی سرحدوں سے باہر جاکے دوسرے ملک کے اختیارات پر دخل اندازی کرنے کے عمل کو کہا جاتا ہے۔
- **مثبت رول:** اس سے مراد ہے حکومت کا اپنے شہریوں کی خاص کر سماج کے دبے کچلے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کیے گئے اقدام

3.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

3.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. علم سیاسیات کا بانی کون ہے؟

(a) افلاطون (b) ارسطو (c) سقراط (d) گارنر

2. قدیم روایات میں علم سیاسیات کو ایک ایسا علم سمجھا جاتا تھا جس کا تعلق

(a) مملکت سے ہے (b) طاقت سے ہے (c) انسان کے ہر کام سے ہے (d) قوموں کی درجہ بندی سے ہے

3. علم سیاسیات کا مقصد کیا ہے؟

(a) اپنی خواہشات کو پورا کرنا (b) سماج میں جھگڑوں کو حل

(c) سماج میں سیاست کرنا (d) انسان کی زندگی کو بہتر اور اچھی بنانا

4. مندرجہ ذیل میں کس ماہر سیاسیات نے علم سیاسیات کو "سماج میں اقتدار کے ذریعے قدروں کی تقسیم کا مطالعہ" کہا ہے

(a) Laswell (b) Garner (c) Easton (d) Aristotle

5. دور جدید میں علم سیاسیات کا دوسرا نام کیا ہے؟

(a) بین الاقوامی سیاست (b) پبلک ایڈمنشٹریشن (c) پبلک سائنس (d) عوامی پالیسی

6. مندرجہ ذیل میں کون ماہر سیاسیات، علم سیاسیات کو سائنس مانتا ہے؟

(a) ارسطو (b) افلاطون (c) لارڈ برائیس (d) لاسکی

7. مندرجہ ذیل میں علم سیاسیات کی وسعت میں کیا نہیں آتا ہے

(a) مملکت اور حکومت (b) طاقت کا مطالعہ (c) بین الاقوامی تعلقات کا مطالعہ (d) ذاتی معاملات کا مطالعہ

8. جدید ماہرین سیاسیات کے نزدیک علم سیاسیات کس چیز کا مطالعہ ہے؟

(a) مملکت (b) حکومت (c) طاقت (d) سماج

9. لفظ (Politics) کس سے ماخوذ ہے؟

(a) Polis (b) Polity (c) Police (d) Policy

10. A Grammar of Politics کا مصنف کون ہے؟

(a) ارسطو (b) افلاطون (c) لاسکی (d) گارنر

3.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. علم سیاسیات کی تعریف کیجیے اور اس کی وسعت کو بیان کیجیے؟
2. علم سیاسیات کی نوعیت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تحریر کیجیے۔
3. قدیم یونان میں علم سیاسیات کا کیا تصور تھا؟ واضح کیجیے۔
4. علم سیاسیات کی اہمیت کو بیان کیجیے؟
5. کیا پالیٹیکل سائنس سائنس ہے؟ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

3.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. دورِ جدید کے ماہرین سیاسیات علم سیاسیات سے کیا سمجھتے ہیں؟ واضح کیجیے۔
2. پالیٹیکل سائنس اور پالیٹکس میں کیا فرق ہے؟
3. سیاسیات خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی کا مطالعہ کیسے کرتا ہے لکھیے؟

3.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. O.P. Gauba (1917), An introduction to Political Theory, MacMillan latest edition,
2. M.P. Jain (1993) Political Theory: liberal and Marxian, Authors Guild Publications, Delhi
3. Raymond G. Gettell (1950) : Political Science, The World Press, Kolkata
4. Rajeev Bhargava and Ashok Acharya: Political Theory: An Introduction, Pearsons

Education, latest Edition, New Delhi

5. A.C Kapur: Principles of Political Science, S.Chand, New Delhi, Latest Edition.
6. Andrew Heywood (2005), Political Theory, Palgrave Macmillan, Latest Edition.
7. Amal Ray and Bhattacharya (1962) Political Theory, Latest Edition.
8. Almond, G. A. & Bingham, G. Powell Jr. (1966). Comparative Politics: System, Process, and Policy. Boston: Little, Brown.
9. Barrow, C. W. (1993), Critical Theories of the State: Marxist , Neo -Marxist, Post Marxist. Madison: University of Winsconsin Press.
10. Bernard, C. (1972), In Defence of Politics. University of Chicago Press.
11. Easten, D. Alfred A. Knopf. (1953), The Political System: An Inquiry into the State of Political Science, New York
12. Gunnell, J. G. (1993), The Descent of Political Theory. Chicago: University of Chicago
13. David Easton (1966), "Alternative Strategies in Theoretical Research" in Varieties of Political Theory, Englewood Cliffs
14. Sarmah, Durga Kant (2004), "Political Science", New Age International publishers, New Delhi
15. S.P. Verma (2013), Modern Political Theory, Vikas Publishiry New Delhi
16. Sushil Rama Swamy (2010), Political Theory: Ideas and Concepts PHI Learning, New Delhi
17. Sabine G.H (2014), A History of Political Theory, Oxford University Press, New Delhi
18. Agarwal, R. C. (2007), Political Theory-Principles of Political Science. New Delhi, S. Chand & Company Ltd.
19. Obest E. Goodin(2011), Oxford Handbook of Political Science OUP, Oxford

اکائی 4۔ علم سیاسیات کی اہمیت

(Importance of Political Science)

اکائی کے اجزا

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 علم سیاسیات کا تعارف

4.3 علم سیاسیات کی تعریفات

4.3.1 مملکت کا علم

4.3.2 حکومت کا علم

4.3.3 مملکت اور حکومت کا علم

4.4 علم سیاست کے شعبے اور ذیلی شعبے

4.5 علم سیاسیات کی اہمیت اور افادیت

4.6 اکتسابی نتائج

4.7 کلیدی الفاظ

4.8 نمونہ امتحانی سوالات

4.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

4.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

4.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

4.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

4.0 تمہید (Introduction)

سیاست (یونانی سے: پولیٹیکا، 'شہروں کے امور') سرگرمیوں کا مجموعہ ہے جو گروہوں میں فیصلے کرنے، یا افراد کے مابین اقتدار کے

تعلقات کی دوسری شکلوں جیسے وسائل کی تقسیم یا حیثیت سے وابستہ ہوتا ہے۔ سیاست کے علمی مطالعہ کو علم سیاسیات یا علم سیاسیات کہا جاتا ہے۔

سیاست ہمارے چاروں طرف ہے۔ ارسطو نے اسے "ماسٹر سائنس" یا "عظیم علم" کہا کیونکہ یہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے: ہم کیا کر سکتے ہیں، ہم کیا کہہ سکتے ہیں، کہاں رہ سکتے ہیں، یہاں تک کہ ہم کیا کھا سکتے ہیں۔ اس سے بچنے کی کوئی سیاست نہیں ہے، لیکن ہم علم سیاسیات کا مطالعہ کر کے اس کے استعمال کے مزید موثر طریقے ڈھونڈ سکتے ہیں۔

علم سیاسیات ایک وسیع موضوع ہے جس میں تقابلی سیاست، بین الاقوامی تعلقات، سیاسی فلسفہ، سیاسی نظریہ، عوامی قانون، نظم و نسق عامہ، بین الاقوامی قانون وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے وسیع کردار کی وجہ سے، علم سیاسیات دیگر شعبوں سے ماورا ہے جن میں معاشیات، سماجیات، نفسیات، بشریات، مواصلات، اور مجرمانہ انصاف شامل ہیں۔ ایک عام سیاسی طالبِ علم جمہوریت اور حکومت کی دیگر اقسام، قیادت کے انداز، افلاطون، میکیاولی، ہابز اور لاک کے نظریات، عالمی سیاست میں غیر سرکاری تنظیموں کے اثر و رسوخ، رائے عامہ کی تشکیل، سیاست میں نیا سوشل میڈیا کا کردار، اور آئینی قانون کے بارے میں مطالعہ کرتا ہے۔

4.1 مقاصد (Objectives)

اس باب کا مقصد لوگوں، برادریوں اور کارپوریشنوں پر کام کرنے والی ایک سب سے طاقتور قوت، یعنی حکومت اور سیاست جو پوری دنیا میں عمل پیرا ہے کو سمجھنے کا فن یعنی علم سیاسیات کی سمجھ، افادیت اور اہمیت کا مطالعہ کرنا ہے۔ یہ علم اور تفہیم تمام شہریوں کے لیے قابل قدر ہے۔ کیونکہ علم سیاسیات سماجی علوم کی وہ شاخ ہے جو مملکت، سیاست اور حکومت کا مطالعہ کرتی ہے۔ علم سیاسیات سیاسی نظاموں کے تجزیہ، سیاست سے متعلق نظریاتی اور عملی اطلاق، اور سیاسی طرز عمل کے امتحان سے وسیع پیمانے پر معاملات کرتا ہے۔

4.2 علم سیاسیات کا تعارف (Introduction of Political Science)

علم سیاسیات عام طور پر سائنسی طریقوں کے استعمال سے حکمرانی کا منظم تجرباتی اور تجزیاتی مطالعہ ہے۔ جیسا کہ روایتی طور پر بیان اور مطالعہ کیا گیا ہے، علم سیاسیات مملکت اور اس کے اعضا اور اداروں کا معائنہ کرتی ہے۔ تاہم، عصری موضوع اس سے کافی حد تک وسیع تر ہے، جس میں سماجی، ثقافتی اور نفسیاتی عوامل کے مطالعے شامل ہیں جو باہمی طور پر حکومت اور جسمانی سیاسی عمل کو متاثر کرتے ہیں۔

اگرچہ علم سیاسیات دوسرے سماجی علوم سے بہت زیادہ مواد حاصل کرتی ہے، لیکن اِس کی طاقت / اختیار کی طرف توجہ اُن عُلوم سے اِس کو ممتاز کرتی ہے۔ اسے ایک سیاسی اداکار کی قابلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ کس طرح دوسرے اداکار کو بین الاقوامی، قومی اور مقامی سطح پر جو کرانا چاہتا ہے کرواتا ہے۔ اگرچہ سیاسی سائنس سیاسی فلسفے کے ساتھ کافی حد تک مشابہت رکھتی ہے، لیکن یہ دونوں شعبے الگ الگ ہیں۔ سیاسی فلسفے کا تعلق بنیادی طور پر سیاسی نظریات اور اقدار جیسے حقوق، انصاف، آزادی، اور سیاسی ذمے داری سے ہے۔ اس کے

نقطہ نظر میں یہ نظریاتی ہے (یعنی اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ اس کے بجائے کیا ہونا چاہیے) اور اس کے طریقہ کار عقلیت پسندانہ ہیں۔ اس کے بر عکس، علم سیاسیات اداروں اور طرز عمل کا مطالعہ کرتی ہے، اصول پر مبنی وضاحت کی حمایت کرتی ہے، اور نظریات تیار کرتی ہے یا تجرباتی مشاہدات پر مبنی نتائج اخذ کرتی ہے، جو جہاں ممکن ہو وہاں مقداری الفاظ میں اظہار کیا جاتا ہے۔

علم سیاسیات عام طور پر منسلک ہوتی ہے: مملکت، حکومت اور سیاست کا مطالعہ یا طاقت کے تعلقات اور ان کے حکمرانی سے مشروط حکمرانوں کے مابین تعلقات کے تجزیہ کے ساتھ (طاقت کی نوعیت، اس کی بنیاد، کس طرح یہ تعینات ہے، اس کے مقاصد اور اثرات)۔ دوسرے الفاظ میں، علم سیاسیات تحقیقات کرتی ہے: (1) سیاست - باضابطہ اور غیر رسمی سیاسی عمل، بشمول سیاسی جماعتیں، مفاد پرست گروہ اور سماجی تحریکیں۔ (2) پالیسیاں - عوامی پالیسیاں جو اجتماعی انتخاب کا ترجمہ ہیں اور وسائل کی تقسیم کو تشکیل دیتی ہیں۔ نیز، (3) طرز ادارہ: باضابطہ سیاسی ادارے اور سیاسی نظام۔ اس میں مختلف تحقیقی شعبے جیسے تقابلی سیاسی نظام، نظم و نسق عامہ، بین الاقوامی تعلقات اور پالیسی تجزیہ شامل ہیں۔

اگرچہ تمام جدید علوم کی طرح علم سیاسیات میں بھی تجرباتی تحقیقات شامل ہیں، اس میں عام طور پر قطعی پیائش اور پیش گوئیاں پیش نہیں کی جاتی ہیں۔ اس سے کچھ اسکالروں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا اس موضوع / مضمون کو سائنس کے مطابق صحیح طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔ تاہم، اگر سائنس اصطلاح اصطلاحی طور پر منظم علم کے کسی بھی جسم پر اطلاق ہوتی ہے جو حقائق کی بنا پر تجرباتی طریقوں سے معلوم ہوتی ہے، تو سیاسی سائنس بھی دوسرے سماجی مضامین کی طرح ایک سائنس ہے۔

4.3 علم سیاسیات کی تعریفات (Definitions of Political Science)

اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے علم سیاسیات سے مراد مملکت کا علم ہے۔ موجودہ دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث مملکت کی ہیت میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ چنانچہ ان تبدیلیوں کے باعث علم سیاسیات بھی ارتقائی منازل طے کرتا چلا گیا ہے۔ علم سیاسیات کی تعریف کرتے ہوئے ارسطو کہتا ہے کہ "علم سیاسیات شہری مملکتوں کا علم ہے۔" یہ تعریف بہت سادہ ہے اور علم سیاسیات کے جدید تصور کا احاطہ نہیں کرتی۔ دور جدید کے ماہرین علم سیاسیات کی تعریف کے ضمن میں مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ بعض علم سیاسیات کو مملکت کا علم کہہ کر پکارتے ہیں اور بعض حکومت کا علم جب کہ بعض مصنفین علم سیاسیات کو مملکت اور حکومت دونوں کا علم قرار دیتے ہیں۔

4.3.1 مملکت کا علم (Knowledge of the State)

مملکت کا علم(Knowledge of the State) ؛ چند ماہرین سیاسیات علم سیاسیات کو صرف مملکت کا علم ہی سمجھتے ہیں ان کے نزدیک اس علم کا مطالعہ صرف مملکت تک محدود ہے۔ ان مصنفین کی تعریفات درج ذیل ہیں۔

1۔ پروفیسر ڈاکٹر گارنر (Prof. Dr. Garner) علم سیاسیات کی ابتدا اور انتہا مملکت ہے۔"

2۔ گریس :(Gareis) تمام اختیارات کا سر چشمہ مملکت ہے اور علم سیاسیات مملکت کی اہمیت مقاصد اور معاشی و سماجی مسائل کا بحث کرتا ہے۔"

3۔ بلنشلی :(Bluntschli) علم سیاسیات مملکت کا علم ہے جو مملکت کے بنیادی حالات اس کی نوعیت اور اس کی ظاہری حیثیت کی روشنی میں اس ادارہ کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔"

4۔ جی ایچ جیمز :(G.H.James) علم سیاسیات مملکت سے شروع ہوتا ہے اور مملکت پر ہی ختم ہوتا ہے۔"

ان تعریفات کا مرکزی خیال ایک ہی ہے کہ علم سیاسیات بنیادی طور پر مملکت سے متعلق ہے اور اس علم میں مختلف پہلوؤں سے مملکت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ گویا یہ مصنفین حکومت کے مسائل کو علم سیاسیات کی بحث میں شامل نہیں سمجھتے۔ مزید براں ان تعریفات میں بہت سے سیاسی موضوعات و نظریات مثلاً رائے عامہ، سیاسی جماعتوں، انتخابات، آزادی اور مساوات وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔

4.3.2 حکومت کا علم (Knowledge of the Government)

حکومت کا علم ؛ بعض مصنفین کے نزدیک علم سیاسیات صرف حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کی تعریفات میں مملکت کا ذکر نہیں ملتا۔ ان مصنفین میں سے اہم تعریفات درج ذیل ہیں۔

- پروفیسر ڈاکٹر اسٹیفن لیکاک :(Prof. Dr. Stephen Leacock) سیاسیات ایسا علم ہے جو حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔"
- پروفیسر سیلے :(Prof. Seeley) علم سیاسیات حکومت کے حقائق کی جستجو کرتا ہے جس طرح کہ معاشیات دولت سے تعلق رکھتا ہے۔ حیاتیات زندگی سے، الجبرا اعداد سے اور جیومیٹری کی جگہ اور اس کی وسعت سے۔

ان تعریفات میں مملکت کا ذکر نہیں ملتا۔ علم سیاسیات کے مطالعے کو فقط حکومت تک محدود کرنا درست نہیں کیونکہ اس طرح اس علم کی وسعت محدود ہو جاتی ہے۔

4.3.3 مملکت اور حکومت کا علم (Knowledge of the State and Government)

مملکت اور حکومت کا علم ؛ بعض مصنفین زیادہ حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ علم سیاسیات کا تعلق حکومت اور مملکت دونوں سے ہے۔ اسے صرف مملکت یا حکومت کا علم کہ دینا مناسب نہیں۔ ایسی تعریفات درج ذیل ہیں۔

1۔ پروفیسر گلکرائسٹ :(Prof. Gilchrist) علم سیاسیات ایسا علم ہے جو مملکت اور حکومت دونوں کی نوعیت سے بحث کرتا ہے۔"

2۔ گیٹل :(Gettell) علم سیاسیات مملکت اور مملکتوں کے مابین تعلقات سے تعلق رکھنے والا علم ہے اور یہ حکومت کے مختلف اداروں سے بھی بحث کرتا ہے۔"

3۔ پال جینٹ " :(Paul Janet) فرانسیسی مصنف پال جینٹ کا کہنا ہے کہ علم سیاسیات عمرانی علوم کا وہ حصہ ہے جو مملکت کی بنیادوں اور حکومت کے اصولوں سے تعلق رکھتا ہے۔"

4۔ پروفیسر ڈاکٹر ہارولڈ لاسکی :(Prof. Dr.Laski) علم سیاسیات مملکت کے علاوہ حکومت کی تنظیم اور ارتقا کا بھی احاطہ کرتا ہے۔"

5۔ ای سی سمتھ :(E.C.Smith) علم سیاسیات سماجی علوم کی ایک شاخ ہے جو مملکت کے نظریے اور تنظیم اور حکومت اور اس کی کارکردگی سے متعلق ہے۔"

4.4 علم سیاسیات کے شعبے اور ذیلی شعبے

(Department of Political Science and Sub Department)

علم سیاسیات کے جدید یونیورسٹی شعبے (جسے متبادل طور پر حکومت یا کچھ اداروں میں سیاست کہا جاتا ہے) اکثر کئی شعبوں میں تقسیم ہوتے ہیں، جن میں سے ہر ایک مختلف ذیلی شعبے پر مشتمل ہوتا ہے۔

داخلی / گھریلو سیاست (Domestic Politics): گھریلو سیاست عام طور پر مطالعہ کا سب سے عام شعبہ ہے۔ اس کے ذیلی شعبوں میں رائے عامہ، انتخابات، قومی حکومت، اور مملکت، مقامی، یا علاقائی حکومت شامل ہیں۔

تقابلی سیاست (Comparative Politics): تقابلی سیاست ممالک کے اندر سیاست پر مرکوز اور ممالک کے مابین مماثلت اور اختلافات کا تجزیہ کرتا ہے۔ تقابلی سیاست ایک مطالعہ کے طور پر تمام ممالک میں موجود ہے۔ تقابلی سیاست کے میدان میں انتظامی اداروں، انتخابی طرز عمل اور طریقہ کار، عوامی پالیسی، سیاسی معیشت، سماجی تحریکوں اور تنظیموں، احتجاج اور انقلاب کا مطالعہ شامل ہے۔

بین الاقوامی تعلقات (International Relations): بین الاقوامی تعلقات ممالک کے مابین سیاسی تعلقات اور باہمی رابطوں پر غور کرتے ہیں، جن میں جنگ کی وجوہات، خارجہ پالیسی کی تشکیل، بین الاقوامی سیاسی معیشت، اور وہ ڈھانچے جو حکومتوں کو دستیاب پالیسی کے اختیارات میں اضافہ یا کمی کرتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر بین الاقوامی تعلقات قومی مملکتوں کے مابین سیاسی تعلقات کا مطالعہ ہے۔ اس میں سفارت کاری، فوجی تنازعہ، اور تنازعات کے حل کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سیاسی معیشت، بین الاقوامی تنظیموں اور دیگر عملوں کا مطالعہ بھی شامل ہے جو قومی مملکتوں کی حدود میں رہتے ہیں۔

سیاسی نظریہ (Political Theory): پولیٹیکل تھیوری علم سیاسیات کا سب سے قدیم شعبہ ہے۔ ارسطو اور افلاطون کے قدیم نظریات میں اس کی جڑیں ڈھونڈنا، یہ شعبہ لازوال مدّہ کو سیاسی نظریہ، منصفانہ، انصاف اور مساوات کے بارے میں بروقت سوالات کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ سیاسی نظریہ میں کلاسیکی سیاسی فلسفہ اور عصری نظریاتی نقطہ نظر (جیسے تعمیری نظریہ، تنقیدی نظریہ، اور مابعد جدیدیت) شامل ہیں۔

نظم و نسق عامہ (Public Administration): پبلک اڈمنسٹریشن / نظم و نسق عامہ بیوروکریسی / نوکر شاہی کے کردار کا مطالعہ کرتی ہے۔ یہ وہ شعبہ ہے جو عملی سائنس کے تحت عملی استعمال کی طرف مبنی ہے اور اکثر ایک الگ محکمہ کے طور پر منظم کیا جاتا ہے۔ نظم و نسق عامہ سرکاری پالیسی کا نفاذ ہے اور ایک تعلیمی ڈسپلن جو اس نفاذ کا مطالعہ کرتی ہے اور سرکاری ملازمین کو عوامی خدمت میں کام کرنے کے لیے تیار کرتی ہے۔ بطور "متنوع دائرہ کار کے ساتھ تحقیقات کا شعبہ" جس کا بنیادی ہدف "ایڈوانس مینجمنٹ اور پالیسیاں ہیں تاکہ حکومت کام کر

سکے"۔

عوامی قانون(Public Law): عوامی قانون قانون کا وہ حصہ ہے جو قانونی افراد اور حکومت کے مابین، مملکت کے اندر مختلف اداروں کے مابین، حکومتوں کی مختلف شاخوں کے درمیان، اور ایسے افراد کے درمیان تعلقات پر حکومت کرتا ہے جو معاشرے کے لیے براہ راست تشویش کا باعث ہیں۔ عوامی قانون میں آئینی قانون، انتظامی قانون، ٹیکس قانون اور فوجداری قانون کے ساتھ ساتھ تمام طریقہ کار قانون پر مشتمل ہے۔

عوامی پالیسی (Public Policy): عوامی پالیسی ہر طرح کی حکومتی پالیسیوں کے نفاذ اور ان پر عمل درآمد کی جانچ کرتی ہے، خاص طور پر شہری حقوق، دفاع، صحت، تعلیم، معاشی نمو، شہری تجدید، علاقائی ترقی، اور ماحولیاتی تحفظ سے متعلق۔ عوامی پالیسی وہ عمل ہے جس کے ذریعے پالیسی ساز اپنے سیاسی وژن کا ترجمہ 'حقیقی دنیا میں مطلوبہ تبدیلیاں' فراہم کرنے کے لیے پروگراموں اور اقدامات میں کرتے ہیں۔'

4.5 علم سیاسیات کی اہمیت اور افادیت (Importance of Political Science and Utility)

علم سیاسیات اجتماعی فیصلوں، ثقافتوں اور اداروں میں شراکت رکھنے والے لوگوں کے گروپوں کے ذریعے کیے گئے اجتماعی فیصلوں اور ان کے افعال کا مطالعہ ہے جو اقتدار اور اختیار کو تشکیل دیتے ہیں۔

- قدیم یونانیوں سے لے کر آج تک اور اُس آگے تک
- شہروں کے چھوٹے گروہ سے ممالک تک اجتماعی فیصلوں اور عالمی طرز حکمرانی کا تمام راستہ
- انتہائی مایوس کن حکومتوں سے جدید اجتماعی جمہوریت تک سیاسی تنظیموں کی بہتر شکلوں کے نظریات
- ذاتی اور خود غرض فیصلوں سے لے کر اجتماعی اور فلاحی سوچ تک
- سیاسی استحکام سے لے کر انتہاپسندانہ کی طرف داری تک

سیاسی سائنس داں، واقعات، نمونوں اور سیاست اور حکومت کے ڈھانچے کو سمجھنے، اس کی ترجمانی، وضاحت اور تنقیدی اندازہ لگاتے ہیں اور پالیسی سازوں، ان کے ساتھی شہریوں اور عالمی برادری سے مطابقت کے مشاہدے پیدا کرتے ہیں۔

علم سیاسیات کا دائرہ وسیع ہے، اور اس کی بڑی اہمیت ہے۔ حالیہ برسوں میں، اس کی اہمیت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ انسان ایک سیاسی مخلوق ہے، اور اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ سیاست سے متاثر ہے۔ متعدد وجوہات کی بنا پر، علم سیاسیات کا مطالعہ سماجی بہبود اور ترقی کے لیے ناگزیر ہوگیا ہے۔ علم سیاسیات کی اہمیت اس حقیقت میں مضمر ہے کہ ہم سب سیاسی نظاموں کے اندر رہتے ہیں اور ہم عالمی سیاسی معیشت میں ہونے والی تبدیلیوں سے متاثر ہیں۔ عالمگیریت کی آمد کے ساتھ ہی، دوسرے ممالک کے سیاسی نظام کو سمجھنے میں دنیا کے لوگوں کی دلچسپی میں یکساں اضافہ ہوا ہے۔ لہٰذا، سیاسی سائنس داں قابل قدر اور اہم بن جاتے ہیں کیونکہ وہ عینک مہیا کرتے ہیں جس کے ذریعے ہم داخلی سیاست اور معیشت کے ساتھ ساتھ عالمی سیاسی معیشت کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ علم سیاسیات کی اہمیت اور افادیت کو ہم

مندرجہ ذیل نکات میں پیش کر سکتے ہیں:

- **مہذب وجود کے لیے ضروری (Necessary to Decent Existence)**

علم سیاسیات کا مطالعہ ایک فرد کو مہذب اور مہذب معاشرے کی ضروریات سے واقف کرتا ہے۔ یہ ہمیں انسانی سیاسی ارتقا کی جانکاری فراہم کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اُس کے عروج وزوال کی بھی داستاں بیان کرتا ہے۔اِس کے مطالعے سے ہم ایک مہذب سماج کی تشکیل میں اپنی کردار بخوبی نبھاتے ہیں۔

- **حقوق اور فرائض کے بارے میں معلومات فراہم کرنا (To Provide Information about Rights and Duties)**

ہر شہری، خاص کر جمہوریت میں حقوق اور فرائض کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ علم سیاسیات میں ہی ان حقوق اور فرائض کے سارے پہلو کی جانکاری ملتی ہے۔ اس فن کے مطالعے ہمیں علم ہوتا ہے کہ فرد، سماج اور مملکت کے تئیں ہمارا کیا فرض ہے۔ یہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ ہمیں سماج اور مملکت سے کیا کیا حقوق حاصل ہیں۔

- **سیاسی تعلیم مہیا کرنا (To Collect Political Education)**

علم سیاسیات کا مطالعہ شہری کو سیاسی تعلیم مہیا کرتا ہے تاکہ وہ ایک نئے تناظر میں قومی مسائل کو سمجھ سکے۔ یہ ہمیں ایک ایسے شہری کے طور پر تیار کرتا ہے جو ملک و سماج کے منفرد مسائل کی سیاسی سمجھ کے ساتھ ساتھ اس کے حل کا بھی مادّہ رکھتا ہو۔ ہمیں اس بات کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ ملک اور اُس کے مختلف ادارے کو کیسے چلایا جائے تاکہ ہمارے ملک اور سماج کی ہمہ گیری ترقی ہو۔

- **نظریات کا علم فراہم کرنا (To Provided Theoretical Knowledge)**

سیاسیات کا مطالعہ جمہوریت، سوشلزم، کمیونزم، ناززم، فاشزم، وغیرہ جیسے مختلف مابعد نظریات کا وسیع علم مہیا کرتا ہے۔اس علم کے ذریعے ہم مختلف نظریات کا تقابلی مطالعہ کر اس کے نفع و نقصان کو سامنے لاتے ہیں تاکہ ہم اپنے سماج اور ملک کے لیے بہتر سے بہتر سیاسی نظام کو اپنا سکیں۔

- **سیاسی رہنماؤں اور بیوروکریٹس کے لیے مفید علم دینا**

(Benificial Knowledge to Political Leaders and Bureaucrates)

حکومت کے کام کو موثر انداز میں جاری رکھنے کے لیے سیاسی رہنماؤں اور سول سروینٹ کے لیے سیاسی سائنس کا علم بہت ہی مفید ہے۔ آئین کا علم ہر ایک کے لیے ضروری ہے تاکہ وہ حکومت کے کام کرنے میں بہتر کردار ادا کرے۔ اِس علم کے ذریعے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ملک اور اِس کے مختلف ادارے میں ہم کون سا کردار ادا کر سکتے ہیں، ہم اپنے آپ کو کس جگہ فٹ کر سکتے ہیں تاکہ ملک و قوم کو ہم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔

- **سیاسی طاقت کو سمجھنا (To Understand Political Power)**

علم سیاسیات شہریوں کو سیاسی طاقت کے تصور کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ حکومتیں کیسے کام کرتی ہیں؟ پالیسیوں کے پیچھے کیا مفاد اور

قوتیں ہیں؟ ان کے منتخب نمائندے کون ہیں؟ اور ان کا کیا موقف ہے؟ ملک کے مختلف ادارے کیسے کام کرتے ہیں؟ کس ادارے کے کیا اختیارات ہیں؟ سیاسی طاقت کا مخزن اور مرکز کہاں ہے؟

- **انسانی فلاح وبہبود کو فروغ دینے کے لیے(To Encourage Human Welfare and Developments)**

عہد حاضر میں علم سیاسیات اس حقیقت کو مضمر قرار دیتی ہے کہ وہ معاشی ترقی کے حالات پیدا کرتا ہے کیونکہ یہ انسانی فلاح و بہبود میں دلچسپی کے ذریعے محرک ہے۔ سیاست کا اصل مقصد فرد کے مابین، ملک کے مابین، اداروں کے مابین، سرکاروں کے مابین پیدہ شدہ تنازعات کو دور کرنا ہے۔ چاہے وہ مقامی سطح پر ہو یا بین الاقوامی۔ اس طرح وہ انسانی فلاح و بہبود کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتا ہے۔ مختلف نظریات کا تقابلی مطالعہ بھی اس بات کی عکّاسی کرتا ہے کہ یہ فن ہمارے لیے بہتر سے بہتر نظریات کو سامنے لاتا ہے۔

- **سیاست آپ کو اپنے حقوق جاننے میں مدد فراہم کرتی ہے (Politics Provide to Know Your Rights)**

علم سیاسیات نے ہمیں اپنے ابتدائی یقین، کہ ہمارے ملک کی دوڑ میں ہماری کوئی حقیقت نہیں ہے، سے آگے دیکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ اس نے ہمیں واقعی ہمارے معاشرے کے بنیادی حصے کی تعلیم دی ہے اور یہ سمجھنے میں ہماری مدد کی ہے کہ اگر ہم نظام میں تشکیل پائے جانے والے پریشر پوائنٹس / شہ رگ کو استعمال کرتے ہوئے سیاسی عمل میں شامل ہوجاتے ہیں تو ہر فرد کو واقعتاً دنیا کو بدلنے کا موقع ملتا ہے۔

- **سیاست ایک زندہ اور متحرک موضوع ہے(Politics is a Live and Active Issue)**

سیاست میں درسی کتب شائع ہونے کے بعد پرانی ہوجاتی ہیں کیوں؟ کیونکہ سیاسی منظر نامہ ہر دن بدلتا رہتا ہے، میڈیا میں مستقل طور پر نئی مثالیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ ہمارے سامنے روز نئے نئے مسائل آتے رہتے ہیں اور ہم اُس کا حل اپنے نئے حالات کے مطابق ڈھونڈتے ہیں۔ نئے نئے مسائل کے نئے نئے امکانات سامنے آنے کی وجہ سے علم سیاسیات میں مختلف شعبہ ذاتوں کا اضافہ ہورہا ہے تاکہ وہ ان مسائل کا احاطہ کرسکے۔

- **سیاست آپ کو ملک کی سیاسی جماعت کو سمجھنے میں مدد کرتی ہے**

(Politics Helps to Understand You About Country Political Parties)

اس مضمون کے مطالعے کے بعد ہم جمہوریت اور اپنے حقوق، نظریات اور پارٹی پالیسیوں، آئین اور پارلیمنٹ کے بارے میں سیکھتے ہیں۔ کلاس روم سے حاصل کردہ معلومات کے ساتھ، ہم دنیا بھر میں پیش آنے والے واقعات کو دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں، ان واقعات کے بارے میں ہمارے رہنماؤں کے رد عمل کو دیکھتے ہیں اور جو کچھ سیکھتے ہیں اس کے مظاہرے کے طور پر ان رد عمل کو سمجھتے ہیں۔ اِس طرح یہ فن ہم کو اِس قابل بناتی ہی کہ ہم آزادانہ طور پر مختلف سیاسی جماعتوں کا موازنہ کر ایک بہتر جماعت چن سکیں۔

- **سیاست آپ کو بالغ زندگی کے لیے تیار کرتی ہے (Politics Prepares to Adult Life)**

بیشتر ممالک کی سیاست کی دنیا واقعی ہماری اٹھارہویں سالگرہ کے بعد نوعمروں کے لیے کھل جاتی ہے، ہمیں رائے دہندگی کی حق کے

ساتھ ہمیں اپنی قوم کو تبدیل کرنے کی صلاحیت ملتی ہے اور جن اصولوں کو ہم عزیز رکھتے ہیں اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے، یہ بات آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ کسی بھی اسکول میں حکومت اور سیاست سب سے زیادہ قابل اطلاق مضمون ہے۔ ملک کو کیسے چلانا ہے، مختلف اداروں کے وجود کا بنیاد کیا ہے۔ آفاقی رائے دہندگی کیوں ضروری ہے۔ انتخابات کیا ہیں اور کیسے ہوتے ہیں۔ ان سب کی جانکاری ہمیں سیاسی طور پر بالغ بناتی ہے۔

- **مملکت اور حکومت کے بارے میں معلومات اور سوچ فراہم کرنا**

(To Provide Information and Opinion About State and Government)

علم سیاسیات فرد کو مملکت، حکومت اور بہت سی سیاسی تنظیموں اور اداروں کے بارے میں قیمتی معلومات اور نظریات مہیا کرتی ہے۔ مملکت تمام سماجی اداروں میں سب سے عالمگیر اور طاقتور ادرہ ہے، اور سیاسی طور پر روشن خیال افراد سماجی اور سیاسی امور میں کارآمد کردار ادا کرنے کے اہل ہیں۔

- **حکومت، انتظامیہ اور سفارت کاری کے بارے میں اچھا خیال فراہم کرنا**

(To Provide best Opinion about Government, Administration and Diplomacy)

مختلف شعبوں میں حکومت چلانے کے ذمے دار قائدین، سیاسی رہنما، قانون ساز، انتظامیہ اور سفارت کار ہیں۔ اپنے کاروبار کو موثر انداز میں چلانے اور اپنے کام کو سرانجام دینے کے لیے، انہیں علم سیاسیات کے علم کی ضرورت ہے۔ مملکتی جہاز سیاسی نظریہ پر منحصر ہے۔ سیاسی نظام کی موثر تنظیم اور ترقی کے لیے علم سیاسیات کا مطالعہ بہت ضروری ہے، کیونکہ علم سیاسیات مملکت کی سائنس ہے۔ افلاطون کی اکیڈمی اور ارسطو کے لیزیم (Layceum) نے مستقبل کے ماہرین اور انتظامیہ کو قیمتی تربیت دی۔ جدید دور میں ملک کے آئندہ رہنماؤں کو مختلف تعلیمی اداروں اور مراکز میں حکومت اور انتظامیہ کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں تعلیم اور تربیت دی جارہی ہے۔

- **اچھا شہری بنانا (To become a Good Citizens)**

علم سیاسیات کے ذریعے حاصل کردہ معلومات اچھے شہریوں کی تعمیر میں معاون ہے۔ آج کل ایک فرد انتظامیہ کے حوالے سے ایک غیر فعال تماشائی نہیں ہے۔ وہ اپنے فیصلوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ لہذا شہریوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ملک کی تعمیر، مملکت کے دائرہ اختیار اور کام کے بارے میں سیکھیں۔ سیاسی شعور اچھے شہریوں کی مدد کرتا ہے۔

شہری کو اپنے حقوق اور مملکت کے عطا کردہ فرائض سے آگاہ ہونا چاہیے۔ اسے یہ سیکھنا چاہیے کہ اگر وہ مملکت کے ذریعے غصب کیا جاتا ہے تو وہ کس طرح اپنے حقوق واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہوگا۔ باخبر شہری مملکت اور دیگر بیرونی ایجنسیوں کے ذریعے اپنے حقوق کے تجاوزات کو روک سکتے ہیں۔ وہ طاقت کے غلط استعمال کو بھی روک سکتے ہیں۔ لہذا یہ کہا گیا ہے، "ابدی چوکسی آزادی کی قیمت ہے۔" جدید فلاحی مملکتوں میں، قوانین صرف افراد کو قابو کرنے اور ان کو نظم وضبط کرنے کے لیے نہیں ہیں۔ قوانین کئی فلاحی

اقدامات اٹھانے میں بھی مدد کرتے ہیں۔ اس طرح، ایک فلاحی مملکت کی کامیابی کا انحصار لوگوں کے شعور اور چوکسی پر ہے۔ علم سیاسیات افراد کو مملکت کے مختلف اداروں کے غرض اور مقاصد، اور ان کے افعال کے بارے میں اچھے خیال حاصل کرنے میں بھی مدد کرتی ہے۔

- **دنیا کے بارے میں معلومات فراہم کرنا (To Provide Information of the World)**

تاہم، ان مفید نظریات کے علاوہ، سیاسی علوم کا علمی حصول انسان کے ذہن کو تقویت بخشتا ہے اور کسی کے فکری افق کو وسیع کرتا ہے۔ ہمارے آس پاس کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے یہ جاننے کے لیے کم از کم علم سیاسیات کا ابتدائی علم ضروری ہے۔ جدید دور میں ایک فرد الگ تھلگ زندگی نہیں گزار سکتا۔ ہر ملک کو دنیا کے دوسرے ممالک سے تعلقات برقرار رکھنا ہوں گے۔

- **بین الاقوامی امن اور تعاون کی حوصلہ افزائی (Encouragement of International Peace and Coperation)**

سیاست کا مطالعہ بین الاقوامی امن اور تعاون کو تحریک دیتا ہے۔ علم سیاسیات نے عالمی امن اور تعاون کے ذریعے 'ایک عالمی مملکت' کا خواب دیکھا ہے۔ اب یہ بہت ساری بین الاقوامی تنظیموں کا ہدف ہے کہ وہ دنیا کو ایٹمی ہتھیاروں کی لعنت سے آزاد کریں اور پر امن وجود قائم کریں۔ جارج برنارڈ شا نے مشاہدہ کیا ہے، "علم سیاسیات وہ سائنس ہے جس کے ذریعے تنہا تہذیب کو بچایا جا سکتا ہے۔"

- **سماجی تبدیلی کی سہولت (Convenience of Socially Changes)**

علم سیاسیات ، متحرک سماجی سائنس ہونے کے ناطے، سماجی تبدیلی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ علم سیاسیات کا مطالعہ فرد کو ترقی پسند نظریات اور انقلابی تبدیلیوں کے بارے میں اچھی معلومات حاصل کرنے کے قابل بناتا ہے۔ اس سے سماجی، معاشی اور سیاسی شعبوں میں اجتماعی فیصلے کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، علم سیاسیات کا مطالعہ انسان کے ذہن کو روشن کرتا ہے اور علم کے تالاب کو مزید تقویت دیتا ہے۔ اے ایل راؤس کے مطابق، "وہ لوگ جو سیاست کو نظر انداز کرتے ہیں وہ بطور عوام خوش نہیں ہو سکتے۔"

- **جمہوریت کو کامیاب بنانا (To Make Democracy Succesful)**

علم سیاسیات انسان کی سیاسی شعور کو بڑھاتی ہے، اسے اپنی آزادیوں، حقوق اور فرائض سے واقف کرتی ہے اور ساتھ ہی حکومت کو لوگوں کے ساتھ اپنے فرائض اور ذمے داری کی بھی یاد دلاتی ہے۔ روشن خیال، باشعور اور چوکس شہری حکومت کو جوابدہ بنائیں گے، اور سماجی انصاف اور مساوات کے قیام میں نمایاں کردار ادا کریں گے۔ علم سیاسیات سماجی اور معاشی جمہوریت پر زور دیتے ہوئے جمہوریت کی کامیابی کے لیے سازگار شرط پیدا کرتی ہے۔

- **تعاون اور رواداری (Coperation and Tolerance)**

علم سیاسیات تعاون، سلجھاؤ اور رواداری کا سبق بھی دیتی ہے۔ تعاون کے بغیر معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔ انسان کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعاون اور خود کو آراستہ کرنے کا طریقہ سیکھنا چاہیے۔ ملک کی بہتر ترقی کے لیے ہر شعبہ ہائے زندگی کے لوگوں کو تعاون کرنا چاہیے۔ معاشرے میں بھی رواداری ضروری ہے۔

4.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

علم سیاسیات ایک مملکت کی پیدائش اور ترقی کو سمجھنے کے لیے مدد کرتا ہے. اس میں حکومت کی قسم اور مملکت کے کاموں میں شامل سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ اس میں نظریات کی پیدائش اور ترقی کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتی ہیں جیسے بادشاہت، آزادی، انصاف، قوانین، مساوات، اچھی حکومت، جنگیں اور امن وغیرہ۔ یہ مملکت اور مرکزی حکومتوں کے ڈھانچے اور اس کے افعال کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہے۔ یہ مملکت کے آئین اور قوانین کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ اس سے ہمیں حکومت کے اعضا یعنی مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ اور ان کے افعال کے بارے میں سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مجملہ ہم کہ سکتے ہیں کہ: علم سیاسیات کا مطالعہ نہایت مفید اور قابل قدر ہے۔ اس کا علم حکمران اور حکمرانی دونوں کے لیے ضروری اور مفید ہے

- علم سیاسیات کا بنیادی مقصد مملکت، اس کی اصلیت، نوعیت، ساخت اور افعال کے بارے میں معلومات فراہم کرنا ہے۔
- علم سیاسیات مملکت کی قیادت اور قیادت کی سائنس ہے۔ منتظمین، سیاسی قائدین، اور سفارت کار، جو مملکت کے امور انجام دیتے ہیں، انہیں بھی سیاسی سائنس کا باضابطہ علم درکار ہوتا ہے۔
- ہمارے آس پاس کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے یہ جاننے کے لیے کم از کم سیاسی سائنس کا ابتدائی علم ضروری ہے۔ افراد تنہائی میں نہیں رہ سکتے، اسی طرح ایک ملک کو دنیا کے دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات برقرار رکھنا پڑتا ہے۔
- علم سیاسیات کا مطالعہ لوگوں کو ان کے حقوق اور فرائض سے آگاہ کرتا ہے۔ سیاسیات کا علم شہریوں کو چوکس اور ذہین بنا دیتا ہے۔ علم سیاسیات تعاون، سلجھاو اور رواداری کا سبق سیکھاتی ہے۔ ہر شعبہ ہائے زندگی کے افراد کو ملک کی بہتر ترقی کے لیے تعاون کرنا چاہیے۔ علم سیاسیات جدید حکومت کے طریقہ کار اور آئینی نظام کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتی ہے۔
- اپنی اہمیت کو دھیان میں رکھتے ہوئے ارسطو علم سیاسیات کو "اعلی سائنس یا ماسٹر سائنس" قرار دیا۔

4.7 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **اشتراکیت** : ایک ایسا سماجی نظام جس میں سامان اور خدمات مشترکہ طور پر مشترکہ ہیں۔ سوشلزم کی ایک شکل جو پیداوار کے ذرائع اور مزدوری کی مصنوعات کی شراکت میں مرکزی عوامی ملکیت کے حامی ہے۔
- **آئین:** کسی قوم کا بنیادی قانون۔ حکومت کی طاقت کی وضاحت؛ دفاتر اور ان کے اختیار کی وضاحت کرتا ہے۔
- **جمہوری جمہوریہ:** ایک جمہوریہ جس میں عوام کے منتخب نمائندے قوانین اور پالیسیاں بناتے اور نافذ کرتے ہیں۔
- **نظریہ:** ایک عالمی نظریہ یا لوگوں اور حکومت کے کردار کے بارے میں جامع عقائد کا ایک سیٹ۔
- **طاقت:** کسی کی خواہشات سے قطع نظر، کسی کو اپنا طرز عمل تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کی اہلیت۔

- **سوشلزم:** عوامی اجتماعی ملکیت اور پیداوار، تقسیم اور تبادلے کے ذرائع پر کنٹرول۔
- **مملکت :** لوگوں کا ایک گروہ جو کسی خاص خطے پر قابض ہے اور ایک ہی حکومت کے تحت منظم ہے۔
- **وحدانی نظام:** ایک ایسا حکومتی نظام جہاں سارے اختیارات مرکزی حکومت کے پاس ہوتی ہے۔
- **فلاحی مملکت :** ایک ایسی مملکت جس کا مقصد عوام کے فلاح ہ بہبود کے لیے کام کرنا ہے۔
- **عوامی پالیسی:** وہ عمل ہے جس کے ذریعے پالیسی ساز اپنے سیاسی وژن کا ترجمہ 'حقیقی دنیا میں مطلوبہ تبدیلیاں' فراہم کرنے کے لیے پروگراموں اور اقدامات میں کرتے ہیں۔'
- **نظم ونسق عامہ (Public Administration):** پبلک اڈمنسٹریشن / نظم ونسق عامہ بیوروکریسی / نوکرشاہی کے کردار کا مطالعہ کرتی ہے۔

4.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

4.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ کس یونانی لفظ سے پولیٹکس / علم سیاسیات کا اصطلاح اخذ کیا گیا ہے؟

(a) پولس

(b) پولیٹکس

(c) پولیٹیکا

(d) پولِک

2۔ کس مصنف نے علم سیاسیات کو ماسٹر سائنس کہا ہے؟

(a) سقراط

(b) افلاطون

(c) ارسطو

(d) جون لاک

3۔ کس ماہرِ سیاسیات کے مطابق "علم سیاسیات مملکت سے شروع ہوتا ہے اور مملکت پر ہی ختم ہوتا ہے۔"

(a) جی ایچ جیمز

(b) گارنر

(c) بلنشلی

(d)پال جینیٹ

4۔ رائے عامہ، انتخابات، قومی حکومت، اور مملکت، مقامی، یاعلاقائی حکومت علم سیاسیات کے کس ذیلی شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں؟

(a)تقابلی (b)داخلی

(c)عوامی انتظامیہ (d)عوامی پالیسی

5۔ علم سیاسیات کے کس شعبہ ذات میں کلاسیکی سیاسی فلسفہ اور عصری نظریاتی نقطہ نظر (جیسے تعمیری نظریہ، تنقیدی نظریہ، اور مابعد جدیدیت) شامل ہیں؟

(a)سیاسی نظریہ (b)بین الاقوامی سیاست

(c)عوامی قانون (d)تقابلی سیاست

6۔ حکومت کے کام کو موثر انداز میں جاری رکھنے کے لیے سیاسی رہنماؤں اور سول سرونٹ کے لیے کس سیاسی سائنس کا علم بہت ہی مفید ہے؟

(a)تقابلی (b)داخلی

(c) نظم ونسق عامہ (d)عوامی پالیسی

7۔ اس مضمون کے مطالعے کے بعد ہم جمہوریت اور اپنے حقوق، نظریات اور پارٹی پالیسیوں، آئین اور پارلیمنٹ کے بارے میں سیکھتے ہیں۔

(a)معاشیات (b)تاریخ

(c) سیاسیات (d)فلسفہ

8.1 علم سیاسیات انسان کی سیاسی شعور کو بڑھاتی ہے، اسے اپنی آزادیوں، حقوق اور فرائض سے واقف کرتی ہے۔

8.2 علم سیاسیات سماجی اور معاشی جمہوریت پر زور دیتے ہوئے جمہوریت کی کامیابی کے لیے سازگار شرط پیدا کرتی ہے۔

(a)پہلا بیان صحیح ہے (b)دوسرا بیان صحیح ہے

(c)دونوں بیان صحیح ہیں (d)کوئی بھی بیان صحیح نہیں ہے

9۔ اقوام عالم کے مابین مذاکرات کرنے کا فن اور سائنس کہلاتا ہے۔

(a)خارجی معاملات (b)سفارت کاری

(c)بین الاقوامی اُمور (d)بیوروکریسی

10۔ وہ عمل جس کے ذریعے پالیسی ساز اپنے سیاسی وژن / بسارت کا ترجمہ 'حقیقی دنیا میں مطلوبہ تبدیلیاں' فراہم کرنے کے لیے پروگراموں اور اقدامات میں کرتے ہیں۔

(a)عوامی قانون　　　(b)عوامی انتظامیہ

(c)عوامی سیاست　　　(d)عوامی پالیسی

4.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. علم سیاسیات کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔
2. علم سیاسیات کے مختلف شعبوں کا ذکر کیجیے۔
3. علم سیاسیات کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔
4. علم سیاسیات کی افادیت پر بحث کیجیے۔
5. سیاست کا علم ہمیں کس طرح ایک اچھا شہری بننے میں مدد کرتا ہے؟ وضاحت کے ساتھ بیان کیجیے۔

4.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. علم سیاسیات کیا ہے اس پر تفصیل سے ایک نوٹ لکھیے؟
2. علم سیاسیات کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کی اہمیت بتائیے۔
3. علم سیاسیات کے کچھ خاص مطالعہ پر روشنی ڈالیے۔

4.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Stoker, Gerry, B. Guy Peters, and Jon Pierre, eds.(2015), The Relevance of Political Science. Macmillan International Higher Education
2. Peters, Guy & Pierre, Jon & Stoker, Gerry (2010), The Relevance of Political Science, DOI:{10.1007/978-0-230-36664-0_17}. Theory and Methods in Political Science (pp.325-342)
3. What is Political Science? https://scholar.princeton.edu/sites/default/files/ccameron/files/cameron.whatispoliticalscience.pdf
4. Galston, William A.(2004) "Civic Education and Political Participation." PS: Political Science and Politics 37, no. 2 , 263-266.

5. Sabatier, Paul A.(1991) "Political science and public policy." PS: Political science and politics 24, no. 2 ,144-147.
6. Baumgartner, Frank R., and Beth L. Leech(1998), Basic interests: The Importance of Groups in Politics and in Political Science. Princeton University Press
7. Frazer, Elizabeth(1999), "Introduction: The Idea of Political Education." Oxford Review of Education 25, no. 1-2
8. Galston, William A. (2001) "Political Knowledge, Political Engagement, and Civic Education." Annual Review of Political Science 4, no. 1 p 217-234.

اکائی 5۔ سیاسیات کا دیگر سماجی علوم سے تعلق

(Relation of Political Science with other Social Sciences)

اکائی کے اجزا

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 علم سیاسیات کا دوسرے سماجی علوم سے وابستگی کا پیش منظر

5.3 دوسرے سماجی علوم کے ساتھ تعلقات

5.4 علم سیاسیات کے مطالعے کی اہمیت

5.5 اکتسابی نتائج

5.6 کلیدی الفاظ

5.7 نمونہ امتحانی سوالات

5.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالت

5.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

5.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

5.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

5.0 تمہید(Introduction)

اس اکائی میں ہم "علم سیاسیات کا دوسرے سماجی علوم سے وابستگی" کے بارے تفصیل سے تذکرہ کریں گے اور اس کے بارے میں کچھ بنیادی باتیں جان لیناضروری ہے تاکہ طالب علم اسے اچھی طرح سے مطالعہ کرنے کے بعد سارے مختلف سوالوں کا جواب دینے کے لائق بن جائے۔ اس کے پہلے یہ بھی جانناضروری ہے کہ قدیم زمانے سے ہی مختلف سماجی علوم کے سلسلے میں زیر بحث رہاہے، لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد سامنے آنے والی علمی تحریک نے ان تعلقات میں ایک نئے عروج کو جنم دیاہے۔ اس نے انقلاب کی شروعات کی ہے۔ اس وقت مختلف سماجی علوم کے مابین تعلقات کو اس بنیاد پر زیر بحث لایا جارہاہے کہ انسان کی سماجی زندگی ایک پابند ہستی ہے جسے کسی بھی حالت میں

زندگی کے کسی بھی پہلو سے الگ نہیں کیا سکتا۔ اس وقت علم سیاسیات کے تحت انٹرڈسپلنری اسٹڈی کے طریقہ کار کو بہت اہمیت دی جارہی ہے۔ اس طریقہ کار کو دی جانے والی اہمیت کی وجہ سے، علم کی کچھ نئی شاخیں ابھری ہیں، جیسے 'پولیٹیکل ایکونومیٹری'، 'پولیٹیکل سماجیات'، 'سیاسی نفسیات'۔ امریکی سائنس دانوں نے حال ہی میں 'سوشل سائنس ریسرچ کونسل' کی تشکیل دی ہے۔ اس کونسل نے تمام سماجی علوم کو یونٹ کا پابند بنا کر مطالعہ کرنے کا عمل شروع کیا ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں، علم سیاسیات کا رشتہ دوسرے سماجی علوم کے ساتھ زیادہ ہو گیا ہے۔

5.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ "علم سیاسیات کا دوسرے سماجی علوم سے وابستگی"، جس میں اس سے متعلق سارے پہلویوں کو اس طرح بیان اور واضع کر دیا جائے کہ طالب علم اس باب کے مطالعے کے بعد "علم سیاسیات کا دوسرے سماجی علوم سے وابستگی" جیسے سیاسیات اور تاریخ؛ سیاسیات اور سماجیات؛ سیاسیات اور نفسیات؛ سیاسیات اور معاشیات؛ سیاسیات اور بشریات؛ سیاسیات اور فقہی؛ سیاسیات اور حیاتیات؛ سیاسیات اور جغرافیہ؛ سیاسیات اور اخلاقیات اور دیگر وغیرہ کی حوالہ سے تمام طرح کے سوالات وسکوک اور شبہات کو نہ صرف یہ کہ خود اپنے ذہن ودماغ سے سمجھ سکے بلکہ ان عنوان کے مختلف پہلویوں پر جو بھی اس طرح کے سوالات اٹھتے اور قائم ہوتے ہیں وہ ان کا جواب دینے کے قابل ہو جائے۔

5.2 علم سیاسیات کا دوسرے سماجی علوم سے وابستگی کا پس منظر

(Background of Relations between Political Science to other Social Science)

علم سیاسیات ایک سماجی سائنس ہے اور اس کا گہرا تعلق دوسرے سبھی سماجی سائنس سے بھی ہے۔ انسان ایک سماجی جانور ہے اور اس کی سماجی زندگی جس میں سیاسی، مذہبی، معاشی اور اخلاقیات جیسے مختلف پہلو ہیں۔ یہ مختلف پہلوؤں پر مختلف سماجی سائنسوں یا سماجی علوم جیسے علم سیاسیات، سماجیات، علم معاشیات، علم اخلاقیات، علم نفصیات وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ علم سیاسیات کا تعلق انسان کی سماجی زندگی کے سیاسی پہلوؤں سے ہے، لیکن معاشی حالت آدمی کی سیاسی حالت کو بہت متاثر کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، مردوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔ وہاں تمام سماجی علوم کو ایک دوسرے سے مکمل طور پر الگ نہیں کیا جا سکتا۔ علم سیاسیات ایک سوشل سائنس ہونے کی وجہ سے دوسرے سماجی علوم جیسے علم تاریخ، علم معاشیات، علم فلسفہ، علم نفسیات وغیرہ سے متعلق ہے۔ **ڈاکٹر گانر** کے مطابق، "تمام متعلقہ مضامین کے علم کے بغیر علم سیاسیات کو سمجھنا مشکل ہے جیسا کہ علم کیمیات کے علم کے بغیر علم حیایات کو سمجھنا اور علم ریاضی کے علم کے بغیر میکانکس کو سمجھنا مشکل ہے۔ **سیڈوک** کا کہنا ہے کہ یہ کسی بھی چیز کی مناسب تفہیم کے لیے ہمیشہ مفید ہے دوسرے علوم کے ساتھ اپنا رشتہ قائم کرنے کے لیے تفتیش کا موضوع "واضع طور پر یہ دیکھنے کے لیے کہ اس سے ان کی کیا استدلالات ہیں اور ان کے بدلے میں انہیں کیا دینے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔" **پاؤل جینٹ** کے مطابق، "علم سیاسیات سیاسی معیشت یا دولت کی سائنس کے ساتھ قریب

سے جڑی ہوئی ہے۔ قانون کے ساتھ یا تو مثبت نوعیت کی فطرت، جو خود شہریوں کے ایک دوسرے سے تعلقات کے ساتھ، تاریخ کے ساتھ خود پر قابض ہے۔ فلسفہ اور خاص طور پر اخلاق کے ساتھ جو اسے اس کے اصولوں کا ایک حصہ دیتے ہیں۔" علم سیاسیات کا تعلق دوسرے تمام سماجی علوم سے بہت گہرا ہے، کیونکہ وہ علم جو انسانوں کے طرز علم کے کسی بھی مرحلے کے بارے میں، ان اداروں کے بارے میں حاصل کیا جاتا ہے جو مدد تیار کرتے ہیں، یا ان نظریات جن کا وہ بڑے پیمانے پر جواب دیتے ہیں اسی طرح کے تفتیش کے شعبوں میں کارگر ثابت نہیں ہوسکتے۔ ہر سماجی سائنس جیسے تاریخ، سماجیات، جغرافیہ، معاشیات، نفسیات اور قانون کو تکمیل اور باقی کو مضبوط بناتا ہے۔

وسیع پیمانے پر بات کریں تو، انسانی علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، پہلے طبعی نوعیت کا سائنسی مطالعہ اور دوسرا، معاشرے میں رہنے والے انسان کا سائنسی مطالعہ۔ طبیعیات، کیمیعات، حیاتیات، جغرافیہ، ارضیات اور فلکیات وغیرہ جیسے قدرتی اور جسمانی سائنس علوم پہلے زمرے میں آتے ہیں۔ عمرانیات، معاشیات، سیاسیات، نفسیات، اور اخلاقیات دوسرے زمرے میں آتے ہیں۔ انسان ایک سماجی اور سیاسی جانور ہے۔ انسانی زندگی کے بہت سے پہلو ہیں۔ سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی، اخلاقیات اور تاریخ وغیرہ، انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے نمٹتے ہیں، انہیں سماجی علوم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انسانی علوم صرف ان سماجی عہد تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کے دائرہ کار میں طبعی علوم جیسے طبیعیات، کیمیات، علمیات اور نباتیات، وغیرہ کا مطالعہ بھی شامل ہے۔ قدرتی اور سماجی نسبتوں کے مابین گہرا تعلق ہے۔ پروفیسر بلنتسچلی کہتے ہیں، "انسان کا ایک سماجی وجود ہے اور اس کی مختلف سماجی سرگرمیوں کا الگ سے مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی سیاسی زندگی کا صرف ایک حصہ ہے لیکن جب مملکت کا سائنس لازمی طور پر دوسری سماجی سائنس سے جڑا ہوتا ہے۔ لیکن یہاں ہمارا مقصد صرف سیاسی معاشرے کو دوسرے سماجی علوم کے ساتھ تعلق کو ظاہر کرنا ہے۔

علم سیاسیات کے مطالعے کی اہمیت(Importance of Study of Political Science): جدید دور جمہوریت کا دور ہے لہذا ہر فرد سیاست سے براہ راست یا بالواسطہ تعلق رکھتا ہے۔ **برنارڈ شا** کا کہنا ہے کہ کیے لیے سیاست ہی تہذیب کو بچا سکتی ہے۔ علم سیاسیات کا صحیح مطالعہ معاشرے اور فرد دونوں کے لیے اہم ہے، جو حسب ذیل ہیں:

سیاسی مسائل کو حل کرنے کے لیے، مملکت کی اصل اور اس کی نوعیت اور کردار کے بارے میں واضح تفہیم درکار ہے۔ ماضی کی فکر اور اصولوں کا علم ہمیں موجودہ سماجی، سیاسی اور انتظامی مسئلے کو سمجھنے کے قابل بناتا ہے۔ سیاست سیاسی نظریہ کی اچھی طرح سے تعریف کرتی ہے اور مختلف اصطلاحات کے معنی بیان کرتی ہے جس کے ساتھ ہر شخص آئے دن کی زندگی میں آتا ہے۔ علم سیاسیات کا علم افراد کو معاشرے کے ممبروں کی حیثیت سے اپنے کردار سے آگاہ کرتا ہے، ان کے آئین پر روشنی ڈالتا ہے اور شہریت حاصل کرنے کے بارے میں معلومات دیتا ہے۔ سیاست لوگوں کو ان کے حقوق سے آگاہ کرتی ہے۔ سیاست آزادی اور انصاف کے تحفظ کے طریقوں پر تعلیم دیتی ہے۔ سیاست لوگوں کو دوسرے سماجی علوم کے بارے میں جاننے کے لیے تیار کرتی ہے۔ سیاست باہمی کامیابی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سیاست کا علم جمہوریت میں لوگوں کو چوکس اور محتاط رہنے کے اہل بناتا ہے۔ یہ ماضی کا سیاسی تجربہ فراہم کرتا ہے، جو حال کا مطالعہ کرنے اور مستقبل کے بارے میں اچھے سوچنے کا ذمے دار ہے۔ سیاسیات سماج میں مساوات، انصاف اور اخوت کا ماحول قائم رکھنے میں مدد کرتا ہے

کیوں کہ یہ قانون کی حکمرانی کی وکالت کرتا ہے۔اس کے علاوہ سیاسیات کا مطالعہ روزگار کے بہتر مواقع بھی فراہم کرتا ہے۔

5.3 دوسرے سماجی علوم کے ساتھ تعلقات (Relations with other Social Science)

علم سیاسیات دیگر سماجی علوم جیسے تاریخ، معاشیات، اخلاقیات اور نفسیات سے بہت قریب سے وابستہ ہے اور ان کے مطالعے میں سماجی تنظیم کا ایک پہلو بھی شامل ہے جس کے ساتھ دیگر سماجی علوم بھی معاملات کرتے ہیں جب کے علم سیاسیات کا بنیادی مضمون مملکت ہے، اس سے اس کا تعلق ہے۔ تمام سماجی علوم ایک مشترکہ موضوع کے گرد گھومتے ہیں۔ ایک دوسرے سے وابستہ بھی ہیں اور ایک دوسرے کے مقروض ہیں۔

5.3.1 علم سیاسیات اور تاریخ (Political Science and History)

علم سیاسیات اور تاریخ کے مابین بہت قریب اور گہرا تعلق ہے۔ دونوں معاون اور تکمیلی ہے۔ تاریخ اور سیاسیات کے بارے میں انگریزی کے نامور مصنف **سیلی** کے مندرجہ ذیل جوڑے میں سیاسیات اور تاریخ کے مابین قربت اچھی طرح سے سامنے آئی ہے: "سیاسی سائنس کے بغیر تاریخ کا کوئی ثمر نہیں ہوتا، تاریخ کے بغیر سیاسی سائنس کی کوئی جڑ نہیں ہوتی ہے۔" **پروفیسر ولفی کے** مطابق، "تاریخ ہمیں سیاسیات کی تیسری جہت فراہم کرتی ہے۔" "تاریخ ہمیں سیاسیات کا خام مال مہیا کراتی ہے۔ یہ سیاسیات کے لیے ایک بہترین قسم کی لیبارٹری کا کام کرتا ہے۔ جس طرح سیاسیات تاریخ پر منحصر ہے، اسی طرح تاریخ سیاسیات پر منحصر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ، یہ ایک دوسرے کے تکمیلی ہیں۔ **پروفیسر سیلے** نے صحیح طور پر دیکھا ہے کہ "سیاست مضحکہ خیز ہوتی ہے جب تاریخ آزاد نہیں ہوتی اور تاریخ محض ادب میں ڈھل جاتی ہے جب وہ سیاست سے اس کے تعلق کی نذر ہو جاتا ہے۔ دونوں علوم کے مابین قربت پر روشنی ڈالنا ہے۔ **برجیس** اشارہ کرتے ہیں، "ان کو الگ اور ایک معذور ہو جاتا ہے، اگر لاش نہیں تو، دوسرے دانشور کی مرضی۔"

اگر ہم سیاسی واقعات کو نظر انداز کرتے ہیں تو ہمارا تاریخ کا مطالعہ نامکمل ہے۔ مثال کے طور پر 19 ویں صدی کی یوروپی تاریخ قوم پرستی، سامراجیت، انفرادیت، جمہوریت، سوشلزم اور کمیونزم کے مطالعے کے بغیر نامکمل ہے۔ فرانسیسی انقلاب ایک سیاسی واقعہ تھا اس نے فرانس کی تاریخ کو کافی متاثر کیا۔ 20 ویں صدی میں، جرمنی میں نازیزم اور اٹلی میں فاشیزم کے طلوع فجر کی سیاسی اہمیت ہے۔ ان سیاسی واقعات نے نہ صرف اٹلی اور جرمنی بلکہ پوری دنیا کی تاریخ کو کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ وہ اتنے پر جوش ثابت ہوئے کہ دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی۔ اسی طرح، ہندوستان میں ہندوستان کے عظیم انقلابیوں (چندر شیکھر آزاد، رام پرساد بسمل، بھگت سنگھ اور سبھاش چندر بوس وغیرہ) کی زیر قیادت سیاسی تحریک نے ہندوستانی تاریخ پر اپنا اثر چھوڑ دیا ہے۔ عدم تعاون کی تحریک، سول نافرمانی کی تحریک، مہاتما گاندھی کی سربراہی میں ہندوستان چھوڑیں کی تحریک، 1945 میں شملہ کانفرنس، کیبینٹ مشن پلان، عبوری حکومت کا قیام، 1947 میں ہندوستان کی تقسیم، اکتوبر 1947 میں کشمیر پر پاکستانی جارحیت، 1962 میں ہندوستان پر چینی جارحیت، 1965 اور 1971 میں انڈو-پاک تنازعہ اور محترمہ اندرا گاندھی کا قتل کچھ اہم سیاسی واقعات ہیں اور اس کے مطالعے کے بغیر، ہندوستانی تاریخ بے معنی اور ادھوری رہ جاتی ہے۔ یہ سب

واضع طور پر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ تاریخ اور سیاسیات کے مابین گہری قربت ہے۔

سیاست کے مطالعے میں تاریخ کے استعمال کے دو طرح سے غور کیا جا سکتا ہے: (1) سیاسی واقعات کی تشریح، سیاسی حالات اور اداروں کے تقابلی مطالعہ اور سیاست سے متعلق مفروضوں کی تصدیق کے لیے تاریخ سے خاطر خواہ بنیاد مواد جمع کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، موجودہ ہندوستانی سیاست کو سمجھنے کے لیے ہم ہندوستان کی تاریخ کے مختلف دوروں کو دیکھ سکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں کہ کن عناصر نے ہندوستان کے عوام کو اتحاد کے دھاگے میں متحد کیا ہے اور کون سے عناصر ان میں تقسیم کا بیج بو رہے ہیں۔ کن شرائط کے تحت (یعنی، کس طرح کے نظم و نسق اور فوجی نظام وغیرہ کے تحت) ہندوستان بیرونی حملوں کا مقابلہ کرنے میں کامیاب رہا ہے، کن حالات میں، وغیرہ۔ (2) جب تاریخ نہیں ہے صرف واقعات کی ترتیب کی وضاحت کے طور پر دیکھیں، بلکہ ان واقعات میں مدت کے تعلقات بھی قائم ہونے لگتے ہیں۔ جب ہم تاریخ کے حکمرانوں اور ان کے جرنیلوں، ان کی حکمرانی اور جنگوں، فتوحات اور شکستوں وغیرہ کی تاریخ پر غور نہیں کرتے ہیں، بلکہ اس میں عوامی اور مختلف سماجی تشکیل، سیاسی تحریکوں، معاشی تبدیلیوں اور ان کے اثرات، اہمیت، فن اور اگر ہم مذہبی رجحانات وغیرہ کا تجزیہ بھی شامل کریں تو یہ سیاست کے اصولوں کے لیے ایک معاون ہدایت نامہ بن جاتا ہے۔

کچھ مصنفین نے تاریخ اور سیاسیات کے بہت قریبی تعلقات پر تبادلہ خیال کیا ہے۔ اس طرح **جان بولی** نے لکھا ہے، "علم سیاسیات میں تاریخ کے بغیر (کے درخت) کوئی پھل نہیں ہوتا، تاریخ کے بغیر سیاست (کے درخت) کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔" **فری مین** نے یہاں تک لکھا ہے کہ "تاریخ سیاست کا ماضی ہے۔ سیاست موجودہ کی تاریخ ہے۔" یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیاست اور تاریخ دونوں کا آپس میں قریبی رشتہ ہے۔

5.3.2 علم سیاسیات اور علم معاشیات (Political Science and Economics)

یونانی مصنفین نے دونوں علوم کو ایک سمجھا اور معاشیات کو سیاسی معیشت قرار دیا۔ معاشیات کو یونانیوں کے ذریعے سیاسی معیشت کہا جاتا تھا اور ان کے ذریعے مملکت کو محصول فراہم کرنے کے فن سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ جدید دور میں، سیاسی سائنس داں اور ماہرین معاشیات تقریباً ایک ہو گئے ہیں اور وہ انسانی معاشرے کے ساتھ بھلائی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ معاشی مسائل مملکت کے ذریعے حل کیے جاتے ہیں جس کے ساتھ سیاسیات تفصیل سے کام کرتی ہے۔ معاشی نظم سیاسی آرڈر کے ساتھ قریب سے جڑی ہوئی ہے۔ سیاسی آرڈر معاشی آرڈر کی مدد کے بغیر نہیں چل سکتا اور معاشی آرڈر کا ہموار چلنا سیاسی آرڈر کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جب ہم مزدور قانون سازی، محصولات کے قوانین، تجارت، کرنسی اور تبادلے کے مسائل کا مطالعہ کرتے ہیں تو سیاسی نظم و ضبط اور معاشی نظم کے مابین گہری وابستگی اس وقت منظر عام پر آتی ہے۔

اگر معاشی حالات عالمی سیاست کو متاثر کرتے ہیں تو عالمی سیاست بھی دنیا کی معیشت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ حکومت کی پالیسیاں کسی ملک کا معاشی حالات پر کافی اثر پڑتا ہے۔ حکومت کی ٹیکس کی پالیسی، درآمد اور برآمد پالیسی، زر مبادلہ کی شرح، بینکنگ سسٹم، پوسٹ اور ٹیلی گراف سہولیات، اجازت نامہ اور راشننگ سسٹم، سامان کی نقل و حمل، کسٹم ڈیوٹی وغیرہ قوم کی معیشت کو متاثر کرتی ہیں۔ حکومت پیداوار،

تقسیم، کھیت اور مالیات وغیرہ کو کنٹرول کرتا ہے۔ حکومت اپنی صنعتوں کو چلاتا ہے اور غیر ملکی سامان پر بھاری سرچارج لگاتا ہے تاکہ دیسی سامان سستا اور گرم کیک کی طرح فروخت ہو۔ اس طرح سے قومی پیسہ بیرونی ممالک میں نہیں جائے گا۔ حکومت کرنسی اور سکے اور رقم کے تبادلے کو کنٹرول کرتا ہے۔ حکومت مزدوروں اور آجروں کے مابین اختلافات کو حل کرتا ہے۔ اگر حکومت کسی خاص ملک سوشلسٹ ہے، اس کی نجی املاک اور سرمائے کی پالیسی سرمایہ دارانہ ملک سے مختلف ہوگی۔ کسی خاص ملک کی قومیانے والی پالیسی اس ملک کی معیشت کو کافی حد تک متاثر کرتی ہے۔ اسی طرح، حکومت کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کو چیک کرنے کے لیے مختلف اقدامات اپنانے اور پیداوار میں اضافے کے لیے مختلف اقدامات اٹھائے۔ 1947 میں تقسیم کے بعد، ہندوستانی حکومت بہت سے منصوبوں کو آگے بڑھایا اور مختلف شعبوں میں اہم اقدامات کیے۔ ہماری حکومت زرعی پیداوار میں اضافے کے لیے پیسوں نے اہم اقدامات اٹھائے اور مختلف اقدامات اپنائے۔ اس نے ڈیموں کی تعمیر کی۔ آسان شرائط پر قرضے دیے اور کوآپریٹو کاشت کاری کو ترقی دی۔ صنعتی پیداوار میں اضافے کے لیے، ہماری حکومت بہت ساری فیکٹریاں، ملیں چلائیں اور بہت سے پودے لگائے۔

معاشیات کا بنیادی تشویش ان عناصر کا تجزیہ ہے جو جسمانی پیداوار، تقسیم اور تبادلے کے نظام میں انسانوں کے سماجی سلوک کو متاثر کرتے ہیں۔ اس میں ایسے عناصر کی بھی نشاندہی ہوتی ہے جو سرمایہ کاری یا معاشی وسائل کے استعمال سے متعلق فیصلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں، جیسے یہ عناصر، سرمایہ، مزدوری اور سامان کے استعمال سے متعلق فیصلے کو اثر و رسوخ کرتے ہیں۔ ایک تفصیلی تجربہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فیصلے بہت سارے غیر معاشی عوامل سے متاثر ہوتے ہیں، جیسے کی یہ فیصلے ثقافتی اقدار پر غور، ان افراد کی شخصیت، سیاسی ضروریات اور سماجی حثیت پر بھی بہت حد تک متاثر ہوتے ہیں۔ کسی معاشرے کا سیاسی ماحول دار دراز تک معاشی فیصلوں کو بھی متاثر کرتا ہے۔

در حقیقت، معاشیات کا آغاز سیاسی معیشت کے مطالعے سے ہوا۔ اس کے تحت حکومت اور قوم کی انتظامیہ کا اکثر مطالعہ کیا جاتا تھا۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں آہستہ آہستہ اس نے سیاسی اصول سے اپنا تعلق توڑ دیا اور لیز رفیئر اصول سے متاثر ہو کر اجناس کی قیمتوں اور بازار کے رجحانات پر زیادہ توجہ دینا شروع کر دی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ معاشیات نے اس شعبے میں بڑی ترقی کی ہے، اور طلب، رسد، مسابقت، سرمایہ کاری، افادیت، لاگت، منافع، منصوبہ بندی، ترقی وغیرہ کے بارے میں بہت اہم قواعد واُصول مرتب کیے ہیں۔ لیکن بعد کی دہائیوں میں یہ بھی محسوس کیا گیا کہ معاشی نظام کو صرف بازار، افواج اور کھلی مسابقت کی مدد سے چھوڑنا سماجی طور پر تباہ کن نتائج کا باعث بنتا ہے۔ معاشی عدم مساوات میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے، غریب اور مظلوم طبقات کا بے پناہ استحصال ہوتا ہے، سماجی ناانصافی پائی جاتی ہے اور معاشرے میں تناؤ اور تنازعات کی فضا ہے۔ اس سے معاشی سرگرمیوں کے ضابطے کی ضرورت ہوگئی اور معیشت کو عوامی کنٹرول میں رکھنے کے خیال کو اہمیت دی جانے لگی۔ اس کے نتیجے میں، معاشیات اور سیاسیات کی باہمی دلچسپی نے نئی زندگی پالی۔ اس رجحان نے موجودہ دور میں سیاسی معیشت کو ایک نئی شکل میں ترقی دی ہے۔

یہاں سیاسی نظریے کے نقطہ نظر میں تمام اہم تبدیلیاں آئی ہیں۔ آج مملکت کا رول صرف نظم نسق و قانون وضعابط ہی نہیں رہ گیا ہے بلکہ کی مملکت منصوبہ بندی کے میدان میں قدم رکھتی ہے یا بطور، 'فلاحی مملکت'، 'سروس اسٹیٹ'، یا 'سوشلسٹ اسٹیٹ' شہریوں کی

معاشی سلامتی کی ذمے داری قبول کرتی ہے، اور پورا روزگار، زندگی گزانے کا مناسب سطع، مناسب تغزیہ، صحت کی دیکھ بھال، عوامی تعلیم، وغیرہ پروگرام بناتا ہے، تب معاشیات کی مدد لینالازمی ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مارکسی نظریہ کے مطابق، پوری سیاست معاشی طاقتوں کے ذریعے منظم ہوتی ہے۔

5.3.3 علم سیاسیات اور سماجیات (Political Science and Sociology)

سماجیات معاشرے کی سائنس ہے۔ یہ معاشرے کی ابتدا، ترقی اور ساخت سے متعلق ہے اور اس کے مقاصد اور کارناموں کا مطالعہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں سماجی روایات، رسم ورواج اور عقائد بیان کیے گئے ہیں اور انسانی ثقافت اور تہذیب کی ابتدا اور ترقی سے متعلق ہے۔ گیٹل کے بقول، "سماجیات ایک عمومی سماجی سائنس ہے، یہ سماجی مجموعی سے متعلق ہے اور مجموعی طور پر سماجی زندگی کے حقائق اور قوانین کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عمرانیت انسان کی بنیادی، مذہبی اور سماجی ترقی سے متعلق ہے۔ جب کہ علم سیاسیات بنیادی طور پر انسان کی سیاسی پیش رفت سے وابستہ ہے۔ چوں کہ سیاسی حقائق صرف سماجی حقائق کے ایک حصے سے ہیں، لہذا سیاسیات کا دائرہ عمرانیات کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ دوسرے لفظوں میں، ہم کہہ سکتے ہیں کہ عمرانیت تمام سماجی علوم کی ماں ہے اور سیاسیات صرف سماجیات کی ایک شاخ ہے۔ "عمرانیت ایک عام سماجی سائنس ہے"، پروفیسر گلکرسٹ کہتے ہیں، یہ سماجی زندگی کے بنیادی حقائق سے نمٹتا ہے اور چوں کہ سیاسی زندگی سماجی زندگی کے مجموعی حصے کا صرف ایک حصہ ہے، سماجیات علم سیاسیات سے زیادہ وسیع ہے۔

اب اس حقیقت کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ علم سیاسیات اور عمرانیت کے درمیان قریبی تعلق ہے۔ یہ دونوں ہی انسان کی سرگرمیوں کا مطالعہ کرنے، معاشرے میں رہنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ سماجیات کی ابتدا، ترقی، ساخت اور سماجی گروہوں سے متعلق ہے۔ یہ ان کی شکلوں، قوانین، روایات، رسم ورواج، اداروں، افکار اور عمل اور انسانی تہذیب و ثقافت کی ترقی میں ان کے شراکت سے متعلق ہے۔ چوں کہ اس سے پہلے اور تاریخی مرحلے میں یہ سب اور دوسرے استعمال سے متعلق ہے، اس سے علم سیاسیات کو اس معنی میں مدد ملتی ہے کہ وہ ان حقائق کو پیش کرتا ہے جو سماجی قوانین اور سیاسی اداروں کی اصل کو جاننے میں مدد کرتے ہیں۔

ڈاکٹر وی پی ورما کا مشاہدہ ہے، "دراصل، ہم یہ اعتراف نہیں کر سکتے کہ سیاسی اور سماجیات کے مابین بہت ہی قریبی تعلقات رہے ہیں۔ افلاطون اور ارسطو سے لے کر لاسکی اور ڈیوڈ ایسٹن تک کے تمام نامور دانشوروں نے سماجی اور سیاسی معاملات میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ کامٹے، اسپنسر، پیرٹو، درکھائم اور میکس ویبر جیسے نامور ماہر سماجیات کے ذریعے سماجیات کے مطالعے کے طریقوں میں جو اصلاح کی گئی ہے انہوں نے سیاسی نظریہ کے مطالعے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے

یہاں علم سیاسیات میں، چوں کہ اداروں کے سماجی اساس میں سیاسی طرز عمل اور دلچسپی پیدا ہوئی ہے، تب سے اس نے سماجی سائنس کے تصورات اور طریقوں کے اطلاق کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک نیا عنوان 'سیاسی سماجیات' نکلا ہے۔ درحقیقت، سیاسی سماجیات کے عملدار نہ صرف سیاسی طرز عمل کی وضاحت کرنے کی پیش کش کرتے ہیں بلکہ میکس ویبر اور رابرٹ میشیلس کے تخلیقات میں بیوروکریٹک اسٹرکچر کے تجزیے کو پیش کیا گیا ہے، وہ اسے مختلف تخلیقی ڈھانچے پر بھی لاگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جیسے سرکاری

ایجنسیاں، ٹریڈیونین، سیاسی جماعتیں وغیرہ۔

سیاست کا ایک عمل جو عوامی فیصلوں تک پہنچتا ہے، یہ فیصلہ تب ہی کارگر ثابت ہو سکتے ہیں، جب یہ معلوم ہو جائے کہ مختلف گروہوں کو کن کن مقاصد سے حوصلہ افزائی کر رہے ہیں؟ کسی بھی سماجی کاروائی سے زیادہ ہو سکتی ہے اور اس کی کامیابی کے کتنے امکانات کی صلاحیت ہو گی۔ لوگوں کی اقدار، روایات، روش، مزاج، عقائد اور تعصبات کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ سماجی سائنس خاص طور پر اس سیاست میں معاون ہے۔ اگر دیکھا جائے تو، آج کی سیاسیات رسمی تنظیموں اور عملوں کے مطالعے سے زیادہ غیر رسمی عمل اور اداروں کو سمجھنے کے لیے زیادہ تیار ہے اور اس کے لیے سماجی سائنس کی حمایت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ پولیٹیکل سماجیات مطالعہ ایک شاخ ہے جس میں سیاسی ادارے عمل اور نظریات وغیرہ کو سماجی ڈھانچے اور عمل کے تناظر میں دیکھا اور جانچا ہے۔ اس میں، سیاسی نظام کو سماجی نظام کے ایک ذیلی نظام کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور ان کے تعامل کی جانچ کی جا رہی ہے۔

5.3.4 علم سیاسیات اور علم نفسیات (Political Science and Psychology)

نفسیات انسان کی طرز عمل سے نمٹنے والی نفسیات کی سائنس ہے۔ یہ "طرز عمل کی مثبت سائنس" ہے۔ وارڈ کے مطابق، "نفسیات انفرادی تجربے کی سائنس ہے۔" ووڈوتھ کا کہنا ہے کہ "نفسیات" ماحولیات کے سلسلے میں فرد کی سرگرمیوں کی سائنس ہے۔ یہ "سماجی شعور کی سائنس اور انسانی زندگی کے معقول اور غیر معقول پہلوؤں سے نمٹتی ہے۔" چوں کہ علم سیاسیات انسانی زندگی کے سیاسی پہلو سے متعلق ہے، اس لیے اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ اس کا قربت نفسیات سے ہے جو انسانی طرز عمل کے تمام فریقوں سے وابستہ ہے۔ نفسیات انسان کی نفسیات سے متعلق ہے اور ایک فرد کی حیثیت سے اور گروہوں میں بھی اس کے طرز عمل کی تحقیقات کرتی ہے اور اپنے افعال کے پیچھے کام کرنے والے محرکات کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ سیاسیات جو انسانی زندگی کے سیاسی پہلو سے متعلق ہے، نفسیاتی اثرات کے دعوؤں کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ مملکت اور دیگر سیاسی ادارے انسانی ذہن کی تحقیق ہیں اور لہذا انہیں انسانی ذہن کی شرائط میں بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نفسیات اور سیاسیات کے مابین گہرا تعلق ہے۔ سیاسی نظریات نے سماجی ماہر نفسیات کو متاثر کیا ہے اور نفسیاتی انداز نے سیاسی تفتیش کاروں کو سیاست کے حیران کن مسائل کا حل تلاش کرنے میں مدد فراہم کی ہے۔

مروجہ سیاسی، سماجی اور مذہبی رجحانات کی وجہ سے انسانی افعال بہت حد تک متاثر ہوتے ہیں اور یہ نفسیات ہے جو ان کا مطالعہ کرتی ہے۔ یہ انسان کی ذہنی مرتب ہونے، اس کے احساسات اور اس کے سلوک سے متعلق ہے۔ لہذا، انسان کے سیاسی اعمال کا مطالعہ کرنے سے پہلے انسانی نفسیات کا مطالعہ کرنا ہمیشہ قابل قبول ہے۔ مثال کے طور پر، جب بھی کوئی حکومت بنیادی اصلاحات لانے کے مقصد سے نیا قانون پاس کرتی ہے، تو اسے عوامی رد عمل پر پوری توجہ دینی پڑتی ہے۔ کوئی بھی رائے عامہ کے دعوؤں کو نظر انداز نہیں کر سکتی ہے اور اگر رائے عامہ کے دعوؤں کو نظر انداز کر دیا گیا تو انقلاب کے ٹوٹنے کے ہر امکان موجود ہیں۔ 1789 میں فرانسیسی انقلاب، 1917 میں روسی انقلاب، 1949 میں چینی انقلاب اور 1979 کا ایرانی انقلاب، پھوٹ پڑا کیونکہ ان ممالک کی حکومتوں نے رائے عامہ کے دعوؤں کو نظر انداز کیا۔ صرف چند سال پہلے، حکومت شراب نوشی، سونے پر قابو پانے اور لازمی جمع کروانے کی اسکیم کے سلسلے میں ہندوستان نے

قوانین منظور کیے۔ اگر چہ یہ قوانین ملک کے مفاد میں ہیں لیکن پھر بھی وہ اس صورت میں ایک کامیابی ثابت کر سکتے ہیں جب عوام ان کا پورے دل سے ساتھ دے۔ ہم اس وقت کے اہم مسائل کو حل کرنے میں صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں جب ہم نے پہلے رائے عامہ کا مطالعہ کیا ہو۔ اس سلسلے میں پروفیسر باکر نے نہایت ہی مناسب طریقے سے پیش کیا ہے، "انسانی سرگرمیوں کے چھلے پر نفسیاتی سراگ لگانا واقعی اس وقت کا فیشن بن گیا ہے۔ اگر ہمارے آباؤ اجداد نے حیاتیاتی طور پر سوچا تو ہم نفسیاتی سوچتے ہیں۔"

نفسیات کی بنیادی تشویش انسانی طرز عمل کے محرک عناصر کو سمجھنا اور یہ جاننا ہے کہ انفرادی اور اجتمائی طرز عمل میں کیوں اختلافات ہیں۔ کچھ انسانی سرگرمیاں خود انسان کی ذہنی تخلیق کی پیداوار ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے کچھ اقدامات کا اندازہ اس انداز سے ہوتا ہے جس میں وہ مختلف سماجی حالات میں شریک ہوتا ہے۔ انسان کی شخصیت سازی اور ذاتی طرز عمل کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ وہ پیش کردہ سماجی صورت حال میں دوسرے افراد کے ساتھ کس طرح بات چیت کرتا ہے؟ لہذا نفسیات بھی اس بات کا پتہ لگاتی ہے کہ مختلف قسم کے گروہوں میں شامل ہو کر کسی شخص کے طرز عمل میں کیا تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ اس سے نفسیات کی ایک مخصوص شاخ "سماجی نفسیات" کی پیدائش ہوئی ہے۔

ہیرالڈ لاس ویل نے اپنے شاگردوں کو عسکریت پسندوں کی تحریکوں کی قابلیت میں نفسیاتی عناصر کے اثر ورسوخ کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دی، اور انہوں نے عام طور پر سیاسی طرز عمل پر ان عناصر کے اثر ورسوخ پر بھی غور کیا۔

یہاں علم سیاسیات کے میدان میں، اس طرح کے عمل کا مطالعہ کرنا ضروری ہے جن کا تعلق براہ راست نفسیات سے ہے۔ ان کی مثالیں ہیں: عوامی رائے کا تخلیق اور عوامی تاثرات، رہنمائی کے مراسلے، جس میں کرشماتی قیادت بھی شامل ہے اور سیاسی ثقافت کے پھیلاؤ میں بڑے پیمانے پر مواصلات کے پروپیگنڈا اور میڈیا کا کردار بھی شامل ہے۔ سیاسی عمل کے اس اہم پہلو کو سمجھنے کے لیے سماجی نفسیات کی مدد لی جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے نفسیات کی ایک نئی شاخ کی ترقی ہوئی جس کو سیاسی نفسیات یا پولیٹیکل سائیکولوجی کہتے ہیں۔ سیاسی نفسیات نفسیاتی مطالعے کی ایک شاخ ہے جس میں کسی فرد کی شخصیت اور اس کے سیاسی طرز عمل کے مابین تعلقات کی تلاش کی جاتی ہے۔

5.3.5 علم سیاسیات اور علم اخلاقیات (Political Science and Morality)

سیاسیات اور اخلاقیات کے مابین تعلقات بہت قریب ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں۔ اخلاقیات اور سیاسیات دونوں ہی سماجی علوم ہیں اور دونوں علوم کے مقاصد ایک جیسے ہیں۔ ان دونوں کا مقصد انسان کے ساتھ بھلائی کرنا اور مشترکہ فلاح و بہبود کو فروغ دینا ہے۔ مملکت امن، نظم و امان اور امن کو برقرار رکھنے اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے فروغ کے لیے منظم کی گئی تھی۔ اخلاقیات اخلاق کی قوانین سے نمٹتی ہیں اور ضابطہ اخلاق کی سفارش کرتی ہیں۔ جدید مصنفین بھی اخلاقیات اور سیاسیات کے مابین گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے ملک میں گاندھی جی نے دونوں علوم کے مابین ایک قریبی رشتہ دریافت کیا۔ انہوں نے اخلاقی اقدار کے ساتھ سیاسی اصولوں کو جوڑنے کی کوشش کی اور اس حقیقت پر زور دیا کی آخر وسائل کا جواز پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ انہوں نے سختی سے تصدیق کی کہ دونوں سرے اور ذرائع ہمیشہ اچھے رہنے چاہیے۔ وہ محبت، سچائی اور عدم تشدد کے اصولوں کے لیے زندہ رہا اور مر گیا۔

بلاشبہ اخلاقیات علم سیاسیات سے پہلے ہیں۔ لیکن اگر سیاسیات کا انحصار اخلاقیات پر ہے۔ اخلاقیات کا بھی انحصار سیاسیات پر نہیں ہوتا ہے۔ جدید دور میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ حکومت لوگوں کے طرز عمل کو وسعت دینے کے لیے ہر ممکن اقدام اپناتی ہے۔ ہمارے وزیر اعظم نہرو نے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دنیا میں بھی اخلاقیات کے معیار کو فروغ دینے کے مقصد سے پنچ شیل (Panchsheel) کے اصولوں کی حمایت کی۔ پنچ شیل کے اصول سے ہمارا مطلب ہے کہ کسی بھی ملک کو کسی دوسرے ملک پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ تمام ممالک کو باہمی تنازعے کو پُر امن اور عدم تشدد سے حل کرنا چاہیے اور ان کو حل کرنے میں طاقت کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

اخلاقیات کو سماجی سائنس تو نہیں مانا جاتا لیکن سیاسیات کے ساتھ اس کا بھی گہرا رشتہ ہے۔ علم اخلاقیات فلسفہ کی ایک اہم شاخ ہے۔ لہذا، جب تک علم سیاسیات فلسفے سے وابستہ رہی، تب تک اخلاقیات سے نبرد آزما رہی۔ اخلاقیات 'اچھے' اور 'برے' اور 'صحیح' اور 'غلط' کے سوالوں پر غور کرتی ہیں۔ ابتدا میں یہ سوالات سیاسی زندگی کے تناظر میں سیاسی فلسفہ کے اہم موضوعات تھے۔ افلاطون اور ارسطو نے مملکت کو 'گڈ لائف' کے ذریعے قبول کیا۔ افلاطون نے 'خوبیاں' کے تصور کی بنیاد پر مثالی مملکت کا اصول تیار کیا جو اخلاقیات کے میدان سے وابستہ ہے۔

5.3.6 علم سیاسیات اور علم بشریات (Political Science and Anthropology)

انسداد سائنس، جیسے کہ انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز اس کی تعریف کرتا ہے، انسان کے ساتھ ایک سماجی وجود کی حیثیت سے پیش آتا ہے۔ مختلف علاقوں میں پائی جانے والی نسلیں، زبانیں اور ثقافتیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی پیروی کرنا مادہ ہے اور اس میں انسانیت کے مطالعے کے مسائل ہیں۔ سیاست بشریات کے ذخیرہ اندوزی سے مال کی دولت جمع کرتی ہے۔ معتدد قسم کے سماجی نظاموں کا نتیجہ اخز کیا گیا ہے جو سیاست میں تقابلی تجزیہ کی حیثیت سے ایک انمول مدد ہے، چوں کہ ہمارے بہت سے عصری رواجوں اور اداروں کی جڑیں دور ماضی کی تاریکی میں پیوست ہیں، بشریات، اپنا پورا حساب کتاب کرتے ہوئے، سیاسی تجزیہ کو تقویت بخشتی ہیں۔

خاص طور پر، قومی کردار انسانیت کے اعداد و شمار کے قیام کے مطالعے میں کافی اہمیت کی حامل ہے۔ جرمنی کے فاشسٹوں کے ایک گروہ نے سیاسی کامیابی کے مقصد کو پورا کرنے کے لیے قومی کردار کے تعین ہونے کی حیثیت سے مذہبی حقیقت کو گمراہ کر دیا تھا۔ انہوں نے "جرمن قوم کو مستحکم کرنے اور اس کی وسعت کو بڑھانے کے لیے اس کی خواہش کو مستحکم کرنے کے لیے" قابل خدمت بنائے جانے کے مقصد کے ساتھ نورڈک یا آریائی ریس کا ایک افسانہ تخلیق کیا۔ کوئی سمجھدار ماہر بشریات، تاہم، آج اس طرح کے مابعد نظریہ کی پیروی نہیں کرتے ہیں۔ علم سیاسیات میں بشریات کی اہمیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کیے بغیر، اچھی طرح سے تبصرہ کیا جا سکتا ہے کہ سابقہ انمول 'پروٹوہسٹری' مہیا کرتا ہے لیکن اس کے خلاصے کی تشکیل میں سیاسیات کی تفہیم کے لیے بنیادی نہیں ہے۔

5.3.7 علم سیاسیات اور فقہی (Political Science and Jurisprudenc)

علم سیاسیات اور فقہی معاملات ایک دوسرے سے زیادہ قریب نہیں ہیں لیکن ان کے مابین ایک قریبی قربت ہے۔ جیسا کہ پہلے ہی کہا

جا چکا ہے کہ علم سیاسیات مملکت اور حکومت کے ساتھ معاملات کرتی ہے جب کہ فقہ قانون سے متعلق ہے۔ علم سیاسیات مملکت اور حکومت کی سائنس ہے، فقہ قانون کی سائنس ہے۔ سیاسیات سیاسی آرڈر سے متعلق ہے جب کہ فقہ قانونی حکم سے متعلق ہے۔ کوئی بھی مملکت قانون بنانے اور نفاذ کیے بغیر کام نہیں کر سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ مملکت قانون کے ذریعے کام کرتی ہے۔ سیاسیات حکومت کی مملکت کا مطالعہ ہے جب کہ فقہ قانون کی تعلیم ہے اور اگر مملکت قانون کے ذریعے کام کرتی ہے تو، قانون بھی مملکت کے ذریعے منظور ہوتا ہے۔ یہ مملکت ہی وہ ڈھانچہ مہیا کرتی ہے جس میں قوانین بنائے جاتے ہیں اور حکومت ہی قوانین کو نافذ کرتی ہے۔

فقہ عوامی قوانین، بین الاقوامی قوانین اور آئینی قوانین سے متعلق ہے۔ سیاسیات کا ان قوانین سے گہرا تعلق ہے کیونکہ یہ وہ مملکت ہے جو قوانین کو تشکیل دیتی ہے اور حکومت ہی ان کے زیر انتظام ہے۔ یہ وہ مملکت ہے جو آئین کو تشکیل دیتی ہے اور اس کو منظم کرتی ہے۔ بین الاقوامی قوانین کو مملکتوں کے مابین امن بر قرار رکھنے کے مقصد سے تشکیل دیا گیا ہے۔ کوئی قانون حکومت کی مدد لیے بغیر قانون کی تشکیل اختیار نہیں کر سکتا۔ یہ حکومت ہے جو قوانین کو نافذ کرتی ہے اور یہ قانون ہے جو حقوق اور فرائض کا تعین کرتا ہے جس کے ساتھ سیاسیات کام کرتا ہے۔ یہ صرف فقہ ہے جو آئین، اقتدار اعلا، حقوق، فرائض اور بین الاقوامی قانون کی تعریف کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ منو، یجنیو الکیا ہندوستان میں، بلیک اسٹون اور آسٹن انگلینڈ میں عظیم فقہا رہے ہیں۔ وہ سیاسیات اور فقہ دونوں پر قائم ہیں۔ یہ آسٹن تھا جس نے "نظریہ حاکمیت" دیا جو نظریاتی سیاست میں اپنی حیثیت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ منو اور یجنیو لکیا نے ایک بادشاہ اور اس کی انتظامیہ کے فرائض کو نبھایا۔

مملکت، جو علم سیاسیات کا مرکزی موضوع ہے، قانون کے ذریعے چلتی ہے۔ لہذا، قانون سائنس کی حیثیت سے فقہی سیاست کا گہرا تعلق ہے۔ بینتھم، آسٹین، جیلنک، اسٹامر جیسے نامور سیاسی فلاسفرس نے سیاسی نظاموں کے بارے میں نظریات کے مطابق فقہی تصورات تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کافی پرانی کہاوت ہے کہ قوانین کسی خاص سماجی طرز کے عکاس ہوتے ہیں۔ ایک معاشرے میں کسانوں کی اکثریت آبادی موجود ہے جو یقینی طور پر ایک جدید صنعتی عنصر والے قوانین سے مختلف ہوگا۔ مزید یہ کہ، قانونی نظام کو ایک برادری کے بدلتے ہوئے انداز کے مطابق رہنا ہوگا۔ چوں کہ قانون سماجی تعلقات کو منظم کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب یہ تعلقات سماجی ضابطوں کو، جو قانون کے نام سے جانا جاتا ہے، کو بھی تبدیل کرتے ہیں تو، ضروری ترمیم سے گزرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ تقریباً سو سال پہلے انگلستان میں سرمایہ دارانہ مزدوری کا رشتہ حاصل ہوا، جس سے بڑھتی ہوئی جمہوریت اور ٹریڈ یونین ازم کی تنظیم کے اثرات کے تحت ایک بنیادی تبدیلی آئی ہے۔ انگیزی قانون نے ایک اہم حد تک، اس حقیقت کا ادراک لیا ہے اور اسے اجتماعی خطوط پر دوبارہ تشکیل دیا گیا ہے۔

5.3.8 علم سیاسیات اور اعداد و شماریات (Political Science and Statistic)

تاریخی طور پر، اعداد و شمار اور علم سیاسیات کا گہرا تعلق رہا ہے۔ جدید شماریات کی سترہویں صدی کی جڑیں 'سیاسی ریاض' اور 'یونیورسٹی کے اعداد و شمار' ہیں۔ انگلینڈ میں 'سیاسی ریاض' کا تعارف **ولیم پیٹی** نے کیا تھا اور 'یونیورسٹی کے اعداد و شمار' کی بنیاد جرمن **پروفیسر ہیرمن کانگ** نے رکھی تھی۔ 'دونوں اپنے دن کی مملکت کی تعمیر اور مملکتی تحفظ کے سیاسی مسائل سے وابستہ تھے اور دونوں اپنے سیاسی نظریات کے

لیے تجرباتی بنیادوں کے حصول کے بارے میں تشویش رکھتے تھے۔'

سیاسی زندگی کی عمومی وضاحتیں مرتب کرنے کی کوشش میں، جرمن اسکول کا وضاحتی زور اتنا ہی اہم ہو گیا جتنا انگریزی اسکول کی عضاحتی نقطہ نظر۔ اس کے بعد سے کاز کے اعداد و شمار کے تجزیہ میں سائنسی دلچسپی کا تعلق۔ متغیر، رویوں وغیرہ کے وضاحتی اکاؤنٹ سے ہے جو سیاسی عمل کو متاثر کرتے ہیں، اور۔ ان متغیرات، صفات اور افعال کی سیاسی معنی خیز وضاحت۔ اعداد و شمار کا تعلق منظم اور طریقہ کار جمع، تجزیہ اور عددی اعداد و شمار کی پیش کش سے ہے۔ حکومت کے مطالعے میں سیاسی علموں (پارٹیوں وغیرہ)، سیاسی اداروں (جیسے مقننہ، بیوروکریسی وغیرہ)، سرگرمیاں اور حکومت کے نتائج اور شہریوں پر ان کے اثرات سے متعلق مختلف اقسام کی تجرباتی تحقیقات شامل ہیں۔ ان تمام تحقیقات میں، ڈیٹا کا تجزیہ ناگزیر ہے۔ اس لیے سیاست میں اعداد و شمار کی اصل شراکت سیاسی افہام و تفہیم کو بڑھانے کے لیے جانکاری کے اوداد و شمار کے تجزیہ کی سہولت ہے۔ یہاں بہت سارے ترقی یافتہ اعداد و شمار کے طریقے اور ماڈل ہیں (جیسے تغیر اور ہم آہندگی کا تجزیہ، متعدد شماریاتی نظریہ) جو سیاسی تجزیہ میں سائنسی سختی کو متعارف کرانے اور سیاسی مظاہر کی واضع وضاحتیں پیش کرنے کے لیے تیزی سے استعمال ہو رہے ہیں۔

احتیاط کا ایک لفظ یہاں ہونا ضروری ہے۔ ایک کہاوت ہے کہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں شماریات دان ترقی کرتے ہیں، آزادی اور انفرادیت کا انکشاف کیا جاتا ہے۔ مملکت کے ذریعے اکثر اوداد و شمار کو جوڑا جاتا ہے تاکہ تنگ، متعصبانہ مفادات کو پورا کیا جا سکے۔

5.3.9 علم سیاسیات اور جغرافیہ (Political Science and Geography)

علم سیاسیات اور جغرافیہ کے مابین گہری قربت ہے۔ "جیو" کا مطلب زمین ہے اور "گرافی" کا مطلب تفصیل اور زمین کی تفصیل جغرافیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ "زمین کی سطح، شکل، طبعی خصوصیات، قدرتی اور سیاسی تقسیم، آب و ہوا، پیداوار، آبادی" کی سائنس ہے۔ اس میں آب و ہوا، انسولیت، مٹی کے کردار، پہاڑوں، میدانی علاقوں، دریاؤں اور سمندر کے مقامات اور نقش نگاری سے متلق معاملات ہیں۔ یہ کہے بغیر کہ عام طور پر جغرافیائی حالات خصوصاً جسمانی ماحول ملک کے کردار اور قومی زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ قومی پالیسیوں اور حکومتوں کے ڈھانچے اور اس کے افعال کو بڑے پیمانے پر متاثر کرتے ہیں۔ ایک سیاسی تفتیشی جغرافیے کا مطالعہ علم سیاسیات پر جغرافیائی حالات اور جسمانی ماحول کے اثر کو جاننے کے لیے کیا گیا۔ جیو-سیاست نے اسے سیاسی ادروں کی ابتدا اور نشو و نما کے مطالعے سے متعلق مفید معلومات فراہم کیں۔ کسی ملک کے سیاسی اداروں کے تاریخی سروے کا مٹی، پہاڑوں، میدانی علاقوں، ندیوں اور تندرستی کی نوعیت سے گہرا تعلق ہے۔

حالیہ برسوں میں بلنشلی، ٹریٹشکے، رائٹر، رتزیل، ریکلس، میکندر، ہنٹنگٹن اور دیگر نے انفرادی کردار پر جسمانی یا ارضیاتی عوامل کے اثر و رسوخ پر اور سیاسی اداروں اور حکومتی پالیسیوں پر تبادلہ خیال کیا ہے اور ان پر زور دیا ہے۔ "کیلیٹی، رپلے، گیڈیڈی، سیمپل اور جیمس رسل اسمتھ نے حالیہ سیاسی جغرافیہ میں بھی ایسا ہی کیا ہے جس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیوں نے انفرادی اور قومی کردار پر آب و ہوا، خوراک اور مٹی کے اثر کر بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے، پھر بھی وہ محافظوں کے بغیر نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر، یہ عام طور پر

تسلیم کیا جاتا ہے کہ سوئٹزرلینڈ کے پہاڑی اور لینڈ سلک کردار نے اس ملک کے سیاسی اداروں کو کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ فلپ، اسپین کا حکمران، نپولین، فرانس کا حکمران، اور ہٹلر، جرمنی کا ڈکٹیٹر، صرف برطانوی چینل کی وجہ سے انگلینڈ کو فتح نہیں کر سکا۔ اس طرح، جرمن مصنفین نے اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ جرمنی کی جغرافیائی حیثیت ہے، کیونکہ یہ یورپ کے مرکز میں اس کے متعدد محاذوں پر قدرتی حدود رکھے ہوئے ہے جس کی وجہ سے ایک مضبوط فوجی طاقت کا ہونا ضروری ہو گیا ہے۔ پروفیسر سیلگ مین کہتے ہوئے کی حد تک جاتے ہیں کہ "نام نہاد اینگلو سیکسن انفرادیت بڑی حد تک موسمی حالات کی پیداوار ہے۔ انفرادیت کا پورا نظریہ، "ان کا ماننا تھا،" ایک نئے ماحول کے موسمی حالات کا معاشی اور سب سے نیچے کا فطری نتیجہ تھا"۔

ایک ملک کے سیاسی اداروں پر جغرافیائی حالات کے اثر و رسوخ پر ہمیشہ ہی ارسطو سے لے کر موجودہ دور تک مختلف سیاسی مصنفین نے زور دیا ہے۔ ارسطو کے بعد، بوداں، روسو اور بکل نے اس خیال کی حمایت کی۔ جدید دور میں متعدد مصنفین نے سیاسی اداروں پر جغرافیائی عوامل کی افواہوں پر کافی توجہ دی ہے۔ "جغرافیائی سیاست" کو "سیاسی جغرافیہ" دینے میں تحقیق اور تحریروں نے تعاون کیا ہے۔

جدید دور میں متعدد مصنفین نے جغرافیائی عوامل کی طرف حکومت کے ڈھانچے اور اس کے آپریشن کے عین مطابق کافی توجہ دی ہے۔ اس کے نتیجے میں 'جیو پولیٹکس' کے نام سے جانے والے ایک نئے نظم و ضبط کی نشو و نما ہوئی ہے، جس کے مقصد سے مملکتوں میں بیرونی مسائل، خاص طور پر قومی طاقت، محاذوں اور توسیع کے امکانات کے مسائل کے لیے سیاسی اور معاشی جغرافیہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

5.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- علم سیاسیات کے دیگر سماجی علوم سے وابستگی کو سمجھا۔
- علم سیاسیات اور تاریخ کے تعلقات کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔
- علم سیاسیات اور سماجیات کے تعلقات کے بارے میں جانا۔
- علم سیاسیات اور علم نفسیات کے مابین تعلقات کو سمجھا۔
- علم سیاسیات اور اخلاقیات، علم بشریات، جغرافیہ اور فقہی کے تعلقات کا مطالعہ کیا۔

5.5 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **فقہی** : اس کے تحت قانون کا تصوراتی طور پر مطالعہ کیا جاتا ہے۔
- **علم نفسیات** : ایک ایسا علم انسان کی دماغ اور اس کے حرکات کا سائنٹفک مطالعہ ہوتا ہے۔
- **علم تاریخ** : ماضی میں ہوئے واردات کا سلسلے وار طریقے سے مطالعہ ہے۔

• **مملکت** : لوگوں کا ایک سیاسی گروہ ہوتا ہے جو کسی حکومت، قوم یا کامنویلتھ کے ماتحت رہتا ہے۔

5.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

5.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ یہ کس اسکالر کا بیان ہے: "ہم دوسرے سماجی علوم کے حصوں کے بغیر علم سیاسیات اور مملکت کے بارے میں مکمل معلومات حاصل نہیں کر سکتے، اس طرح کہ بغیر ریاضی کے میکانکس اور کیمسٹری کے حیاتیات کا بے محل علم حاصل نہیں کیا جا سکتا؟"

(a) گارنر (b) کارل مارکس (c) گراہم والاس (d) بلنٹشلی

2۔ کس اسکالر نے کہا ہے: "اگر تاریخ کے مطالعے سے علم سیاسیات کو بہتر نہیں بنایا گیا تو وہ بے ہودہ ہو جاتا ہے؟

(a) افلاطون (b) سیلے (c) ارسطو (d) برائس

3۔ علم .... انسان کی ذہنی سرگرمیوں اور بیرونی طرز عمل کا مطالعہ کرتا ہے۔

4۔ 18 ویں صدی سے پہلے مختلف سماجی علوم موجود نہیں تھے۔ پورے معاشرے کا مطالعہ فلسفہ سے وابستہ تھا، لیکن 18 ویں صدی میں کچھ علمائے کرام 'سیاسی معاشیات' کو بطور آزاد سماجی سائنس قائم کرنے کی کوشش کی، ان علمائے کرام کا کیا نام ہے؟

(a) پھجیو کریٹس (b) ایڈم اسمتھ (c) دونوں (d) کوئی نہیں

5۔ اس منطق کی بنیاد پر، کس نے اس 'سیاسی معیشت' کی سختی سے مخالفت کی جیسے کہ ایڈم اسمتھ نے ایک سماجی سائنس کے طور پر قائم کیا تھا؟

(a) گیٹل نے (b) برائس نے (c) اگست کامٹ نے (d) گارنر نے

6۔ "علم سیاسیات 'تاریخ اور سیاست' کے وسط میں واقع ہے۔" یہ قول .... کا ہے۔

7۔ "سماج (سوشل) سائنس ریسرچ کونسل" کی تشکیل .... میں عمل میں آئی۔

8۔ حسب ذیل میں سے کون سا مضمون حقیقت سے زیادہ رشتہ رکھتا ہے، مثالی نہیں؟

9۔ "تاریخ سیاست ماضی ہے۔ سیاست موجودہ کی تاریخ ہے؟ یہ .... کا قول ہے۔

10۔ مشہور کتاب "پولیٹکس" کے مصنف .... ہیں۔

5.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short AnswerType Questions)

1۔ علم سیاسیات کا دوسرے سماجی علوم سے وابستگی کا پس منظر بیان کیجیے۔

2۔ علم سیاسیات اور تاریخ کے تعلقات پر تبادلہ خیال کیجیے۔

3۔ علم سیاسیات اور جغرافیہ کے تعلقات پر ایک مختصر تبصرہ کیجیے۔

4۔ علم سیاسیات اور نفسیات کے تعلق سے ایک مختصر مضمون لکھیے۔

5۔ علم سیاسیات اور اقتصادیات کے تعلق پر روشنی ڈالیے۔

5.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ علم سیاسیات کیا ہے؟ اس کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

2۔ علم سیاسیات کے دیگر سماجی علوم کے ساتھ تعلقات پر تبادلہ خیال کیجیے۔

3۔ علم سیاسیات اور اعداد و شمار کے تعلقات پر تفصیلی بحث کیجیے۔

5.7 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Reading)

1. O.P. Gauba (2017), An Introduction to Political Theory, N P H, New Delhi

2. Heywood, A. (2005). Political Theory. Palgrave Macmillan.

3. S. Meyani , Political Science for Law Students, Allahabad Law Agency, Allahabad.

4. V.D. Mahajan (2010), Political Theory, S. Chand Publishing House, New Delhi

5. Bluntschli, Theory of the State, Bk. III Chs. 1-3, Oxford Translation, 18.

6. Dhawan, Suhana (2012), Relationship between Political Science and History-Essay,

7. Jain, M. P. (1985). Political Theory: Liberal and Marxian. Authors Guild.

8. Lipset, S. M. (1964). Sociology and Political Science: ABibliographical Note.

9. Rathore, L. S. (1986). Political Sociology: Its meaning, evolution and scope.

اکائی 6۔ سیاسیات کا تاریخ سے تعلق

(Relationship of Political Science with History)

اکائی کے اجزا

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 سیاسیات اور تاریخ کا تعلق

6.3 تاریخ کے فروغ میں سیاسیات کا کردار

6.4 سیاسیات کے فروغ میں تاریخ کا کردار

6.5 سیاسیات اور تاریخ کے مابین فرق

6.6 بین تعلق لیکن منفرد سماجی علوم

6.7 اکتسابی نتائج

6.8 کلیدی الفاظ

6.9 نمونہ امتحانی سوالات

6.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

6.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

6.9.3 طویل جوابات کے سوالات

6.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

6.0 تمہید (Introduction)

سیاست مملکت کے امور سنبھالنے کا فن ہے اور تاریخ وہ علم ہے جو ماضی میں انسانی گروہوں کے سیاسی اور سماجی تعلقات کی جانچ کرتی ہے۔ان دونوں مضامین کی مشترکہ خصوصیت انسان ہیں۔لوگ تاریخ میں جمع ہوئے،ان میں کئی گنا اضافہ ہوا اور پھر انہیں ایک منتظم کی ضرورت محسوس ہوئی۔اس طرح ابھرنے والی مملکت نے وقت کے ساتھ ساتھ سیاست کا تصور تشکیل دیا اور بعد میں سیاست کی تاریخ رقم

کی۔ تاریخ اور سیاست کا امتزاج ایک طویل عرصے سے زیر بحث رہا ہے۔ یہ اکائی انہیں دونوں کے تعلقات کی وضاحت کرتا ہے۔ دونوں شعبے کسی حد تک ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ تمام سیاسی اداروں کی تاریخی اساس ہے کیونکہ وہ نسلوں کی دانش مندی کو پیش کرتے ہیں۔ تاریخ سیاسی موازنہ اور تقویت کے لیے کافی مواد فراہم کرتی ہے، جو ہمیں اپنے منصوبات اور وسائل کا ایک مثالی سیاسی ڈھانچہ تشکیل دینے کا اہل بناتا ہے۔ تاریخی اعداد و شمار کی عدم موجودگی میں سیاسیات کا مطالعہ مکمل طور پر قیاس آرائیوں پر مبنی ہو جائے گا۔ تاریخ، ماضی میں سیاسی تبدیلیوں کے سبب انسانی زندگی پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں ان کا جائزہ لینے کی کوشش کرتی ہے اور ماہرین سیاسیات انہیں تبدیلیوں کو حال میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جب تک ماہرین سیاسیات تاریخ کی مدد نہ لیں تب تک ان کے لیے ایک مجموعی یا عمومی مطالعہ ایک دشوار کن امر ہوتا ہے۔ سیاسیات میں ایک اہم موضوع بین الاقوامی تعلقات ہے، جس کا جائزہ لینے کے لیے بڑی حد تک ہمیں تاریخ سے مدد لینی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر عصر حاضر میں ہندوستان کی موجودہ سرکار امریکہ سے تعلقات کو بڑھاوا دینے پر زور دے رہی ہے۔ ماضی میں اگر ہمیں امریکہ سے تعلقات کا جائزہ لینا ہے تو ہمیں تاریخ کا تعاون لینا ہی پڑے گا۔ اس یونٹ میں انہیں تمام امور کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

6.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبا اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- وہ سیاست اور تاریخ کے مابین تعلقات کو جان سکیں۔
- سیاسیات اور تاریخ کے باہمی روابط سمجھ سکیں۔
- تاریخ کے فروغ میں سیاسیات کے کردار کو سمجھ سکیں۔
- سیاسیات کے فروغ میں تاریخ کے کردار کو سمجھ سکیں۔
- سیاسیات اور تاریخ کے درمیان تفریق کر سکیں۔
- سیاسیات اور تاریخ کے تعلقات کے متعلق مختلف ماہرین سیاسیات کے اقوال سے طلبا مطالعہ کرنے کے بعد واقف ہو سکیں۔

6.2 سیاسیات اور تاریخ کا تعلق (Relation of Political Science with History)

علم سیاسیات کا دوسرے سبھی سماجی علوم سے گہرا تعلق ہے۔ ہر ایک سماجی علوم دوسرے کا تکملہ کرتا ہے اور ان کو مضبوط بناتا ہے۔ سب ایک دوسرے پر منحصر ہے اور ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چوں کہ موجودہ دور بین الامضامین کا دور ہے اور جدید دور کے پیچیدہ سماج اور معاشرے کو سمجھنے کے لیے ایک دوسرے کو مطالعہ کیے بغیر کسی منظم نتیجے پر پہنچنا مشکل ہے۔ یہاں صرف سیاسیات اور تاریخ کے

تعلقات پر تفصیل سے روشنی ڈالی جارہی ہے۔

ارسطو نے سیاسیات کو ماسٹر سائنس کہا ہے کیونکہ یہ انسانوں کے ساتھ معاملات کرتی ہے جو ایک معاشرے کی بہت سی جہتوں کا حامل ہے۔ جیسے تاریخی، سیاسی، معاشی، نفسیاتی، سماجی وغیرہ۔۔ سیاسیات انسان کے سیاسی پہلو اور اس کی سماجی زندگی کے مختلف جہتوں (معاشی، سماجی، نفسیاتی، سماجی، تاریخی وغیرہ) کے ساتھ تعامل کرتی ہے۔ ایک سوال جو ذہن میں آتا ہے کہ کیا سیاسیات کو ماسٹر سائنس کہنا درست ہے یا یہ صرف سماجی علوم میں سے ایک ہے؟ اٹھارہویں صدی تک سیاسیات کا علاحدہ وجود نہیں تھا کیوں کہ معاشرے کے مختلف پہلوؤں کا ایک ہی موضوع کے تحت مطالعہ کیا جاتا تھا جسے ,, اخلاقی فلسفہ '' کہا جاتا تھا۔ 18 ویں صدی میں صنعتی انقلاب رونما ہوا اور اس کے ساتھ ہی سماجی علوم میں تخصص کا رجحان پیدا ہوا کیونکہ پیچیدہ سماجی رجحان کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرنا ایک مضمون کے دائرے کار سے باہر ہو گیا۔ ایسٹون لکھتے ہیں، سماجی علوم صرف تاریخی ضرورت کی وجہ سے الگ الگ مضامین کی حیثیت سے پروان چڑھے ہیں۔ مختلف مضامین کو کسی موضوع کی اصل قرار دینا محض ایک اتفاق کی بات ہے حالاں کہ معاشرے میں انسانی تفتیش کے آغاز سے ہی سماجی علوم میں فرق موجود رہا ہے۔

سیاسیات کو تعلیمی مضامین میں جو چیز اسے ممتاز کرتی ہے وہ حکومت اور اقتدار پر زور دیا جانا ہے۔ تاہم حکومت اور اقتدار کا مطالعہ صرف سیاسیات تک محدود نہیں ہے۔ یہ قدرتی طور پر دیگر سماجی علوم میں بھی ہے اور اسی وجہ سے اس کے دوسرے سماجی علوم کے ساتھ تعلقات ہیں اور سماجی علوم میں اسی سبب بین المضامین مطالعات میں اضافہ ہوا ہے۔ ایسٹون کے مطابق، "سماجی علوم میں تخصص نے ہمارے مختلف علوم کو ایک بار پھر تنظیم نو کی بحالی کی سمت ایک تحریک دی ہے۔ جسے ان نقائص کو دور کرنے کی طرف ایک لمبا سفر طے کرنا چاہیے۔ اگرچہ مستقبل میں لازمی طور پر سماجی علوم کے مابین تعاون کی شرح میں اضافہ ہونے کی امید ہے، لیکن کچھ ایسے حقیقت پسند بھی ہیں جنہیں دو مضامین کو ملا کر مطالعہ کرنے سے ان مضامین میں سے کسی ایک کی کچھ خصوصیات کی گم شدگی کا اندیشہ ہے۔ درحقیقت یہ دوسری جنگ عظیم کے بعد سیاسیات میں تجرباتی نظریات کی ترقی تھی جس نے مملکت اور حکومت کے مطالعے کے ساتھ ساتھ سیاسی طرز عمل اور رویوں کے مطالعے پر بھی توجہ مرکوز کی۔ سیاسی رجحانات اور طرز عمل کے مطالعے کے لیے سائنسی طریقوں کا یہی اطلاق تھا جس نے سیاسیات کے بین المضامین مطالعہ کی ضرورت کو پیش کیا۔ اس طرح ایسٹون نے بجا طور پر تبصرہ کیا ہے، کہ "سیاسی مظاہر کے مطالعے میں نظریاتی انقلاب نے، تجرباتی نظریہ کی شکل میں، سیاسیات اور دیگر مضامین کے مابین ایک نئے اور زیادہ معنی خیز تعلقات کی راہ کھول دی ہے۔

سیاسیات کا تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔ ان دونوں کے مابین تعلقات اتنے گہرے ہیں کہ کئی سیاسی مفکرین نے اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ فری مین جیسے عظیم اسکالروں نے اس پر غور و فکر کیا ہے۔ جان سیلے نے اس رشتے کا اظہار ان الفاظوں میں کیا:

"History without Political Science has no fruit. Political Science without History has no root."

"تاریخ کا بغیر سیاسیات کے کوئی ثمر نہیں ہوتا اور سیاسیات کی بنا تاریخ کے کوئی جڑ نہیں ہوتی۔" سیلے کے مطابق سیاسی اداروں اور واقعات کو صرف تاریخی تناظر میں ہی اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے۔

سیلے کے بیان کے مطابق تاریخ اور سیاسیات آخر میں ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔ سیاسیات اور تاریخ میں باہمی تسلط ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے تکمیلی ہیں، ایک کی غیر موجودگی میں دوسرے کا مطالعہ بے معنی ہے۔

سیلے کی یہ بات مبالغہ آمیز لگتی ہے، پھر بھی کوئی ان دونوں شعبوں کے ایک دوسرے پر انحصار کا انکار نہیں کر سکتا ہے۔ مملکت اور اس کے سیاسی ادارے بننے کے بجائے ترقی کرتے ہیں۔ وہ تاریخ کی پیداوار ہیں۔ انہیں مکمل طور پر سمجھنے کے لیے ان کے ارتقا کے عمل کو جاننا ہو گا کہ وہ کس طرح معرض وجود میں آئے اور اپنے اصل مقاصد کے حصول کے لیے وہ کس حد تک کامیاب ہوسکے۔

سیاسیات کا تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔ ان دونوں کے مابین تعلقات کے متعلق ایک سیاسی مفکر رائس کا کہنا ہے کہ:

"Political Science stands midway between history and politics, between the past and the present. It has drawn its materials from the one; it has to apply them to the other."

"سیاسیات تاریخ اور سیاست کے درمیان، ماضی اور حال کے مابین ہے، اس نے اپنے مواد کو ایک سے اخذ کیا ہے اور دوسرے پر نافذ کیا ہے"

سیاسیات اور تاریخ دونوں ایک دوسرے کے معاون اور تکمیلی ہیں۔ ان دونوں کے مابین قریبی تعلق کو مفکر سیلے نے بھی تسلیم کرتے ہوئے لکھا:

"Politics is vulgar when not liberalized by History, and History fades into mere literature when it loses sight of its relation to Politics."

سیاست غیر منطقی ہے اگر تاریخ کے لحاظ سے لبرل نہیں ہے اور تاریخ کا تعلق جب سیاست سے ختم ہو جاتا ہے تو وہ صرف ادب یا لٹریچر بن کر رہ جاتی ہے۔،،

برجیس کا کہنا ہے

"Separate them, and the one becomes a cripple, if not a corpse, the other a will-o -the-Wisp."

کہ ان کو اگر الگ کر دو تو ان میں سے ایک معذور ہو جاتا ہے، دوسرا اگر لاش نہیں تو وصیت نامہ۔

تاہم، اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ سیاسیات تاریخ کے دروازے پر بھکاری ہے، اور نہ ہی اس کا مطلب وہ ہے جیسا کہ فری مین کا کہنا ہے کہ تاریخ ماضی کی پالیسیوں اور حکومتوں کی ہے یا سیاست موجودہ تاریخ ہے۔ بلاشبہ سیاسیات اپنے مٹیریل یا وجود کے لیے تاریخ پر انحصار کرتی ہے لیکن وہ اس کے مٹیریل یا وجود کا صرف ایک حصہ فراہم کرتی ہے۔ تاریخ واقعات کی ایک مرقوم داستان ہے جس میں جنگیں، انقلابات، فوجی مہمیں، معاشی بدحالی، مذہبی اور سماجی تحریکیں اور باقی باتیں شامل ہیں۔ سیاسیات کو اس مواد کے اکثر حصے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک سیاسی مفکر کی سب سے بڑی تشویش سیاسیات کے ارتقا اور ان حقائق کا مطالعہ کرنا ہے جو براہ راست یا بلاواسطہ مملکتی حکومت اور اس

کے سماجی و معاشی مسائل سے متعلق ہیں۔ سیاسیات تاریخ سے باہر حقائق کا انتخاب کرتی ہے۔ سیاسیات 1688 کے برطانیہ کے انقلاب کی وجوہات سے اتنی فکر مند نہیں ہے۔ یہ ملک میں ایک محدود بادشاہت کی آمد اور حکومت کی رجعت پسندانہ شکل کے آغاز کے متعلق فکر مند ہے۔

اسی طرح سیاسی مفکرین کو دوسری جنگ عظیم کی وجوہات اور جنگ لڑنے والی طاقتوں کی حکمت عملی میں دلچسپی نہیں ہے۔ ان کی دلچسپی اس بات کا مطالعہ اور جائزہ لینا ہے کے دوسری عالمی جنگ جمہوریت بمقابلہ ڈکٹیٹر شپ کی جنگ ہے یا نہیں اور اس نے ان مقاصد کو پورا کیا ہے جس کے لیے یہ جنگ لڑی گئی تھی۔ انہیں جنگ کے بعد کے سیاسی ڈھانچے میں آنے والی چیزوں کی شکل میں بھی دلچسپی ہے۔

تاریخ ٹھوس اور حقیقت کی چیزوں سے متعلق ہے۔ یہ ہمارے سامنے نہ صرف تاثرات بلکہ حقائق کے مابین کا ذاتی تعلق پیش کرتی ہے۔ سیاسیات ایک قیاس آرائی کی بھی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس سے یہ معاملہ طے ہوتا ہے کہ مملکت کو کیا ہونا چاہیے۔ مضمون کے اس قیاس آرائی پر مبنی کردار کے لیے مجرد اقسام کے سیاسی اداروں اور قوانین پر غور کرنا ضروری ہے۔ سیاسیات کے اس پہلو سے تاریخ کا شاید ہی کوئی تعلق ہے۔ آخر میں، مؤرخ کا کام اخلاقی فیصلے پاس کرنا نہیں ہے، جب کہ ماہرین سیاسیات ایسا کرنے کے پابند ہیں۔ اس طرح سیاسیات اخلاقیات سے منسلک ہونے میں سماجیات، تاریخ اور معاشیات سے بھی مل جاتی ہے۔

نتیجہ واضح ہے۔ سیاسیات اور تاریخ الگ الگ مسائل کے ساتھ دو الگ الگ ڈسیپلن ہیں۔ پھر بھی مملکت کے مظاہر میں ان کا ایک مشترکہ مضمون ہے، اور اس طرح ان کے دائرے کار بہت سے مقامات پر ملتے جلتے ہیں ہیں اور ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔ لیکاک کہتے ہیں کہ

"Some of History is part of Political Science, the circle of their contents overlapping an area enclosed by each"۔

تاریخ کا کچھ حصہ سیاسیات کا جز ہے؛ ان دونوں کے مواد کا خطہ ایک دوسرے پر متجاوز ہوتا رہتا ہے۔

تمام سیاسی اداروں کی تاریخی اساس ہے کیونکہ وہ نسلوں کی دانش مندی کو پیش کرتے ہیں۔ تاریخ موازنہ اور تقویت کے لیے کافی مواد فراہم کرتی ہے، جو ہمیں اپنی امنگوں کا ایک مثالی سیاسی ڈھانچہ تشکیل دینے کا اہل بناتا ہے۔ تاریخی اعداد و شمار کی عدم موجودگی میں، سیاسیات کا مطالعہ مکمل طور پر قیاس آرائیوں پر مبنی ہے۔

مؤرخین کی تحریروں نے ایک وسیع معنی خیز مواد کا ذخیرہ تشکیل دیا ہے جس کا سیاسیات کا طالب علم بآسانی تجزیہ کر سکتا ہے اور حال و مستقبل کو سمجھنے میں ان کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ مزید یہ کہ تاریخ سیاسیات کی ترقی اور اس کے نمو کا احساس پیش کرتی ہے، اس طرح تاریخ سماجی تبدیلیوں کی ایک بنیاد یا بصیرت فراہم کرتی ہے۔

رابسن کا خیال ہے کہ تاریخ کا کچھ علم سیاسیات کے لیے واضح طور پر ناگزیر ہے اور اس نے کیمبرج کانفرنس میں (6 سے 10 اپریل، 1952) پروفیسر آر سلاتو کی پیش کردہ وضاحت کا حوالہ دیا۔ کہ انہوں نے کہا:

"That he had been baffled all through his teaching Career, especially during the 20 years he had spent in the Middle East, about how to teach the history of political philosophy to students whose historical background is usually inadequate, and often limited to purely political theory since the French Revolution."

وہ اپنے پورے تدریسی کیریئر میں ہکابکا رہ گیا، خاص طور پر مشرق وسطی میں اپنے 20 سالوں کے دوران، کہ ایسے طلبا کو سیاسی فلسفہ کی تاریخ کس طرح پڑھائی جائے جن کے تاریخی پس منظر عام طور پر ناکافی ہوتے ہیں، فرانسیسی انقلاب کے بعد صرف سیاسی نظریے تک ہی محدود رہتے ہیں۔

انہوں نے کیفیت بتاتے ہوئے کہا کہ وہاں تاریخ کے ذریعے سیاسیات تک رسائی ممکن نہیں ہے، وہاں طالب علموں کی استطاعت یہ ہے کہ وہ سیاسی فلسفے کی کچھ کلاسیکی تحریروں سے باآسانی الجھا ہوا خاکہ حاصل کر سکتے ہیں، جس میں بیشتر تاریخی اشارے گم ہو جاتے ہیں، جس کا پس منظر وہ شاذونادر ہی سمجھ پاتے ہیں۔ ہاں تقابلی حکومت کے دائرہ کار کے لیے تاریخ کا علم خاص طور پر ضروری ہے۔

سیاسیات اور تاریخ کے درمیان تعلق اور اچھی طرح سے واضح کرنے کے لئیے تاریخ اور سیاسیات کے تعریفات پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

تاریخ کی تعریفات (Definitions of History)

پروفیسر رینیر۔ تاریخ سماج کی قوت حافظہ ہے۔

ول ڈورانٹ۔ تاریخ ماضی میں سویلائیجڈ انسان کی خیال اور اس کے ذریعہ کیے گئے کاموں کا مطالعہ ہے

لارڈ اکٹن۔ تاریخ انسانی آزادی کا ایک کھلی کہانی ہے

سیاسیات کی تعریفات (Definitions of Political Science)

سیاسیات کی اہم تعریفات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ پروفیسر کیٹلن (Prof. Catlin) کے مطابق " علم سیاسیات انسانی اور سماجی کنٹرول کی سرگرمی کا مطالعہ ہے۔"

2۔ گارنر (Garner) کے مطابق "علم سیاسیات وہ علم ہے جو مملکت (State) سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔"

3۔ ڈیوڈ اسٹن (David Easton) کے مطابق "علم سیاسیات کا تعلق سماج میں اقتدار کے ذریعے قدروں کی تقسیم کا مطالعہ ہے۔"

4۔ اینڈریو ہے ووڈ (Andrew Heywood) کے مطابق "علم سیاسیات وہ (Activity) ہے جس کے ذریعے لوگ قانون بناتے، اس کو محفوظ کرتے ہیں اور کبھی کبھی اس میں ترمیم لاتے ہیں تاکہ ان کی زندگی بہتر ہو۔"

تاریخ کی اہمیت (Importance of History)

تاریخ انسان کے خیلات، اور اس کے فرائض تجزیہ کرتا ہے۔ انسان ماضی میں کون سے فرائض کو انجام دیئے اور ان کا سماجی، شہری

سوچ کی کیا اہمیت تھی؟ ان سب باتوں کا علم حاصل کرنے کے لیے تاریخ کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ ساتھ ہی آج کا بین الاقوامی دور میں تاریخ کے مطالعے کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ بیشتر ایڈوکیسنسٹ اس بات پر متفق ہیں کہ بین الاقوامی ہم آہنگی کے عروج کے لیے تاریخ کو کالج کے نصاب میں جگہ ملنا چاہیے۔ اس کے علاوہ تاریخ کے قومی تناظر میں کالج نصاب میں شامل کرنا لازمی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ثقافتی عروج اور بین ثقافتی تعلقات کو قائم کرنے کے لیے بھی اس کو نصاب میں شامل کرنا ضروری ہے۔

سیاسیات کی اہمیت (Importance of Political Science)

علم سیاسیات کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ سیاسیات اس معاشرے کا سیاسی مطالعہ کرتا ہے جس کی بنیادی اکائی انسان از خود ہے اور جس کی حرکات و سکنات سے انسان لمحہ در لمحہ متاثر ہوتا ہے۔ سیاسیات نہ صرف مقامی، صوبائی اور قومی سطح پر واقع ہونے والی سرگرمیوں کا باقاعدہ اور منظم جائزہ ہے بلکہ یہ عالمی سطح پر رونما ہونے والی تمام سرگرمیوں کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ارسطو سیاسیات کو ایک عظیم علم قرار دیتا ہے۔ سیاسیات کا مطالعہ عوام میں حکومتی نظام کا فہم پیدا کرتا ہے اور طلبا میں تنقیدی نظریہ کو جنم دیتا ہے۔ یہ واضح کرتا ہے کہ سیاسیات مملکت اور عوام کے درمیان واقع ہونے والے تمام تعلقات اور تعاملات کا مجموعہ ہے۔ سیاسیات معاشرے میں اقتدار کی نوعیت کا مطالعہ ہے۔ اس لیے یہ باشعور عوام کے لیے ایک آلہ کار کی طرح ہے جو عوام بالخصوص، ووٹرز کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ معاشرے اور قوم کے حق میں بہتر نمائندوں کو منتخب کر کے قانون سازی کی ذمے داری سپرد کر سکیں۔ صاحب اقتدار سیاسی قیادت جب عوام کی امیدوں کو پورا نہیں کر پاتی ہے تو عوام اُن کو آئندہ انتخابات میں اقتدار سے باہر کر دیتے ہیں۔ اس طرح جمہوری نظام میں بغیر کسی تنازعے کے حکومت میں تبدیلیاں آسان ہو جاتی ہیں۔ سیاسیات سماج میں مساوات، انصاف اور اخوت کا ماحول قائم رکھنے میں مدد کرتا ہے کیوں کہ یہ قانون کی حکمرانی کی وکالات کرتا ہے۔ اس کے علاوہ سیاسیات کا مطالعہ روزگار کے بہتر مواقع بھی فراہم کرتا ہے۔

تاریخ اور علم سیاسیات کے اہمیت کے مطالعے کے دونوں علم کے درمیان تعلقات ایک دوسرے کی تعاون اور اس کے درمیان کا فرق اچھے طرح سے واضح ہو جاتا ہے۔

6.3 تاریخ کے فروغ میں سیاسیات کا کردار

(Role of Political Science in the Development of History)

تاریخ سیاسیات سے بہت کچھ حاصل کرتی ہے۔ اگر ہم واقعات اور نقل و حرکت کے سیاسی اثر و رسوخ کا جائزہ نہیں لیں گے تو ہمارا تاریخ کا علم بے معنی ہے۔ مثال کے طور پر، انیسویں صدی کے یورپ کے تاریخی حقائق اس وقت تک مکمل واضح نہیں ہوں گے جب تک کہ قوم پرستی، سامراجیت، انفرادیت، سوشلزم، جیسی تحریکوں کی مکمل اہمیت واضح نہ کی جائے۔ ہندوستان کی آزادی کی تاریخ اس سے مختلف نہیں ہے۔ جب تک ہم آزادی ہند کے سلسلے میں رونما ہونے والے واقعات، اس کے پس منظر کو نہ سمجھ سکیں تب تک ہمارے لیے اس کا تصور

واضح نہیں ہو سکتا۔ آزادی ہند کے کو سمجھنے کے لیے ان تحریکوں اور ایکٹ کو سمجھنا لازمی ہو گا جیسے انڈین نیشنل کانگریس کے عروج کا سیاسی نتیجہ، مسلمانوں کا علاحدہ انتخابی حلقوں کا مطالبہ، حکومت ہند ایکٹ 1919، مونٹا گو کا اگست 1917 کا اعلامیہ، 1919 کی اصلاحات اور تجربہ، سائمن کمیشن کی سفارشات، گول میز کانفرنسوں کا تبادلہ خیال، فرقہ وارانہ ایوارڈ، حکومت ہند ایکٹ 1935، بحر اوقیانوس کے چارٹر کے مضمرات 1941، بھارت چھوڑو تحریک، کرپس کی تجویز، شملہ کانفرنس، لارڈ واویل اور پیتھک لارنس کا اعلامیہ، کابینہ مشن پلان 1946، 3 جون، 1947 کا اعلامیہ اور آزادی ایکٹ 1947۔

تمام سیاسی ادارے، مملکت، حکومت، قانون سازی، ایگزیکٹو اور عدلیہ کے ارتقا کی ایک تاریخ ہے۔ ان کی تاریخ کے مطالعے کے بغیر سیاسیات ان کی عصری فطرت، مقام اور ان میں تعلقات کا مطالعہ نہیں کر سکتی ہے۔ لہذا سیاسیات سیاسی اداروں کے مطالعے کے لیے ہمیشہ تاریخ کی مدد لیتی ہے مثلاً ان کے آغاز سے ان کے ارتقا کی تاریخ اور ان کی عصری شکلوں میں رفتہ رفتہ ترقی، اختیارات، ذمے داریاں، افعال، باہمی تعلقات اور متعلقہ عہدے۔

اسی طرح تاریخ کے مطالعے کے لیے لازمی طور پر ہر معاشرے میں ہونے والے تمام تاریخی واقعات اور ترقی کے سیاسی مضمرات کے مطالعے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح کی مشق کے بغیر تاریخ محض واقعات، اقساط اور پیش رفتوں کا بیان ہو جائے گی۔ تاریخی واقعات کی سیاسی جہتوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے تاریخ بھی سیاسیات پر منحصر ہے۔ سیاسی اداروں کے ارتقا کو جاننے کے لیے، تاریخ کا مطالعہ کا ایک متمول علاقہ ہے۔

تاریخ کے فروغ میں سیاسیات کے کردار کو مندرجہ ذیل نکات سے سمجھا جا سکتا ہے:

- **سیاسیات تاریخ کی معمار ہے:** مملکتوں، حکومتوں، سیاسی جماعتوں، سیاسی رہنماؤں، حکمرانوں، مملکتوں کے لیڈروں اور سفارت کاروں کے اقدامات ہی تاریخ تخلیق کرتے ہیں۔ جلیانوالہ باغ سانحہ (1919)، عدم تشدد، عدم تعاون کی تحریک 1920، سول نافرمانی کی تحریک 1930 اور ہندوستان چھوڑو مومنٹ 1942 جیسی سیاسی واقعات اور تحریکیں سیاسی رہنماؤں کے کام ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ کا تعین انہیں نے کیا ہے۔ اس طرح حکمرانوں اور اقتدار کے حامل افراد کے اقدامات ہمیشہ تاریخ تخلیق کرتے ہیں۔
- **سیاسیات تاریخ کو معنی خیز اور دلچسپ بناتی ہے (Political Science Makes History Meaningful and Interesting):** سیاسیات کے بغیر، تاریخ محض بیانات، واقعات اور حقائق کی داستان تک محدود ہو جاتی ہے۔ یہ سیاسیات ہی ہے جو تاریخ کو با معنی بناتی ہے، اس کی تشکیل کرتی ہے اور اسے دلچسپ اور فائدہ مند بناتی ہے۔ بادشاہوں کی تاریخ، ان کی جنگیں، فتوحات، ہزیمتیں اور ڈکٹیٹروں کے خلاف عوام کی جدوجہد وہ سب سیاسی واقعات ہیں جو تاریخ کو دلچسپ بناتے ہیں۔
- **سیاسی قائدین تاریخ ساز ہیں (Political Expert is Also Historian):** عصر حاضر میں سیاسی رہنما (اقتدار کے حامل افراد) اپنی پالیسیوں، فیصلوں اور عمل سے تاریخ کا نصاب طے کرتے ہیں۔ مہاتما گاندھی کی قیادت نے تاریخ کا رخ موڑ دیا اور صدیوں غلام رہے ہندوستانیوں کو برطانوی سامراج کے چنگل سے آزادی حاصل کرنے کے قابل بنا دیا۔ جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، مولانا

ابوالکلام آزاد جیسے عظیم قائدین کے وژن اور فیصلوں نے ایک آزاد قوم کی حیثیت سے ہندوستان کی تاریخ کی بنیاد رکھی۔ پاکستان کے خلاف بنگلہ دیش کی آزادی کی جنگ میں مسز اندرا گاندھی کے کردار اور 1975 میں ہنگامی قوانین (ایمرجینسی) نافذ کرنے کے ان کے فیصلے نے ہندوستان کی تاریخ کو عروج فراہم کیا۔

- **سیاسیات کا دارومدار ایک حد تک تاریخی حقائق پر موقوف ہے (The Political Science is End on Historical Reality):** تاریخ حقیقت میں ان تمام واقعات اور پیش رفت کا ایک تاریخی ریکارڈ ہے، جب کہ سیاسیات صرف ان حقائق میں دلچسپی رکھتی ہے جن کا اثر مملکتی نظام اور مختلف مملکتوں کی حکومتوں کی نوعیت اور اس کے کام پر پڑتا ہے۔ اس طرح سیاسیات کچھ منتخب تاریخی حقائق کا استعمال کرتی ہے۔
- **تاریخ استدلال کے لیے سیاسیات سے منسلک ہے (History for Arguments Concern to Political Science):** تاریخ صرف حقائق کا بیان ہے۔ سیاسیات مختلف حقائق کے درمیان رابطوں کا تجزیہ کرتی ہے۔ سیاسیات تاریخی حقائق کو بامعنی بناتی ہے، ان کا تجزیہ کرتی ہے اور ان حقائق کا کیا جانا چاہیے اور کیا نہیں؟ جیسے سوالوں کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس طرح سیاست کے بغیر تاریخ بے نتیجہ ہے۔ تاریخ سیاسی اداروں میں اچھے، برے، صحیح اور غلط کے آخری و حتمی معیار کا تعین نہیں کر سکتی جب کہ یہ سیاسیات کرتی ہے۔ اس طرح سیاسیات تاریخ کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ در حقیقت، سیاسیات اور تاریخ ایک دوسرے سے نہایت قریب بلکہ لازم و ملزوم ہیں۔ ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

6.4 سیاسیات کے فروغ میں تاریخ کا کردار

(Role of History in the Development of Political Science)

سیاسیات کے فروغ میں تاریخ کے کردار بہت ہی اہم ہے اس کو اور اچھے سے سمجھنے کے لئیے مندرجہ ذیل نکات کے ذریعے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

- **سیاسیات کے مطالعے کا انحصار تاریخ پر (The Study of Political Science Depends on History):** سیاسیات کا مطالعہ تاریخ پر منحصر ہوتا ہے۔ تاریخ سیاسیات کو مطالعہ کا مواد مہیا کرتی ہے۔ کسی بھی زمانے کی سیاسی سوچ کو سمجھنے کے لیے، اس دور کے تاریخی پس منظر کا علم ضروری ہے۔
- **تاریخ، سیاسیات کے اصول و نظریات کے تعین میں معاون:** تاریخ ماضی کے سیاسی واقعات اور حقائق کا ایک مجموعہ ہے، جو اس کے اصولوں اور نظریات کے تعین میں سیاسیات کی مدد کرتا ہے۔ گیٹل نے ٹھیک کہا ہے، "سیاسی اداروں کو صرف ان کے تاریخی پس منظر میں سمجھا جا سکتا ہے۔"
- **تاریخ سیاسیات کی لیبارٹری (History is Laboratory for Political Science):** تاریخ کو سیاسیات کی لیبارٹری

تصور کیا جاتا ہے۔ تاریخ سے ہی ماضی کی پالیسیاں، ان کے نتائج اور متبادل پالیسیوں کا پتہ چلتا ہے۔ سیاسی میدان میں ان واقعات کو تجربات اور تاریخ کو تجربہ گاہ کہا جاتا ہے۔ماضی میں کیے گئے تجربات موجودہ مسائل کے حل اور مستقبل کو خوبصورت بنانے میں معاون ہیں۔

- **تاریخ زمانوں کی حکمت اور تجربے کی نمائندگی کرتی ہے**

(History Representations of Historical Periods of Logic and Experiences)

یہ حکمرانوں، حکومتوں، انقلابوں اور سیاسی پیش رفتوں کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا محاسبہ کرتی ہے۔ تاریخی واقعات کا علم سیاسی علوم سیکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

- **تاریخ سیاسی اداروں کے ارتقا کا ایک ریکارڈ (History is Records of Emergence of Political Institution)**

تاریخ سیاسی اداروں کی ابتداء، ارتقا اور زوال یا نشوونما کے بارے میں سیاسیات کو قیمتی معلومات فراہم کرتی ہے۔ سیاسیات کو تاریخ سے سیاسی اداروں کے ماضی کے احوال کے بارے میں معلومات لینی پڑتی ہے۔

- **تاریخ کا سیاسی مقاصد اور اس کے اقدار کے تعین میں تعاون:** تاریخی تجربات کے مطالعے کے نتیجے میں حکمت سیاسیات کے طلباء کو صحیح سیاسی مقاصد اور اقدار وضع کرنے میں مدد دیتی ہے۔ جدوجہد آزادی کی تاریخ نے انصاف، لبرٹی، مساوات اور بھائی چارگی کے تحفظ کو تشکیل دینے اور اسے قبول کرنے میں ہمارا تعاون کیا ہے جیسے کہ ہندوستانی آئین کے اقدار۔

- **تاریخ سیاسیات کو مطالعہ کا مواد مہیا کرتی ہے: (History Provides Study Materials to Political Science):**

ماضی کی سیاسی تحریکوں، پیش رفتوں، واقعات اور تعلقات کا مطالعہ سیاسیات کے مطالعے کا ایک قابل قدر حصہ ہے۔ تاریخ سیاسیات کو مطالعاتی مواد فراہم کرتی ہے، جو موجودہ سیاسی تحریکوں، واقعات اور تعلقات کا مطالعہ کرنے کی بنیاد ہے۔

- **تاریخ سیاسیات کا اسٹور ہاؤس اور لائبریری ہے (History is Store House and Library to Political Science)**

تاریخ کا مطالعہ نئے نئے حقائق سامنے لاتا ہے، جن کو موجودہ سیاسی تعلقات اور پیش رفتوں کے مطالعے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس سے سیاسیات کو مستقبل کے لیے پالیسیاں مرتب کرنے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔

6.5 سیاسیات اور تاریخ کے مابین فرق

(Difference between Political Science and History)

موجودہ دور بین الاضامیں کا دور ہونے کی وجہ سے سیاسیات اور تاریخ کے درمیان گہرا رشتہ ہے۔ کیوں کے تاریخ ماضی کا مطالعہ ہونے کی وجہ سے یہ سیاسیات کو مواد فراہم کرتی ہے جس سے سیاسیات ماضی کی غلطیوں سے سبق لے کر حال میں بہتر پالیسی کو بنائے۔ سیاسیات اور تاریخ میں گہرا تعلق ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسیات اور تاریخ کئی نکات میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں، جن میں سے کچھ اہم نکات

مندرجہ ذیل ہیں۔

- **مقاصد میں فرق(Difference in Objectives):** سیاسیات کا مقصد ماضی اور حال کے تجربات سے استفادہ کرنا ہے اور مستقبل میں ملک اور قوم ملت کے مفاد کے لیے ایک عمدہ لائحہ عمل تیار کرنا ہے اور جو موجودہ پالیسیاں ہیں انہیں مزید مستفید اور منافع بخش بنانا ہے۔ جب کہ تاریخ کا مقصد صرف ماضی کی غیر جانبدار معلومات کو حاصل کرنا ہے۔ تاریخ صرف زمانہ گزشتہ پر ہی اپنی توجہ مرکوز کرتی ہے اور اسے مستقبل سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی، سیاسیات کو تینوں زمانوں سے اپنا رشتہ بنائے رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔
- **مطالعہ کے طریقہ کار میں فرق (Differences in Methods of Study):** سیاسیات کے مطالعے کا طریقہ تفکرانہ ہے۔ اس میں صرف سیاسی پہلو سے متعلق واقعات کا مطالعہ مشاہداتی، تقابلی، سائنسی اور فلسفیانہ طریقوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ تاریخ کے مطالعے کا طریقہ بیانیہ ہے۔ اس میں واقعات کو تاریخی اور غیر جانبدارانہ طور پر بیان کیا جاتا ہے۔
- **وسعت میں فرق (Difference in Scope):** سیاسیات اور تاریخ کے وسعت میں بہت بڑا فرق ہے۔ سیاسیات انسان کی سیاسی زندگی،، سیاسی تنظیم، حکومت، مملکت، بین الا تعلقات اور سیاسی اداروں کا مطالعہ کرتی ہے۔ اور سیاسیات یہ ماضی، حال اور مستقبل کا بھی مطالعہ کرتی ہے جب کہ تاریخ انسان کی پوری زندگی اور تمام اداروں کے ماضی کا مطالعہ کرتی ہے۔ اس طرح سیاسیات کا میدان تنگ اور تاریخ کا میدان وسیع ہے۔
- **نوعیت میں فرق(Difference in Nature):** سیاسیات ایک اعلا موضوع ہے جو سیاسی مظاہر کے مطالعے سے متعلق ہے۔ اس کا ہدف سیاسی عمل کی شکلوں اور نوعیت کے بارے میں انسانی فہم کو نکھارنا اور سیاسی معنی خیز مظاہر کی ترجمانی کے لیے نظریاتی اوزار تیار کرنا ہے اس طرح سیاسیات کی نوعیت مثالی ہے۔ جب کہ تاریخ کی نوعیت حقیقت پسندانہ ہے کیونکہ تاریخ من وعن ماضی کے واقعات پیش کرتی ہے اور اس کا عصر سے تعلق نہیں ہے۔

6.6 بین تعلق لیکن منفرد سماجی علوم(Interpersonal but Different Social Sciences)

مندرجہ بالا بحث سے سیاسیات کے تاریخ سے گہرے تعلق کے متعلق ہم نے پڑھا لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ یہ دونوں مضامین ایک ہی ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں۔ ان دونوں مضامین کا اپنا ایک مختلف اور الگ الگ وجود ہے اپنی متعینہ حدود کے ساتھ۔ تاریخ کی حدود کی وسعت سیاسیات کے مقابلہ زیادہ ہے۔ سیاسیات کا تعلق تاریخ کے محض ایک ہی حصہ سے ہے۔ تاریخ کا تعلق بنیادی طور پر صرف ماضی سے ہے، کسی حد تک حال سے بھی ہے لیکن مستقبل سے تو بالکل بھی نہیں ہے۔ رہی بات سیاسیات کی تو اس کا تعلق ہر زمانے سے ہے اور سائنسی نقطۂ نظر کی بنیاد پر سیاسیات میں مستقبل کے واقعات کی پیشین گوئی کرنے کی صلاحیت ہے لیکن تاریخ میں نہیں، یہ صرف حقائق کو ہی بتاتی ہے۔ بہر حال یہ دونوں مضامین سماجی علوم کے پلیٹ فارم پر بین المضامین کی حیثیت سے تو ہیں لیکن مختلف ہیں اور کسی حد تک ایک دوسرے پر منحصر ہیں، مکمل طور پر نہیں۔ لیکن آج بین الا مضامین کا دور ہے۔ چونکی سماج کو بہتر طریقے سے سمجھنے کے لیے بین الا مضامین کا

مطالعہ لازمی ہے اور اس میں تاریخ اور سیاست کا رول اہم ہو جاتا ہے۔ تاریخ کا تعلق ماضی سے ہے اور سیاست کا ماضی لیکن مستقبل سے زیادہ اس لیے بہتر مستقبل کے لیے دونوں مضامین رول کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

6.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- سیاسیات اور تاریخ کے مابین تعلقات کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔
- تاریخ کے فروغ میں سیاسیات کے کردار کو سمجھا۔
- سیاسیات کے فروغ میں تاریخ کے کردار کو واضح طور سے بیان کیا۔
- تاریخ کی تعریفات، سیاسیات کی تعریفات، تاریخ اور سیاسیات کی اہمیت کو جانا۔
- سیاسیات اور تاریخ کے مابین فرق کا مطالعہ کیا۔

6.8 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **امتزاج** : اتحاد، مرکب، دو اشیا کا مل کر ایک ہونا
- **ڈسیپلن** : مضمون
- **تخصص** : مہارت حاصل کرنا، کسی علم کا ماہر خصوصی ہونا
- **بین المضامین** : انٹر ڈسپلن، دو مضامین کو جوڑ کر پڑھنا
- **لائحہ عمل** : دستور العمل، وہ کام جس پر عمل کیا جائے
- **بیانیہ طریقہ** : کسی واقعہ' قصہ' مطالعہ یا مشاہدے کو حکایتی یا کہانی کے انداز میں پیش کرنا۔
- **متمول** : مال دار، جس کے پاس بہت کچھ ہو
- **انٹیگریٹیڈ لرننگ** : دو یا زیادہ مضامین کو ملا کر سیکھنا
- **مواخذاہ کرنا** : کسی سے اس کے کیے ہوئے کا حساب، پکڑنا
- **سامراجیت** : سامراجیت ایک ملک کی سرحدوں سے باہر جا کے دوسرے ملک کے اختیارات پر دخل اندازی کرنے کے عمل کو کہا جاتا ہے۔
- **بین الاقوامی** : ایک سیاسی اصول ہے جو لوگوں اور قوموں میں زیادہ سے زیادہ سیاسی یا معاشی تعاون کی حمایت کرتا ہے۔

6.9 نمونہ امتحانی سوالات(Model Examination Questions)

6.9.1 معروضی جوبات کے حامل سوالات(Objective Answer Type Questions)

1. مندرجہ ذیل میں وہ کون سا مضمون ہے جو مملکت اور حکومت کے سلسلے میں انسان کے ساتھ تعامل کرتا ہے؟

(a)معاشیات (b)تاریخ

(c)سیاسیات (d)نفسیات

2. سیاسیات اور تاریخ دونوں مضامین کی مشترکہ خصوصیت کیا ہے؟

(a) مملکتی امور (b)انسان

(c)حکومت (d)ایڈمنسٹریشن

3. سیاسیات کو عظیم علم (ماسٹر سائنس) کس نے کہا ہے؟

(a)ارسطو (b)جان لاک

(c)افلاطون (d)آدم اسمتھ

4. سیاسیات کی علاحدہ ڈسیپلن کی حیثیت کب سامنے آئی؟

(a)اٹھارویں صدی (b)انیسویں صدی

(c)بیسویں صدی (d)اکیسویں صدی

5. تاریخ سیاسیات کے بغیر بے ثمر ہے اور سیاسیات تاریخ کے بغیر بے جڑ ہے۔ کس مفکر کا قول ہے؟

(a) فری مین (b)جان لاک

(c)جان سیلے (d)آدم اسمتھ

6. تاریخ کا کچھ علم سیاسیات کے لیے واضح طور پر ناگزیر ہے۔۔ کس مفکر کا قول ہے؟

(a) فری مین (b)جان لاک

(c)جان سیلے (d)رابسن

7. تاریخ صرف زمانہ گزشتہ پر ہی اپنی توجہ مرکوز کرتی ہے اور اسے مستقبل سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی، سیاسیات کو کس زمانے سے اپنا رشتہ بنائے رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

(a) ماضی (b)حال

(c)مستقبل (d)یاتینوں

8. سیاسیات کے مطالعے کا طریقہ تفکرانہ ہے اور تاریخ کا مطالعہ کا طریقہ......ہے

(a) مشاہداتی (b) سائنسی

(c) بیانیہ (d) فلسفیانہ

9. کس مفکر نے کہا ہے "سیاسی اداروں کو صرف ان کے تاریخی پس منظر میں سمجھا جاسکتا ہے۔"؟

(a) گیٹل (b) جان لاک

(c) جان سیلے (d) رابسن

10. سیاسیات کے تاریخ سے کس حد تک گہرے تعلقات ہیں؟

(a) دونوں ایک ہی ہیں (b) کسی حد تک ایک دوسرے پر منحصر ہیں

(c) دونوں مضامین مکمل مختلف ہیں (d) معلوم نہیں

6.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ تاریخ سیاسیات کے بغیر بے ثمر ہے اور سیاسیات تاریخ کے بغیر بے جڑ ہے۔ وضاحت کیجیے۔

2۔ تاریخ اور سیاسیات کی نوعیت میں فرق لکھیے۔

3۔ سیاسیات کے ساتھ تاریخ کا کیا تعلق ہے، لکھیے۔

4۔ سیاسیات تاریخ سے کس طرح مختلف ہے، قلم بند کیجیے۔

5۔ تاریخ اور سیاسیات کی وسعت اور مقاصد میں فرق کی وضاحت کیجیے۔

6.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ تاریخ کے فروغ میں سیاسیات کے کردار پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

2۔ سیاسیات اور تاریخ کے مابین تعلق ہے لیکن منفرد سماجی علوم ہیں۔ تفصیل سے لکھیے۔

3۔ سیاسیات اور تاریخ کے تعلقات کے متعلق مختلف ماہرین سیاسیات کے اقوال کا تنقیدی جائزہ قلم بند کیجیے۔

6.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Agarwal R.C.(2011), Political Theory (Principles of Political Science), S. Chand & Company Ltd. New Delhi

2. Almond, Gabriel and G.B. Powell. (2001), Comparative Politics: A Developmental

Approach, Oxford IBH, New Delhi.

3. Brecht. A. (2006). Political Theory, Surjeet Publications, New Delhi.
4. Das P.G (1996), Modern Political Theory, New Central Book Agency (P) Ltd, Calcutta.
5. Dhawan, Suhana (2012), "Relationship between Political Science and History-Essay",
6. http://www.shareyouressays.com/89023/relationship-between-political-science-and-history-essay7, http://sociology-trisa.blogspot.in/2010/09/relationship-between-sociology-and_10.html
7. Giddens, Anthony (1995), Politics, Sociology and Social Theory: Encounters with classical and Contemporary Social Thought. Stanford: Stanford: University Press.
8. Dhal, Robert. A & Bruce Stinebrickner (2008), Modern Political Analysis, Pearson ed., New York.
9. Easton, David.(2000).The Political System, Scientific Book Agency, Calcutta.
10. Mukherjee, S. and Ramaswamy, S. (2004), A History of Political Thought, PHI Learning Pvt. Ltd.
11. Mukhopadhyay, A.K. (1990), Western Political Thought, Calcutta - KP Bagchi and Company.
12. Ray Amal and Bhattacharya Mohit (2013), 'Political Theory, Ideas and Institutions' Word Press, Calcutta
13. Easten, D. (1953), The Political System: An Inquiry into the State of Political Science. New York: Alfred A. Knopf.
14. Sabine G.H. (2014), A History of Political Theory, Oxford
15. Rathore, L. S. (1986), Political Sociology: Its meaning, evolution and scope.
16. Sarmah, Durga Kant (2004), Political Science, New Age International Publishers, New Delhi

اکائی 7۔ سیاسیات کا سماجیات سے تعلق

(Relations of Political Science with Sociology)

اکائی کے اجزا

7.0 تمہید

7. 1 مقاصد

7.2 سیاسیات اور سماجیات کا تعلق

7.2.1 سیاسیات کی تعریف

7.2.2 سیاسیات کی مرکزیت میں تبدیلی

7.2.3 سماجیات اور علم سیاسیات کے مابین تعلقات

7.3 سیاسی سماجیات بحیثیت ذیلی سماجیات

7.3.1 سیاسی سماجیات اور سیاست کی سماجیات کے مابین فرق

7.3.2 سیاسی سماجیات میں استعمال شدہ تصورات

7.3.3 سیاسی ثقافت

7.3.4 سیاسی سماجیانہ

7.3.5 سیاسی سرمایہ

7.4 سیاسی جدیدیت

7.5 اکتسابی نتائج

7.6 کلیدی الفاظ

7.7 نمونۂ امتحانی سوالات

7.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

7.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

7.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

7.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

7.0 تمہید (Introduction)

یہ اکائی سیاسیات کے ساتھ سماجیات کے تعلقات کی وضاحت کرتا ہے۔ سماجیات معاشرے اور سماجی زندگی کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے مختلف سیاسی پہلوؤں کو چھوتی ہے۔ دونوں مضامین، ایک دوسرے سے مل کر مختلف مسائل، روزمرہ کی زندگی اور پالیسی معاملات یا ان امور کے متعلق مفید جوابات فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کے متعلق ہمارے خیال میں معاشرے اور اس کے افعال کو زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، حکمرانی، سول سوسائٹی، سماجی طبقہ اور سماجی سرمایہ، ووٹوں کا طرز عمل، گروہوں کے مابین تعلقات و قوت کا اشتراک، شراکتی جمہوریت، حکومتی پالیسیاں اور معاشرے پر ان کے مضمرات جیسے معاملات نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ درحقیقت، یہ وہ اہم مسائل ہیں جو سماجیات اور سیاسیات دونوں کی حدود کو قریب لاتے ہیں۔ ان مسائل کے نتیجے میں، مختلف ذیلی مضامین جیسے سیاسی سماجیات، سیاسی انسانیات اور سیاسی معاشیات ایک بین المضامین فریم ورک کے ساتھ انسانی زندگی کے سماجی و سیاسی پہلوؤں کا مطالعہ کرنے کے لیے معرض وجود میں آئی ہے۔ سماجیات اور علم سیاسیات دونوں ہی کا بنیادی طور پر انسانی سماجی زندگی سے تعلق ہے اور یہ دونوں اپنی مشترکہ دلچسپی کو وسیع پیمانے پر تقسیم کرتے ہیں۔ تاہم، اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دونوں شعبوں کے نقطہ نظر میں فرق بھی ہے، سماجی زندگی اور اس کی ڈائینامکس کے بارے میں مختلف نظریات ملتے ہیں۔ سماجیات اور علم سیاسیات کے مابین تعلقات کو جاننا ضروری اس لیے ہے تاکہ یہ حقیقت واضح ہو سکے کہ دونوں مضامین کس طرح سماجی حقائق کے ساتھ معاملات کرتے ہیں اور کس طرح دونوں مضامین آپس میں متحد اور مختلف ہیں۔

7.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد، آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- سیاسیات کی تعریف اور اس کے سماجیات کے ساتھ باہمی روابط سمجھ سکیں۔
- سیاسی سماجیات کو سماجیات شعبے کے ایک ابھرتے ہوئے ذیلی فیلڈ کے طور پر سمجھیں؛ اور
- سیاسی سماجیات کے میدان میں استعمال شدہ تصورات کو جانیں۔

7.2 سیاسیات اور سماجیات کا تعلق (Relationship of Political Science with Sociology)

سماجیات اور سیاسیات دونوں ہی سماجی علوم سے تعلق رکھتی ہیں، دونوں کیا اہم مقاصد انسان کی فلاح و بہبودگی اور ان گی زندگی میں درپیش مسائل کا حل تلاش کرنا اور زندگی کو منظم طریقے سے چلانا ہے۔ دونوں مضامین میں آپس میں کس حد تک یکسانیت اور کس حد تک

اختلاف ہے یہ جاننے کے لیے پہلے ان کا مختصر تعارف ناگزیر ہے۔

7.2.1 سیاسیات کی تعریف (Definitions of Political Science)

سیاسیات کو عام طور پر مملکت، حکومت اور سیاسیات کے سائنسی مطالعہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں، شاید، سب سے زیادہ استعمال ہونے والے تصورات سیاسیات، مملکت، اقتدار، سیاسی سماجیانہ، قیادت، حکمرانی، فیصلہ سازی، پالیسی سازی اور اس کے اثرات ہیں۔ سیاسیات کا تصور علم سیاسیات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ درحقیقت، بعض اوقات دونوں کو ایک دوسرے کا متبادل خیال کیا جاتا ہے۔ عام طور پر، سیاسیات کو ایک عمل کے طور پر بھی بیان کیا جاتا ہے جس کے تحت لوگ عام قواعد تشکیل دیتے ہیں، ان کا تحفظ کرتے ہیں اور ان میں ترمیم کرتے ہیں جو ان کی زندگی پر حکمرانی کرتے ہیں۔ اس طرح کے عمل میں عام طور پر تعاون اور تنازعہ دونوں شامل ہوتے ہیں۔ حکمرانی کے فن کی حیثیت سے سیاسیات عوامی امور، تنازعات، متعدد فیصلے کرنے، سمجھوتا اور مختلف سطحوں پر اتفاق رائے کے معاملات، طاقت اور وسائل کی تقسیم سے متعلق بنیادی امور کو بیان کرتی ہے۔ اب، ہم لفظ سیاسیات سے وابستہ کچھ معنی و مفہوم پر نگاہ ڈالیں گے۔

1۔ سیاسیات کو اکثر حکومت کا فن سمجھا جاتا ہے۔ تاہم اس کے متضاد دلائل موجود ہیں کہ سیاسیات ایک سائنس ہے یا ایک فن اسی طرح اکثر شعبہ سماجیات کی سائنسی حیثیت پر بھی بحثیں ہوتی ہیں۔ سیاسیات کی حقیقت کے متعلق مختلف اسکالرز بتاتے ہیں کہ یہ یونانی لفظ 'پولس' سے ماخوذ ہے، جس کے لفظی معنی 'شہر کی مملکت' ہے۔ قدیم زمانے میں، یونانی معاشرے کو آزاد شہری مملکتوں میں تقسیم کیا گیا تھا، جن میں سے ہر ایک کا اپنا نظام حکومت تھا۔ اس سیاق و سباق میں، سیاسیات یا پالیٹکل سائنس اکثر یونانی لفظ 'پولس' کے معنی سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا مطلب ہے مملکت اور اس کے امور سے متعلق معاملات۔ سیاسیات نے بطور تعلیمی ڈسپلن بڑی حد تک سیاسیات کی اس تعریف کو اپنایا ہے۔

2۔ سب سے زیادہ ضروری پہلو جو سیاسیات اور اس کی نوعیت کی وضاحت کرتا ہے وہی ہے جسے ہم اکثر عوامی معاملات یا عوام سے وابستہ کرتے ہیں۔ واقعی، سیاسیات کا دائرہ، تعریف اور اس کا اسکوپ اس تنگ نظری سے بالاتر ہے جسے محض حکومت یا مملکت کا مطالعہ سمجھا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا لفظ "عوامی" کا تقابل "نجی" کے لفظ سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ امتیازات اکثر انسانی زندگی کے دو مختلف نظریات پر مبنی درجہ بندی سے کیے جاتے ہیں۔ اسی زمرہ بندی کو مملکت اور سول سوسائٹی کے مابین فرق کے دو تصوراتی زمروں کے مطابق کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر، مملکت کے مختلف اداروں جیسے بیوروکریٹک مشینری، وزارتیں، عدالت اور ٹریبونلز، پولیس، فوج، سماجی تحفظ کا نظام وغیرہ کو عوامی امور سے متعلق سمجھا جاسکتا ہے۔ اس معنی میں کہ یہ تنظیمیں مملکت میں سماجی زندگی کے نظم و نسق اور ہموار طرز عمل کے لیے بڑے پیمانے پر معاشرے کے لیے ذمے دار ہیں۔ مزید یہ کہ ان کی عوامی اخراجات پر مالی اعانت کی جاتی ہے، بنیادی طور پر ٹیکس دہندگان کی رقم سے۔ اس کے برعکس سول سوسائٹی مختلف سماجی اداروں جیسے خاندان، رشتے داروں کا گروپ، ٹریڈیونینوں، کلبوں، کمیونیٹی گروپوں، نجی کاروبار وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ اس معنی میں نجی ہیں کہ ان کی مالی اعانت انفرادی شہریوں کے ذریعے فراہم کی جاتی ہے۔ اس طرح، ان کی فطرت نجی یا انفرادیت پر مرتکز ہے۔

3۔ سیاسیات کی تعریف اکثر اس کی مخصوص نوعیت اور خصوصیات (سمجھوتا، فیصلہ سازی اور اتفاق رائے کے اہم امور) کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ سیاسیات کا تعلق اکثر سماجی مشینری سے ہوتا ہے جس کا مقصد زیادہ تر تدبر، تفکر، سمجھوتا، صلح اور بات چیت کے ذریعے تنازعات کو حل کرنا ہوتا ہے، نہ کہ محض طاقت کے ذریعے۔ اس تناظر میں متعدد مفکرین نے سیاسیات اور اس سے وابستہ عمل کو 'ممکنہ فن' کے طور پر بیان کیا ہے، جو بنیادی طور پر بات چیت، بحث و مباحثے اور ثالثی کے ذریعے سیاسیات میں پر امن حل لانے کا متبادل ہے اور یہ عام طور پر فوجی حل کے خلاف ہے۔ اسی طرح، سیاسیات کو اقتدار اور وسائل کی بازیابی کے طور پر بھی بیان کیا جاسکتا ہے کیوں کہ معاشروں کو اپنی سماجی زندگی آسانی اور پر امن طریقے سے چلانے کی ضرورت ہے۔

4۔ یاسیات اکثر طاقت اور اثر ورسوخ کے استعمال سے منسلک ہوتی ہے۔ مفکرین سیاسیات اس طرح سیاسیات کو اکثر تمام اجتماعی سماجی سرگرمیوں کے دل کی طرح بیان کرتے ہیں جو تمام سماجی گروہوں اور اداروں میں رسمی اور غیر رسمی، سرکاری اور نجی بائنریز کے ساتھ منسلک ہے۔ اس لحاظ سے، معاشرے میں سماجی رابطوں کی ہر سطح پر سیاسیات ہوتی ہے۔ یہ خاندانوں، ہم عمر اور رشتے داروں کے گروپوں، تنظیموں، اور قومی مملکت کے مابین علاقائی اور عالمی سطح پر پائی جاسکتی ہے۔ اس کے وسیع معنوں میں، سیاسیات بنیادی طور پر طاقت سے متعلق ہے جو دوسروں کو متاثر کرنے اور کسی کے اختیار میں جو بھی ممکن ہے اس سے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کی صلاحیت ہے۔ مسابقتی تقاضوں اور محدود وسائل کے پیش نظر انسان اکثر مقابلہ کے دعوے اور جوابی دعوے کرتا ہے۔ اس طرح سیاسیات کو اکثر محدود وسائل پر جدوجہد کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور طاقت کو ایک ایسے ذریعہ کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے جس سے وسائل کے حصول کے لیے جدوجہد ہوتی ہے۔ مختصر طور پر علم سیاسیات بنیادی طور پر ایک دانشورانہ نظم وضبط ہے، جو سیاسیات، اقتدار، نظم ونسق اور مملکت کے ڈھانچے اور اس کے فنکشن کے بارے میں جانکاری کا ایک خزانہ ہے۔ سماجیات ڈسیپلن کی طرح اس کا بھی خاص کام سیاسیات کے بارے میں سیکھنے والوں کو عملی تربیت فراہم کرنے کے بجائے سیاسیات کے بارے میں علم دینا ہے۔ تاہم، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی نوعیت اور دائرے کار کے لحاظ سے سیاسی سائنس کا ڈسیپلن تبدیل ہوگیا اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ سیاسیات کی نوعیت اور دائرے کار کا تصور دوسرے ڈسیپلن خصوصاً سماجیات کے اثر کی وجہ سے تبدیل ہوا ہے، اس طرح بین المضامین نقطہ نظر کے ساتھ ساتھ ایک دانشورانہ ڈسیپلن بنا۔ سماجیات اور علم سیاسیات کے مابین تعلقات کو جانچنے سے پہلے اس تبدیلی کو جاننا نہایت ضروری ہے۔

7.2.2 سیاسیات کی مرکزیت میں تبدیلی (Changes of Political Science in Centralization)

علم سیاسیات کی نوعیت ڈسیپلن کی حیثیت سے وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتی رہی ہے۔ لہٰذا، ماضی میں سیاسیات سے سیاسی نظام، حکومت سے حکمرانی اور سیاسی وجوہات میں سیاسی تبدیلیاں بھی رونما ہوچکی ہیں۔ علم سیاسیات میں یہ تبدیلی معاشرے سے الگ تھلگ نہیں ہوئی۔ عصری گلوبلائزڈ اور باہم وابستہ دنیا میں ہونے والی تبدیلیاں بنیادی طور پر اس ڈسیپلن یا موضوع کی بدلتی ہوئی وسعت اور نوعیت کی عکاسی کرتی ہیں۔ علم سیاسیات نے نہ صرف اپنی طرف توجہ مرکوز کی ہے بلکہ اس کے نتیجے میں اپنے تصورات اور نقطہ نظر کو بھی بہتر بنایا ہے جس کے سبب اس

کے ڈسیپلن کو مزید تقویت ملی ہے۔ اگرچہ تاریخی جڑیں زیادہ گہری ہو سکتی ہیں، لیکن سرد جنگ کے دوران ماہرین سیاسیات کو جمہوری سرمایہ داری اور آمرانہ سوشلزم، قومی شناخت، طبقہ واریت، حیثیت اور تسلط جیسے اہم امور کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا جو بعد میں درس و تدریس کے امور کے طور پر پوری دنیا میں ابھر کر سامنے آئے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، یہ دراصل سرد جنگ کے دوران کی بات ہے کہ سیاسی دنیا میں تیزی سے تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں۔ در حقیقت، علم سیاسیات میں بڑی تبدیلیاں دوسری جنگ عظیم کے بعد نظریہ کردار کے آغاز کے ساتھ ہوئی ہیں۔ تب سے ہی علم سیاسیات نے سیاسی عمل اور طرز عمل کا مطالعہ کرنا بھی شروع کیا (اسمتھ 2004)۔ سیاسیات کی نوعیت، سیاسی قیادت، فیصلہ سازی، اور سیاسی نظام کے بیشتر حصوں کی طرح گروپوں کے طرز عمل کی جانچ کر کے سیاسی مظاہر کا مطالعہ اور تجزیہ کرنا اب علم سیاسیات کا مقصد بن گیا ہے۔ اس کے علاوہ، دوسری جنگ عظیم کے ادوار میں 1990 کی دہائی کے دوران مغربی یورپ کے اختیارات کے غلبے اور براعظم افریقہ و ایشیا میں نئی اقوام کے عروج کا ظہور ہوا اور سوویت یونین و دیگر کمیونسٹ طاقتوں کا خاتمہ ہوا۔ اس کے نتیجے میں، سرد جنگ کے بعد پرانی یورپی منڈی، شمالی امریکی آزاد تجارتی معاہدہ، عالمی تجارتی تنظیم، اور یورپی یونین، غیر جانبدارانہ تحریک، افریقی یونین جیسے علاقائی سیاسی اداروں کی ترقی اور بین الاقوامی اقتصادی اداروں کے پھیلاؤ معرض وجود میں آئے۔ جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کی تنظیم (آسیان) اور بین الاقوامی / ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کے ساتھ ساتھ نقل و حرکت والی تنظیمیں جیسے ماحولیات، مزدوروں اور انسانی حقوق کے گروہوں میں اضافہ ہوا۔ سیاسی تنظیموں کی یہ سبھی نئی شکلیں، سیاسی شناخت کے بارے میں بحث و مباحثے اور مختلف سماجی اہم امور جیسے حقوق، شناخت، مذہب اور سیاسی ترقی کا بھی مشاہدہ کیا گیا۔ مزید یہ کہ 1990 کی دہائی میں اور اس کے بعد شناختی سیاسیات یا شناخت کی سیاسیات کی ترقی میں ایک نمایاں تیزی بھی دیکھی گئی۔ مثال کے طور پر، نسلی اور نسلی امور کے متعلق سیاسیات، صنفی انصاف، فرقہ واریت اور سیکولرازم، تارکین وطن کی سیاسیات، ماحولیات اور ترقی، مقامی سیاسیات، سیاسیات اور ہم جنس پرستی، ٹرانس جینڈر کے مسائل، عالمگیریت، آفاقی شہریت، بین الاقوامی قومی تحریک وغیرہ پر بحثیں ہوئیں جو پہلے علم سیاسیات ڈسپلن میں موجود نہیں تھیں۔ نتیجتاً علم سیاسیات ڈِسپلن کی وسعت اور نوعیت وقفہ وقفہ کے ساتھ نہ صرف وسیع ہوتی گئی ہے، بلکہ اس نے بین المضامینی امور، بحث و مباحثے کو شامل کر کے نظریاتی زمرے کو بہتر بنایا، اس طرح یہ روایتی بنیادوں سے نمایاں طور پر ایک نئے اور جدید حصے میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اس تناظر میں علم سیاسیات نے سماجی طور پر متعلقہ امور جیسے نسل، شناخت، مذہب وغیرہ کا احاطہ کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ عالمگیریت، بین النوعیت پسندی، سیکولرازم، فرقہ واریت، شناخت کی سیاسیات اور میڈیا کے نئے امور اور پیش و رفت کے گرد دیگر کئی عصری بحثوں نے پالیٹکل سائنس کو ایک مکمل اور عام طور پر سوشل سائنس کے ڈسیپلن میں تبدیل کر دیا ہے۔

7.2.3 سماجیات اور علم سیاسیات کے مابین تعلقات

(Relations between Sociology and Political Science)

سماجیات اور علم سیاسیات بہت سے معاملات میں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سماجیات اور علم سیاسیات کے مضامین اقتدار، اتھارٹی ڈھانچہ، انتظامیہ اور گورننس کے تجزیہ میں ایک دوسرے سے منسلک ہیں (لیپ سیٹ 1964)۔ سماجیات اور علم سیاسیات کے

درمیان مماثلت اور بھی بہت سی ہیں۔ اول، سیاسیات اپنے بنیادی نظریات اور طریقوں کے لیے سماجیات پر بہت حد تک انحصار کرتی ہے۔ مثال کے طور پر 20ویں صدی کے وسط میں مشی گن کے سماجی ماہر نفسیات اور ہارورڈ میں پارسنیا کے افراد نے سیاسی طرز عمل اور سیاسی ترقی میں بالترتیب سیاسی یا سیاسی علم کے ایجنڈوں کی تشکیل کی۔ دوم، دونوں ہی مضامین میں مرکزی خصوصیات انہیں کے مماثل دیگر مضامین مثلاً معاشیات، تاریخ، انسانیات اور نفسیات سے لی جاتی ہیں۔ تیسرا یہ کہ مارکس، ویبر، گرامسکی، پیرٹو، پارسنز اور ماسکا وغیرہ جیسے اسکالرز کی ایک بڑی تعداد نے مساوی طور پر دونوں مضامین کی ترقی اور نشو نما میں حصہ لیا ہے۔ ہارول لاسویل کا مقالہ، 'سیاسیات: کس نے، کب اور کس طرح حاصل کیا' (1936) ایک اہم کام تھا جس سے سماجیات اور سیاسیات دونوں کے ماہرین کو متاثر کیا اور ایک بین المضامین فریم ورک میں کام کرنے کا باعث بنا (لیپ سیٹ 1964)۔ واضح رہے کہ عصری گلوبلائزڈ دنیا میں بدلتی سماجی ضرورت اور خواہشات کے پیش نظر، سماجی مسائل کو سمجھنے اور جدید معاشرے کے مسائل کا جواب تلاش کرنے کے لیے ایک بین المضامین نقطہ نظر ضروری ہے۔

سماجیات کو اکثر معاشرے کے سائنسی مطالعے کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ ہم یہ بھی نوٹ کر سکتے ہیں کہ معاشرہ مختلف گروہوں، اداروں، برادریوں، انجمنوں، لوگوں اور ان کی روزمرہ کی سرگرمیوں کے ایک پیچیدہ نیٹ ورک کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سیاسیات اور تحریکی قوت انسانی زندگی کے ان تمام تصورات کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ خاص طور پر، شائستگی یا سیاسی تشکیل ہمیشہ کسی بھی انسانی معاشرے کا لازمی جزر ہی ہے۔ جدید دور میں، کسی بھی معاشرے کا شائستہ ہونا، سیاسی اداروں یا سیاسی زندگی کی کسی بھی شکل کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مملکت اور حکمرانی کسی بھی معاشرے کے لیے اس کے کام، ترقی اور سماجی زندگی کی لازمی ضروریات جیسے امن و امان، سلامتی اور ترقی کے لحاظ سے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ سماجیات بھی بنیادی طور پر سماجی دنیا کی حیثیت کی عکاسی کرتی ہے جس میں سماجی امور، انسانی معاشرے کی صورت حال، ایک بڑھتی ہوئی عالمگیر مربوط دنیا میں سماجی تعلقات کا جال، سیاسی روایات، ذات، پات، نسل اور سیاسیات، ثقافتی پس منظر کی بڑھتی ہوئی اقسام، معاشی حالات اور لسانی وابستگی پر توجہ دی جاتی ہے۔ سماجیات سیاسی طرز عمل کے مختلف پہلوؤں کو ان کے سماجی اثرات پر خصوصی توجہ کے ساتھ جانچتی ہے۔ حقیقت میں یہ بات سماجیات اور سیاسیات کے مابین گہرے تعلقات کی نشاندہی کرتی ہے۔ تاہم دونوں مضامین اپنے نقطہ نظر میں مختلف ہیں۔ ماہرین سیاسیات حکومتوں اور ان کے رہنماؤں کے عروج، زوال اور ان کی تبدیلیوں کی تحقیقات کرتے ہیں، اگرچہ ماہرین سماجیات حکومتوں کو سماجی اداروں کے طور پر دیکھتے ہیں، سیاسی طرز عمل کو سماجی ڈائینامک اور قیادت کے نتیجے میں سماجی مظاہر کے طور پر دیکھتے ہیں جس میں سماجی ترقیوں کے متعدد مضمرات ہیں۔

سماجیات اور سیاسیات دونوں متعدد نکات پر آپس میں ملتے ہیں اور سماجی حقیقت کا وسیع تر تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ اس طرح، دونوں کے مابین مماثلتوں کو اسکالرز نے خوب سراہا ہے۔ تاہم، دونوں ہی مضامین میں اختلافات بھی ہیں جن کا تنقیدی جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے۔ ماہرین سماجیات سب سے اہم بات چیت کے نظام کی بات کرتے ہیں، چاہے وہ گروپوں، اداروں یا تنظیموں میں ہو، جب کہ علم سیاسیات کے ماہرین ان گروپوں یا تنظیموں کے اندر کنٹرول اور میکانزم کے متعلق بات کرتے ہیں۔ لہذا، سماجیات اور علم سیاسیات کے نقطہ نظر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سماجیات بنیادی طور پر باہم تعامل کے نظریات کے بارے میں فکرمند ہے، جب کہ علم سیاسیات میں بجلی کے

ڈھانچے، آرڈر اور کنٹرول کے طریقے کار پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔ اسکالرز نے استدلال کیا کہ جب بات چیت کے نظام کے سماجی نقطہ نظر کا استعمال سیاسی مظاہر کے تجزیے پر ہوتا ہے تو وہ سیاسی سماجیات بن جاتا ہے۔

جین اور دوشی (1974) کے مطابق، جب علم سیاسیات کے الفاظ کا سماجیاتی تجزیہ کے الفاظ میں ترجمہ کیا جاتا ہے تو پھر اسی کو ہم سیاسی سماجیات کہتے ہیں۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ المنڈ کولمین کی 'ترقی پذیر علاقوں کی سیاسیات' (1960) اور رجنی کوٹھاری کی 'ہندوستان کی سیاسیات' (1970) بڑھتی ہوئی سیاسی سماجیات کی مثالیں ہیں۔ نتیجہ، سیاسی سماجیات، جو بنیادی طور پر سماجیات اور علم سیاسیات کے درمیان باہمی تعامل کا نتیجہ ہے اور یہ سماجیات کی نسبتاً ایک نئی شاخ ہے، جو معاشرے میں مختلف سیاسی اداروں، انجمنوں، تنظیموں، مفاداتی گروپوں اور ڈائینامک قوت کا مطالعہ کرتی ہے۔ سیاسی سماجیات مفاداتی گروپوں، سیاسی جماعتوں، انتظامی اور بیوروکریٹک طرز عمل، سماجی قانون سازی، مملکتی پالیسیوں، اصلاحات اور سیاسی نظریات کا بھی مطالعہ کرتی ہے۔

7.3 سیاسی سماجیات بحیثیت ذیلی سماجیات (Political Sociology as a Sub Sociology)

سیاسی سماجیات اکثر سماجیات کے شعبے میں ایک نئے، ابھرتی ہوئے ذیلی فیلڈ کے طور پر تصور کی جاتی ہے۔ اسے سماجیات اور علم سیاسیات کے مابین ربط قائم کرنے والا پل سمجھا جاتا ہے۔ ماہرین سماجیات دونوں کے درمیان دو طرفہ تعلقات تصور کرتے ہیں (راٹھور 1986)۔ دونوں میں دینے اور لینے کا رشتہ ہے۔ دونوں مضامین کے کئی تصورات ایک دوسرے سے مل کر بنتی ہیں۔ متعدد دیگر اسکالر سیاسی سماجیات کو سماجیات اور علم سیاسیات کے مابین ازدواجی رشتہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جن کا تنقیدی مطالعہ اہم اور نئے شعبوں کو جنم دیتا ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے جو سماجیات اور سیاسیات دونوں سے منسلک ہوتا ہے لیکن اس کے ذریعے ان دونوں میں سے کسی ایک کا بھی مناسب مطالعہ نہیں ہوسکتا ہے۔

سیاسی سماجیات (Political Sociology)

سیاسی سماجیات ایک ایساڈسیپلن یا موضوع ہے جو بنیادی طور پر مملکت اور معاشرے کے مابین تعلقات سے وابستہ ہے۔ یہ موضوع یہ وضاحت کرتا ہے کہ کس طرح بڑے سماجی رجحانات سیاسی عمل کو متاثر کرسکتے ہیں۔ اس میں یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ مختلف سیاسی قوتیں کس طرح سیاسی پالیسیوں کو تبدیل کرنے کے لیے مل کر کام کرتی ہیں۔ سیاسی نظریات کا تاریخی تناظر، سماجی گروہوں کا کردار اور مملکت کا قیام اس موضوع کا لازمی اجزا ہیں۔ سیاسی سماجیات کے مطالعے کے بارے میں مختلف نقطہ نظر موجود ہیں۔ بنیادی نقطہ نظر میں فنکشنل ازم، فنڈامینٹلزم، سماجی استحکام اور بیوروکریسی شامل ہیں۔

مزید برآں، سیاسی مظاہر میں تجزیہ کے سماجی آلات کے استعمال نے سیاسی طرز عمل کے بارے میں ہماری تفہیم میں اضافہ کیا ہے (شرما 1978)۔ ان شعبوں سے وابستہ مضامین نہ صرف سیاسی سماجیات کو ایک اہم ذیلی فیلڈ کی حیثیت سے ترقی دینے کا باعث بنے ہیں بلکہ دونوں ہی مضامین نے اپنے آپ کو بہتر بنایا ہے۔ اپنے تصورات کے ذخیرے میں اضافہ کیا ہے اور اپنے موضوعات، امور اور اپلی کیشنز کو

وسیع کر کے انسانی معاشرے میں سماجی حقیقت کو سمجھنے اور تجزیہ کرنے کے لیے تیار کیا ہے۔ اس ڈومین کے تحقیقی شعبوں میں سماجیانہ کے ایجنٹ کے طور پر عوامی ایجنسیوں، گروپوں اور خاندانوں و قبیلوں کے کام کا تجزیہ شامل ہے۔ کچھ دیگر شعبے جیسے ووٹنگ کا طرز عمل، سیاسی ماحولیات اور سیاسی جماعتیں سیاسی کام کے موضوعات بھی اسی کے زیرے غور ہیں۔ یہ دراصل سیاسی عمل ہے جس کے ذریعے سیاسی رکنیت، نظریاتی مقابلہ جات، گروہوں کی اہمیت اور ان کی شناخت تشکیل اور تبدیل کی جاتی ہے اور سیاسی سماجیات کی بڑھتی ہوئی پختگی کو ایک فکری مضمون کے طور پر شامل کیا جاتا ہے۔ انتھونی گڈنس کا بین الاقوامی تعلقات اور یورپی مطالعات کے بارے میں سماجی نظریہ، ویبر کا زندگی کے شعبوں کا تجزیہ اور بورڈیو کی سیاسیات کا تجزیہ وغیرہ سیاسی سماجیات کی نشوونما کے راستے کی نشاندہی کرنے والی کچھ مثالیں ہیں۔

7.3.1 سیاسی سماجیات اور سیاسیات کی سماجیات کے مابین فرق

(Difference between Political Sociology and Sociology of Politics)

سیاسی سماجیات کی طرح، سیاسیات کی سماجیات بھی سماجیات کا ایک ذیلی فیلڈ ہے۔ سیاسیات کی سماجیات سیاسی عملوں اور ادارہ جاتی میکانزم کے سماجی تشخیص پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ اس کے برعکس، سیاسی سماجیات سیاسی مظاہر اور عمل کی وضاحت اور اسے سمجھنے پر توجہ مرکوز کرتی ہے جب کہ اس کا تعلق سماجی عوامل سے ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی تبادلہ خیال کیا جاچکا ہے کہ سیاسی سماجیات دراصل سیاسیات اور سماج کے درمیان، سماجی ڈھانچے اور سیاسی ڈھانچے کے مابین، سیاسی طرز عمل اور سماجی سلوک کے مابین روابط کی نشاندہی کرتی ہے۔ سیاسی سماجیات بنیادی طور پر سماجی وجوہات اور کسی مظاہر کے سیاق وسباق کے ساتھ معاملات کرتی ہے یہ بتاتے ہوئے کہ لوگ کیوں اپنے طرز عمل اور رویوں سے کام کرتے ہیں۔ سیاسی سماجیات کے برعکس سیاسیات کی سماجیات ایک متنازعہ پیش رفت ہے جس نے زیر غور آنے والے کسی بھی معاملے کو سیاق وسباق دیا۔

مزید برآں، اگر ہم پارٹی نظام کو دیکھتے ہیں تو، سیاسی سماجیات نہ صرف کسی سیاسی جماعت کے افعال کی تفتیش کرتی ہے بلکہ اس سے متعلق سماجی صورت حال اور سیاق وسباق کی بھی نشاندہی کرتی ہے تاکہ غور وخوض کے تحت اہم مسائل کو حل کیا جاسکے۔ اسی طرح سیاسیات کی سماجیات ہندوستانی سیاسیات کو ذات پزیر معاشرے کے لحاظ سے دیکھتی ہے، جب کہ سیاسی سماجیات اس بات پر غور کرتی ہے کہ سیاسیات نے ہندوستانی ذات پات کے نظام کو کس طرح متاثر کیا ہے، اس سے ملک میں ذات پات یا ذات پات کے نظام کی سیاسیات کو کس طرح سے حوصلہ ملا ہے۔ مختصر طور پر، سیاسیات کی سماجیات مسائل کا سطحی علاج مہیا کرتی ہے جب کہ سیاسی سماجیات ایک عجیب وغریب تجزیہ ہے جس نے سماجی تناظر میں اس معاملے کی جانچ کو لازمی قرار دیا ہے۔

7.3.2 سیاسی سماجیات میں استعمال شدہ تصورات (Concepts Uses in Political Sociology)

سیاسیات اور سماجیات کے درمیان باہمی ربط کو مزید سمجھنے کے لیے کچھ ایسی اصطلات اور تصورات کی وضاحت بھی ضروری ہے جو ان دونوں مضمونوں سے مل کر بنی ہیں۔ ان میں سے کچھ تصورات مندرجہ ذیل ہیں:

7.3.3 سیاسی ثقافت (Political Culture)

سیاسی سماجیات میں یہ سب سے زیادہ استعمال ہونے اور کثرت سے ذکر ہونے والے تصورات میں سے ایک ہے۔ یہ اصطلاح 1956 کی دہائی میں استعمال ہوئی اور مقبول بھی ہوئی اور سماجی مسائل و عمل کی وضاحت کرنے کے لیے انضباطی نظریاتی آلات کا حصہ بن گئی۔ خصوصاً، ہر قوم کے کچھ مخصوص سیاسی اصول، اقدار اور عقائد ہوتے ہیں جو لوگوں کو سیاسیات کے بارے میں سوچنے اور ان پر عمل کرنے کی ہدایت کرتی ہیں۔ یہ سب ایک خاص قوم کی سیاسی ثقافت کو تشکیل دیتے ہیں۔ ہر قوم کی اپنی الگ سیاسی ثقافت بھی ہوتی ہے۔ سیاسی ثقافت ایک وسیع پیمانے پر مشترکہ مجموعۂ خیالات، رویوں، طرز عمل اور اخلاقی فیصلوں کی حامل ہے جو عوام کے سیاسی رویوں کو حکومت سے مربوط رکھتی ہے۔ سیاسی ثقافت اصولوں، روایات، کنونشنوں، عقائد کے نظام، اور اقدار کا ایک مجموعہ ہے جو بنیادی طور پر ایک سیاسی نظام پر مبنی ہیں۔ اس طرح کے ثقافتی عناصر سماج میں مشترک ہوتے ہیں اور متعلقہ سماج یا متعلقہ قوم کے سیاسی نظام سے نسبتاً مختلف ہوتے ہیں۔

اہم معلومات (Important Information)

سیاسی ثقافت کی اصطلاح کا استعمال جوہن گوٹفریڈ ہیرڈر، الیکسس ڈی ٹوکیویل اور مونٹسکوئی کے اہم کاموں سے وابستہ ہے۔ علم سیاسیات میں اصطلاحات کا حالیہ اور جدید استعمال 1956 میں شائع ہونے والے المنڈ کے آخری مضمون "تقابلی سیاسی نظام" سے شروع ہوتا ہے۔ المنڈ کے الفاظ میں سیاسی ثقافت کسی بھی سیاسی عمل کی طرف راغب ہونے والے نظام کی طرف اشارہ کرتی ہے

(فارمیسانو 2001، صفحہ 6)

سیاسی ثقافت کو کسی خاص سیاسی نفسیات (عقیدہ / ادراک)، سیاسی فکر (نظریہ) اور سیاسی اداروں (حکمرانی کے نظام کی مخصوص شکل کے لیے ترجیح) کی ایک شخصی واقفیت بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے، سیاسی ثقافت یہ سوچنے کا ایک الگ اور ممتاز طریقہ ہے کہ لوگوں کی سیاسی اور معاشی زندگی کو کس طرح چلنا چاہیے۔ اس سے یہ بھی آشکار ہوتا ہے کہ معاشرہ کیسا ہے؟ اپنے لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتا ہے؟ اور زیادہ اہم بات یہ بھی ہے کہ سیاسی کلچر یا سیاسی ثقافت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لوگوں کا طرز فکر، ان کے عقائد اور اقدار کیا ہیں جن سے سیاسی روایات طے ہوتی ہیں اور ان کے سیاسی اہداف کی نشاندہی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، آزادی، مساوات، سیکولرازم اور جمہوریت ہندوستان کی سیاسی ثقافت کا عنصر ہیں۔ یہاں نظریہ اور ثقافت میں بھی فرق معلوم ہونا چاہیے۔ ثقافت سے مراد حکومت کے بارے میں مشترکہ عقائد، اقدار اور روایات ہیں جب کہ نظریہ نظریات یا پالیسیوں کا ایک مجموعہ ہے جسے حکومت کو چلنے کے لیے اپنانا چاہیے۔ لبرل ازم، نولبرل ازم، سرمایہ داری یا کمیونزم نظریات کا وہ مجموعہ ہے جسے کچھ مملکتیں مناسب سمجھتی ہیں اور اسی کے مطابق اپنے سیاسی نظام کو منظم کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر، آزادی کے بعد ہندوستان نے جمہوریت کو متناسب طرز عمل اور مخلوط معیشت کو اپنے معاشی نظام کی شکل کے طور پر اپنایا اور آہستہ آہستہ اسی کو ملک میں سیاسی ثقافت کے طور پر اپنایا۔

7.3.4 سیاسی سماجیانہ (Political Socialization)

سیاسی سماجیانہ کی اصطلاح بھی سیاسی سماجیات میں اکثر استعمال ہوتی ہیں۔ سماجی و سماجی لحاظ سے، سماجی زندگی ایک سیکھنے کا عمل ہے۔ سیاسی سماجیانہ کی اصطلاح سیاسی کردار و سیاسی رویوں اور طرز عمل کے سیکھنے سے متعلق ہے۔ تعلیم یافتہ افراد سیاسی ثقافت کا حصہ بنتے ہیں جو نسل در نسل سیاسی و سماجی رسم ورواج کو دوسری نسل میں منتقل کرتی ہیں اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ سیاسی سماجیانہ اس طرح بنیادی طور پر ایک سماجی عمل ہے کہ لوگ اپنا سیاسی رویہ کس طرح تشکیل دیتے ہیں، کس طرح اپنا سیاسی کردار سیکھتے ہیں اور کس طرح اپنا سیاسی کلچر تشکیل دیتے ہیں۔ آسان الفاظ میں، سیاسی سماجیانہ ایک ایسے سماجی عمل سے عبارت ہے جس کے تحت لوگ یا گروہ کچھ متوقع سیاسی کردار کو پورا کرنے کے لیے سیاسی طرز عمل سیکھتے ہیں۔

زیادہ تر بچے اپنی چھوٹی عمر میں ہی اپنی سیاسی اقدار اور روایات سیکھتے ہیں۔ تاہم، رویہ اور اصول وقتاً فوقتاً بدلتے رہتے ہیں اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں کیونکہ مختلف ایجنسیوں کے ذریعے وسیع تر معاشرے سے لوگ رابطے میں آتے ہیں جو سماجی ایجنٹوں کے طور پر کام کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، کنبہ، پڑوس، اسکول اور ہم خیال گروپ بچوں کے رویوں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ابتدائی عمر میں ہی ان کے نظریات کی تشکیل کرتے ہیں، جب کہ ماس میڈیا، سیاسی جماعتیں، مملکت، سول سوسائٹی، مفاد پرست گروپ جیسی ایجنسیاں بعد کے زمانے میں بھی لوگوں کے رویوں کی تشکیل کرتی رہتی ہیں۔ ایسی ایجنسیاں لوگوں کے رویوں کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر، عصر حاضر میں عالمگیر اور مربوط عالمی میڈیا لوگوں کی سوچ اور نظریات کی تشکیل کے لیے بے حد اثر رکھتی ہے۔ انفارمیشن ٹکنالوجی سے چلنے والا میڈیا ایک بااختیار ہستی سمجھا جاتا ہے جو بہت کم وقت میں بہت ساری معلومات کو پھیلاتا اور شیئر کرتا ہے اور لوگوں کی رائے اور سیاسی رویوں کو زبردست متاثر کرتا ہے۔ سیاسی سماجیانہ براہ راست یا بالواسطہ اور متحد یا منقسم ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، سماجیانہ ذاتی تجربے کے ذریعے یا کسی ایجنٹ یا ایجنسی کے ذریعے ہو سکتا ہے جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔ سماجیانہ آپسی اتحاد یا کچھ گروہوں کے خلاف یا دوسروں کے لیے احساس پیدا کرتی ہے۔ اس طرح سماجیانہ بھی منقسم و مختلف ہو سکتی ہے۔ سماجی عمل نظریاتی طور پر ہدایت یافتہ بھی ہو سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔ مثال کے طور پر کچھ سیاسی پارٹیاں اپنے کارکنوں کی تربیت کرتی ہیں یا اپنے ایجنڈے کی بنیاد پر آبادی کو نشانہ بناتی ہیں جب کہ شہری / انسانی حقوق کے گروپ، کسی خاص سیاسی نظریہ یا پارٹی سیاسیات کے ساتھ نہیں جاتے ہیں، صرف لوگوں کو ان کے حقوق سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مختصر طور پر، سیاسی سماجیانہ سیاسی کردار کی تشکیل میں مدد کرتا ہے۔ سیاسی جماعتیں، مفاد پرست گروہ اور ایسی دوسری تنظیمیں اپنے ممبروں کو اپنے ایجنڈے کی لائن پر تربیت دیتی ہیں۔ ایک تصور کے طور پر، سیاسی کردار کا تعلق سیاسی طرز عمل سے ہے۔ سماجیات کے لحاظ سے، ایک کردار سماجی متوقع رویہ ہوتا ہے۔

سیاسی کردار کی اصطلاح سے مراد وہ عمل ہوتا ہے جب کسی فرد کو سیاسی میدان میں انجام دینے کی حیثیت اور ذمے داریوں کے مجوعہ سے جوڑا جاتا ہے۔ سوسائٹی توقع کرتی ہے کہ ایک ممبر کسی سیاسی نظام میں ہی اس کا مظاہرہ کرے گا۔ مفوضہ کردار کی یہ کارکردگی سیاسی سماجی عمل کے ساتھ کام کرتی ہے جس کے ذریعے فرد گزرتا ہے۔ اس سے سیاسی ثقافت کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے

میں مزید مدد ملتی ہے۔

7.3.5 سیاسی سرمایہ (Political Capital)

سیاسی سرمایہ وہ وسیلہ ہے جس کے ساتھ ایجنٹ جدوجہد کرتے ہیں، سیاسیات کے میدان میں فیصلوں اور عمل کو متاثر کرنے کے لیے مشق کرتے ہیں (کوپی 2003)۔ دراصل سیاسی سرمایے سے مراد وہ اعتماد اور اثر و رسوخ ہے جو سیاست دان عوام کے ساتھ ایسی پالیسیوں کو استعمال کرکے بناتے ہیں جو لوگوں کو پسند آتی ہیں اور پھر ان سیاسی افراد کا انتخاب میں جیتنے کا عمل آسان ہو جاتا ہے۔

اس قسم کا سرمایہ صرف عوام کے اراکین کو ہی نہیں، دوسرے سیاست دانوں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کی سرمائے ایک طرح کی پوشیدہ سیاسی کرنسی ہیں جسے قانون دان انتخابی حلقوں کو متحرک کرنے یا پالیسی اصلاحات پر خرچ کرنے کے لیے استعمال کرسکتے ہیں۔

کسی بھی سیاسیات دان کی طویل مدتی کامیابی کے لیے، سیاسی سرمایہ اہم ہے -اس کے بغیر ان کے انتخابات جیتنے یا مشکل اوقات میں قوم کو مؤثر طریقے سے رہنمائی کرنے کے امکانات عملی طور پر ناممکن ہیں۔

کسی لیڈر کے اقتدار میں مدت ملازمت کے آغاز پر، انتخابات جیتنے کے فوراً بعد، وہ سیاسی سرمایہ کے بارے میں کم فکرمند ہیں۔ تاہم ، جب وہ آخری سال کے دوران اپنے دوبارہ منتخب ہونے کے امکانات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ ایک بار پھر بہت اہم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام انتخابات سے 12 ماہ پہلے اچانک سرکاری اخراجات اچھل پڑتے ہیں۔

سیاسی سرمائے کو سمجھنے اور اس کا اندازہ لگانے کے لیے، کسی بھی یونٹ جیسے سیاسی پارٹی، علاقائی سیاسی تشکیل جیسے مفاداتی گروپ، ذات پات کی انجمن، قومی مملکت کے کنفیڈریشن کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے تاکہ طاقت کی حرکات، غلبہ، بالادستی اور کنٹرول میکانزم کو سمجھا جاسکے۔

بھرپور سیاسی سرمایہ والے لوگ اکثر زیادہ طاقت اور غلبہ حاصل کرسکتے ہیں۔ وہ زیادہ وقت تک اس پر قائم رہ سکتے ہیں۔ خصوصاً، سیاسی سرمایہ

انتخابات جیتنے، منتخب دفتر کو برقرار رکھنے اور لوگوں کو متاثر یا متحرک کرنے کے دوران، مصنوعات اور عمل دونوں کی حیثیت سے کام کرسکتا۔

7.3.6 سیاسی شراکت (Political Participation)

سیاسی شراکت میں وسیع پیمانے پر سرگرمیاں شامل ہوتی ہیں جس کے ذریعے لوگ دنیا واس پر حکمرانی اور اس کے نظم و نسق کے متعلق اپنی رائے تیار کرتے ہیں اور ان فیصلوں میں حصہ لینے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کی زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ جمہوری ممالک میں سیاسی شراکت داری نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہے، اسی کے ذریعے لوگ اپنے پسند کی حکومت قائم کرتی ہیں، سیاسی پارٹی سے منسلک ہوتی

ہیں، الیکشن لڑتی ہیں یا ووٹ دیتی ہیں۔ عام لوگ سیاسیات میں حصہ لے سکتے ہیں، اور ہر فرد کو حصہ لینے کا حق ہے، ان میں معذور افراد بھی شامل ہیں۔ سیاسی اور عوامی زندگی میں حصہ لینے سے متعلق معذور افراد کے حقوق سے متعلق کنونشن، آرٹیکل 29 میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ "مملکتوں کی پارٹیاں معذور افراد کو سیاسی حقوق اور دوسروں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر ان سے لطف اندوز ہونے کے مواقع کی ضمانت دیں گی۔"

وربہ کے مطابق، "سیاسی شراکت داری نجی شہریوں کی وہ قانونی سرگرمیاں ہیں جن کا مقصد کم سے کم براہ راست حکومت کے انتخاب اور ذاتی اعمال کو اثر انداز کرنا ہے۔"

ہنٹنگٹن نے کہا ہے کہ "سیاسی شراکت داری نجی شہریوں کی ایک سرگرمی ہے جو حکومتوں کے فیصلے کو متاثر کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔"

سیاسی شمولیت جمہوری سیاسی نظام کا لازمی جزو ہے۔ سیاسی عمل اور سیاسی اداروں میں زیادہ سے زیادہ افراد شریک ہوتے ہیں جو نظام کی صحت کی عکاسی کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ شرکت کا مطلب حکومت کی سرگرمیوں اور سیاسی استحکام اور حکام کے لیے احترام کی زیادہ قانونی حیثیت ہے۔ سیاسی شمولیت یا شراکت داری رضاکارانہ سرگرمیوں کی ایک سیریز کی نشاندہی کرتی ہے جس کا سیاسی عمل پر اثر پڑتا ہے جس میں حکمرانوں کے انتخاب اور عوامی پالیسی کی تشکیل کے مختلف پہلوؤں جیسے امور شامل ہیں۔ یہ سرگرمیاں مندرجہ ذیل ہیں:

پولنگ پر ووٹنگ۔ ممکنہ پریشر گروپوں کی حمایت کرنا۔ قانون سازوں سے ذاتی طور پر تبادلہ خیال کرنا۔ سیاسی جماعت کی سرگرمیوں میں حصہ لینا۔ دوسرے شہریوں کو بات چیت کے ذریعے اپنی سیاسی آرا سے متفق کرنا۔

7.4 سیاسی جدیدیت (Political Modernization)

سیاسی ماڈرنائزیشن، سیاسی سماجیانہ، سیاسی ترقی اور سیاسی ثقافت جیسی ہی ایک ایسی اصطلاح ہے جسے قطعی الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، حالاں کہ اس کے مضمرات کو سمجھا جاسکتا ہے۔ جدیدیت سماجی تبدیلی کے ایک پرانے عمل کی موجودہ اصطلاح ہے جس کے تحت غیر ترقی یافتہ معاشرے ترقی یافتہ معاشروں سے عام خصوصیات حاصل کرتے ہیں۔ جے ایس کولیمن کے مطابق، "سیاسی جدیدیت سے مراد وہ سیاسی ڈھانچے ہیں جو معاشرے کے سیاسی نظام کی کارکردگی میں صلاحیت، تاثیر اور کارکردگی کو بڑھا دیتے ہیں"۔ اس سے مراد سیاسی ڈھانچوں اور ثقافتوں میں مکمل تبدیلی ہے۔ اس سے مراد روایتی معاشروں کو جدید روایتی معاشروں میں تبدیلی کے عمل سے بھی ہے۔ سیاسی ماڈرنائزیشن کے ایجنٹ مندرجہ ذیل ہیں 1. قیادت 2. سیاسی جماعت کا نظام 3. سیاسی اور دیگر اشرافیہ 4. فوج 5. بیوروکریسی 6. بین الاقوامی ادارے اور ترقی یافتہ ممالک۔

7.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں، ہم نے علم سیاسیات کے معنی اور اس سے سماجیات کے ساتھ تعلقات کی وضاحت کی ہے۔ ہم نے بتایا ہے کہ دونوں مضامین کس طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور کس طرح دونوں مضامین نے وقتاً فوقتاً اپنی اصطلاحات اور تصورات کو مستعار لیا، بہتر کیا. سماجیات اور سیاسیات کے مابین بنیادی فرق یہ ہے کہ سماجیات انسانی سماج کا سائنسی مطالعہ ہے جب کہ سیاسیات کا مطالعہ ہے اور مجموعی طور پر معاشرے پر ان کے اثرات نمایاں ہیں۔ سماجیات کے برعکس، علم سیاسیات قومی اور بین الاقوامی سطح پر سیاسی طاقت کے استعمال پر زور دیتا ہے۔ سماجیات وہ علمی ڈسپلن ہے جو انسانی معاشرے کی ترقی، ساخت اور کام کا مطالعہ کرتی ہے، جب کہ علم سیاسیات وہ تعلیمی نظم ہے جو مملکت اور حکومت کے نظام کا مطالعہ کرتی ہے یا سیاسی سرگرمی اور طرز عمل کا سائنسی تجزیہ کرتی ہے۔ سماجیات اور علم سیاسیات ایسے مضامین ہیں جو انسانی معاشرے کی انتظامیہ اور اس کی سماجی نشو نما سے تشویش رکھتے ہیں۔ اگرچہ جدید سیاسیات نے سماجیات کے بہت سے تصورات کو شامل کیا ہے اور اپنے دائرہ کو وسیع کیا ہے، اس کی مرکزی توجہ اسے دوسرے سماجی مضامین سے مختلف بنا دیتی ہے۔ ہم سمجھ گئے کہ سماجیات اور اس کے امور کو سمجھنے کے لیے بین المضامین فریم ورک تیار کرنے میں کس طرح سماجیات علم سیاسیات سے جڑ گئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذیلی فیلڈ کے بارے میں بھی بات کی جس کو پالیٹکل سماجیات کہا جاتا ہے جو بنیادی طور پر سماجیات کی ایک شاخ ہے اس طرح سماجیات اور علم سیاسیات کے مابین تصوراتی طور پر تبادلہ ہونا ایک عام سی بات ہے۔ کچھ امور جیسے شناخت، فرقہ واریت، سول سوسائٹی، ووٹنگ کا طرز عمل وغیرہ ایسے اہم تصورات ہیں جو علم سیاسیات اور سماجیات دونوں کے قریب ہیں۔ یہ امور سیاسی سماجیات میں پائے جاتے ہیں، سماجیات کے ذیلی فیلڈ کی حیثیت سے، سماجیات اور علم سیاسیات کے مابین موجودہ تعلق کی عکاسی کرتے ہیں۔ دونوں مضامین میں بنیادی یکسانیت یہ ہے کہ یہ تعلیمی مضامین معاشرے کے مجموعی کام، انسانی معاشرے اور سماجی اداروں اور سیاسیات کے ساتھ انسانی تعلقات کو متاثر کرتے ہیں، نیز، دونوں ہی سماجی علوم کے زمرے میں آتے ہیں اور کچھ ایسی سوشل سائنس کی تھیوریز کو استعمال کرتے ہیں جو اوورلیپ ہو جاتی ہیں۔

7.6 کلیدی الفاظ (Key Words)

شراکتی جمہوریت : سیاسی عمل (سیاسی پارٹی سے جڑنا، الیکشن لڑنا اور ووٹ دینا وغیرہ) میں حصہ لینا۔

مشی گن : یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے عظیم جھیلوں اور وسط مغربی علاقوں میں واقع ایک مملکت ہے۔

7.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

7.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. مندرجہ ذیل میں سے کون سے امور سماجیات اور سیاسیات دونوں کا احاطہ کرتے ہیں۔

(a)مذہب (b)نسل (c)زبانی مباحثے (d)یہ سبھی

2. سیاسی سماجیانہ کی ایجنسیاں کیا ہیں؟

(a)ماس میڈیا (b)سیاسی جماعتیں (c)دلچسپی والے گروہ (d)یہ سبھی

3. سیاسیات میں زیادہ استعمال ہونے والی اصطلاح مندرجہ ذیل میں کون سی ہے؟

(a) قیادت (b) حکمرانی (c) فیصلہ سازی (d)یہ سبھی

4. سیاسی ماڈرنائزیشن کے ایجنٹ میں کیا شامل نہیں ہے؟

(a) قیادت (b) سیاسی جماعت کا نظام (c) بیوروکریسی (d) زراعت

5. سیاسی سماجیانہ کی اصطلاح کس نے ایجاد کی؟

(a) ملٹن (b) ہیمن (c) مونٹسکوئی (d) ڈی ٹوکیویل

6. سیاسی ثقافت کی اصطلاح کا استعمال پہلی بار کب ہوا؟

1956 (a) 1966 (b) 1976(c) 1986 (d)

7. ترقی پذیر علاقوں کی سیاسیات کس کی کتاب ہے؟

(a) المنڈ کولمین (b) رجنی کوٹھاری (c) راٹھور (d) ہیمن

8. علم سیاسیات کو عام طور پر کس کے مطالعے سے تعبیر کیا جاتا ہے؟

(a)مملکت (b) حکومت (c) سیاست کے سائنسی مطالعے سے (d) یہ سبھی

9. سیاسی جدیدت کے ایجنٹ کون سے ہیں؟

(a) قیادت (b) سیاسی جماعت کا نظام (c) دفترشاہی (d) یہ تمام

10. سیاسی سماجیانہ.................ہوسکتی ہے۔

(a) براہ راست (b) متحد (c) منقسم (d) یہ تمام

7.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ سیاسی جدیدیت یا ماڈرنائزیشن کیا ہے؟

2۔ سیاسی سرمائے سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

3۔ سیاسی سماجیانہ کیا ہے؟

4۔ سیاسی سماجیانہ کے ایجینٹ کیا ہیں لکھیے۔

5۔ سیاسی شراکت سے آپ کیا سمجھتے ہیں روشنی ڈالیے؟

7.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Question)

1۔ پچھلے دو دہائیوں میں علم سیاسیات میں ہونے والی تبدیلیوں پر تبادلہ خیال کیجیے۔

2۔ سماجیات اور سیاسیات کے مابین تعلقات تحریر کیجیے۔

3۔ سیاسیات کی تعریف بیان کرتے ہوئے سیاسی سماجیانہ کو لکھیے۔

7.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Almond, Gabriel and G.B.Powell (2001), Comparative Politics : A Developmental Approach, Oxford IBH, NewDelhi
2. Ashraf Ali (2009), Political Sociology, Universities Press, Hyderabad
3. Bottomore, Tom.(1993), Political Sociology, Pluto Press, London
4. Brecht. A.(2006), Political Theory, Surjeet Publications, New Delhi
5. Formisano, Ronald P. (2001), The Concept of Political Culture. The Journal of Interdisciplinary History, Vol. 31, No. 3, pp. 393-426
6. Giddens, Anthony (1995), Politics, Sociology and Social Theory: Encounters with Classical and Contemporary Social Thought. Stanford: Stanford: University Press

اکائی 8۔ سیاسیات کا معاشیات سے تعلق

(Relations of Political Science with Economics)

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 تعریفات

8.3 سیاسی معیشت کے اجزا

8.4 سیاسی معاشی رویہ

8.5 اکتسابی نتائج

8.6 کلیدی الفاظ

8.7 نمونہ امتحانی سوالات

8.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

8.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

8.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

8.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

8.0 تمہید (Introduction)

علم معاشیات اور سیاست کو دو الگ الگ اور بیک وقت باہمی فریم ورک میں ملا کر ایک ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کے مابین کلاسکی اور جدید تعلقات پائے جاتے ہیں۔ معاشیات اور سیاست کے مابین فطری تعلقات کی بنیاد پر معاشیات کو سیاسی معیشت کہا گیا۔ ان دونوں کے مابین دوسرا تعلق پہلے کے بالمقابل انتہائی انوکھا ہے اور معاشی طریقہ (Economic Method) کا استعمال کرکے سیاست کا تجزیہ کرتا ہے۔ تاہم مذکورہ بالا دونوں ہی طریقہ کار (Approaches) سیاسی معیشت کے مشہور و معروف اظہار خیال کے تناظر میں ہے۔ بین الا مضامین طریقہ (Interdisciplinary Method) سے استفادہ کرتے ہوئے موجودہ مطالعہ نے معاشیات اور سیاست کے مابین ممکنہ

تعلقات کے اجاگر کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ مختصر ایہ کہ اس موضوع کا مقصد ان دو الگ الگ مضمون اور ان کے بین الا مضامین کے جہتوں کے مابین مضبوط تعلق پر خصوصی روشنی ڈالی جائے۔

8.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- معاشیات، سیاست، سیاسی معیشت اور بین مضامین معاشیات (Interdisciplinary Economics) کو جان سکیں۔
- ان سب کے درمیان واضح فرق کو جان سکیں۔
- ان مضامین سے متعلق مختلف ماہرین کی تعریف اور ان کی مختلف رائے کو جان سکیں۔
- علم معاشیات اور سیاست کے مابین واضح تعلقات کو جان سکیں۔
- سیاسی معیشت کے اجزا کو جان سکیں گے۔
- سیاسی معاشی رویہ (Political Economy Behavior) کو جان سکیں۔
- سیاسی معاشی نظریہ (Political Economy Theory) کو جان سکیں۔

8.2 تعریفات (Definitions)

علم معاشیات (Economic Science) جو در حقیقت سیاسی معیشت (Political Economy) کا اصل نام ہے اور یہ نام سیاست اور معیشت کے مابین اہم تعلقات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ قدیم یونان کے اسکالر معاشیات کو علم سیاسیات کا ذیلی تقسیم مانتے تھے۔ دونوں مضمون کا مقصد انسان کی فلاح و بہبودی ہے اور نیز ان دونوں کا تعلق معاشرہ کے ساتھ پیوستہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ Adam Smith دونوں کو ایک ہی مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ علم معاشیات اور سیاسیات کے مابین ٹھیک اسی طرح کا تعلق پایا جاتا ہے جو ایک خاندان اور کفایت شعاری کے مابین پایا جاتا ہے "What economy in the family , Political economy in the state" یعنی بہر حال خاندان کو چلانے کے لیے روپے پیسے اور مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح مملکت کو چلانے کیے لیے معیشت کی ضرورت ہوتی ہے. Harold Laswell سیاست کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اس بارے میں فیصلہ کرنے کا ایک عمل ہے کہ کس کو کتنا ملنا چاہیے اور کب اور کیسے، جب کہ معیشت ناکافی ذرائع کی تقسیم کرنے کا نام ہے کہ کیا پیدا کرنا ہے، کیسے پیدا کرنا ہے، اور کس کے لیے پیدا کرنا ہے۔ یہ دونوں تعریفیں دونوں سماجی علوم کے مابین حقیقی اور معنوی تعلق کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔

معاشی نظام اپنی تمام تر نوعیت کے ساتھ ملک میں موجود حکومت کے ذریعے اپنایا جاتا ہے۔ حکومت ہی پیداوار کے عمل، تقسیم، تجارت، اور کامرس کے بارے میں فیصلہ لیتی ہے اور ضروری سامان کے پیداوار میں اضافہ کے لیے ضروری اقدامات کر سکتی ہے اور غیر

ضروری سامان کے پیداوار پر روک لگا سکتی ہے اور ایک اچھا نظام تقسیم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نقل و حمل میں بہتری لا سکتی ہے۔ حکومت بین الاقوامی تجارت، نظام کرنسی، اور ہر طرح کے لین دین کو اپنی نگرانی میں رکھتی ہے۔اس طرح کے تمام معاشی مسائل میں سیاسی عمل دخل کا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے۔اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ایک کامیاب، اور فلاح و بہبود پر مبنی پروگرام کے لیے سیاسی ، معاشی مفکرین اور سیاست دانوں کے مابین ایک مضبوط تعاون کا ہونا ناگزیر ہے۔ انفرادی آزادی کا تصور بھی علم سیاسیات اور معاشیات کے مابین مضبوط تعلق کو ثابت کرتا ہے۔ جیسے کہ لوگوں کی خوش حالی اور بارغ البالی کے لیے معاشی اور سیاسی آزادی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اصطلاحا بھی دونوں سماجی علوم کے مابین ایک رشتہ اور تعلق پایا جاتا ہے جو مثلاً اشتراکیت (Communism)، مارکسیزم، اور سرمایہ داریت (Capitalism) سے بحث کرتا ہے۔

سیاسی معیشت کیا ہے؟ (What is a Political Economy)

سیاسی معیشت سماجی علوم سے تعلق رکھنے والا ایک اہم مضمون ہے جو پیداوار، تجارت، قانون اور حکومت کے ساتھ ساتھ ان کے تعلق کا بھی مطالعہ کرتا ہے۔ یہ مطالعہ اس بارے میں ہے کہ کس طرح معاشی نظریات مختلف معاشی نظام جیسے سماجیات، اشتراکیت، اور عوامی پالیسی کے بنانے اور نفاذ کو متاثر کرتا ہے۔ معاشیات میں مختلف گروہوں کا اپنا اپنا نظریہ اس بارے میں ہے کہ کس طرح معیشت کو ترقی دیا جائے۔ تاہم سیاسی معیشت ایک پیچیدہ شعبہ ہے جو سیاسی مفادات کے وسیع حصے کا احاطہ کرتا ہے۔ عام فہم اصطلاح میں سیاسی معیشت ماہرین معاشیات کی جانب سے حکومت کو دیے گئے اس صلاح و مشورہ سے تعلق رکھتا ہے جو سیاست داں کے ذریعے دیے گئے خاص تجویز (Proposal) یا عام معاشی پالیسی ہوتے ہیں۔

عموما سیاسی معیشت کو ایک بین الامضامین بھی سمجھا جاتا ہے۔ جس میں بالخصوص معاشیات اور سیاست ایک دوسرے کے اثرات کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ نیز سیاسی معیشت صرف معاشیات اور سیاست تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق سماجی علوم سمیت دیگر شعبوں سے بھی ہے۔ لہٰذا معاشیات اور سیاست باآسانی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے ہیں۔ ایڈم اسمیتھ (1976- 1970) نے معاشیات کی تعریف ایک سائنس کی حیثیت سے کیا ہے جو قوموں کی دولت کی نوعیت اور سبب کا پتہ لگاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مملکت / قوم کی دولت اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی ہے جب تک ایک معیاری اور اچھی حکومت اور سیاسی انتظامیہ کی کارکردگی کا ایک بہتر ادارہ نہ ہو۔ مارشل اور دیگر ماہیرین معاشیات کے مطابق معاشیات بنی نوع انسانی کے روزمرہ کی زندگی کا مطالعہ کرتا ہے نیز معاشیات اس بات کا پتہ لگاتا ہے کہ کس طرح مناسب انتخاب کیا جائے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ معاشیات لامحدود ضرورت اور خواہشات کے بلمقابل محدود وسائل کے مختص کا مطالعہ کرتا ہے۔ نیز ان کا کہنا ہے کہ معاشیات افراد، معاشرہ اور ملک کے عوام کے ذریعے فراوانی اور کمی دونوں حالات میں زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کا اختیار دیا جانا ہے اور حال اور مستقبل میں اپنی لامحدود ضرورت کے پورا کرنے کا نام ہے۔ مذکورہ بالا تعریف کے پیش نظریہ سمجھا جاسکتا ہے کہ معاشیات اور سیاست کے مابین فطری اور باہمی تعلق پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر معاشیات کی تعریف سائنس کی حیثیت سے کی جائے جو پیداوار، خرچ / صرف (Consumption)، تجارت اور دولت کی تقسیم کا جائزہ لیتا ہے، حکمرانی کے فریم ورک سے متعلق

مطالعہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ دریافت (Findings) ارسطو کی معاشیات کی پہلی تعریف " The management of household " یعنی بحیثیت کنبہ پروری کے مطابق ہے۔ مزید یہ کہ معاشیات اور سیاست کے مابین ربط براہ راست پایا جاتا ہے کیوں کہ معاشیات کمپنیوں، کنبہ / خاندان اور حکومتوں کے ذریعے مختص کردہ وسائل سے بحث کرتا ہے اور سیاست مختلف معاشروں پر سیاسی اداروں کے پڑنے والے اثرات کی تفہیم سے بحث کرتا ہے۔ کافی تعداد میں معاشی مسائل سیاست کے ساتھ جوڑے ہوئے ہیں۔ معاشی فلاح و بہبودی میں سماجی ترقی، نقل مکانی مزدوری (Labour Migration)، عالمگیریت اور آئینی قانون کے کردار کو عموماً نمایاں کیا جاتا ہے۔

لندن اسکول آف ایکانامکس (London School of Economics, 2019) کی دریافت کے مطابق سیاست کا مطالعہ ان طریقوں کے تجزیے پر مشتمل ہے جن میں افراد اور گروہ سیاسی امور کی ترجمانی کرتے ہیں اور حکومت کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف معاشیات کو معیشت کے انتظام وانصرام کے لیے سائنس کے طور پر سمجھا جاتا ہے اور سیاست کو بھی ہو بہو معیشت کو منظم کرنے کے لیے طاقت کے استعمال کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔

لہٰذا معاشیات اور سیاست کے مابین تعلق سے متعلق ایک اہم نکتے کی وضاحت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ان دونوں مضمون کے مابین عقلی اور غیر جانب دارانہ تعلق کو کافی توجہ دی جاتی ہے کیوں کہ ممکن ہے کہ معاشیات اور سیاست کا امتزاج تعصب پر مبنی ہو اور نظریاتی روابط کو ہوا دیتی ہو جس کا اعتدال پسند ماہیرین معاشیات خیر مقدم نہیں کرتے ہیں۔ حکومت کا دائرہ کار، ڈھانچہ اور کارکردگی (یعنی مجموعی طور پر عوامی شعبہ) کا تعلق معاشیات اور سیاست کے مابین اہم اور براہ راست ہیں۔ عوامی شعبہ معاشیات، عاملہ / انتظامیہ حکومت، قانونی نظام اور عدالتی اختیارات کا مطالعہ کرتا ہے۔ مملکت اور حکمرانی پر عمومی طور پر اور معاشی حالات میں ان دونوں کی شمولیت سے جب معاشیات اور سیاست کے مابین ربط ہو رہا ہو تو خصوصی طور پر زور دی جاتی ہے۔

معاشی نظام کے کچھ مکتبہ فکر معاشی نظام میں حکومت کی مداخلت کا حوصلہ افزائی کرتے نظر آتے ہیں اور معاشی نظام کے دوسرے کچھ مکتبہ فکر کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ انیسویں صدی کے تسلسل میں روایتی معاشی نظام کے انتظام وانصرام کے متبادل کے طور پر حکومت اور مارکیٹ کا حکیمانہ معاہدہ ("PCMG) (Prudential Compact of Market and Government) تیار کیا گیا تھا۔

روایتی معاشی نظام میں معیشت پر مضبوط حکومت کی مداخلت انتہائی عروج پر تھی یا منصفانہ فریم ورک (Laissez-fair FrameWork) پر مبنی تھا۔

بنیادی عوامی شعبہ (Seminal Public Sector Studies) کے مطابق مذکورہ بالا دونوں نمونے معاشی نظام کو چلانے میں بالکل یہ ناکام ثابت ہوئے ہیں اور جب کہ عوامی شعبہ معاشیات سے متعلق نئے نظریات موجودہ مسائل کے حل کرنے میں مارکیٹ اور حکومت کے مابین دوستانہ معاہدہ کی بہتر کارکردگی کو ثابت کرتے ہیں۔ جدید سیاسی معیشت کے مطابق معاشی نظام وانصرام کا جدید خیال و نظریہ جو PCMG ہے کے مطابق حسب ذیل خصوصیات ہیں۔

1۔ حکومت کی اعلا نگرانی اور کم سے کم مداخلت

2۔ معاملات سے متعلق اصولوں کا قومی، علاقائی اور عالمی اہمیت کا ہونا۔

3۔ حکومت اور مارکیٹ کے نظام کے مابین پر امن اور جمہوری تعلقات کا ہونا۔

4۔ ایک تکمیلی پیکیج جس میں ایک مستحکم حکومت، معیاری ٹیکس لگانے کا نظام اور سیاسی نظم و نسق کی ایک محدود مدت شامل ہو۔

واضح طور پر مذکورہ بالا تمام خصوصیات معاشی اور سیاسی دونوں میں پائی جاتی ہیں۔

عوامی فیصلہ سیاست سے متعلق دو درجہ بندی کا عمل سیاست اور معاشیات کے مابین شاندار تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ جہاں ایک طرف مرکزی بینک کے عہدیداروں کے زیر اثر نگرانی کی پالیسیاں ہیں تو دوسری طرف حکومت کے زیر انتظام مالی پالیسیاں ہیں۔

سیاست دانوں میں مرکزی بینکوں کی کارکردگی ہمیشہ قابل بحث رہا ہے اور مرکزی بینک کے عہدیدار مانیٹری پالیسی کے تباہ کرنے کا الزام حکومت پر لگاتے ہیں۔ مزید یہ کہ مرکزی بینک کی آزادی اور اقتدار اعلا سمیت ایسے بے شمار اہم معاملات ہیں جو معاشیات کو سیاست سے جوڑتے ہیں۔ ایکیسویں صدی کے تسلسل میں بین الا مضامین کے مطالعے کی اہمیت اور معاشیات اور سیاست کے کردار کی اہمیت روز بروز بڑھتی گی اور معاشیات اور سیاست سے جڑے مسائل کے حل کرنے میں ان بین الا مضامین کا مطالعہ نتیجہ خیز ثابت ہوا ہے۔

8.3 سیاسی معیشت کے اجزا (Components of Political Economy)

سیاسی معیشت کو کلاسکی سیاسی معیشت (Classical Political Economy) اور جدید سیاسی معیشت (Modern Political Economy) میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ کلاسیکی سیاسی معیشت میکاویلی، ایڈم اسمتھ اور کارل مارکس جیسے فلسفیوں کے علمی کاوشوں کا مطالعہ کرتا ہے اور جدید سیاسی معیشت John Maynard, Keynes, Milton Freidman اور Friedrich Hayek جیسے جدید فلسفی، ماہر معاشیات اور ماہر علم سیاسیات کے علمی کاوشوں کا مطالعہ کرتا ہے۔

سیاسی معیشت کا مطالعہ نظریہ گیم (Game theory) سے متاثر ہے جیسا کہ یہ نظریہ محدود وسائل اور طاقت کے لیے مسابقت کرنے والے اس گروہ پر مشتمل ہوتا ہے جو اس بات کا اندازہ کرتا ہے کہ کس پالیسی سے سب سے زیادہ فائدہ ہونے والا ہے۔ یہ مطلوبہ نتائج کے حصول میں معیشت کی کامیابی سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ سیاسی معیشت کا مطالعہ تین اہم علاقوں پر زور دیتا ہے۔

1۔ بین مضامین مطالعہ (Interdisciplinary Study)

ایک بین الا مضامین مطالعہ کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو سیاسی معیشت معاشیات، سماجیات اور سیاسیات سے اس بات کو سمجھنے پر زور دیتی ہے کے کس طرح معاشی نظام، سیاسی ادارے اور ماحولیات ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔ بین الا مضامین مطالعہ کے یہ تینوں شعبے سیاسی عمل، بین الا قوامی سیاسی معیشت کے معاشی ماڈل اور یہ کس طرح بین الا قوامی تعلقات اور مختلف معاشی نظام میں وسائل کا تعین اور تفویض کو متاثر کرتے ہیں، پر مشتمل ہوتے ہیں۔

2۔ جدید سیاسی معیشت (New Political Economy)

جدید سیاسی معیشت کے شعبوں کو ایک عقیدے اور عمل کے طور پر سمجھا جاتا ہے جس پر ایک فریم ورک کے طور پر تجزیہ کرنے کے بجائے مزید بحث کی جانی چاہیے۔ یہ کلاسیکی معاشیات کے نظریات اور معاشیات اور اقتصادیات کے میدان میں ہوئے نئی پیش رفت سے جوڑتا ہے۔ جدید سیاسی معیشت کا طریقہ کار ایجنسیوں، مملکتوں اور مارکیٹوں کے مفادات سے متعلق پرانے نظریات کو مسترد کرتا ہے اور اپنے مقصد کے حصول میں سماجی خواہشات اور ضروریات کے بارے میں سیاسی مباحثے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

3۔ بین الاقوامی سیاسی معیشت (International Political Economy)

بین الاقوامی معیشت جو عالمی سیاسی معیشت (Global Political Economy) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، بین الاقوامی تعلقات اور معیشت کے مابین تعلقات کا تجزیہ کرتا ہے جس کے لیے یہ معاشیات، سماجیات اور علم سیاسیات کے نظریات اور تصور کو استعمال کرتا ہے۔ بین الاقوامی سیاسی معیشت اس بات پر زور دیتا ہے کہ کس طرح مملکتیں اور ادارے سیاسی نظام کو تشکیل دینے کے لیے عالمی معاشی تعامل(Interaction) کا استعمال کرتا ہے۔

8.4 سیاسی معاشی رویہ(Political Economy Behavior)

ماہرین سیاسی معیشت ایک مخصوص پالیسی کے نفاذ کا کیا فائدہ اور کیا نقصان ہو سکتا ہے، کے جاننے میں بہت زیادہ دلچسپی دکھاتے ہیں۔ یہ انہیں ایک سمجھ دیتا ہے کہ کون سا گروہ پالیسی کو مانتا ہے اور کون نہیں۔ وہ اس بات کا بھی جائزہ لیتے ہیں کہ کس طرح لوگ سیاسی سرگرمی میں حصہ لے کر اپنا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ مزدوری اور سرمایہ سیاسی عمل کو متاثر کرنے اور نفع پر مبنی پالیسی کے نتیجہ کے حصول کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ معیشت کا سیاسی رویہ حسب ذیل عوامل کے ذریعے تشکیل پاتی ہے۔

1۔ مفاد(Interest)

ماہیرین سیاسی معیشت ان افراد اور گروہوں کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہیں جو پالیسی کو متاثر کرنے کے لیے اپنی طاقت کا استعمال کرتے ہیں۔ حکومت میں افراد اپنے معاشی اور سیاسی مفاد کو فروغ دینا چاہتے ہیں جو ان کی طاقت کو بنائے رکھنے میں ان کی مدد کرتا ہے۔ حکومت سے باہر لوگ اکثر نافذ کیے گئے معاشی پالیسی کے نتیجے کے بارے میں فکر مند ہوتے ہیں۔

2۔ نظریات (Ideas)

اقتصادی اور سیاسی مفادات کے علاوہ نظریات کو پالیسی پر ایک اہم اثر و رسوخ حاصل ہے۔ یہ مانا جاتا ہے کہ افراد ذاتی مفاد سے وابستہ اور ذی عقل ہوتے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنے لیے موجود پسندیدہ نتائج کے اندازہ کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ نظریہ ایک فرد کو یہ فیصلہ کرنے کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے بنیادی اقدار و عقائد کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے انہیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔ نظریہ کو معاشی ماڈلوں میں شامل کرنے سے کچھ سیاسی کاروائیوں میں ذاتی مفاد کے علاوہ دیگر عوامل کی رہنمائی کی جاسکتی ہے۔ کچھ لوگ سیاست میں

صرف اس لیے آنا چاہتے ہیں تا کہ دنیا میں بڑی تبدیلی لا سکیں۔

3۔ ادارے (Institutions)

کچھ ایسے سیاسی قانون ہوتے ہیں جو آئین کا اہم حصہ مانے جاتے ہیں اور اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ لیڈروں / قائد کو کس طرح چنا جائے اور کس طرح ایک نئ پالیسی کو نافذ کیا جائے۔ ادارے معیشت میں افراد اور گروہوں کو مراعات دینے کے لیے خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔

سیاسی معاشی نظریہ (Political Economy Theory)

جدید ماہرین معاشیات کے نظریات کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔ حریت پسندی (Liberalism)

یہ نظریہ مزدوری، چیزوں کی تبادلہ (Exchange) اور پائیدار سامان پیدا کرنے کے لیے زمین، مزدور اور سرمایہ کے استعمال کے تصور سے ماخوذ ہے۔ حریت پسند ماہر معاشیات کا یقین ہے کہ معاشیات ہر ایک کو فائدہ پہونچا سکتا ہے اور معاشرہ معیار زندگی میں بہتری کے ساتھ ترقی کر سکتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ فیصلہ سازی میں سماج کی ضرورت اور خواہش کو فرد کی ضرورت اور خواہش پر مقدم رکھا جائے اور سب کے لیے مساوی مواقع اور متمدن اور آزاد سماج کے ڈھانچے کے بارے میں بھی سوچتے ہیں۔

2۔ مارکسزم (Marxism)

اس نظریے کے نزدیک نابرابری ایک بری شے سمجھی جاتی ہے اور یہ نابرابری دولت، مزدوری، اور تبادلہ (exchange) سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وسائل کی ذاتی ملکیت کی تائید نہی کرتا کیوں کہ ذاتی ملکیت نابربری کو بڑھاوا دیتی ہے اور پورے معاشرے کی ضرورت کے بجایے صرف صاحب ثروت لوگوں کی ضرورت کی بات کرتی ہے۔

3۔ معاشی قومیت (Economic Nationalism)

معاشی قومیت کا اس بات پر یقین ہے کہ مملکت تمام قوت کا سرچشمہ ہوتی ہے اور افراد کو معاشی فائدہ پہونچانے کے لیے کام کرتی ہے۔ اس نظریہ کا ماننا ہے کہ حکومت کا تمام وسائل پر اختیار ہو اور افراد پر خاطر خواہ توجہ نہ دیتی ہو کیوں کہ ایک متحدہ معاشرہ ایک مظبوط حکومت کے بغیر تشکیل نہیں پا سکتی ہے۔

معاشیات اور سیاست کے دائرکار کے نمایاں امور (Typical Issues Under the Scope of Economics and Politics)

اس حصے میں ہم سیاسی معیشت، عوامی پالیسی، عوامی شعبہ معاشیات، بہتر حکمرانی (Good Governance)، عالمگیریت، حکومت کی وسعت، معاشی نظام، عوامی پسند (Public Choice) اور فلاحی مملکت جو عموماً معاشیات اور سیاسیات سے وابستہ ہیں۔ ذیل میں ان امور کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

سیاسیاتی معیشت کو سیاسات اور معاشیات کے دائرہ کار میں ایک واضح اصطلاح کے طور پر دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔ مشہور نوبل انعام

یافتہ ماہر معاشیات کی حیثیت سے Hayek نے واضح کیا ہے کہ قانون، معاشیات اور سیاست کے مابین علیحدگی ایک المیہ ہے سیاسی معیشت علم معاشیات کے اصل اصطلاح کے طور پر فطرتاً علم معاشیات اور سیاسیات سے بھی ربطہ رکھتا ہے. جدید معاشی رپورٹ کے مطابق سیاست کو الگ کرنا ممکن نہیں ہے. لہٰذا سیاسی معیشت کے مطالعے کے لیے سائنسی طریقہ کوئی انوکھا نہیں ہے کیوں کہ یہ ایک بین الا مضامین نوعیت کا ایک مضمون ہے تو اس کے مطالعے کے لیے کثیر الطریقہ (Plural Methods) بھی اپنایا جا سکتا ہے۔ سیاسی معیشت کے جتنے بھی طریقہ کار ہیں وہ معاشی زندگی کے ہر پہلو کو پیش نظر رکھتے ہیں اور طاقت (Power) اور سماجی تعلقات اور سماجی سمجھ بوجھ سے متعلق سوالات پر توجہ مبذول کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ اس طرح کی معیشت دو با اثر شعبہ کا احاطہ کرتی ہے اور یہ حکومت کی نگرانی اور وسائل کا مارکیٹ میں لگانا شامل ہے۔ جیسا کہ Buchanan کا یقین کرنا صحیح ہے کہ اگرچہ معاشیات میں معاشی نظام کے نظم و نسق میں وسائل کا زیادہ سے زیادہ مختص کرنا ایک اہم ستون خیال کیا جاتا ہے لیکن اس بڑے کام کی بہتر کارکردگی ایک بہتر ترقی یافتہ عہدیداروں اور بہتر سیاسی نظام کے عمل آوری پر منحصر ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر وسائل کے مختص کا انحصار بلکل یہ حکومت پر ہونے کی وجہ سے سیاسی معیشت کو قانون سے جوڑ کر دیکھا جاتا ہے کیوں کہ معیشت پیداوار، تجارت اور ان کا ربط حکومت اور قانون کے ساتھ جیسے معاشی امور کا تجزیہ کرتا ہے۔ سیاسی معیشت کی بنیاد پر سیاسی نظریات، اور مختلف طریقہ کار نے مختلف معاشی نظام کو وجود بخشا ہے (Varoufakis, 2011). جس کے مطابق سیاسی ذیلی نظام اور معاشی ذیلی نظام کے مابین ایک بنیادی تعلق کا پایا جانا ایک بڑی بات ہے ٹھیک اسی طرح ایک بین الا مضامین طریقہ کار کا ایک اہم طریقہ کار (Approach) ہونا کوئی مشکل امر نہیں ہے جو ان جیسے تعلقات کی نمائندگی کرتے ہیں اسی طرح اس بحث و مباحثہ میں پڑنا کہ سیاسی اور معاشی ادارے کس طرح ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں، بین الا مضامین کا اہم حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اس فریم ورک میں سیاسی معیشت کو سماجیات سے جوڑ کر دیکھا جاتا ہے چوں کہ معاشیات کنبہ، آبادی، غربت اور خواندگی جیسے موضوعات کا تجزیہ کرتا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہ امور اصول سماجی نوعیت کے ہیں۔ نیز عالمی سیاسی معیشت کے طور پر ایک اور ذیلی مضمون کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ عالمی سیاسی معیشت بین الاقوامی سطح پر سیاست، سماجیات، ثقافت اور تاریخ جیسے مختلف غیر معاشی مضامین کے معاشی پہلوں کی وضاحت کرتا ہے. ان دونوں سیاسی معیشت کو ایک غیر معمولی وسیع سائنٹفک اور عملی شعبہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو انسانی زندگی کے بنیادی پہلوں سے بحث کرتا ہے۔

معاشیات اور سیاست کے دائرہ کار میں عوامی پالیسی ایک اور اہم اصطلاح ہے۔ عوامی پالیسی حکومت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور پالیسی سے مراد ایسی پالیسی ہے جو پورے معاشرے یہاں کہ ماحولیاتی مسائل اور اسی طرح کے دیگر مسائل کو متاثر کرتا ہو (Anderson, 2000). اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ عوامی پالیسی حکومت انتظامیہ (Executive Government) کے فرائض تک محدود نہ ہو بلکہ اس کا تعلق قانونی اور عدالتی اختیارات سمیت تمام پالیسی سازوں کی جواب دہی سے بھی ہو۔ یہ ایک وسیع حکمت عملی کا بھی نام ہے جسے عوامی شعبہ معاشرہ کے انتظامی امور میں اپنی ذمے داری اور فرائض کے انجام دہی میں استعمال کر سکے۔ اس پالیسی کو مزید عوامی مسائل کے تدارک کے لیے استعمال کر سکے چاہے یہ معاشی اور سیاسی ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا یہ ریگولیٹری پالیسی، تقسیم کی پالیسی انہیں جیسی و دیگر پالیسیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ عوامی پالیسی میں مسئلے کی شناخت، ترتیب، پالیسی کا منصوبہ اور اس کی ساخت نیز پالیسی

پر عمل دارآمد اور جانچ شامل ہیں۔ لہذا یہ عوامی شعبہ اور سیاسی معیشت کا تکمیلی حصہ ہے۔ اس کے علاوہ عوامی پالیسی معاشی بین الاضامین (Economic Interdisciplinary) اور معاشی کثیر مضامین (Economic Multidisciplinary) کے فریم ورک کے طرز میں بھی دیکھا جا سکتا ہے اسی لیے محققین اس کے تجزیہ کے لیے معاشی، سیاسی اور سماجی تیکنیک کا استعمال کرتے ہیں۔ عموما یہ کہا جاتا ہے کہ پالیسی تجزیہ کیفیتی اور مقداری دونوں ہی طریقوں کو اپناتا ہے جس میں کیس اسٹڈی، ماڈل بلڈنگ اور شماریاتی تجزیہ شامل ہیں۔

1960 کے بعد ہی عوامی پالیسی معاشیات، سماجیات، علم سیاسیات اور یہاں تک کہ فلسفہ کو اور دیگر مضامین کو اپنے اندر سمو لیا تھا۔ عوامی پالیسی کچھ اصولوں میں اخلاقیات اور منطقی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس پہلو سے یہ فلسفہ ہو گا اور اگر یہ لاگت فائدہ سے متعلق چیزوں پر غور کرتا ہے تو معاشیات ہے اور اگر یہ سماجی مسائل کا تجزیہ کرتا ہے تو سماجیات پر مبنی ہو گا اور یہ جب فیصلہ سازی کے عمل سے گزرتا ہے تو اس کا تعلق معاشیات اور علم سیاسیات سے ہو جاتا ہے۔

معاشیات اور سیاست کے دائرہ کار میں عوامی شعبہ معاشیات کا تیسرا بنیادی امر سمجھا جاتا ہے۔ یہ معاشیات کی ایک نئی شاخ ہے جو معاشرے میں تمام غیر نجی شعبوں کی کارکردگی کو شہریوں کی اجتماعی فلاح و بہبودی پر ہونے والے اثرات سے جڑا ہوا سمجھا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر عوامی شعبہ معاشیات حکومت کے وجود کو جواز فراہم کرنے اور نیز اس پہلو سے بحث کرتا ہے کہ حکومت کس طرح معاشی سرگرمیوں کو متاثر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی توجہ ایک مخلوط معیشت کے قیام میں حکومت اور مارکیٹ کے ظاہر اور باطن پہلو پر مرکوز ہوتی ہے۔ اس میدان کے ماہرین کے داعوں کے مطابق اس طرح کی معاشیات کا مطالعہ اور عمل کا ایک ایسا شعبہ ہوتا ہے جس کا تعلق شہریوں کے ہر دن کے سرگرمیوں سے ہوتا ہے۔ نیز عوامی شعبہ معاشیات حکومتی اخراجات کے علاوہ ٹیکس لگانے نظام اور ٹیکس دونوں کا جائزہ لیتا ہے۔ معاشی طور پر ٹیکس لگانے کے معیاری نظام پر اگر غور کیا جاءے تو عوامی شعبہ کے اخراجات کی مالی مدد کے لیے ٹیکس آمدنی کا واحد اور انوکھا ذریعہ ہوتا ہے۔ حکومت کے اخراجات عوامی شعبہ معاشیات کا ایک دوسرا اہم ستون سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا عوامی شعبہ معاشیات واضح طور پر سیاسی معیشت کے اہم امور میں شامل ہو جاتا ہے۔ Bailey کے مطابق عوامی شعبہ کی نوعیت اس طرح کی ہوتی ہے کہ اس میں سیاسی معیشت کا حساب و کتاب کرنا ایک ضروری امر سمجھا جاتا ہے۔ آئندہ الیکشن کے امیدوار کے لیے حکومتی افسروں کی جانب سے ترغیبات، افسر شاہی نظام کی کارکردگی، حکومت کی وسعت، پالیسی کی تقسیم، نجی / خوانگی (Privatization) شہریوں کے شہری حقوق، عوامی نقل و حمل، عوامی خدمت اسی طرح کی دیگر خدمات کی لمبی اور طویل فہرستیں عوامی شعبہ معاشیات میں پائے جاتے ہیں جو بحث و مباحثہ کے موضوع ہیں۔ بلاشبہ یہ تمام امور اصولی طور پر معاشی اور سیاسی دونوں ہیں۔

معاشیات اور سیاسیات میں بہتر حکمرانی (Good Governance in Politcal Science and Economics) ایک اور بنیادی موضوع ہے جو عموما بڑے پیمانے پر انتظامی قوت اور پالیسی کے متحرک عمل کا مظہر اور گوناگوں خصوصیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ مثلاً عالمی بینک کے مطابق معاشی ترقی کیے لیے بہتر حکمرانی ایک لازمی شرط ہے۔ لہٰذا یہ معاشیات اور سیاست کے ساتھ ایک مضبوط تعلق رکھتا ہے۔ اقوام متحدہ کے مطابق بہتر حکمرانی متاثر کن، احتساب اور کارکردگی کے علاوہ کم از کم آٹھ عناصر مثلاً لوگوں کی شرکت، قانون کی حکمرانی،

شفافیت، جواب دہی، اتفاق رائے، عدل و انصاف اور شمولیت سے بحث کرتا ہے۔ نیز اس میں سیاسی اجتماعیت یا تقسیریت (Political Pluralism)، انسانی حقوق کا مکمل احترام، موثر عوامی شعبہ، قانونی حیثیت، معلومات تک رسائی، معیاری تعلیم کے ساتھ ساتھ، لوگوں کا استحکام، یکجہتی اور رواداری کو اہمیت دی جاتی ہے۔

عالمی معاشی فورم (World Economic Forum, 2019) کی دریافت (Findings) کے مطابق بہتر حکمرانی کا تعلق معاشی نشو نما (Growth) سے ہے جو جنسی مساوات کو فروغ دیتا ہے، ماحولیات کے تحفظ میں مدد کرتا ہے، شہریوں کو اس قابل بناتا ہے اپنے معاشی سیاسی آزادی کا اظہار کر سکیں اور غربت کے کم کرنے میں متعدد اقدامات کی بات کرتا ہے۔ یہ سارے اجزا معاشیات اور سیاست کے مشترکہ امور بھی ہیں۔ مختصراً یہ کہ فلاحی مملکتیں عالمگیریت، ادارہ معاشیات، معاشی جمہوریت، معاشی قانون، سماجیاتی معیشت، معاشی نظم و نسق، توانائی معیشت (Energy Economics) معاشیات اور سیاست کے بین الا مضامین کے مطالعات میں ایک اور اجزا کے طور پر سمجھے جاتے ہیں۔ فلاحی مملکت ایک سیاسی نظام ہے جس کے تحت حکومت اس بات کی ذمے داری کو یقینی بناتی ہے کہ تمام شہریو کو کم از کم معیاری زندگی گزارنے کی کس حد تک رسائی ہو۔ شہریوں کے فلاح و بہبودی کے لیے سرکاری امداد کے اہم شعبے مثلاً بیماری سے لڑنے کے لیے اچھی صحت (Standard Health) تعلیم اور انشورینس مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ بے روزگار افراد کے لیے روزگار کے مواقع اور ملازمت کے متلاشی افراد کو ملازمت مہیا کرانا اور ضعیفوں کی پینشن جیسے سہولیات فراہم کرانا شامل ہے۔

ماہرین معاشیات، سیاست داں، مختلف سیاسی مکتبہ فکر اور مختلف سیاسی پارٹیوں کے مابین فلاحی سیاست کی کارکردگی اور اس کے اور نتائج جیسے موضوعات پر اب بھی بحث و مباحثہ جاری ہے۔ ایکیسویں صدی میں فلاحی مملکت کے تسلسل کے باوجود اس کی وسعت میں ڈرامائی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔

عالمگیریت (Globalization)

ایک اور مشہور اصطلاح ہے جسے معاشیات اور سیاست کے ماتحت بیان کیا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کی تعریف دنیا کے سماجی تعلقات، قانون، ثقافت، سیاست، اور معیشت کے بڑھتے ہوئے باہمی انحصار کے طور پہ کی جاسکتی ہے۔ بالفاظ دیگر عالمگیریت ایک سماجی، سیاسی، معاشی ثقافتی، قانونی مظہر کا نام ہے۔ چوں کہ یہ کثیر الجہتی مظہر (Phenomena) خیالات کی تبدیلی، حکومت اور لوگوں کے مابین تعامل، عالمی انتظام و انصرام میں ترقی، بین الاقوامی قانون، عالمی تجارت، عالمی بینک، آئی ایم ایف (International Monetry Fund)، عالمی تجارتی تنظیم اقوام متحدہ سمیت بین الاحکومتی تنظیم (Intergovernmental Organization) کے ساتھ کام کرنے اور اس جیسے دیگر امور سے بحث کرتا ہے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں تیزی سے تبدیلی آنے کی وجہ سے عالمی جہتیں بدل رہی ہیں۔ عالمگیریت کا منافع اور لاگت اور اس کا مختلف ممالک پر مختلف اثر اور ماحولیات کی ادائیگی اور اس کے تیکنکی اور نظریاتی تعاون کے ساتھ ساتھ ماہرین معاشیات، سیاست داں، وکلا، اور ماہیرین سماجیات کے مابین اس پر بحث جاری ہے۔

معاشی جمہوریت معاشیات اور سیاست کے مابین ایک اور اہم اصطلاح ہے اور عموماً معاشی امور میں جمہوریت کے داخلے کی نشاندہی

کرتا ہے۔ سیاست میں جمہوریت (جیسے سیاسی پارٹیوں میں) کا مطلب شہریوں کو آزادانہ انتخاب کے مواقع فراہم کرنے، مطلوبہ حکومت کا انتخاب اور فیصلہ سازی میں شہریوں کی زندگی کے احترام کا خاص خیال رکھا جاے، شہریوں کے فعال شرکت کو یقینی بنانے کے ساتھ ساتھ تمام شہریوں میں ایک جیسے قانون کی حکمرانی کا نفاذ اور انسانی حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔ معاشیات میں سب کے معاشی حققوق کا تحفظ اور لوگوں کے نوکری کرنے کی جگہ (Workplace) سے متعلق فیصلہ سازی میں عہدیداروں اور عملے کی فعال شرکت زیر بحث ہوتے ہیں۔ لہذا جمہوری معیشت کا مطلب معاشی سرگرمی کو انجام دینا، اور پیداوار میں سب کو تقسیم کرنا ہے۔ تاہم معاشی جمہوریت کی تعریف کے سلسلے میں کوئی اتفاق رائے نہیں پایا جاتا ہے اور ابھی بھی اس بارے میں مختلف رائے پائی جاتی ہیں۔ کچھ مطالعات کا یقین ہے کہ Scandinavian Model ایک رول ماڈل ہو سکتا ہے۔ جب کہ دیگر مطالعات نئی تعریف میں تبدیلی کو ترجیح دیتے ہیں۔

ترقی (Development)

ایک مقبول و معروف تصور ہے جو معاشیات اور سیاست میں مشترک ہے۔ تاہم معاشی ترقی معاشیات میں ایک ابھرتا ہوا شعبہ ہے یہ کچھ ایسے متعدد عناصر پر مشتمل ہوتے ہیں جو معاشیات اور سیاست دونوں میں مشترک ہیں۔ نوبل انعام یافتہ امریتہ سین کے مطابق ترقی آزادی کی راہ میں حائل روکاوٹوں کو دور کر کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے آزادی کی راہ ہموار کرنے سے ہے۔ آزادی اور ترقی کے راستہ میں حائل رکاوٹوں سے مراد ناقص حکمرانی اور بدعنوانی اور رشوت ستانی اور غربت کا پایا جانا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاشی ترقی کے اجزا سیاسی اور معاشی پہلو میں پیوست ہیں اور اس طرح کی ترقی سیاسی نظم و نسق اور سماجی معاشیات کے فروغ سے متعلق قابل قبول عمل کی عکاسی کرتی ہے اور جو معاشی نمو پر منحصر ہوتی ہے مزید یہ کہ معاشی ترقی کو ایک شاندار بین الاضامین معاشی اصطلاح کے طور پر واضح کیا جا سکتا ہے اور نیز جسے سماجی اور قانونی اداروں کے ساتھ ساتھ سیاسیات اور معاشیات کے ایک سنگم کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے اور سماجی کامیابی اور سیاسی اداروں کو جمہوری بنانے کے لیے بہتر اور اعلا سطح کی معاشی ترقی کی ضرورت ہوتی ہے۔

پائدار ترقی (Sustainable Development)

ایک تصور کے شکل میں پائیدار ترقی پہلی بار 1987 میں بڑٹ لینڈ کمیشن کی رپورٹ میں سامنے آتا ہے۔ پائیدار ترقی سے مراد ہے فطری وسائل کا کیفایتی طریقے سے استعمال ہو کے موجودہ نسل کو ترقی کا فائدہ ملنے کے ساتھ ساتھ آئندہ نسل کو بھی قدرتی وسائل اور ترقی کا فائدہ ملے۔ ایک ایسا تصور ہے جو آنے والی نسلوں کی زندگی کو بہتر بنانے، ماحولیاتی نظام میں بہتری اور آمدنی اور دولت کی تقسیم پر مشتمل ہوتا ہے۔ Hedstrom کے مطابق پائدار ترقی میں معیشت اور سیاست بیک وقت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ مزید یہ معاشی ادارہ معاشیات اور سیاست کا ایک دوسرا روایتی شاخ ہے چوں کہ اس کا تعلق سماجی سیاسی اصولوں کا پیداوار، تقسیم اور صرف (Consumption) پر پڑنے والے اثرات سے ہے اور خاص طور سے نئے معاشی ادارے کو معاشیات، سیاسیات اور قانون جو معاشی نمو کی رکاوٹ میں اداروں کے کردار کا جائزہ لیتا ہے، کے اندر ایک تحریک کے طور پر فروغ دیا گیا ہے۔

نئے ادارتی معیشت عام ادارتی معیشت کی ایک شاخ کے طور پر سیاسی معیشت، جائداد کے حقوق اور لوگوں کی پسند سے متعلق عمل پر

مشتمل ہوتا ہے۔ نیز اس کا تعلق معاشی ترقی، سیاسی تنظیم، قانونی معاہدہ، سماجی سرمایہ داری، غیر رسمی معیشت، کرایے کی حصولیابی Rent (Seeking) اور معاشی بدعنوانی کے ختم کرنے سے ہے۔ لہٰذا معاشیات اور سیاست کے مابین باہمی تعلق کا ایک اہم اشارہ پایا جاتا ہے جب ہم سماجی علوم میں بالخصوص معاشیات کے بین الا مضامین پر نظر ثانی کرتے ہیں۔

پائیدار ترقی کو اور بہتر طریقے سے سمجھنے کے لیے اس کی خصوصیات پر غور کرنا ضروری ہے۔ اس کی خصوصیات کے مندرجہ ذیل نکات ہیں۔

پائیدار ترقی کی خصوصیات (Characteristics of Sustainable Development)

- اس میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ گرین ہاوس گیسیس کا استعمال کم سے کم ہو، گلوبل وارمنگ کو کم کیا جائے اور ماحولیاتی وسائل کی تحفظ کی جائے۔
- رینیول واٹر ریسورز کا استعمال کرنا۔
- رینیول ایزجی جیسے، سولر، ونڈ، ٹائیڈل وغیرہ۔
- قدرتی اور بائیوڈی گریڈیبل بلڈنگ میٹریل کا استعمال کرنا۔
- گرین آرکیٹیکچر اور Eco friendly پریکٹس پر زور دینا۔

8.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

عمومی طور پر بین الا مضامین مطالعات اور خصوصی طور پر معاشی بین الا مضامین مطالعات کو اکیسویں صدی کے آئین میں سب سے زیادہ مفید اور کارآمد سمجھا گیا ہے۔ اس مضمون میں معاشیات اور سیاست کے مابین زیادہ مشترک پائے جانے والی خصوصیات کو نمایا کیا گیا ہے۔

سیاسی معیشت ایک جامع اور مانع اصطلاح ہے۔ کیوں کہ دینا کا کوئی بھی ملک اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ معاشی اور سیاسی دونوں طور پر مضبوط نہ ہو۔ اس طرح سیاسی معیشت ہم میں یہ سمجھ پیدا کرتی ہے کہ ہم سیاسی اور معاشی عوامل پر غور کر کے ملک کے معاشی اور سیاسی مسائل کے حل کرنے میں اپنا نمایا کردار ادا کر سکیں۔

کچھ ایسے اہم امور جو ایک شہری کے روزمرہ کی زندگی سے بحث کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ سیاسی معیشت پر مبنی امور کے طور پر سمجھے جاتے ہیں، جو حسب ذیل ہیں، عوامی شعبہ معاشیات , فلاحی مملکت, معاشی بہتری , سماجی فلاح و بہبودی , بہتر انتظام و انصرام , بہتر حکمرانی عوامی پالیسی , شہری حقوق، انسانی حقوق، جائیداد کا حقوق , قانونی نظام کی کارکردگی , بہتر ٹیکس کا نظا,م عالمگیریت اور عالمی انتظام و انصرام۔

8.6 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **سیاسی معیشت:** یہ سماجی سائنس کا ایک ساخ ہے جس کے تحت فرد، سماج، حکومت اور پبلک پالیسی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔
- **عوامی پالیسی:** ایسی پالیسی جو حکومت کے ذریعے بنائی جاتی ہے جس کے اثرات مملکت کے تمام لوگوں پڑتی ہے۔
- **پائیدار ترقی:** ایک ایسا نظام جس مین موجودہ نسل ترقی کا فایئدہ آیندہ نسل کو نقصان پہنچائے بغیر حاصل کر سکے۔
- **عالمگیریت:** سے مراد جہاں دنیاں کے تمام ملک معشیت، تمدن، تکنیکی، ٹرانسپورٹیشن اور مواصلات کی سطح پر ایک دوسرے پر منحصر ہو جائے دوسرے معنی میں ایک گاؤں کی شکل اختیار کرلے۔
- **سامراجیت:** سامراجیت ایک ملک کی سرحدوں سے باہر جاکے دوسرے ملک کے اختیارات پر ددخل اندازی کرنے کے عمل کو کہا جاتا ہے۔
- **محصول:** ایک لازمی معاشی چارج یا لیوائی جس کو حکومت اپنے ٹیکس ادا کرنے کے اہل لوگوں پر لگاتی ہے اور جس کو ادا کرنا لازمی ہوتا ہے ورنی حکومت ان پر قانونی کاروائی کرتی ہے۔
- **اشتراکیت:** ایک ایسا سماجی نظام جس میں سامان اور خدمات مشترکہ طور پر مشترکہ ہیں۔ سوشلزم کی ایک شکل جو پیداوار کے ذرائع اور مزدوری کی مصنوعات کی شراکت میں مرکزی عوامی ملکیت کے حامی ہے۔
- **ہم وجودیت:** ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنا۔

8.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

8.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ذیل میں سے کون معاشی سیاسی نظریہ سے تعلق نہیں رکھتا ہے

(a) Interest (b) Liberalism (c) Marxism (d) Realism

2۔ Adam Smith کے مطابق سیاست اور معیشت کے مابین تعلق

(a) نہیں پایا جاتا ہے (b) پایا جاتا (c) یا ان میں سے کوئی نہیں (d) پہلے پایا جاتا تھا

3۔ یونان کے لوگ معاشیات کو:

(a) سیاسی معیشت کا نام دیتے تھے (b) سیاسیات کو معاشی سیاست کا نام دیتے تھے

(c) یا ان میں سے کوئی نہیں (d) سماجی معیشت کے نام سے

4۔ ارسطو (Aristotle) کے مطابق مملکت پر حکمرانی

(a) صرف امیر کی ہوتی ہے (b) صرف غریب کی ہوتی ہے

(c) صرف بزرگ کی ہوتی تھی　　(d) یا امیر غریب دونوں کی ہوتی ہے

5۔ نازایزم کے عروج کی وجہ

(a) معاشی ناکامی تھی　　(b) سیاسی ناکامی تھی　　(c) سماجی ناکامی تھی　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ ہائیک (Hayek) ایک

(a) ماہر معاشیات تھا　　(b) ماہر سیاسیات تھا

(c) ماہر فلسفی تھا　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

7۔ میکاویلی کا تعلق

(a) کلاسیکی سیاسی معیشت سے ہے　　(b) جدید سیاسی معیشت سے ہے

(c) ان میں سے کوئی نہیں　　(d) وسطی سیاسی معیشت سے ہے

8۔ میلٹن (Milton) کا تعلق

(a) جدید سیاسی معیشت سے ہے　　(b) کلاسیکی سیاسی معیشت سے ہے

(c) عصری سیاسی معشیت سے ہے　　(d) ان میں سے کسی سے نہیں

9۔ فلسفہ مارکسیزم کی بنیاد

(a) معاشیات پر ہے　　(b) سیاسیات پر ہے

(c) سماجیات پر ہے　　(d) ان میں سے کسی پر نہیں

10۔ عالمی معاشی فورم کے مطابق بہتر حکمرانی کی بنیاد

(a) معاشی نمو پر ہے　　(b) سیاسی نمو پر ہے

(c) سماجی نمو پر ہے　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

8.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. معاشیات اور سیاسیات کے مابین تعلق کو بیان کیجیے۔
2. عوامی پالیسی کی تعریف کرتے ہوئے معاشیات اور سیاست کے مابین اس کے تعلق کو بیان کیجیے
3. عوامی شعبہ معاشیات سے آپ کیا سمجھتے ہیں اور معاشیات اور سیاست کے مابین اس کے تعلق کو بیان کریں؟
4. بہتر حکمرانی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ اور معاشیات اور سیاست کے مابین اس کے تعلق کو بیان کریں۔
5. عالمگیرت کی تعریف کرتے ہوئے معاشیات اور سیاست کے مابین اس کے تعلق کی وضاحت کریں۔

8.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات(Long Answer Type Questions)

1. معاشی جمہوریت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ معاشیات اور سیاست کے مابین اس کے تعلق سے بحث کریں۔
2. ترقی معاشیات اور سیاست کے مابین ایک اہم تصور خیال کیا جاتا ہے اس کی وضاحت کریں۔
3. ترقی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ پائیدار ترقی پر ایک مضمون لکھیے۔

8.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Albo, G;(2018),The world Turned Upside Down , monthly review Press
2. Anderson, T; (2000), Public Policymaking, Houghton Mifflin Publishers
3. Baily, S;(2015), Public Sector Economics , Palgrave publishers
4. Barker , V;(2017), Nordic nationalism and Penal Order , Rutledge publishers
5. Bricker, D;(2019), Empty Planet, Robinson press
6. Chicago University, (2019), History of Political Economy, Department of history
7. Dadgar, Y;(2018), Public Sector Economics , Mufid University fourth edition
8. Downs, A;(1997), An Economic Theory of Democracy , Pearson publishers
9. EOP, (2019), An Economic Report of President, Brenan Press
10. Glasco,(2019), Public Economics , The University of Glasco Corses
11. Sabine G.H.(2014), A History of Political Theory, Oxford
12. Hubble, N, Taylor, Tew, P;(2019), Growing Old with the Welfare State , Blooms bury academic Publishers
13. Ray, A. & Bhattacharya, M, (1983). Political Theory: Ideas and Institutions.Calcutta: The World Press
14. Almond, G. A. & Bingham, G. Powell Jr. (1966). Comparative Politics: System, Process, and Policy. Boston: Little, Brown
15. Barrow, C. W. (1993), Critical Theories of the State: Marxist, Neo -Marxist, Post Marxist, Madison: University of Wisconsin Press

اکائی 9۔ مملکت: معنی اور نوعیت

(State: Meaning and Nature)

اکائی کے اجزا

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 مملکت کی تعریفات

9.3 مملکت کے ضروری عناصر

9.4 مملکت اور حکومت میں فرق

9.5 مملکت، حکومت، سماج اور قوم

9.6 مملکت کے نظریات

9.7 اکتسابی نتائج

9.8 کلیدی الفاظ

9.9 نمونہ امتحانی سوالات

9.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

9.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

9.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

9.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

9.0 تمہید (Introduction)

علم سیاسات کا سب سے اہم موضوع بحث مملکت یا ریاست ہے۔اس وجہ سے بہت سے مفکرین "علم سیاسیات" کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ یہ مملکت و سرکار یا حکومت کے متعلق علم کا نام ہے۔جیسا کہ گارنر کا کہنا ہے کہ ’’علم سیاسیات کے مطالعے کی شروعات مملکت سے ہوتی ہے اور اختتام بھی مملکت پر ہی ہوتا ہے۔‘‘ سماجی تنظیموں میں مملکت سب

سے زیادہ طاقتور اور وسیع تنظیم ہے۔ایک شہری کی زندگی مملکت کے چاروں طرف گردش کرتی ہے۔اس کے اندر رہ کر ہی شہری اپنے اندر موجودہ جوہر کو پروان چڑھا سکتا ہے۔ارسطو ((Aristotle) کے الفاظ میں ”انسان فطرتاً سماجی اور سیاسی مخلوق ہے۔مملکت کا ارتقا انسانی زندگی کے لیے ہوا ہے اور اس کی اچھی زندگی کے لیے ہی مملکت قائم ہے“۔چوں کہ مملکت سماجی زندگی میں ایک اہم رول ادا کرتی ہے اسی لیے علم سیاسیات میں یہ مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

9.1 مقاصد (Objectives)

اس سبق میں علم سیاسیات کے سب سے اہم موضوع مملکت یا ریاست پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔مملکت کے مفہوم و مطالب اس کی تعریف اور اس کے عناصر پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔اس کے بعد مملکت اور حکومت، مملکت و سماج اور مملکت و انجمنوں میں کیا فرق ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔پھر وہ نظریہ جو مملکت کے بارے میں ہے بتایا گیا ہے اور آخر میں مملکت کے فرائض کیا کیا ہیں ذکر کیے گئے ہیں۔

9.2 مملکت کی تعریفات (Definition of the State)

علم سیاسیات کے ماہرین نے مملکت کی تعریف اپنے اپنے نقط نظر سے کی ہے۔کیوں کہ سماجی علم کی کوئی ایک جامع اور مکمل تعریف نہیں کی جا سکتی۔قدیم یونان (Ancient Greece) میں موجودہ زمانے کی بڑی بڑی مملکتوں کا تصور موجود نہیں تھا۔اس لیے یونانی زبان میں ”ریاست“ یا ”مملکت“ کی اصطلاح بھی نہیں ملتی۔اس زمانے میں مملکت اور شہر میں کوئی فرق نہیں تھا۔اس لیے مملکت کا مفہوم ادا کرنے کے لیے لفظ پولیس 'Polis' استعمال کیا جاتا تھا۔مملکت جس کے معنی ہیں شہری (City state)، رومی زبان میں مملکت کا مفہوم لفظ Civitas سے ادا کیا جاتا تھا۔مملکت کا جدید مفہوم ادا کرنے کے لیے لفظ ”State“لاطینی لفظ اسٹیٹس (Latin Word Status) سے لیا گیا ہے۔ایک علمی اصطلاح کے طور پر لفظ اسٹیٹ سب سے پہلے نیکولو میکیاولی (Niccolo Machiavelli) نے اپنی کتاب (1523) ”The Prince“ میں استعمال کیا اور یہ اس وقت سے رائج ہے۔

ارسطو (Aristotle) نے جس کو بابائے سیاسیات (Father of Political Science)کہا جاتا ہے مملکت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔یہ خاندانوں اور بستیوں کے اس اتحاد کا نام ہے جس کا مقصد ایک مکمل اور خود کفیل زندگی کا حصول ہے۔

"State is a union of families and villages having for its end perfect and self-sufficing life."

رومن مفکر سسرو (Cicero) کا کہنا ہے کہ "مملکت اس تنظیم کو کہتے ہیں جس میں یہ احساس موجود ہو کہ سبھی

انسانوں کو اس تنظیم کے فوائد کا استعمال آپس میں مل کر کرنا ہے۔"

بودان (Bodin) کا کہنا ہے "مملکت خاندانوں اور ان کی مجموعی دولت کی ایک تنظیم ہے جو اختیار اعلا اور عقل کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے۔"

ہالینڈ (Holland) جو ایک نامور برطانوی مفکر تھا، لکھتا ہے " مملکت کثیر انسانی کی جماعت ہوتی ہے جو بالعموم ایک خطہ زمین پر قابض اور جس پر اکثریت یا معتدبہ افراد کی منشا رائج ہو۔"

گارنر (Garner) نے اسٹیٹ کی جو تعریف پیش کی ہے وہ عام طور پر سب سے زیادہ موزوں سمجھی جاتی ہے۔اس کے خیالاس طرح ہیں "علم سیاسیات اور قانون عامہ کے ایک تصور کی حیثیت سے مملکت (State) کم و بیش یعنی غیر متعین مقدار کے افراد کی ایک جماعت جو مستقل طور پراس کی خاص خطہ زمین پر قابض ہو۔بیرونی مداخلت سے آزاد یا تقریباً آزاد ہو اور ایک منظّم حکومت رکھتی ہو جس کی فرماں برداری باشندوں کی کثیر تعداد عطاً کرتی ہو۔

9.3 مملکت کے ضروری عناصر (Essentials Elements of the State)

سیاسی مفکرین چند چیزوں کو متفقہ طور پر مملکت کے بنیادی اجزا تسلیم کرتے ہیں جن کے بغیر مملکت کا تصور مکمل طور پر سامنے نہیں آ سکتا۔ وہ مندرجہ ذیل ہے۔مملکت کے ضروری عناصر (Essential Elements of the State) اس طرح ہیں۔

افراد یا آبادی (Population): مملکت افراد کی ایک جماعت ہے۔افراد کے بغیر نہ مملکت کا تصور کیا جا سکتا ہے نہ اس کا وجود ہو سکتا ہے۔انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات بھی گروہ پسند یا گروہ باش (Gregarious) ہو سکتے ہیں، مگر وہ مملکت قائم نہیں کر سکتے کیونکہ مملکت کا بنیادی تصور تنظیم ہے۔ایسی تنظیم جس میں افراد کے باہمی روابط کی ترتیب قائم کی جا سکے۔ ظاہر ہے کہ حیوانات کو نہ روابط کی ترتیب کا احساس ہوتا ہے اور نہ تنظیم کی اہلیت۔اس کے ساتھ مملکت میں فلاح عام اور منشائے انسانی کے فروغ کا تصور بھی شامل ہوتا ہے جو حیوانات کو میسر نہیں۔

اب ایک سوال یہ ہے کہ مملکت کی آبادی کتنی ہونی چاہیے، اس بارے میں مفکرین میں اختلاف ہے، افلاطون کے مطابق ایک مملکت میں پانچ ہزار چالیس(5040) افراد ہونے چاہیے۔ارسطو نے یہ تو نہیں بتایا کہ کتنی تعداد ہو مگر وہ چھوٹے آبادی والے مملکت کو پسند کرتا تھا۔مملکت کے قیام کے لیے افراد کو متعین نہیں کیا جاسکتا۔دنیا میں چھوٹی چھوٹی مملکتیں بھی موجود ہیں اور ان کے دوش بدوش بڑی بڑی مملکتیں بھی ہیں۔اب تعداد کا سوال خارج ازبحث ہی ہے افراد کی تعداد سے نہ مملکت کے بین الاقوامی حیثیت میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ سیاسی قوت اور فوقیت میں۔سان میرینو (Sane Marino) پاناما (Panama) لگزمبرگ (Luxemberg) ایسے مملکت ہیں جن کی آبادی بہت کم ہے، دوسرے جانب چین اور ہندوستان ہیں

جن کی آبادی بہت کثیر ہے۔اس سلسلے میں ارسطو کا قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مملکت اتنی چھوٹی نہ ہو کہ اپنی کفالت کے لیے دوسری مملکتوں کا محتاج ہو اور اتنی بڑی نہ ہو کہ آسانی سے کنٹرول نہ کیا جا سکے۔

مملکتی آبادی کے متعلق دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ کیا مملکت کی پوری آبادی میں یکسانیت (Homogenity) ہو۔ یعنی کیا پوری آبادی ایک قوم، ایک مذہب ایک زبان اور ایک تہذیب کے ہوں۔اس میں شک نہیں کہ ایسے ملک میں اتحاد زیادہ ہوگا مگر موجودہ دور میں جب کہ آمدورفت کے وسائل میں کافی ترقی ہوچکی ہے۔آبادی میں یکسانیت بہت کم ملکوں میں رہی ہے۔بہت سی مملکتوں میں یکسانیت نہیں ہے مگر وہاں لوگوں میں اتحاد کا جذبہ دوسری مملکتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ امریکہ اور سوئزرلینڈ (Switzerland) بہترین مثالیں ہیں۔

علاقہ یا خطہ زمین (Territory) : مملکت کا دوسرا اہم جز علاقہ یا خطہ زمین ہے۔اس کے بغیر مملکت کا وجود ممکن نہیں۔ مملکت کی انفرادی حیثیت اور قانونی شخصیت متعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا اپنا ایک خطہ زمین ہو اور جغرافیائی حدو متعین ہوں۔محض افراد کا ایک گروہ مملکت قائم نہیں کر سکتا، جب تک کہ وہ ایک مقررہ سرزمین پر مستقلاً آباد نہ ہو اور جس کو وہ مخصوص طور پر اپنا کہہ سکیں۔خانہ بدوش لوگ مملکت قائم نہیں کر سکتے۔اگرچہ بعض دوسری جماعتیں اور ادارے بھی ایک مقررہ خطہ زمین پر قابض ہونے کا دعوی کر سکتے ہیں۔لیکن جو حاکمانہ قانونی حیثیت کسی خطہ زمین پر مملکت کا حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ہوتی۔سماج کے تمام اداروں، جماعتوں اور افراد پر مملکت کو بالادستی حاصل ہے۔

مملکت کی وسعت کیا ہو؟ اس کے بارے میں ارسطو کا کہنا ہے کہ نہ زیادہ بڑی ہو نہ زیادہ چھوٹی۔آج کے دور میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔آج دنیا میں ایک طرف تو روس امریکہ اور ہندوستان جیسے بڑے مملکت ہیں جن کا رقبہ لاکھوں مربع میل ہے۔تو دوسری طرف سین میر ینو (San Marino) جیسا چھوٹا ملک بھی ہے، جس کا رقبہ صرف ۸۳ مربع میل ہے۔دوسرا سوال یہ کہ علاقہ میں کیا چیزیں آتی ہیں؟ یہ تین چیزوں کا مجموعہ ہے زمین، پانی، ہوا۔کسی مملکت کے علاقے میں صرف میدان ہی نہیں بلکہ معدنیات، جنگلات، پہاڑ وغیرہ بھی شامل ہیں۔اس طرح پانی کے خزانے مثلاً ندیاں، جھیلیں اور بری علاقہ سے بارہ میل دور تک کا سمندری علاقہ متعلقہ مملکت کا ہوتا ہے جہاں تک خلا میں ہوا ہے وہ بھی ملک کی مانی جاتی ہے۔

حکومت (Government): مملکت کا تیسرا لازمی جزحکومت یا گورنمنٹ ہے، اوپر کہا جا چکا ہے کہ مملکت ایک منظّم جماعت ہوتی ہے۔جب بہت سے لوگ ایک جگہ مل کر رہتے ہیں تو ان کے آپسی تعلقات اور روابط میں ایک ترتیب اور اہم آہنگی قائم رکھنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔یہی حقیقتاً سماجی زندگی کا نصب العین ہے، اس کے بغیر حیوانوں اور انسانوں کی زندگی میں تمیز نہیں کی جا سکتی۔تنظیم کے بغیر مملکت کا قیام ممکن نہیں۔حکومت وہ اعلا ترین سیاسی تنظیم ہے جو سماجی نظام اور روابط کو قوت کے ساتھ برقرار رکھتی ہے۔وہ ایک ایسی مشین (Machine) ہے یا منظّم وسیلہ ہے جس کے ذریعے مملکت اپنا وجود

قائم رکھتی ہے، اپنے فرائض انجام دیتی ہے۔اور اپنی پالیسیوں (Policies) اور مقاصد کو حاصل کرتی ہے۔ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ حکومت ایک ایسی ایجنسی (Agency)یا ذریعہ ہے جس کے توسط سے مملکت کی منشا (Wills) ومقاصد (Goals & Objectives)مرتب کیے جاتے ہیں۔ان کا اظہار ہوتا ہے اور ان پر عمل درآمد ہوتا ہے۔

اقتدار اعلا (Sovereignty): اقتدار اعلا مملکت کا اہم ترین جزو ہے۔اس لفظ سے اس اعلا ترین اور آخری قانونی قوت کا مفہوم ادا ہوتا ہے جس کے بعد اور جس سے بد تر کوئی دوسری قانونی قوت مملکت میں نہیں ہوتی۔یہ مملکت کی ایسی خصوصیت ہے جو اس کو سماج کی تمام قوتوں پر قانونی حیثیت سے فوقیت دیتی ہے۔اور برتری کے جواز پہنچاتی ہے۔اس وجہ سے مملکت کو دوسری تمام جماعتوں پر امتیاز حاصل ہے۔سماج یا افراد کی جماعتی زندگی اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جب آپسی روابط میں ترتیب اور نظام ہو۔اس کو عملی طور پر قائم رکھنے کے لیے حکومت کا قیام ہو۔مگر حکومت اسی وقت اپنا فرض ادا کر سکتی ہے جب ایک ایسی طاقت اور اعلا قوت اس کی سربراہی کرے جس کے فیصلے قطعی اور آخری ہوں جس کی فرماں برداری مملکت کے ہر فرد پر جماعت اور ہر تنظیم کا قانونی فرض ہو۔اس قوت کو اصطلاحاً اقتدار اعلا کہا جاتا ہے۔

اقتدار اعلا کی دو حیثیتیں (Two Aspects) ہیں۔داخلی یا اندرونی اقتدار اعلااور خارجی اقتدار اعلا

داخلی اقتدار اعلا یہ ہے کہ مملکت کے اندر کوئی بھی قوت اس کے ہمسر یا مد مقابل نہیں ہو سکتیں۔مملکت میں ہونے والی ہر قوت اس کے ماتحت اور زیر اثر ہوتی ہیں۔خارجی یا بیرونی اقتدار اعلا سے یہ مراد ہے کہ مملکت کسی بھی بیرونی قوت کے ماتحت نہ ہو۔کسی بیرونی قوت کی فرماں برداری نہ کرتی ہو اور نہ ہی بیرونی قوت اس کی پالیساں متعین کر سکے۔مملکت کسی دباؤ بغیر آزادانہ طور پر اپنی داخلی اور خارجی پالیسیوں کو بناتی ہو۔ مملکت کے چاروں عناصر کے مطالعے سے انداز ہوتا ہے کہ کوئی سماجی گروہ جماعت، ادارہ یار تنظیم مملکت کے برابر نہیں ہو سکتی بلکہ ہمیشہ اس کی محکوم و ماتحت رہے گی۔مملکت ایک ایسا وسیع نظام ہے جو پورے سماج پر حاوی ہے۔تمام سماجی تنظیمیں سماج کا جزو ہوتی ہیں اور مملکت ان تمام اجزائی میں رابط، ہم آہنگی، ترتیب اور بامعنی تسلسل قائم رکھنے کے فرائض انجام دیتی ہے۔

9.4 حکومت اور مملکت میں فرق (Difference between Government and State)

یہ بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ مملکت اور حکومت ہم معنی نہیں بلکہ الگ الگ اصطلاحات ہیں۔مملکت اور حکومت میں بہت فرق ہے۔مملکت پورے سیاسی نظام کو کہا جاتا ہے جب کے حکومت اس نظام کو چلانے کا ایک وسیلہ ہے۔ حکومت مملکت کا ایک جز ہے، مملکت کے مفہوم یہاں سماج کے تمام افراد اور ان کی تمام جماعتیں اور تنظیمیں شامل ہوتی ہیں۔جب کہ حکومت میں وہ تھوڑے بہت افراد شامل ہوتے ہیں جن کو حکومت کے فرائض دیے جاتے ہیں، حکومت کو تمام جماعتوں اور تنظیموں پر بالادستی حاصل ہے۔مملکت ایک مستقل (Permanent)ادارہ ہے جب کہ حکومت غیر مستقل

(Temporary) اور عارضی ہوتی ہے۔ حکومت میں ردوبدل ہوتا رہتا ہے اور مختلف مملکتوں میں مختلف قسم کی حکومتیں ہوتی ہیں۔

9.5 مملکت، حکومت، سماج اور قوم (State, Government, Society and Nation)

مملکت اور حکومت (State and Government) : بعض لوگ مملکت اور گورنمنٹ کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں۔ گورنمنٹ مملکت کا ایک حصہ ہے۔ اور اس کے چار ضروری عناصر میں سے اہم ترین عنصر ہے۔ مملکت میں ملک کے سارے باشندے شامل ہوتے ہیں لیکن گورنمنٹ میں سب شامل نہیں ہوتے۔ گورنمنٹ مملکت کی مشنری ہے جس کے ذریعے مملکت اپنے مقاصد حاصل کرتی ہے اور اپنے فرائض انجام دیتی ہے۔ مملکت کے شہری گورنمنٹ پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور اسے بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مملکت اور گورنمنٹ میں دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ مملکت اقتدار اعلا کی مالک ہوتی ہے اور گورنمنٹ نہیں۔ گورنمنٹ کے جو اختیارات ہوتے ہیں اور اسے مملکت کی طرف سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ ان سے اگر تجاوز کرے تو اس کا یہ فعل غیر قانونی سمجھا جائے گا۔

گورنمنٹ اور مملکت میں تیسرا بڑا فرق یہ ہے کہ مملکت مستقل حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے برعکس گورنمنٹ برابر بدلتی رہتی ہے۔ مثلاً پارلیمنٹری جمہوری ملکوں میں ہر الیکشن کے بعد مختلف پارٹیاں بر اقتدار آتی ہیں اور اپنی اپنی حکومتیں بناتی ہیں۔ مثلاً برطانیہ میں آج کل کنزرویٹو پارٹی برسر اقتدار ہے۔ اس سے پہلے لیبر پارٹی کے ہاتھ میں عنانِ اقتدار تھا اور اس طرح کی تبدیلیاں وہاں برابر ہوتی رہتی ہیں۔ ہمارے ملک میں تیس برس کے بعد 1977 میں کانگریس کو شکست ہوئی اور مرکز اور متعدد مملکتوں میں جنتا پارٹی کی حکومتیں بنیں۔ 80 کے الیکشن میں کانگریس دو بارہ مرکز اور اکثر مملکتوں میں برسر اقتدار آئی۔ اور پھر دسمبر 48 میں لوک سبھا کے الیکشن کے بعد مرکز میں پھر کانگریس نے بہت بڑی اکثریت کے ساتھ زمام اختیار سنبھالی۔ برعکس اس کے مملکت صرف اسی صورت میں ختم ہوتی ہے کہ جب ملک پر کسی دوسرے ملک کا قبضہ ہو جائے۔

مملکت اور گورنمنٹ میں ایک فرق یہ ہے کہ جہاں تک مملکت کے عناصر کا تعلق ہے یعنی آبادی، سرزمین، گورنمنٹ اور اقتدارِ اعلا، سب ملکتیں ایک جیسی ہیں یعنی سب میں ان چاروں کا پایا جانا لازمی ہے لیکن ان میں گورنمنٹوں یا حکومتوں کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً بعض مملکتوں میں بادشاہت ہے جیسے سعودی عرب، بعض میں ڈکٹیٹر شپ اور بعضوں میں پارلیمنٹری جمہوری حکومت مثلاً برطانیہ، ہندیونین اور فرانس اور بعض میں صدارتی طرز کی حکومت مثلاً ریاست ہائے متحدہ امریکہ، بعض مملکتوں میں حکومت وحدانی (Unitary Government) ہوتی ہے مثلاً برطانیہ اور فرانس میں، بعضوں میں

وفاقی، بعض ان میں دستور میں مرکزی اور مملکتی حکومتوں کے درمیان اختیارات تقسیم کر دیتا ہے۔مملکت یا مملکت ایک مجرد (Abstract) تنظیم ہے لیکن حکومت اس کا ایک متعین حصّہ ہے اور اس کی واضح شکل ہے۔

مملکت اور سماج (State and Society): عام بول چال میں سوسائٹی کا استعمال محدود معنوں میں کیا جاتا ہے۔اس سے مراد وہ تنظیم ہوتی ہے جو کسی گروہ میں کچھ لوگوں کے ذریعے کسی خاص مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بنائی جاتی ہے جیسے ریڈ کراس سوسائٹی، ایجوکیشنل سوسائٹی، کوآپریٹو سوسائٹی۔لیکن در اصل سوسائٹی یاسماج کے معنی بہت وسیع ہیں، یہ سارے انسانی انجمنوں اور تنظیموں کا مجموعہ ہوتی ہے۔اس کا تعلق لوگوں کے ہر قسم کے تعلقات سے یعنی سماجی، اخلاقی، تمدنی، معاشی، سیاسی اور مذاہبی سے ہوتا ہے۔

افلاطون اور ارسطو نے سوسائٹی اور مملکت میں کوئی فرق نہیں کیا کیوں کہ یونانی شہری مملکتیں بہ یک وقت سوسائٹی بھی تھیں اور مملکت یا مملکت بھی۔لیکن در اصل مملکت اور سوسائٹی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور دونوں کا دائرہ عمل بھی ایک دوسرے سے الگ ہے۔مملکت وہ انجمن یا ادارہ ہے جس کی تنظیم قانون کے لیے ایک مخصوص سر زمین یا علاقے میں کی جاتی ہے اس کا مخصوص اور متعین علاقہ ہوتا ہے۔اس کا تعلق انسان کی زندگی کے سیاسی پہلو سے ہوتا ہے لیکن سوسائٹی یا سماج کا تعلق انسانی زندگی کے سب ہی پہلوئوں یعنی معاشی، مذہبی، سیاسی، سماجی، تمدّنی سے ہوتا ہے۔انسانوں کے سبھی قسم کے تعلقات چاہے وہ شعوری ہوں یا لاشعوری، بالواسطہ ہوں بلا واسطہ، منظم ہوں یا غیر منظم، مخالفانہ ہوں یا موافقانہ۔جنگ جوئی کے ہوں یا صلح کے سب سوسائٹی کے دائرہ عمل میں آجاتے ہیں۔سوسائٹی ہمہ جہتی ہے اور عالم گیر بھی اور اس میں سب انسان شامل ہوتے ہیں۔

مملکت اور سماج دونوں کے اپنے اپنے قاعدے اور قانوں ہوتے ہیں لیکن مملکت کے قانون متعین اور غیر مبہم ہوتے ہیں اور ان کو نہ ماننے پر یا ان کی خلاف درزی کرنے پر مملکت حکومت کے ذریعے سزا دیتی ہے کیوں کہ اسے تعزیری قوت حاصل ہے۔برعکس اس کے اگر سوسائٹی کے قاعدوں اور قانون کے لوگ نہ مانیں تو ان لوگوں کو کوئی سزا سماج نہیں دیتا۔صرف رائے عامہ ایسے لوگوں کے خلاف ہو جاتی ہے۔مملکت چونکہ اقتدار اعلا کی مالک ہوتی ہے اس لیے اس کے پاس (Coercive Power) یا تعزیری قوت ہوتی ہے۔

مملکت محدود رقبے یا سرزمین میں پھیلی ہوتی ہے لیکن سوسائٹی کے لیے کسی جغرافیائی حدبندی کی ضرورت نہیں۔ سوسائٹی مملکت سے زیادہ قدیم ہے۔ایک زمانہ ایسا تھا کہ جب سوسائٹی تو تھی لیکن مملکت نہ تھی۔مملکت ایک لازمی تنظیم ہے جب کہ سوسائٹی کی بنیادرضاکارانہ ہے۔

مملکت اور قوم (State and Nation): مملکت اور قوم کے درمیان فرق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے قوم اور قومیت کے فرق کو سمجھ لیا جائے۔قومیت یاشہریت (Nationality) انسانوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں جو اپنے بندھنوں میں

بندھے ہوئے ہوں، جن نے ان کا اتحاد ظاہر ہوتا ہو اور ان میں اتحاد کا جزبہ بھی پایا جاتا ہو، ان کے مفادات مشترک ہوتے ہیں اور وہ دنیا کے دوسرے گروہوں سے الگ ہوتے ہیں۔لارڈ برائس کے نذدیک شہریت اس آبادی کو کہتے ہیں جو چند خاص بندھنوں مثلاً زبان و ادب، رسوم و روایات سے اس طرح بندھی ہوئی ہوں کہ وہ اپنے آپ کو ایک ایسی وحدت سمجھتی ہوں جو ایسے ہی بندھنوں میں بندھی ہوں، دوسری آبادیوں سے بالکل مختلف ہوں، مشترک زبان، مشترک مذہب، مشترک نسل، مشترک تاریخ، مشترک عادات، مشترک رسوم وغیرہ۔اس قومیت یا شہریت کا جذبہ پیدا کرنے میں بڑی مدد دیتے ہیں لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ اس قسم کے مشترک رشتوں ہی سے قومیت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔سوئٹزرلینڈ کے لوگ تین زبانیں بولتے ہیں اور وہ نہ تو نسل اعتبار سے ایک ہیں اور نہ مذہبی اعتبار سے لیکن اس کے باوجود ان میں اتحاد کا ایک زبردست جذبہ پایا جاتا ہے۔ہمارے ملک میں ایک درجن سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں اور مختلف مذہبوں کے ماننے والے پائے جاتے ہیں، مختلف صوبوں میں مختلف کلچر ہیں، نسلی اعتبار سے بھی ملک کے رہنے والے ایک نہیں ہیں لیکن اس سب باتوں کے باوجود سب ہندوستانیوں کی قومیت ایک ہے۔

قوم اور قومیت کا فرق سیاسی قسم کا ہے۔جب کوئی قومیت سیاسی خواہشات رکھتی ہے تو وہ قوم کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔یعنی قوم اس وقت عالم وجود میں آتی ہے کہ جب افراد کی ایک جماعت قومیت کے جذبے سے سرشاز ہو کر علاحدہ مملکت بنانے کی خواہش رکھتی ہو اور اس نے اپنے کو سیاسی اعتبار سے منظم بھی کر لیا ہو یا اپنی مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی ہو۔ افراد کی کوئی جماعت اس وقت تک قوم نہیں کہلائی جاسکتی جب تک کہ اس میں قومیت کا جذبہ اور اپنی علاحدہ مملکت بنانے کا عزم نہ پایا جاتا ہو۔ گارنر کے نزدیک قوم، قومیت اور سیاسی عزائم کے مجموعے کا نام ہے۔

آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدارِ اعلا مملکت کے لازمی عناصر ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ مملکت کے لوگوں میں اتحاد کا جذبہ بھی پایا جاتا ہو یا وہ سب ایک مملکت ہوں۔ایک مملکت میں کئی قومیں بھی ہو سکتی ہیں۔مثلاً پہلی عالمی جنگ سے پہلے آسٹریا ہنگری کی شہنشاہیت ایک مملکت تھی لیکن اس کے شہری ایک نہ تھے بلکہ وہ مختلف قوموں اور قومیتوں کا مجموعہ تھے۔ سوویت یونین اور ہندیونین بھی مذہب، نسل، تمدن اور زبان کے لحاظ سے ایک قوم نہیں اس کے باوجود وہ مستقل قومیں ہیں۔یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر قوم ایک ہی مملکت میں رہتی ہو۔جیسے اسرائیل کی مملکت۔اگر کسی مملکت کے باشندے ایک ہی قوم کے ہوں تو پھر اس مملکت کو Nation –State کہتے ہیں۔یورپ کے سیاسی مملکتیں اسی قسم کی ہیں۔مملکت اور قوم میں ایک خاص فرق ہے کہ مملکت کا لازمی عنصر آزاد حکومت کا ہونا ہے۔لیکن قوم کے لیے یہ لازمی عنصر نہیں۔

9.6 مملکت کے نظریات (Theories of the State)

یہ سوال کہ مملکت کی حقیقی اصل شکل کیا ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے صدیوں سے سیاسی مفکرین کے لیے ایک

اہم موضوع رہا ہے۔ مختلف مفکرین نے اس بارے میں مختلف نظریئے پیش کیے ہیں۔اس سوال کے یہ بھی معنی ہیں کہ فرد اور مملکت میں زیادہ اہمیت کسے حاصل ہے۔یا فرد مملکت کے لیے ہے یا مملکت فرد کے لیے۔بعض مفکرین کے نزدیک مملکت کا وجود فرد کے لیے ہے یعنی اصل مقصد فرد اور اس کی فلاح و بہبود ہے اور مملکت اسے حاصل کرنے کا ذریعہ۔بعد کے نزدیک اس کے برعکس مملکت بجائے خود مقصد اور فرد اسے حاصل کرنے کا ذریعہ بعض کے نزدیک۔پہلی رائے پیش کرنے والے سماجی سمجھوتے (Social Contract) کے ماننے والے تھے۔کچھ مفکر مملکت کو محض نامیاتی یا عضوی (Organic) مانتے ہیں۔اس نظریے کو Organic Theory کہتے ہیں۔

آرگینک تھیوری (Organic Theory) : اس نظریے کے مطابق مملکت جسم انسانی کی طرح زندگی سے بھرپور ہے اور مملکت کا فرد یا (Individual) سے اس طرح کا تعلق ہے جیسا کہ انسانی جسم کا دوسرے اعضائی سے ہوتا ہے۔مشہور انگریز سیاسی فلسفی ہربرٹ اسپنسر (Herbert Spencer) نے جسم انسانی اور مملکت کے درمیان مشابہت کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔شروع میں انسانی جسم کی شکل بالکل سادہ ہوتی ہے۔وہ محض گوشت کا لوتھڑ ہوتا ہے۔اس کے مختلف حصّے اور اعضائی رفتہ رفتہ نشو نما پاتے ہیں اور اس کے بعد باقاعدہ شکل اختیار کرتے ہیں۔ٹھیک اسی طرح مملکت کی بھی زندگی کا آغاز ہوا۔ شروع میں اس کی شکل مادہ سادہ تھی۔موجودہ مملکت سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے مثلاً جیسے محکمے موجودہ مملکت کے ہیں ایسے پرانی مملکت کے نہ تھے۔

انسانی جسم کا پورا نظام ہے جو اس کی زندگی کو بر قرار رکھتا ہے۔ اس نظام میں جو انسانی اعضائی شامل ہیں اسے Sustaining System کہا جاتا ہے۔ٹھیک اسی طرح مملکت کا بھی Sustaining System اس کے زرعی وصنعتی علاقوں اور قدرتی وسائل پر مشتمل ہوتا ہے۔جسم انسانی کا دوسرا نظام وہ ہے جس کے ذریعے خون جسم کے مختلف حصّوں میں دوڑتا رہتا ہے۔اس میں دل، رگیں، نسیں وغیرہ شامل ہیں۔مملکت کا یہ Distributory System رسل و رسائل (Means of Communication and Transport یعنی جو ریلوں اور سڑکوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جسم انسان کا تیسرا سسٹم Regulating System ہے جو سارے جسم پر حکومت کرتا ہے۔اس میں دماغ، ریڑھ کی ہڈی، اعصاب (Nerves) شامل ہیں۔ دماغ ہی کے ذریعے انسان سوچتا ہے اور کام کرتا ہے۔مملکت کا Regulating System حکومت فوج وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے اور حکومت دماغ کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ بہت پرانا نظریہ ہے۔افلاطون اور ارسطو نے مملکت کو انسانی جسم سے تشبیہ دی تھی۔ قرونِ وسطیٰ کے مفکرین نے بھی اس مشابہت کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد ہابس (Hobbes) اور روسو نے بھی انسانی جسم اور مملکت کے مابین مشابہت کو بیان کیا۔

اس نظریے کے خلاف مندرجہ ذیل اعتراض کیے گئے ہیں:۔

انسانی جسم اور مملکت میں تھوڑی بہت مشابہت ضرور پائی جاتی ہے لیکن اس وجہ سے دونوں کو ایک سمجھنا صحیح نہیں۔دونوں میں بڑے گہرے اختلافات پائے جاتے ہیں مثلاً انسانی جسم کے مختلف اعضائی کی کوئی علاحدہ یا آزاد زندگی نہیں ہوتی۔مگر مملکت کے باشندوں یا افراد کی اپنی الگ الگ زندگی ہوتی ہے۔اگر کسی عضو کو جسم سے الگ کر دیا جائے تو وہ مردہ ہو جاتا ہے لیکن یہ صورت فرد کے ساتھ واقع نہیں ہوتی۔وہ مملکت سے الگ ہو کر کم از کم زندہ رہ سکتا ہے۔یہ ضرور ہے کہ وہ اچھی زندگی نہیں گزار سکتا۔دوسرا خاص فرق یہ ہے کہ جسم انسانی کے اعضائی شعور سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔اس لیے کہ ان میں کوئی قوت ارادی نہیں ہوتی جس سے وہ انسانی زندگی کو متاثر کر سکیں اس کے بر عکس مملکت کے ممبر یا افراد قوت ارادی کے مالک ہوتے ہیں اور وہ حکومت کی زندگی پر پوری طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔بڑی بڑی شخصیتیں اور عوامی لیڈر مثلاً نپولین، لینن، گاندھی جی، جواہر لعل نہرو اور اندرا گاندھی مملکت کی پالیسیوں کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔

اس نظریے کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس سے مملکت کے عمل پہلو پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔اس سے مملکت کے فرائض کے بارے میں جو نتیجے نکالے جاسکتے ہیں وہ غیر تسلّی بخش ہیں۔مثلاً یہ چونکہ افراد یعنی مملکت کے ممبر اپنی نقل وحرکت میں آزاد ہوتے ہیں۔شعور رکھتے ہیں اور اپنی اچھائی برائی کو اچھی طرح جانتے ہیں اس لیے مملکت کا فرق ہے کہ وہ صرف اندرونی امن وامان قائم رکھے اور بیرونی حملے سے بچانے کے انتظامات کرے۔یہ نتیجہ اس نظریہ کو انفرادیت پسند بنا دیتا ہے۔

دوسرا نتیجہ ہیگل اور دوسرے حیثیت پسندوں (Idealism)نے نکالا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ اگر جسم کو کوئی حصّہ جسم کے لیے خطرہ بن جائے تو اسے کاٹ کر پھینک دیا جائے۔جسم کے کسی حصّے کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ سارے جسم کے لیے خطرہ بن جائے۔

عینیت پسند انہ نظریہ (Idealistic Theory of State)

اس نظریے کے مطابق مملکت ایک مثالی اور مکمل ادارہ ہے۔ان نظریے کے متعدد نام ہیں مثلاً Absolute Theory، فلسفیانہ نظریہ(Philosophical Theory)، مابعد الطبیعاتی نظریہ (Metaphysica Theory)، Mystical Theory یا متصوفانہ نظریہ(Idealistic Theory) یا عینیت پسند نظریہ۔

اس نظریے کا ذکر قدیم یونانی سیاسی فلسفیوں مثلاً افلاطون اور ارسطو کی کتابوں میں ملتا ہے لیکن اس کو بہت زیادہ فروغ جرمن فلسفیوں نے دیا۔اس میں ہیگل کا نام سر فہرست ہے۔ٹی۔ایچ۔گرین نے اسے برطانیہ میں مقبول عام بنانے کی کوشش کی۔

ہیگل مملکت کو بہ ذات مقصد (End) یا منزل قرار دیتا ہے۔اس کے خیال میں یہ کسی مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کا اصل مقصد اپنی طاقت اور اقتدار کو بڑھانا ہے، یہی جملہ حقوق کی مالک ہے۔افراد کو کسی قسم کے حقوق

ازخود حاصل نہیں اور نہ انہیں اس کا حق حاصل ہے کہ وہ مملکت پر کسی بھی قسم کی نکتہ چینی کر سکیں یا اس کے خلاف بغاوت کر سکیں۔مملکت عقل اور دانش مندی کا مجموعہ اور مجسمہ ہوتی ہے۔یہی ایک ایسا سماجی نظام ہے کہ جس میں فرد کی انفرادیت زندہ رہ سکتی ہے۔مملکت سے الگ رہ کر فرد کی کوئی اخلاقی حیثیت نہیں رہتی۔مملکت فر د کے لیے نہیں بلکہ فرد مملکت کے لیے ہے۔ ہیگل کے نزدیک مملکت دنیا میں قادر مطلق کا روپ ہے۔اس کی مرضی فرد کی حقیقی مرضی کے مترادف ہے۔اس وجہ سے فرد کو مملکت کے سارے احکام کی اطاعت کرنی چاہیے۔

مملکت کی اپنی شخصیت ہوتی ہے جو افراد کی انفرادی شخصیتوں سے بالکل مختلف اور برتر ہوتی ہے۔اس کی اپنی مرضی اور اپنا ارادہ ہوتا ہے جو انفرادی ارادوں اور مرضی سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔فرد کی حقیقی آزادی اور خواہشوں کی ترجمان مملکت ہوتی ہے اور وہ جو کچھ کرتی ہے بالکل صحیح کرتی ہے اور اس سے کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی۔فرد کو حقیقی آزادی مملکت کے اندر ہی نصیب ہو سکتی ہے۔اس کا ہر قانون انفرادی آزادی میں اضافہ کرتا ہے۔اگر فرد آزادی چاہتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ مملکت کے ہر قانون کااطاعت کرے اس لیے کہ وہ فرد کی حقیقی آزادی اور خواہشوں کی عکاسی کرتا ہے لہذا فرد صرف اسی حالت میں آزاد ہ سکتے ہیں کہ جب وہ مملکت کے قوانین کی مکمل اطاعت کریں۔مملکت اور سماج میں کوئی فرق نہیں۔دونوں ہم معنی ہیں۔مملکت ہی انسان کی تمام سماجی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے اور وہ فرد کی زندگی کے ہر پہلو میں دخل دے سکتی ہے۔مملکت اخلاق کی بھی محافظ ہے۔اخلاقی اصول انسانی ضمیر کے ذریعے طے نہیں ہوتے بلکہ مملکت ہی یہ طے کرتی ہے کہ کون سی بات اخلاقی ہے اور کون سی غیر اخلاقی۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مملکت خود بھی اخلاقی اصولوں کی پابند ہو۔نہ تو وہ اخلاقی اصولوں کی پابند ہے اور نہ بین الاقوامی قانون کی۔اس سے بڑا کوئی دوسرا بااختیار ادارہ نہیں جو اسے کسی چیز کا پابند کر سکے۔اس نظریئے کے ماننے والے مملکت کی ہمہ جہتی اور ہمہ گیری پر زور دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مملکت ہی فرد کے حقوق کی حفاظت کر سکتی ہے اور وہی وہ حالات پیدا کر سکتی ہے جو کسی فرد کی شخصیت کے نشوونما کے لیے ضروری ہوں۔

عینیت پسندی کی مخالفت میں دلیلیں: یہ ایسا قیاسی نظریہ ہے کہ جس کا انسان کی حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔یہ محض استدلالی جلسہ ہے جو ٹھوس حقیقوں اور دکھ سکھ سے بالکل الگ رہتا ہے۔یہ بڑا ہی محدود اور بے لچک نظریہ ہے۔

لبرل تھیوری (The Liberal Theory): مملکت کی ابتدائی اور نوعیت کی لبرل تھیوری فرد کے حقوق اور آزادی پر مبنی ہے۔اس کا فرد کا تصور 'مالک فرد تھا۔اور یہ جموری حکومت کے قیام کے لیے سیاسی تحریک تھی۔یہ نظریہ انسان کے آزاد خیال پر مبنی ہے۔جو انسان کو مناسب اہمیت دیتا ہے۔اور یہ انسان کو اس دنیا میں اپنی مرضی سے آزاد طریقہ سے جینے کا حق دیتا ہے۔یہ نظریہ مملکت کو ایک ضرورت کے طور پر دیکھتا ہے اور اس کا ماننا ہے کہ مملکت معاشرے میں امن وامان انصاف قائم کر سکتا ہے۔اس کا یہ بھی ماننا ہے کہ مملکت خدمت کے لیے موجود ہے۔جس سے مجموعی طور پر معاشرے کا اموی

مفاد فلاح و بہبود اور انسان کی جان مال کو محفوظ بنائے گی۔

انسان کی معاشرہ نشو نما کے لیے لبرل ازم (Liberalism) مملکت اور سماج کے مابین فرق کرتا ہے۔اس کا ماننا ہے کہ معاشرہ مملکت کے اوپر اور بڑا ہے۔مملکت کے فرائض کے بارے میں لبرل ازم کے خیالات وقتاً فوقتاً بدلتے رہے ہیں۔17ویں اور 18ویں صدی میں سرمایہ دار طبقے کے تقاضے لبرل ازم کی حمایت کرتے تھے۔19ویں اور 20ویں صدی کے دوران تقاضے اور طبقے میں تبدیلی آئی۔اس طرح معاشرے میں مملکت کے مختلف کردار کی ضرورت ہوئی۔18ویں ، 19 ویں صدی اوائل میں کلاسیکل لبرل ازم (Classical Liberalism) مملکت کو کم از کم افعال والی منفی حالت کی حمایت کی۔ 20ویں صدی کے نصف میں جدید لبرل ازم نے ایک ایسی مملکت کی حمایت کی جو فلاح وبہبود کے ساتھ مثبت کی۔

کلاسیکل لبرل ازم (Classical Liberalism)کو 'لیسز فیر' (Laissez Faire) یا 'پولس اسٹیٹ' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔یہ انفرادیت کا نظریہ مملکت کو ایک ضروری برائی کے طور پر دیکھتا ہے۔ضروری اس لیے ہے کہ انسان فطری طور پر خود غرض طبیعت کا ہے۔برائی اس لیے کہ یہ فرد کا دشمن ہے۔مملکت اور انفرادی آزادی کو ایک دوسرے کے مخالف کے طور پر دیکھتا ہے۔کلاسیکل لبرل ازم (Classical Liberalism) فرد کو زیادہ سے زیادہ آزادی دینا چاہتا ہے۔

یہ فرد کی سرگرمیوں کا دائرہ میں اضافہ کرکے ریاست کے دائرے کو کم کرتا ہے۔اس کا ماننا ہے کہ مملکت فرد کو جسمانی تحفظ فراہم کرنا ہے تاکہ وہ اپنی ترقی مملکت کے مداخلت کے بغیر کر سکے۔اس کا مطالبہ مملکتی فنکشن کو کم از کم کرنا اور انفرادی آزادی کو زیادہ سے زیادہ کرناہے۔ایڈم اسمتھ(Adam Smith) نے معاشی بنیادوں پر اس کی تائید کی۔بینتھم (Bentham)نے اس کی اخلاقی اور سیاسی بنیاد پر تائید کی۔جدید لبرل ازم جس نے فلاحی مملکت کا نظریہ دیا۔مملکت کو ایک ضروری برائی کے طورپر اور معاشرتی بہبود کے لیے ضروری بتایا۔مل (Mill) فری مین، ہابس ہائوس ،لینڈ سے، کینز ، ٹوانی، کول، بارکر، لاسکی اورمیکائیور (Maciver)نے مملکت کے مثبت کام کی حمایت کی۔ لبرل ازم 20ویں صدی کے آخر میں نو لبرل ازم کی شکل میں ایک نئی شکل اختیار کرلی۔اس کو طبقاتی سیاسی معشیت کے نظریات کی طرف جانے کا خیال کیا جا سکتا ہے۔نو لبرل ازم کا مقصد یہ ہے کہ مملکت کے محاذوں کو واپس لانا Market Capitalism کی کارکردگی بڑے پیمانے پر خوش حالی فراہم کرے گا۔

مارکسی تھیوری (The Marxist Theory): مارکسی نظریہ لبرل ازم کی تنقید اور اس کے متبادل کے طور پر ابھر کر سامنے آیا۔اگر لبرل ازم معاشرتی اور سیاسی فلسفہ تھا تو مارکسزم خود سرمایا دارانہ معاشی نظام کی پیداوار تھا۔لبرل نقطہ نظر کے مطابق مملکت معاشرتی معاہدہ، رضامندی اور اتفاق رائے کی پیداوار ہے۔اس کے ذریعے امن و آمان برقرار رکھنا، اور انصاف اور فلاحی خدمات کی فراہمی پوری برادری کے اموی مفاد کو پورا کرنا ہے۔مارکسی نظریہ کے مطابق مملکت طبقاتی تقسیم اور تبقاتی جدو جہد کی پیداوار ہے اور یہ صرف ایک خاص طبقے کی مفاد کو پورا کرتا ہے۔چونکہ تمام کلاس کا ایک ہی مفاد نہیں ہو سکتا۔

مارکسی کسی نظریہ مملکت کو مسترد کرتا ہے۔

طبقاتی موجودگی اور ایک انقلاب کے قیام سے پتا چلتا ہے کہ طبقاتی معاشرہ مملکت کا ادارہ ختم ہو جائے گا۔جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ معاشرتی علوم میں "اتفاق رائے ماڈل" اور "تنازعہ ماڈل" کے حوالے سے ایک طویل عرصے سے بحث جاری ہے۔اتفاق رائے ماڈل جس پر لبرل ازم مبنی ہے۔مملکت سمیت معاشرہ اور معاشرتی اداروں کے اساس کو بر قرار رکھتا ہے۔ تنازعہ ماڈل کا نظریہ تنازعات اور جدو جہد کو اہمیت دیتا ہے۔ اور یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ مملکت اور بہت دوسرے ادارہ تنازعات کا نتیجہ ہیں۔

مارکس نے اپنی شروعاتی تخلیق میں یہ واضع کر دیا کہ مملکت ایک طبقاتی ادارہ ہے۔جس میں ایک طبقہ دوسرے طبقے کا سماجی طور پر استحصال کرتا ہے۔مملکت میں سماجی طور پر اقلیت، سیاسی طور پر محنت کش پر غالب رہتی ہے۔ Karl Marxمملکت کو اجنبی اور Paractical Social Force کے طور پر دیکھتا ہے۔اس نے Hegel کے نظریہ جس میں وہ مملکت کو زمین پر خدا کے مارچ کے طور پر بیان کرتا ہے ، کو نکار دیا۔اس نے مملکت کو کبھی سماج میں تنازعہ ختم کرنے والے میل جول لانے والے کسی اخلاقی تنظیم کے طور پر نہیں دیکھتا۔

مارکس کا ماننا تھا کہ مملکت نہ تو کبھی سماج کے برابر تھی نہ ہی اس سے اوپر بلکہ یہ تاریخی ترقی کی پیداوار ہے۔ مارکس حدلیاتی مادیت "Dialectical Materialism" میں یقین رکھتا ہے۔کارل مارکس کا ماننا ہے سبھی چیزیں جو ہم دیکھتے ہیں، جس کو ہم اپنے دماغ اور سوچ سے محسوس کرتے ہیں۔وہ Concrete, Material اور Objective ہوتی ہے۔کارل مارکس کے مطابق سبھی مظاہر Phenomenon کی خاصیت ان کی اندرونی تنازعہ جس سے ان کا آپس میں ٹکراوہوتا ہے، مارکس ان سبھی عمل کو Dialetical Materialism کا نام دیتا ہے۔طبقاتی مملکت کے خاتمے کے لیے مارکس نے انقلاب کا نظریہ دیا۔Marxian Philosophy کے دو خاص پہلو ہیں۔دنیا کو سمجھانا اور اس کو بدلنا Marx مارکس استحصالی سرمایہ داری نظام میں اصلاح کی بات نہیں کرتا۔بلکہ اس کو پر تشدد انقلاب کے ذریعے اسے جڑ سے ختم کر دینا چاہتا ہے۔Marx مملکت کی تسبیح نہیں کرتا ہے بلکہ یہ مملکت کے خاتمے اور بے مملکت (Stateless Society)اور کلاسلیس سماج (Classless Society) قائم کرنا چاہتا ہے۔

9.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم نے:

- مملکت کی تعریف، مملکت کے ضروری عناصر کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔
- حکومت اور مملکت کے درمیان فرق کو سمجھا۔

- مملکت، حکومت، سماج اور قوم کے بارے میں جانا۔
- مملکت کے مختلف نظریات کی تفصیل سے وضاحت کو سمجھا۔

9.8 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **گروہ باش** : وہ جو گروہ میں رہنا پسند کرتا ہے۔
- **دوش بدوش** : ساتھ ساتھ
- **بالا دستی** : بلند مقام
- **فوقیت** : ترجیح

9.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

9.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ....کو بابائے سیاسیات کسے کہا جاتا ہے؟

2۔ "مملکت اس تنظیم کو کہتے ہیں جس میں یہ احساس موجود ہو کہ سبھی انسانوں کے اس تنظیم کا استعمال آپس میں مل کر کرنا چاہیے؟ "یہ مشہور فلسفی.....................................کا قول ہے۔

3۔ افلاتون کے مطابق ایک مملکت کی آبادی ....ہونا چاہیے۔

4۔ ....مملکت کا جز کون نہیں ہے؟

5۔ .... نظریہ کے مطابق مملکت جسمِ انسانی کی طرح زندگی سے بھرپور ہے۔

مملکت اور حکومت کے درمیان سب سے بڑا فرق کیا ہے؟

(a) دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (b) حکومت مملکت کا ایک حصہ ہے۔

(c) حکومت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوتی ہے۔ (d) مملکت حکومت سے طاقتور ہے۔

7. کس نظریہ کے مطابق مملکت ایک مثالی اور مکمل ادار ہ ہے؟

(a) OrganicTheory (b) Idealistic Theory (c) Marxist Theory (d) Liberal Theory

8. کس نظریہ کے مطابق مملکت کی ابتدا فرد کے حقوق اور آزادی پر مبنی ہے؟

(a) OrgnicTheory (b) Marxist Theory

(c) Idealistic Theory (d) Liberal Theory

9.کس نظریہ کے مطابق مملکت طبقاتی ادارہ ہے؟

Liberal Theory (a)　　Marxist Theory (b)

Idealistic Theory (c)　　organ Theory(d)

10.درج ذیل میں کون Liberal Theory کو سپورٹ نہیں کرتا ہے؟

Karl Marx(a)　　Bentham (b)　　MacIver (c)　　None of these (d)

9.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ مملکت کی تعریف بیان کیجیے۔

2۔ مملکت اور حکومت کے درمیان فرق واضع کیجیے۔

3۔ مملکت اور سماج کے درمیان فرق واضع کیجیے۔

4۔ مملکت اور قوم کے درمیان فرق بتائیے۔

5۔ مملکت کے ضروری عناصر بتائیے۔

9.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات(Long Answer Type Questions)

1۔ لبرلزم کے مطابق مملکت کی نوعیت کیا ہے؟

2۔ مملکت کے بارے میں مارکس کے خیالات کیا ہیں؟

3۔ مملکت کا عینیت پسند نظریہ کیا ہے؟

9.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Almond, G. A. & Bingham, G. Powell Jr. (1966), Comparative Politics : System, Process, and Policy, Boston: Little, Brown

2. Barrow, C. W. (1993), Critical Theories of the State: Marxist, Neo -Marxist, Post Marxist, Madison: University of Winsconsin Press.

اکائی 10۔ مملکت کے عناصر

(Elements of State)

اکائی کے اجزا

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 مملکت کا مختصر پس منظر

10.3 مملکت کی تعریفیں

10.4 مملکت کے عناصر

10.4.1 آبادی

10.4.2 علاقہ

10.4.3 حکومت

10.4.4 اقتدار اعلا

10.5 اکتسابی نتائج

10.6 کلیدی الفاظ

10.7 نمونہ امتحانی سوالات

10.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

10.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

10.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

10.8 مزید مطالعے کے تجویز کردہ کتابیں

10.0 تمہید (Introduction)

جدید مملکت کی ساخت کو سمجھنے کے لیے اُس کے اہم اور لازمی عناصر کی نشاندہی کرنا نہایت ہی ضروری ہے۔ تا کہ ایک شہری

ہونے کے ناطے ہم جان سکیں کہ وہ کون سی صِفات ہیں جو مملکت کو معاشرے میں پائے جانے والی دیگر انجمنوں سے مخصوص و ممتاز کرتے ہیں۔ چوں کہ تصوراتی مملکت اکثر الجھن کا شکار ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیں اصطلاح کی تعریف دے کر شروع کرنی چاہیے اور پھر وہاں سے آگے بڑھنا چاہیے۔ ذیل میں متعدد تعریفیں زیرے بحث ہیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی عمومی جواز یا قبولیت کا داعوی نہیں کر سکتی ہے۔ اب تک ماہِرین سیاسات نے متعدد تعریفیں دیں ہیں جو اس بات پر زور دیتی ہے کہ مملکت کی شناخت، ساخت اور عناصر کیا ہونا چاہیے۔ اپنے محدود دائرہ میں رہتے ہوئے ہم اس موضوع پر زیادہ تفصیل میں نہیں جاسکتے ہیں لیکن بہتر ہو گا کہ آپ ان تعریفوں پر تنقیدی نگاہ سے غور کریں اور ان کا ایک دوسرے سے موازنہ کریں۔ یہاں دی گئی تعریفوں کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ اس باب میں زیر بحث پہلوؤں پر زور دیتی ہیں۔ مملکت ایک علاقائی معاشرہ ہے، جو ایک مشترکہ گورننگ باڈی کے تحت منظم زمین کے ایک خاص علاقہ میں رہنے والے لوگ پر ایک خاص حد درجہ اختیار رکھتا ہے۔

10.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مقصد مملکت کو نمایاں کرنے اور ان کو معاشرے میں پائے جانی والے انجمن، گرجاگھروں، اسکولوں، لیبر یونین، سماجی قلبوں وغیرہ جیسے سماجی گروہوں سے ممتاز کرنے والے ضروری عناصر کی خاکہ، تجزیہ اور نشاندہی کرنا ہے۔

10.2 مملکت کا مختصر پس منظر(Brief Background of the State)

مملکت شہری اور پیچیدہ معاشروں میں پانچ ہزار سے زائد سال پہلے مصر، چین، بھارت اور میسوپوٹامیا میں کسی نہ کسی صورت میں موجود رہی ہے۔ تب سے لے کر آج تک انسانیت کے زیادہ 'مہذب 'ارکان مملکت کے بغیر کبھی نہیں رہے۔ مملکتیں تجارت، سفارت کاری، قانون، اخلاقیات اور لامحالہ جنگ کے ساتھ اپنے تعلقات کو تشکیل دینے والے 'بین الاقوامی معاشرے 'میں بھی ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔

جدید مملکت سولہویں صدی کے اوائل میں یورپی عیسائیت کے انتشار سے پیدا ہوئی۔ اس اصلاح نے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ طاقتوں کے مابین ایک صدی کی مذہبی جنگوں کو جنم دیا۔ صدی کے آخر تک مغربی یورپ میں جدید مملکت قائم ہوگئی ایک ایسی مرکزی طاقت جس پر ایک علاقے پر خصوصی طور پر قانون سازی اور قانون نافذ کرنے والے اختیارات کے حامل ہوں۔ تاہم، روایتی طور پر، جدید مملکت اور مملکتی نظام معاہدہ ویسٹ فیلیا سے شروع ہوا، جس نے تیس سالہ جنگ (1618-48)اور عیسائت کے دو فریقین کے مابین مذہب کی جنگوں کا خاتمہ کیا۔ ویسٹ فیلیا نے جدید مملکت کا بنیادی اصول قائم کیا۔

تقریبا 1500 عیسوی کے بعد، امریکہ، ایشیا اور افریقہ میں یورپی توسیع نے مملکت کا تصور پھیلایا۔ یوروپی سامراج، جو خود 'بین مملکتی' مسابقت کی ایک پیداوار ہے، جس نے غیر یورپی باشندوں کو ترغیب دی کہ اپنے تابع / غلام ہونے کے جواز کا مطالعہ کرے۔ اسی شعور سے نوآبادیاتی مخالف قوم پرستوں نے آزادی کی جدوجہد میں اپنے نوآبادیاتی آقاؤں کے خلاف 'حقوق انسانی '، 'آزادی '، 'مساوات 'اور خاص

طور پر 'قومی حق خود ارادیت 'استعمال کرتے ہوئے یورپی خیالات کو اپنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی کے بعد ان علاقوں میں نئی مملکت نے مغربی طرز کی مملکتوں کی شکل اختیار کرلی۔ بین الاقوامی معاشرے میں مملکتوں کی تعداد میں ڈرامائی اضافہ ہوا۔ 1914 میں صرف چھبیس مملکتیں ہی وجود میں آئیں، اس میں سے کچھ نے اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے اوائل میں برطانوی اور ہسپانوی سلطنتوں سے اپنی آزادی حاصل کی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد بقیہ یورپی سلطنتیں منہدم ہوگئیں اور 1980 میں 160 مملکتیں وجود میں آئیں۔ مشرقی یورپ میں کمیونسٹ تسلط کے خاتمے اور سوویت یونین کے انتشار کے بعد دس سال بعد یہ تعداد 192 ہوگئی۔

اگرچہ اکثر نقاد کے ذریعے مزید نئی مملکتوں کی تشکیل کی تصور پر طنز کیا جاتا رہا ہے، لیکن مملکت میں زیادہ تر لوگوں کی سیاسی امنگوں کے لیے گہری گونج ہے۔ اکیسویں صدی میں بہت سے بے محل قوم اور قومیں اپنے قومی تشخص کے اظہار کے طور پر مملکت کے خواہشمند ہیں۔ لہذا، مملکتوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہونے کا قوی امکان ہے۔

10.3 مملکت کی تعریفیں (Definitions of State)

بہت سارے ماہرین سیاسیات نے مملکت کی وضاحت مختلف طریقوں سے کی ہے۔ آج بھی جدید دور کے اسکالر مملکت کے جدید افعال کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مملکت کی تعریف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چوتھی صدی قبل مسیح میں ارسطو، جسے 'علم سیاسیات کا بانی' سمجھا جاتا ہے، نے مملکت کو ایک ایسے کامل اور خود کفیل زندگی گزارنے والے خاندانوں اور گاؤں کے اتحاد کی حیثیت سے تعبیر کیا تھا، جس سے ہمارا مطلب خوشگوار اور معزز زندگی ہے۔

کچھ مفکرین کے نزدیک یہ تعریف اتنی جامع ہے کہ اس پر شاید ہی کوئی بہتری لائی جاسکے۔ گرچہ ارسطو کی تعریف مملکت کے بنیادی مقاصد، ساخت اور عنصر کو شناخت کرتی ہے تاہم ہمیں مملکت کی کچھ اور تعریفوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

1۔ ہالینڈ:۔" مملکت ایک سیاسی طور پر منظم افراد کے مقرر یا قطعی علاقے ہیں۔"

2۔ پروفیسر ووڈرو ولسن:۔" مملکت ایک مخصوص علاقے میں قانون کے لیے منظم لوگوں کی حیثیت رکھتی ہے"

3۔ ڈاکٹر جے ڈبلیو گارنر:۔" علم سیاسیات کے تصور کے طور پر، مملکت کم و بیش متعدد افراد کی ایک جماعت ہے، جو آزادانہ یا قریب قریب آزادانہ طور پر بنا کسی بیرونی اختیار کے، ایک خاص علاقے میں مستقل طور پر قابض رہتی ہے اور ایک منظم حکومت کی مالک ہے جس کے پاس عظیم ادارہ ہے اور باشندوں کی عادتاً اطاعت ہے۔"

4۔ پروفیسر ہیرولڈ لاسکی:۔" مملکت ایک علاقائی معاشرہ ہے جو حکومت میں منقسم ہے اور ایسے موضوعات جو اس کے مختص طبعی علاقے میں ہے اور جو دوسرے تمام اداروں پر بالادستی کی دعویٰ کرتی ہے۔"

اگر ہم ان دو تعریفوں کا تجزیہ کریں تو ہم ان چار عناصر کی شناخت کرسکتے ہیں جو مملکت بنانے کے لیے ضروری ہیں۔ یہ ہیں (i) آبادی (ii) علاقہ (iii) حکومت (iv) اقتدار اعلا۔

آج ہم عالمگیریت اور بین الاقوامی سیاست کے دور میں جی رہے ہیں۔ لہذا ہمیں یہاں فلیمور کے ذریعے دی گئی تعریف پر غور کرنا چاہیے ۔ فلیمور جو بین الاقوامی قانون کے تناظر کو مدنظر رکھتا ہے، ان کے بقول، مملکت ایک مستقل علاقے پر مستقل طور پر قبضہ کرنے والے افراد ہیں، جو ایک مشترکہ حکومت، خود مختاری اور لوگوں اور اس کی حدود میں موجود چیزوں پر قابو پانے کے ذریعے مشترکہ قوانین، عادات اور رسم و رواج کے پابند ہیں۔ جنگ اور امن قائم کرنے اور دنیا کے ممالک کے ساتھ تمام بین الاقوامی تعلقات قائم کرنے کو آزاد ہیں۔

10.4 مملکت کے عناصر (Elements of State)

مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مملکت ایک ایسی تنظیم ہے جس کی شناخت۔ علاقائی حدود، ان حدود میں شمولیت۔ اپنے افسران میں اختیارات کے استعمال کرنے کی طاقت اور پالیسی کے آلہ کار کے طور پر طاقت کا خوف، اور حتمی قانونی اختیارات پر اس کے افسران کا قبضہ، کے طور پر کی جاسکتی ہے۔

اس طرح مملکت ایک ایسی انجمن ہے جو قانون کے ذریعے عمل کرتی ہے اور جس کی انجام دہی کے لیے ایک طاقتور حکومت کی وضاحت کی گئی ہے اور جس نے ایک معاشرے میں سماجی نظم وضبط کی آفاقی بیرونی شرائط کی نشانی قائم کی ہے۔

ان تعریفوں کے ساتھ شروع کرتے ہوئے ہم جدید مملکت کی حالت، نوعیت اور جوہر کی چھان بین کے لیے تیار ہیں۔ ہماری تعریفوں میں مندرجہ ذیل کم یا زیادہ قابل فہم عناصر ہیں: آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلا

10.4.1 آبادی (Population)

مملکت کے معنی اور نوعیت پر مباحثے کے دوران دو نتائج اخذ کیے گئے ہیں:

1 ۔ مملکت ایک انسانی ادارہ ہے جو انسان کی شکر گزار فطرت اور انسانی زندگی کی ضروریات کا نتیجہ ہے؛ اور

2 ۔ انسان کے کسی بھی منظم گروہوں کے مطالعے کا نکتہ آغاز اس کی آبادی اور زمین سے شروع ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مملکت بناتے ہیں، جس کے بغیر کوئی نہیں رہ سکتا ہے۔ لیکن کیا مملکت بنانے اور اسے برقرار رکھنے کے لیے آبادی کی ایک خاص مقدار ہونی چاہیے؟

ایک ہی کنبے کے ممبران مملکت نہیں بناتے ہیں، اس میں خاندانوں کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔ تاہم، مملکت کی تشکیل کرنے والے لوگوں کی تعداد پر کوئی حد نہیں رکھی جاسکتی ہے۔ آبادی میں اگرچہ فرق بھی ہو مگر دوسری چیزیں (لازمی عناصر) اگر باقی رہتی ہیں تو مملکت کی نوعیت پہ کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ وقتاً فوقتاً اس کی تعداد کے بارے میں متفرق آرا سامنے آتے رہے ہیں مگر افلاطون اور ارسطو نے مملکت کی آبادی پر قطعی حدود قائم کیے ہیں کیونکہ ان کا آئیڈیل، یونانی شہری مملکت، ایتھنز اور سپارٹا تھا۔ افلاطون نے یہ تعداد 5040 شہری طے کی۔ ارسطو کا خیال تھا کہ نہ تو دس اور نہ ہی ایک سو ہزار ایک اچھی مملکت بنا سکتے ہیں۔ لیکن یہ دونوں تعداد حد سے زیادہ انتہائی تھی۔ اس لیے انہوں نے عام اصول یہ بتائے کہ تعداد نہ تو بہت زیادہ ہو اور نہ ہی بہت چھوٹی۔ یہ اس قدر ہونی چاہیے کہ خود کفیل ہو اور اتنی کم ہونی

چاہیے کہ اچھی طرح سے حکمرانی کرلے۔روسو، جو براہ راست جمہوریت کے علم بردار رہے ہیں، نے دس ہزار کی آبادی کسی مملکت کے لیے ایک مثالی تعداد طے کیا ہے۔

لیکن جدید رجحان کثیر آبادی والے مملکتوں کے حق میں ہے۔یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مملکت کی افرادی قوت میں اضافہ ہونا لازمی ہے کیونکہ آبادی جنگ اور طاقت کا علمبردار ہے۔اِسی مدّ نظر ہٹلر اور مسولینی کی حکومتوں نے زیادہ بچوں کی پیدائش کرنے والے جوڑے کو انعام اور دوسرے فوائد دیے اور وہیں بالغ غیر شادی شدہ افراد پر ٹیکس عائد کیا۔قبل ازیں سوویت یونین نے بھی آبادی بڑھانے کا دوسرے کئی انتظام کیے۔1936 کے آئین میں مملکتی امداد کی ضمانت دی گئی اور بڑے خاندانوں اور غیر شاد ی شدہ ماؤں کو اعزاز سے نوازا گیا۔وہیں ہندوستان میں، آبادی اور پیداوار کے دستیاب وسائل کے مابین وسیع پیمانے پر عدم تناسب کی وجہ سے بڑھتی ہوئی آبادی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ چین میں ایک بچے کے کنبے کے معمولات کی پابندی کے لیے ترغیبات وانعامات اور ایک سے زائد پر ناپسندیدگی وسزا کا نظام بھی موجود ہے۔

اس طرح ہم کہ سکتے ہیں کہ آبادی کا حجم یا تعداد مملکت کا کوئی قانونی یا اخلاقی معیار نہیں ہے۔موناکو اور چین مملکت کی حیثیت کے حامل ایک ہی طرح کے ادارے ہیں، حالاں کہ دونوں مملکتوں کی آبادی میں فرق نمایاں طور پر عیاں ہے۔ اسی طرح، آبادی میں اضافہ یا کمی سے اس کے درجہ مملکت کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں رکھتا ہے۔

اگرچہ نظریاتی یا عملی کسی بھی طرح سے مملکت کی آبادی پر کوئی حد نہیں رکھی جاسکتی ہے، اس کے باوجود آبادی کو مملکتی تنظیم کو برقرار رکھنے کے لیے کافی ہونا چاہیے، اور اس سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے جس سے مملکت کے علاقائی وسائل اس کی مدد کرسکتے ہیں۔ لیکن ان تمام مقداری عوامل کے پیچھے کسی مملکت کی آبادی کے مسئلے کا جائزہ لینے میں کئی معیاری عنصر پائے جاتے ہیں۔ آبادی کا حساب ریاضی کے لحاظ سے نہیں لیا جاسکتا ہے کہ وہ کس طرح کے لوگ ہوں اور اُن کی تعداد اُن سے کم نہیں ہیں۔ ارسطو نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ ایک اچھا شہری اچھی مملکت اور بُرا شہری بُری مملکت کو بناتا ہے۔ ایک اچھا شہری لازمی طور پر ذہین، نظم وضبط کا پابند، اور صحت مند ہونا چاہیے کیونکہ صحت مند شہری مملکت کی صحت ہیں۔ بیماری کی وجہ سے ذہانت، کام کی صلاحیت، اور توانائی میں کمی آتی ہے، اس کی وجہ سے ناقص پیداوار، سستی اور کاہلی ہوتی ہے۔ اسی طرح، اچھے شہری مذہبی یا سیاسی اختلافات سے مملکت کا اتحاد اور سلامتی کو ختم نہیں ہونے دیں گے

10.4.2 علاقہ (Territory)

کچھ مصنف مملکت کے عنصر کی حیثیت سے علاقے کو نظر انداز کرتے ہیں۔لیون ڈوگٹ کا کہنا ہے کہ، " مملکت کا لفظ حکمرانوں کو متعین کرتا ہے ورنہ معاشرے میں خود ہی حکمرانوں اور حکمرانوں کے درمیان فرق موجود ہے اور اسی وجہ سے، عوامی طاقت موجود ہے"۔ڈوگٹ حکمرانوں اور حکمرانوں کے مابین تفریق میں بنیادی طور پر دلچسپی رکھتے ہیں۔ جو تقریباً تمام انسانی معاشروں میں ہوتا ہے، بڑے یا چھوٹے، قدیم یا مہذب اور پھر اس نے سختی سے کہا ہے کہ مملکت کے قیام میں علاقہ ایک ناگزیر عنصر نہیں ہے۔ سر جان سیلی، بھی علاقے کو مملکت کا لازمی وصف نہیں سمجھتے ہیں۔ ان کے مطابق " اگر معاشرے کو ایک ساتھ رکھنا ہے

تو، وہ حکومت کے اصول کے ذریعے برقرار رہتا ہے، جس سے ایک مملکت تشکیل دی جاتی ہے اور علم سیاسیات کو صرف نام نہاد مہذب معاشرے ہی کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ ہم یہ کیوں نہیں کہیں کہ مملکتیں عربستان کے صحراؤں اور دیگر خطوں میں بھی پائی جاتی ہیں جہاں کی مٹی قابل کاشت بھی نہیں ہے اور بستی بسانے وزراعت کے لیے بے شمار مشکلات بھی موجود ہیں۔ ڈبلیو ڈبلیو ولوبی کہتے ہیں" مملکت خود نہ توعوام، حکومت، مجسٹریٹ ہے اور نہ ہی آئین اور نہ ہی یہ وہی علاقہ ہے جس پر اس کا اختیار بڑھتا ہے۔ یہ مخصوص افراد کی مخصوص جماعت ہے، جسے ایک خاص پہلو میں دیکھا جاتا ہے،یعنی ایک سیاسی اتحاد کے طور پر۔
"

لیکن اب ایسے نظریات کا سامنا شاید ہی کبھی ہوتا ہے۔ انہیں نظریاتی بنیادوں پر نہیں، بلکہ کچھ عملی نظریات کی بنا پر مسترد کر دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ڈوگوٹ نے بھی اعتراف کیا ہے کہ عملی طور پر ایک مقررہ علاقے کے بغیر کوئی مملکت نہیں ہو سکتی ہے۔ جس طرح ہر فرد کا تعلق مملکت سے ہے اسی طرح زمین کا ہر مربع گز کا تعلق کسی نہ کسی مملکت سے ہے۔ ہر مملکت، بڑا یا چھوٹا، کسی علاقے کے بغیر مکمل نہیں، اسی طرح ایسا کوئی علاقہ نہیں، چاہے بڑا یا چھوٹا، جو کسی مملکت کا حصہ نہیں ہے اور جہاں تک ہم ذاتی طور پر تعلق رکھتے ہیں تو، یہ ہمارا تعلق کسی خاص علاقے سے ہے جو عام طور پر مملکت کی رکنیت پیدا کرتا ہے۔ میں ہندوستان کا شہری ہوں، کیونکہ میں یہاں پیدا ہوا تھا، یا اس وجہ سے کہ میرے والد یہاں پیدا ہوئے تھے۔ میرے ساتھی شہری بھی اسی علاقے کے باشندے ہیں جس سے ہمارے بیشتر مشترکہ مفادات پیدا ہوتے ہیں۔ مشترکہ سرزمین پر اکٹھے رہنا لوگوں کو مفادات کے تسلسل کے لیے متحد کرتا ہے اور اس سے ہم آہنگی کا ایک مضبوط ترغیب ملتی ہے جو خطے سے محبت اور حب الوطنی کی روح کو جنم دیتی ہے، جسے ہر دور اور مراحل میں انسان کی ایک مخصوص اعلا فضیلت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کچھ لوگ اپنے ملک کو" آبائی وطن "کا نام دیتے ہیں جب کہ دوسرے لوگ اسے "مادر وطن "کہتے ہیں اور وہ سب اس کی علاقائی سالمیت کو محفوظ رکھنے کے لیے پابند عہد ہوتے ہیں۔ آج سب سے قابل دید جذبات اور حب الوطنی کا مقصد ہے مملکت کی علاقائی سالمیت اور وحدت کی حفاظت جس کے مستقل وجود کے لیے ہر شہری ہمیشہ کوشاں رہتا ہے۔

بین الاقوامی قانون سے متعلق تمام حکام اب اس بات پر متفق ہیں کہ ایک مقررہ علاقہ لازمی طور پر مملکت کے لازمی عناصر کی شرائط کو پوری کرے۔ صرف عوام اور حکومت ہی کافی نہیں ہیں۔ ایک طے شدہ علاقے پر قبضہ بھی ضروری ہے، بصورت دیگر اگر کوئی مملکت دوسرے کی سالمیت کو فتح اس کی پامالی کرنے کی کوشش کرتی ہے تو ایسے حالات میں اس مملکت کی آسانی سے شناخت نہیں کی جاسکتی ہے اور اس کی ذمے داری بھی طے نہیں کی جاسکتی ہے۔

نیز مملکت کے علاقے میں زمین، پانی اور فضائی حدود بھی شامل ہیں جن کے علاقے طے شدہ ہوتے ہیں۔ یہ مملکت کی جغرافیائی حدود، اس کے دریاؤں اور موجود قدرتی وسائل اور اس کی فضائی حدود کو زعم کرتا ہے۔ عام طور پر، کسی مملکت کی علاقائی حدود ساحل سمندر سے تین میل کے فاصلے تک پھیلی ہوئی ہوتی ہے، اگرچہ عملی طور پر سمندری دائرہ اختیار میں مملکتوں کی طرف سے مزید توسیع کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ حالیہ دنوں کے دوران، ہوابازی، ریڈیو مواصلات اور خلائی پروازوں میں

وسیع تر ترقّی کے نتیجے میں، مملکتوں کی فضائی حدود نے علاقائی سالمیت وخود مختاری میں ایک اہم کردار سنبھالی ہے۔

اس وقت اقوام متحدہ میں تقریباً 193 ممالک ارکان ہیں جن میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ، چین اورہندوستان جیسے وسیع ممالک کے ساتھ ساتھ موناکو، اریٹیریا اور لکسمبرگ جیسے چھوٹے ممالک بھی بطور آزاد مملکت موجودہیں۔ مملکت کی سرزمین پر آبادی ہی کی طرح کوئی حد نہیں لگائی جاسکتی ہے، حالاں کہ ایک چھوٹی اوربڑی مملکت کی سیاسی افادیت پراختلاف رائے ہے۔ افلاطون نے ریاضی کے بنائے ہوئے آدمی کے قداورعام حالت کے حجم کے مابین قریبی مماثلت کھینچی ہے۔ وہیں ارسطو بھی اعتدال پسند حجم کی مملکت کی طرف مائل تھا۔ روسو نے بھی افلاطون سے مشابہت اختیار کیااورایک اچھی حکومت والی مملکت کے حجم کی قطعی حدود طے کیے۔ انہوں نے یہ مانا کہ حقیقی مملکت متناسب طورپر ایک بڑی مملکت سے زیادہ ایک مضبوط مملکت ہونی چاہیے۔ وہیں مونٹیسکیو نے کہا کہ مملکت کے سائزاوراس کے مطابق ڈھالنے والی حکومت کے مقصدکے مابین ایک مناسب رشتہ ضروری ہے۔

یہ دعویٰ کیاجاتاہے کہ مقبول حکومت کااطلاق صرف ایک چھوٹی مملکت پر کیاجا سکتا ہے۔ ایک چھوٹی مملکت میں آبادی محدود ہوتی ہے اور لوگوں کواکٹھا ہونے اور اپنی رائے کا اظہار کرنے کا بہترین موقع ملتاہے۔ جب مملکت چھوٹا ہو تو وہ زیادہ چوکسی سے چوکی داری کرسکتی ہیں، جو جمہوریت کی اصل قیمت ہے۔ ڈی ٹوکیویل نے کہا، دنیا کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ ایک عظیم قوم نے کئی سالوں سے ایک جمہوری حکومت کی تشکیل برقرارر کھی ہو۔ جمہوریت اعتماد کے ساتھ آگے بڑھایا جاتا ہے۔ ایک بڑی جمہوریت کے وجود کو ہمیشہ ایک چھوٹی جمہوریہ کے مقابلے کہیں زیادہ خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور تمام جذبات میں جوجمہوری اداروں کے لیے سب سے زیادہ مہلک ہے وہ ہے بڑھتے ہوئے علاقے کا شوق، کیونکہ علاقےکی وسعت کےساتھ جمہوری فضائل کو برقرار رکھنا اور اسی تناسب میں اضافہ کرنا بہت مشکل ہے۔ براہ راست جمہوریت صرف ایک چھوٹی سی مملکت میں پنپ سکتی ہے اور سوئٹزرلینڈ کو زندہ مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس کی مزید دلیل ہے کہ ایک چھوٹی سی مملکت زیادہ اتحاد اور زیادہ سے زیادہ حب الوطنی کو واضح کرتی ہے۔ یہ لوگوں کا ایک مکمل طبقہ ہے جو کارپوریٹ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ ہر ایک فرد کھڑا ہوتاہے،مشترکہ طورپراپنی فلاح وبہبود کومشترکہ فلاحو بہبود کے لیے مرکوز کرتا ہے۔

دوسری طرف، بہت سارے ماہرین سیاسیات کا ماننا ہے کہ چھوٹی مملکتیں نسبتاً کم محفوظ ہوتی ہیں۔ وہ بڑی مملکتوں کا آسانی سے شکار ہو جاتی ہیں جو عام طور پر جارحانہ ہوتے ہیں اور تاریخ بہت سی برہنہ جارحیت کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ ہٹلر نے آناًفاناً میں پولینڈ اور وسط یورپی ممالک کو پامال کیا تھا۔ جاپان نے بھی مشرقِ بعید میں ایسا ہی کیا تھا۔ حالیہ عالموں اور سیاست دانوں کی رائے ہمیشہ بڑی مملکتوں کے حق میں رہی ہے۔ جرمن سیاست دان، ٹریٹشے نے " سیاست(پولیٹیک)، جو پہلی جنگ عظیم سے پہلے شائع ہوئی، میں اعلان کیا کہ " مملکت ہی طاقت ہے، " اور مملکت کا چھوٹا ہونا گناہ ہے۔ انہوں نے یہاں

تک کہا کہ ایک چھوٹی مملکت کا نظریہ بھی اُس کی کمزوری کی وجہ سے مضحکہ خیز ہے، جو اپنے آپ میں قابل مذمت ہے۔

عصرِحاظر کے سیاسی ناظرین کا ماننا ہے کہ چھوٹی مملکتوں کی افادیت کا جائزہ لیتے ہوئے معاشی وسائل کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ جدید رجحان منصوبہ بندی اور خود کفالت کی طرف ہے، اور اس کا ادراک تب ہی ہو سکتا ہے جب مملکت کا علاقہ متعدد قدرتی وسائل میں بہت حدتک بڑھ جائے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ پیداوار کا پیمانہ، پیداوار کی وضع کا تعین کرتا ہے۔ ایک وسیع اور مستحکم داخلی بازار کے علاوہ، بین الاقوامی منڈی میں فائدہ مند مقابلہ کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر پیداوار اور صنعت کی منصوبہ بندی میں ہمیشہ استدلال ہوتا ہے۔ بہرحال، کسی مملکت کے معاشی حالات اپنے عوام کا سیاسی قدطے کرتے ہیں۔

بہتر سیاسی آلات، باخبر شہری اور جدید وصائل اس دلیل کو مسترد کرتے ہیں کہ صرف چھوٹی مملکتیں جمہوریت کے لیے بہترین اور موزوں ہیں۔ نمائندہ جمہوری نظام، جوکہ بارہویں اور تیرہویں صدی میں یورپ میں پرورش پاتا ہے، اب ایشیاء اور افریقہ میں جڑیں مضبوط کررہا ہے، جس نے جمہوری اداروں کی وسعت کو وسیع پیمانے پر فروغ دیاہے۔ وفاق نے بھی اپنی قدر ثابت کردی۔ وفاقی طرزِ حکومت نے قومی یکجہتی، یکسانیت کے ساتھ ساتھ تنوع ومقامی خودمختاری میں مصالحت کی ہے اوراس سے مقامی برادریوں کی انفرادی کردار کوزیادہ تربرقرار رکھنے میں مدد ملی ہے۔

ٹریٹشے کے مطابق،بڑی مملکتیں،دانشورانہ ثقافت کی ترقی کو فروغ دینے کے لیے چھوٹی مملکت سے زیادہ موافت پذیر ہیں۔ ایک بڑی مملکت کے پاس موجود وسائل، صلاحیتیں جو اُس کے اختیار میں ہے، اور وہ صلاحیت جسے وہ پیدا کرسکتی ہے ، اُس سے کسی قوم کی ثقافتی ترقی اور اس کے نتیجے میں اس کی تہذیب کو بے حد مدد مل سکتی ہے۔ چھوٹی مملکتوں کے عیبوں کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے لارڈ ایکٹن، جو بڑی مملکتوں کے زبردست مداح رہے ہیں ، چھٹوٹی مملکت کی خرابی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ' وہ اپنے باشندوں کو الگ تھلگ اور بند کر دیتے ہیں، تاکہ ان کے نظریات کی افق کو تنگ کیا جاسکے، اورکسی حدتک ان کے نظریات کی ترویج و اشاعت کوعام نہ کیا جائے۔ '

نمائندگی کے اصول اور وفاقیت، جس نے بدلے ہوئے میکانیکی ماحول میں کام کیا، نے ماضی کےکچھ سیاسی احاطوں کوفرسودہ قراردیاہےاورآج رائےعامہ بڑی بڑی مملکتوں کاگرویدہ ہے۔ پھر بھی بڑی اور چھوٹی مملکتوں پرتبادلہ خیال جاری ہےاور جاری رہے گی۔لیکن جب تک بین الاقوامی سیاست میں طاقت بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے، مملکتوں کو یا تو بڑا ہونا چاہیے یاکسی اہم سیاسی کردار ادا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ تاہم، اس پر زور دینا ہوگا کہ مملکت کی آبادی اور علاقے کے درمیان کچھ تناسب ہونا چاہیے۔ اگر دونوں کے درمیان غیرمتناسب تفاوت ہے، تو مملکت کوان تمام معاشی اور سیاسی معذوریوں کا شکار ہونا ہوگا جو ایسی صورت حال کے لیےقدرتی ہیں۔ مملکت کو، مختصر میں، ایک علاحدہ آزاد وجود کو برقرار رکھنے کے لیےلازمی طور پر کار آمد یا قابل ہونا چاہیے۔ یہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب اس کے پاس بڑھتی آبادی کی حمایت

کرنے اور دفاعی و ایک موثر انتظامیہ کی ضروریات کو مناسب طور پر پورا کرنے کے لیے مناسب رقبہ اور وسائل موجود ہوں۔ کیوں کہ دن بدن ایک موثر اور جدید ترین دفاعی اور انتظامیہ کے جدید مطالبات ہمیشہ بڑھ رہے ہیں اور تمام مملکتوں کے وسائل کا ایک بہت بڑا حصہ اسی میں خرچ ہو رہا ہے۔

10.4.3 حکومت (Government)

مملکت کے لیے تیسرا لازمی عنصر حکومت ہے۔کسی بھی مملکت کے اداروں، منصوبوں اور خیالات کو ظاہر کرنے اور اس کا نظام چلانے کے لیے حکومت کی تشکیل عمل میں لائی جاتی ہےاور اچھی حکومت مملکت کی فلاح و بہبود اور بُری حکومت ملک کی تباہی وبربادی کا موجب ہوتی ہے۔ مملکت کی طاقت اور کمزوری کا اندازہ بھی اس کی حکومت سے لگایا جا سکتا ہے۔ دنیا میں کئی قسم کی حکومتیں قائم ہیں جوعلاحدہ علاحدہ طریق سے چلتی ہیں۔مثلاً شخصی حکومت،اعیانی یا اشرافی حکومت، جمہوری حکومت، وحدانی حکومت اور وفاقی حکومت۔عام طورپر ہر حکومت کے پیش نظر مندرجہ ذیل اغراض ومقاصد ہوتے ہیں۔

1 شہریوں کی جان ومال کی حفاظت کرنا۔

2 ملک کو بیرونی دشمنوں کے حملے سے بچانااور اندرونی امن وامان قائم کرنا۔

3 ملک میں عدل وانصاف اخلاقی اور اجتماعی ترقی کے لیے قوانین بنانااور رائج کرنا۔

4 رعایاکی تعلیم وترقی اور سماجی حالت کی اصلاح کے لیے کوشاں رہناوغیرہ وغیرہ۔

عام لوگوں کے کسی بھی گروہ کو،بے قائدہ ہجوم کے علاوہ،کسی نہ کسی طرح کی منظم تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک بار جب مشترکہ مقاصدکوتسلیم کرلیاجاتاہےتو،وہاں تنظیم کاایک طریقہ ضرورہوناچاہیے جس کے ذریعےان مقاصدکوحاصل کیا جاسکے۔ تمام انجمنیں، خواہ وہ گرجاگھرہوں، یونیورسٹیاں ہوں، ٹریڈ یونین ہوں یا کلب، ایک ایسا نظام تیارکرتے ہیں جس کے ذریعے ممبروں کی متعلقہ سرگرمیوں کوباقاعدہ بنایاجاسکے اوراس طرح کے نظام میں کسی فرد یا افراد کے گروہ کوکسی لحاظ سے کچھ بولنے یا کاروائی کرنے کے لیےاختیاردیاجاتاہےاورمناسب حالات میں یہ شخص یا اشخاص کا گروہ انجمن کے تیئں آزادانہ طور پر ایسے فیصلے کرسکتے ہیں جن کومکمل طورپرپابند تسلیم کیاجاتاہے۔

زمانہ قدیم سے آبادی بستی آرہی ہے اورلوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے ہیں۔ مگر ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیےان کے پاس یکساں اُصول ہونا ضروری ہے جس پر عمل کرتے ہوئے وہ قوم زندہ رہے۔ وہاں کے طرز عمل کو منظم اورعمدہ بنانے کے لیےرضاکارانہ طور پر قانون سازی ضروری ہے۔ کیوں کہ، روایتی قانون صرف نسبتاً سادہ اور مستحکم معاشرے میں کامیابی کے ساتھ چل سکتا ہے۔ مگر وہیں یہ عملی طور پر منصوبہ بند معاشرہ جو باہمی سرگرمی کے لیے واضح لائحہ عمل رکھتا ہے ناقابل اطلاق ہے، خواہ اس طرح کی سرگرمی کا دائرے کار اور مقصد محدودہویاپیچیدہ ہو۔ کسی بھی شعوری طور پر تعمیر شدہ اور منظم انجمن، یاکسی بھی پیچیدہ معاشرے میں، زیادہ سے زیادہ واضح ایجنسیاں ہونی چاہئیں جو اُصول و

ضوابط کو تشکیل دے سکے اور یہ قوائد اور اصول جتنے پیچیدہ اور اہم ہوں گے، اُن ایجنسیوں کی بھی ضرورت اور اہمیت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی جو اُن کو نافذ کرتے ہیں۔ جدید مملکت میں حکومت مجلسِ مقننہ، مجلس عاملہ اورعدلیہ کی ایک منظم شکل ہے جو قانون کو تشکیل دینے کے ساتھ ساتھ ان کا نظم ونسق اور تشریح بھی کرتی ہے۔

حکومت کی اصطلاح اکثر ایک تنگ نظر معنی میں خاصل لوگوں کے گروہ کے طور پر استعمال کی جاتی ہے جو حکمت عملی اورانتظامیہ کے ذمے دار ہیں۔ اس لیے ہمیں یہاں اس اصطلاح کے معنی اور استعمال سے گریز کرنا چاہیے، جو خاص طور پر ان ممالک میں عام ہے جن میں برطانوی پارلیمانی نظام موجود ہے۔ کیونکہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ افراد یا گروہ حکومت کا صرف ایک حصہ ہیں، حالاں کہ پورے حکومتی ڈھانچے کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس طرح ایک حکومت، حکومت کے نظام کو متاثر کیے بغیر استعفیٰ دے سکتی ہے، یعنی حکومت کی تبدیلی خود حکومتی ڈھانچے کو تبدیل نہیں کرتی ہے۔ یہاں تک کہ مملکت کو تباہ کیے بغیر بھی حکومت کی شکل میں ردوبدل کیا جاسکتاہے۔ 1946 میں چوتھی جمہوریہ کے قیام کے بعد پہلے سات سالوں میں،فرانس نے حکومت کی چودہ تبدیلیوں کا تجربہ کیا اور یہ نمونہ 1958 میں پانچویں جمہوریہ کے قیام تک جاری رہا اور اٹھارویں صدی سے فرانسیسی حکومت کی شکلیں بعد دیگرے کبھی بادشاہت، کبھی جمہوریہ، کبھی سامراجی، پھر بادشاہت اور پھر ایک بارجمہوریہ رہی ہے۔ فرانس میں 1789 کے فرانسیسی انقلاب سے کم وبیش تیرہ تحریری آئینوں کے تحت حکومت کیا گیا ہے۔ پھر بھی ان ساری تبدیلیوں کے باوجود، فرانس ایک مملکت کے طور پر موجود ہے۔

مملکت کا واضح طور پر اپنا ایک وجود ہوتا ہے جو اپنی مخصوص حکومتوں اور اُن شکلوں سے آزاد ہے جو داخلی حکومت کے ڈھانچے کو مانتے یا اپناتے ہیں۔ کسی بھی مملکت میں حکومت اپنے آپ میں اختتام پذیر یا ماحاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ تو صرف ایک ذریعہ ہے۔ حکومت کے تمام نظام اور آلہ ایک مقصد کو پورا کرنے کے لیے تیار کیے گئے ہیں۔ مملکت میں حکومت کے ذریعے خدمت کا بنیادی مقصد امن وامان کی بحالی ہے جس کی ذاتی حفاظت اورتعاون کی سرگرمی سماج و مملکت کے مشترکہ فائدہ کے لیے ضروری ہے۔ بعض اوقات حکومت، قانون، عاملہ اور اس طاقت کے خلاف بھی اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں جو مملکت میں قانون کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے، لیکن اس طرح کے اعتراضات نہیں ہوسکتے ہیں، مثال کے طور پر سڑک کی تعمیر کو لے لیں سڑک، سڑک کے کنارے رہنے والوں کے ذریعے ہی بنائی جاسکتی ہے۔ ہم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ سڑک بنانے کے لیے وافر تعداد میں ماہرین کی ضرورت ہوتی ہے۔ مملکت کی تنظیم کو سڑک کی تعمیر کرنے کی ذمے داری ہے، اوراس اقرار کے ساتھ ہمیں ٹیکس، بجٹ، سول سروس، عاملہ اورحکومت کے تمام سازوسامان کو منظم کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومت نہ صرف اس سڑک کی تعمیر اوردیکھ بھال کے لیے ضروری ہے بلکہ قوانین کو بھی یہ طے کرنے کی ضرورت ہے کہ لوگ سڑک کے کس جانب سے سفر کرسکتے ہیں، ورنہ افراتفری پھیل سکتی ہے۔ علاوہ ازیں مجرموں کو بھی سزا دی جاتی ہے تاکہ سماج، مملکت اور خود منتظمین میں نظم وضبط بنا رہے۔ اس کے بعد، حکم کو یقینی بنانے کے لیے قانون ضروری ہے اور مملکتی قانون میں حکم کو یقینی

بنانے میں شہریوں کے بیشتر مفادات اور سرگرمیاں بھی متاثر ہوسکتی ہیں۔

10.4.2 اقتدار اعلا (Sovereignty)

آسان زبان میں کسی بھی جغرافیائی علاقے یا لوگوں کے گروہ پر مملکت کے تسلط، اقتدار یا مکمل قابو حاصل کرنے کے خصوصی حق کو اقتدار اعلا کہا جاتا ہے۔ اقتدار اعلا وہ اعلا قانون سازی اور مکمل اختیارات ہیں جس پر صرف اور صرف مملکت کا حق ہے۔ علم سیاسیات میں "اقتدار اعلا "اس کلیدی تصور کا نچوڑ جس میں حتمی اور ناقابل شق قانون اور قانونی طاقت مملکت کے پاس ہو۔ مملکت کی تعریف کے مطابق، ہر مملکت کو حکم نفاذ کرنے کی طاقت کے ساتھ ایک اختیار بھی ہونا چاہیے، اگر ضروری ہو تو تشدد کے ساتھ، اور اس کے حدود و اختیارات سے متعلق فیصلوں میں، اس کے علاوہ کوئی دوسری طاقت نہیں ہے جو اس کے اختیار پر سوال اٹھا سکے۔ کسی بھی مملکت کے لیے "مطلق اقتدار اعلا " اس میں اندرونی یا بیرونی مداخلت کی مکمل آزادی ہے۔ مگر ہمیں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ عملی طور پر داخلی امور میں مکمل خودمختاری ممکن نہیں ہے اور بیرونی تعلقات میں بھی اس قدر کم ہے۔ یہاں تک کہ سب سے طاقتور اور ندامت انگیز آمر بھی اپنے شہری کے ساتھ مکمل طور پر اپنی ہی پسند کا رویہ نہیں اپنا سکتا اور وہیں دوسری طرف مملکت کے خارجہ امور بھی بین الاقوامی معاشرے میں موجود حقائق کے ذریعے محدود ہیں۔ مطلق خودمختاری ایک خرافات ہے، اور زیادہ تر ہم محدود حالات میں خودمختاری کی بات کرسکتے ہیں۔ پچھلے عبارت میں ہمارے مباحثہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب ہم خودمختاری کے تصور کو جدید مملکت میں لاگو کرتے ہیں تو اس کے دو اجزا شامل ہوتے ہیں: داخلی اور خارجی خودمختاری۔

داخلی اقتدار اعلا (Internal Sovereignty)

اقتدار اعلا کی تاریخی نشوونما پر غور کرتے ہوئے، ہم جدید قومی مملکت کے عروج کے ساتھ اس کے قریبی رابطے سے دوچار ہوتے ہیں۔ عہدِ وسطی کے خاتمے کے بعد ایک وقت کے لیے، مملکت نے اقتدار اعلا کے دکھاوے کے تحت کام کیا کیونکہ قانون کی بالادستی ہونے کے ناطے، اسے اب بھی دیگر داخلی اور بیرونی آمرانہ ڈھانچے کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ دریں اثنا، قومی مملکت اس جدوجہد کو جیتنے میں کامیاب ہوگئی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج اسے بلاشبہ قانون کی بالادستی یعنی غیر متزلزل خودمختار کے طور پر قبول کرلیا گیا ہے۔ مملکت کی داخلی اقتدار اعلا کو اس حقیقت سے بھی تقویت ملی ہے کہ اس کے شہری عوامی حکام کے ذریعے تکمیل کردہ قوانین اور احکامات کی تعمیل کرنے پر مجبور ہیں۔ جو لوگ قانون نہیں مانتے ہیں اور اپنی مرضی سے چلنا ہے وہ سزا یا سزا کے دھمکی سے قانون کی تعمیل کرنے پر مجبور ہوسکتے ہیں۔ جو لوگ قانون کو توڑتے ہیں ان کو مناسب سزا دی جاتی ہے، حتمی حربے میں جسمانی سزا جیسے قید اور پھانسی۔ چوں کہ متنازعہ خواہشات کو محکوم بنانے کی کوشش میں پابندی اصول کو ایک قوت کے آلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، تاکہ جو ضروری عوامی نظم سمجھا جائے اسے برقرار رکھا جاسکے۔ مملکت اپنے علاقوں میں بالغوں کے خلاف طاقت کے جائز مشق کو اجارہ دار بناتی ہے، اور یہ مملکت اور دیگر انجمنوں کے مابین ایک اور بنیادی

امتیاز ہے۔ یہ اہلیت ضروری ہے کہ صرف مملکت بالغوں کے خلاف جسمانی جبر کا استعمال کر سکے۔ مملکت کے لیے طاقت کے استعمال کو تسلیم کرنا اور اس کا مملکت کے لیے لازمی ہونا ضروری ہے مگر طاقت کا لامحدود و بے قابو ہونا جائز نہیں ہے۔

بیرونی اقتدار اعلا (External Sovereignty)

ہم نے دیکھا ہے کہ کسی مملکت میں آبادی، علاقے اور حکومت، جو جامع دائرہ اختیار پر عمل پیرا ہو، ہونا ضروری ہے۔ لیکن جو لوگ ایک خاص علاقے میں آباد ہیں اور حکومت کے تحت منظم ہیں، لازمی طور پر مملکت تشکیل نہیں دیتے ہیں، کیونکہ آزادی کے آخری معیار کی کمی ہوسکتی ہے۔ ایک مخصوص سیاسی معاشرے میں خود حکومت کے کچھ ادارے ہوسکتے ہیں اور اس کے باوجود بھی وہ کسی معاملے میں کسی اعلا اتھارٹی کے فیصلوں کے تابع ہو سکتے ہیں۔ نو آبادیاتی علاقوں میں، مثال کے طور پر، ایسا ہی حال ہے جب کہ وہ ابھی بھی آزادی کے لیے تیار ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی جزو والی مملکتیں بھی سب اپنی اپنی حکومتوں کے تحت منظم ہیں (حالاں کہ ان میں داخلی امور کے سلسلے میں صرف جزوی اقتدار اعلا ہے) لیکن بین الاقوامی قانون میں مملکت کی حیثیت سے انہیں روکنے والی فیصلہ کن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے بیرونی معاملات کو قابو نہیں کرتے ہیں۔ خارجی تعلقات معاملے میں وہ وفاقی حکومت کے تابع ہیں۔ اس لیے آخرکار یہ ضروری ہے کہ کسی بھی سیاسی معاشرے کے معاملات جو مکمل مملکت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ کسی بھی دوسری مملکت کے باضابطہ کنٹرول سے آزاد ہوں، اور یہ کہ آزادانہ کارروائی کا امکان داخلی اور خارجی امور دونوں کے طرز عمل پر لاگو ہوتا ہے۔ ایک آزاد مملکت آزاد رہنا چاہیے، یا یہ کہ کوئی برادری اپنی موجودہ مملکت سے الگ ہوجائے اور اپنی خودمختار مملکت تشکیل دے، حقیقت میں یہ اخلاقی طور پر درست یا سماجی طور پر خواہشمند ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا ہے۔

بیرونی اقتدار اعلا کی بعض اوقات اس طرح بھی ترجمانی کی گئی ہے کہ 'کسی بھی مملکت کو بغیر کسی روک تھام کے اپنے طرز عمل کے تعین کا حق حاصل ہے، اور اس طرح کسی بھی صوابدیدی یا جارحانہ طرز عمل کا جواز پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کے نظریے پر شدید اخلاقی اعتراضات کے علاوہ (جو حقیقت میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ بین الاقوامی امور میں طاقت ہی جائز ہے، اور اس طاقت کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے) ،اس پر عملی غور یہ بھی ہے کہ سبھی جدید مملکتیں بین الاقوامی قانون کے تحت فرائض کو تسلیم نہیں کرتی ہیں، اور یہ کہ بیشتر مملکتوں کے اقدامات بھی معاہدوں، کنونشنوں اور دیگر معاہدوں کے ذریعے طے کیے گئے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ہم نے آزادی کی بات صرف رسمی کنٹرول سے کی ہے اور واقعی بڑی حد تک مملکتوں کی آزادی رسمی قانونی تسلیم کرنے والی باتوں میں ہے، کیونکہ بیشتر مملکتوں کے امور اور اقدامات معاشی، سیاسی اور تزویراتی ضرورت سے بہت زیادہ متاثر اور محدود ہوتے ہیں، اور دنیا کی قوموں کے مابین ایک دوسرے پر انحصار کرنے کی حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم ماضی بعید میں جھانکیں تو پتہ چلے گا کہ وسطی امریکہ کے ممالک پر طاقتور مملکتیں، جیسے امریکہ، کی طرف سے مسلط کردہ فوجی حکومت کے تحت، ایک وقت یا دوسرے وقت میں، ایک مدت تک بلاواسطہ

یا بالواسطہ طاقت کا استعمال ہوتی رہی ہے، اور اُنہیں کے پاس بھی کافی مدت کے لیےاِن ممالک کی خارجہ پالیسیوں کی تقریباً مکمل اختیار حاصل تھی۔

10.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے

- مملکت کے پس منظر کو سمجھا۔
- مملکت کی مختلف تعریفوں کو تفصیل سے جانا۔
- مملکت کے لازمی عناصر مثلاً آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلا کے بارے میں گہرائی سے مطالعہ کیا۔

10.6 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **عنصر/عناصر** : اجزائے ترکیبی یا تکمیلی
- **کیتھولک** : عیسائی مذہب کا ایک فرقہ
- **پروٹیسٹینٹ** : عیسائی مذہب کا ایک فرد
- **اقوام متحدہ** : دنیا کے 193 آزاد ملکوں کا بین الاقوامی انجمن
- **وفاق/وفاقی** : جسے مرکز بھی کہا جاتا ہے، ایک سیاسی وجود ہے جس میں بیشتر اختیارات مرکز کے پاس ہو
- **تزویراتی** : فوجی نقطہ نظر سے اہمیت کا حامل علاقہ یا حالات۔

10.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

10.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1 جدید مملکت کی ابتدا ہوتی ہے:

(a) سولہویں صدی سے (b) سترہویں صدی سے (c) اٹھارھویں صدی سے (d) انّیسویں صدی سے

2 کس نے کہا کہ "مملکت صرف زندگی گزارنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ ایک اچھی اور معزز زندگی گزارنے کے لیے ہے"

(a) افلاطون (b) ارسطو (c) سقراط (d) مارکس

3 معاہدہ ویسٹ فیلیا پر کب دستخط کیا گیا؟

(a) 1448 (b)1548 (c) 1648 (d) 1748

4 مندرجہ ذیل میں سے کون مملکت کے لازمی عناصر نہیں ہے؟

(a) آبادی (b) استحکام (c) حکومت (d) اقتدار اعلا

5 مندرجہ ذیل میں سے کون مملکت کا لازمی عنصر ہے؟

(a) علاقہ (b) وفاق (c) استحکام (d) جمہوریت

6 مملکت کے لیے لازمی عنصر 'اقتدار اعلا' کی کتنے اقسام ہیں؟

(a) دو (b) تین (c) چار (d) پانچ

7 کسی بھی جغرافیائی علاقے یا لوگوں کے گروہ پر تسلط، اقتدار یا مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے خصوصی حق کو' کہتے ہیں

(a) حکومت (b) اقتدار (c) اقتدار اعلا (d) کنٹرول

8 مندرجہ ذیل میں سے کون سے مصنف مملکت کے عنصر کی حیثیت سے علاقے کو نظر انداز کرتے ہیں؟

(a) پروفیسر ووڈرو ولسن (b) سرجانسیلی (c) ڈاکٹر جے ڈبلیو گارنر (d) لارڈ ایکٹن

9 کسی مملکت کی علاقائی حدود ساحل سمندر سے کتنے میل کے فاصلے تک پھیلی ہوئی ہوتی ہے؟

(a) دو میل (b) تین میل (c) چار میل (d) پانچ میل

10 بین الاقوامی سطح پر مملکتوں کے درمیان مساوی تعلقات کے لیے ضروری ہے؟

(a) مستحکم حکومت (b) اقتدار اعلا (c) اقتدار (d) قومی خودداری

10.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1 مملکت کی تشریح کریں اور اس کے لازمی عناصر کو تحریر کریں۔

2 مملکت کے لازمی عناصر کی تشریح کیجیے۔

3 مملکت کے لازمی عناصر میں حکومت کی کیا اہمیت ہے؟ روشنی ڈالیے۔

4 کسی مملکت کے لیے آبادی اور علاقہ کی کیا اہمیت ہے؟ جائزہ لیں۔

5 اقتدار اعلاسے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ اس کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں؟ تفصیل سے لکھیں۔

10.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1 مملکت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ مملکت کی تعریف بیان کیجیے۔

2 اقتدار اعلا کو سمجھاتے ہوئے داخلی اور بیرونی اقتدار اعلا پر روشنی ڈالیے۔

3 مملکت میں خکومت کے رول کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟ جائزہ لیجیے۔

10.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Heywood, Andrew(2015), Political theory: An introduction. Macmillan International Higher Education

2. Sabine, George H., and Thomas L. Thorson(2018), A History of Political Theory. Oxford and IBH Publishing

4. Moore, Margaret (2015), A Political Theory of Territory. Oxford University Press

5. Fiss, Owen M. (1987), "Why the State?." Harvard Law Review 100, no. 4: 781-794.

6. Hall, John A., ed.(1993), The State. Psychology Press

7. Pierson, Christopher (2011), The Modern State. Routledge

8. Jessop, Bob. (2007), State power. Polity

9. Poggi, Gianfranco (1990), The state: Its Nature, Development, and Prospects. Stanford University Press

10. Robert A. Dahl(1963): Modern Political Analysis, Prentice – Hall, Englewood Cliffs, New Jersey

اکائی 11۔ نظریات برائے آغاز مملکت: ایک جائزہ

(Theory of Origin of State: An Overview)

اکائی کے اجزا

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 نظریہ تخلیق ربانی

11.2.1 اہم نکات

11.2.2 نظریہ تخلیق ربانی کا تنقیدی جائزہ

11.2.3 نظریہ تخلیق ربانی کی اہمیت اور اس کے فائدے

11.3 نظریہ جبر

11.3.1 نظریہ جبر کی اہم خصوصیات

11.3.2 نظریہ جبر کا تنقیدی جائزہ

11.3.3 اہم نکات جن کی وجہ سے نظریہ جبر کی وضاحت کی گئی

11.3.4 نظریہ جبر کی اہمیت

11.4 نظریہ سماجی مفاہمت برائے آغاز مملکت

11.4.1 نظریہ سماجی مفاہمت کے اصول کی وضاحت

11.4.2 سماجی مفاہمت کے اصولوں کا تنقیدی جائزہ

11.5 نظریہ ارتقا برائے آغاز مملکت

11.5.1 خونی رشتہ

11.5.2 مذہب

11.5.3 معاشی ضروریات

11.5.4 سیاسی بیداری

11.6 اکتسابی نتائج
11.7 کلیدی الفاظ
11.8 نمونہ امتحانی سوالات
11.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
11.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
11.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
11.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

11.0 تمہید (Introduction)

سماج کی تخلیق افراد سے ہوتی ہے اور ان افراد کے الگ الگ عزائم اور مقاصد ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں مختلف تنظیمیں وجود میں آتی ہیں۔ ان تنظیموں میں مملکت سب سے زیادہ طاقتور اور وسیع تنظیم ہے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سب سے زیادہ امیدیں بھی مملکت سے ہی وابستہ ہوتی ہیں۔ ایک شہری کی زندگی اسٹیٹ یا مملکت کے ہی ارد گرد گھومتی ہے۔ مملکت میں رہ کر ہی شہری کے اندر موجود جوہر کو پروان چڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ ارسطو کے مطابق انسان فطرتاً سماجی اور سیاسی مخلوق ہے۔ مملکت کا ارتقا انسانی زندگی کے لیے ہوا ہے اور اس کی اچھی زندگی کے لیے ہی مملکت قائم ہے۔ مملکت امن کی ضامن ہے۔ یہ سماج میں آپسی روابط کو مضبوط بناتی ہے۔ چوں کہ مملکت سماجی زندگی میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے اس لیے علم سیاست کے مطالعے میں مملکت کی حیثیت مرکزی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ مملکت یا ریاست کے معنی، مفہوم اور اس کے عناصر سے آپ واقف ہو چکے ہوں گے۔ اس اکائی میں آغاز مملکت سے متعلق اہم نظریات کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ مختلف ادوار میں مفکرین نے مملکت کی پیدائش اور اس کے آغاز کی وجوہات کو جاننے کی کوشش کی ہے اور نتیجتاً اس کی پیدائش سے متعلق بہت سارے نظریات منظر عام پر آئے۔ زمانہ قدیم سے لے کر دور جدید تک کسی نہ کسی نظریے کو عام مقبولیت حاصل رہی۔ آغاز مملکت کے نظریات کا سفر ایک لمبے عرصے پر محیط ہے۔ اس اکائی میں صرف اور نظریات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو نہایت ہی اہم ہے۔

11.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے سے طلبا کو مملکت کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ مملکت کی تعریف اور عناصر کو جان لینے کے بعد یہ جاننا کافی اہم ہو جاتا ہے کہ اس کا وجود کیسے اور کیوں کر ہوا؟ اس کے مطالعے سے یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ مختلف ادوار میں شہریوں یا افراد نے کن

حالات میں مملکت اور حکمراں کو کیا سمجھا۔ سیاسی تنظیم کیوں ضروری اور ناگزیر محسوس ہوئی؟ مختلف ادوار میں فلسفیوں نے کس طرح سے عوام کو متحد کیا اور قانون کی پاسداری اور بادشاہ یا حکمراں کی اطاعت کرنے کے لیے تیار کیا تاکہ سماجی ترقی اور امن وامان کو یقینی بنایا جاسکے؟

11.2 نظریہ تخلیق ربانی (Divine Theory of State)

اس نظریے کے مطابق مملکت کی تخلیق خدا نے کی ہے اور خدا ہی اس پر حکمرانی کے لیے اپنے نمائندے منتخب کرتا ہے جنہیں ہم بادشاہ کہتے ہیں۔ ایک بادشاہ کو حکومت کس طرح کرنی ہے یہ اس کا اور خدا کا معاملہ ہے۔ بادشاہ اور عوام کے درمیان رشتہ حاکم اور محکوم کا ہے۔ حکومت کس طرح کی جائے اس کے لیے خدا خود اپنے نمائندے کو ہدایات دیتا ہے اور بادشاہ اسی کے مطابق حکومت کرتا ہے۔ بادشاہ کو خدا نے کیا احکامات دیے ہیں اس کا انکشاف بادشاہ کے حکم کے ذریعے ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا اپنے نمائندے کو کس طرح سے احکام دیتا ہے اس کا علم صرف خدا کو اور اس کے نمائندے کو ہی ہوتا ہے۔ دوسرا کوئی شخص نہ تو اسے جانتا ہے اور نہ ہی اسے جاننے کا فن رکھتا ہے۔ مملکت کے عوام کا یہ فرض ہے کہ وہ بادشاہ کے ہر حکم کی تعمیل بلا کسی حیل و محبت کریں۔ کیونکہ بادشاہ کا حکم دراصل خدا کا ہی حکم ہے جس کی کسی بھی حالت میں خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی۔ بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی دراصل خدا کے حکم کی خلاف ورزی ہے اور اس کے لیے بادشاہ تو سزا دے گا ہی خدا بھی اپنے طور پر سزا دے گا۔ دوسرے الفاظ میں بادشاہ کے کسی بھی عمل کا مواخذہ کرنے کا حق کسی انسان کو حاصل نہیں ہے اسی نظریے کا سہارا لیتے ہوئے جیمس اول نے پارلیمنٹ کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ "The king drives his power from God, Hence he is above Law." چوں کہ بادشاہ کی طاقت کا سرچشمہ خدا ہے اس لیے وہ قانون سے بالاتر ہے

11.2.1 اہم نکات (Main Points)

(1) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ صریحاً ظلم اور ناانصافی کرے تو ایسی حالت میں عوام کا کیا فرض ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ خدا رحیم وکریم ہے اس لیے اس سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ معصوم لوگوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے کے لیے کسی ظالم بادشاہ کو عوام پر مسلط کر دے۔ ایک ظالم بادشاہ کا تقرر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس خطے کے لوگوں سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوئی ہے جس کی پاداش میں خدا نے ان پر ایک ظالم بادشاہ کو مسلط کیا ہے۔ اس لیے عوام کا یہ فرض ہے کہ وہ اس سزا کو قبول کرتے ہوئے بادشاہ کے ہر حکم کی تعمیل کریں ورنہ خدا ناراض ہو کر اس سے بھی بڑا ظالم بادشاہ مقرر کر دے گا اور عوام کو اس کا ظلم برداشت کرنا پڑے گا۔

(2) مذہبی کتابوں سے بھی نظریۂ تخلیق انسانی کو تقویت ملتی ہے۔ اس نظریے کی تائید میں مذہبی کتابیں کھڑی نظر آتی ہیں مثلاً:

(3) یہودیوں کی پرانی کتاب صحیفہ (Old Testament) میں طاقت کا سرچشمہ خدا کو ہی بتایا گیا ہے۔

(4) ہندوؤں کی مقدس کتاب ''مہابھارت'' کے مطابق لوگ برھما کے پاس گئے اور ان سے التجا کی کہ انہیں ایک ایسا بادشاہ دیا جائے جو لاقانونیت سے ان کو نجات دلائے، چنانچہ برھما نے منو کو حاکم مقرر کر دیا۔

(5) بائبل میں کہا گیا ہے کہ تمام انسانوں کو اعلا طاقت کے ماتحت ہونے دو کیونکہ خدا کے سوا کوئی دوسری طاقت نہیں ہے۔ ہر طاقت خدا کی عطا کردہ ہے اس لیے جو شخص کسی طاقت کی مزاحمت کرتا ہے وہ خدا کے حکم کی نافرمانی کرتا ہے اور مزاحمت کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہوگی۔

(6) اسلام میں علما کا ایک طبقہ ان خیالات کا حامی نظر آتا ہے جہاں ایک طرف بادشاہ اور خلیفہ جیسے مناسب کی واضح تائید کی جاتی ہے وہیں دوسری جانب ان کے احکامات کی تعمیل و فرماں برداری کو بھی لازمی قرار دیا جاتا ہے۔

(7) عہد وسطی (Medieval Period) میں کلیسا (Church) اور بادشاہ کے درمیان اختلافات نے بھی اس صورت کو مشتہر کیا۔ کلیسا کا کہنا تھا کہ اصولی طور پر خدا نے تمام تر اختیارات کلیسہ کو سونپ دیا ہے اور کلیسہ اپنی طرف سے بادشاہ کو سیاسی ذمے داریاں عطا کرتا ہے۔ دوسری طرف بادشاوں کو راہ راست تخلیق بانی کہنے والا طبقہ کہتا ہے کہ بادشاہ براہ راست خدا کے ذریعے بنایا جاتا ہے اور وہ یعنی بادشاہ ہی خدا کا نمائندہ ہے جسے وہ (Viceroy of God) خدا کا نمائندہ مانتے ہیں، کلیسہ کو نہیں۔

(8) عہد وسطی کے کلیسہ اور بادشاہت کے اختلافات کے بعد آنے کے دور میں پروٹسٹنٹ ریفارمرس (Protestant Reformers) جن میں مارٹن لوتھر اور جان لوین کا نام مشہور ہے۔ بادشاہ کو ہی خدا کا نمائندہ ہونے کی تائید کی اور چرچ کے دعوے کو مسترد کر دیا گیا۔ اس اصول کا بول بالا لگ بھگ پوری سترہویں صدی میں رہا لیکن اٹھارہویں صدی کی شروعات سے ہی اس کا اثر کم ہونے لگا اور پھر جیسے جیسے سماجی مفکر حمیت کے نظریے کا زور بڑھتا گیا نظریہ تخلیق ربانی کا اثر کم ہوتا چلا گیا۔ آریہ مذہب اور سیاست آج کے دور میں ایک بار پھر ایک دوسرے سے جڑتے ہوئے نظر آرہی ہے۔

11.2.2 نظریہ تخلیق ربانی کا تنقیدی جائزہ (Critical Evaluation of Divine Theory of State)

دور حاضر میں یہ سنتے ہوئے عجیب احساس ہوتا ہے کہ مملکت کو خدا نے بنایا اور بادشاہ اس مملکت میں خدا کا نمائندہ ہے اور وہ بھی ایسا نمائندہ جسے اختیار کل حاصل ہو جو چاہے کر سکتا ہو اور اسے کوئی روکنے والا نہیں اور لڑنے والا نہیں۔ نظریہ تخلیق ربانی پر کی گئی اہم تنقیدیں درج ذیل ہیں۔

(1) نظریہ تخلیق ربانی ظلم کو بڑھاوا دیتا ہے (Encourage Tyranny) یہ نظریہ ظلم و ستم سے بچانے کے بجائے اسے خدا کی مرضی اور خدا کا تصور کرتا ہے۔ یہ نظریہ شہریوں کو غیر مشروط تابعداری کی ترغیب اور حکم دیتا ہے۔ یہ حکمران یا بادشاہ کو اتنا اختیار دیتا ہے کہ وہ ہر طرح کا ظلم کرتا رہے اور عوام اس کے ظلم کو مکمل بے حسی کے ساتھ اور خوش خوش برداشت کرتے رہیں۔

(2) غیر جمہوری: جمہوری اصول کے اندر عوام خود ہی حکومت کا انتخاب کرتے ہیں اور عوام ہی مقتدر اعلا ہوتے ہیں جب کہ نظریہ تخلیق ربانی کے حامیوں کا کہنا ہے کہ بادشاہ خدا کا نمائندہ ہے اور وہ جو بھی کرتا یہ وہی خدا کی مرضی ہے اور بادشاہ کو ایک مافوق الفطری طاقت (Super Natural Power) بھی تصور کرتے ہیں کیونکہ وہ زمین پر خدا کا سایہ ہے۔

(3) تاریخ میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ :(History has no Proof) جب سے دنیا وجود میں آئی اور مملکت کا قیام

عمل میں آیا آج تک کبی بھی بادشاہ نے اس بات کا ثبوت نہیں پیش کیا کہ وہ خدا کا نمائندہ ہے اور اسے اپنی من مانی کرنے کا لائسنس ملا ہوا ہے۔

(4) مملکت کی سیکولر خصوصیات کا فقدان: (Crisis to Secular Character of State) عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ مملکت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور یہ ایک غیر مذہبی ادارہ ہے اور مذہب انسان کی ذاتی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ جب کہ نظریہ تخلیق ربانی مذہب اور سیاست کو خلط ملط کر دیتا ہے۔

(5) نظریہ تخلیق ربانی فلاحی مملکت کا مخالف ہے:(Contrast to The Ideal of Welfare State) دور حاضر میں اس بات کو ضروری تصور کیا جاتا ہے کہ مملکت ایک فلاحی مملکت ہو۔ یعنی عوامی فلاح ہی مملکت کا مقصد ہونا چاہیے کے۔ عوام کو جب بھی یہ محسوس ہو کہ مملکت عوامی بھلائی کے اصولوں سے انحراف کر رہی ہے تو وہ حکومت کو بدل دے۔ جب کہ تخلیق ربانی کا نظریہ حکومت بدلنے اور احتجاج کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔

11.2.3 نظریہ تخلیق ربانی کی اہمیت اور اس کے فائدے (Importance and Advantages of the Theory)

(1) نظریہ تخلیق ربانی کی خامیوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کے فائدے بھی ہیں۔ دور قدیم میں جب لوگوں کے اندر سیاسی شعور نہیں تھا نظریہ تخلیق ربانی نے لوگوں کو خدا کے نام پر متحد ہونے کا درس دیا اور قانون کے احترام کی ترغیب دی۔

(2) زمانے کے اعتبار سے یہ نظریہ کافی کار آمد ثابت ہوا۔ پروفیسر گلکرائسٹ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ”اس زمانے میں جب انسان کا ذہن مذہبی عقیدوں سے آج کی نسبت زیادہ متاثر تھا۔ تخلیق الٰہی کا نظریہ اسی دام کو برقرار رکھنے میں مددگار ثابت ہوا۔

"In the days when the terrible nature of religious law appealed to men more than it does now , the idea of devine origin was useful as a factor in processing Order."

(3) جس دور میں ہم جمہوری اور حکومتی اقدار سے واقف ہیں، زمانہ قدیم میں انسان ان سے واقف ہی تھا۔ لہٰذا اسے حکومتی اقدار نہیں سونپے جا سکتے تھے۔ پروفیسر گیٹل نے لکھا ہے۔ ”اس وقت جب انسان خود اپنے اوپر حکومت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا اس اصول نے انہیں حکم کی تعمیل کرنا سکھایا۔“

"It taught men to obey when they were not yet ready yo gover them selves." (Gettel)

(4) اس اصول نے حاکم اور محکوم دونوں میں اخلاقی معیار کو بلند کیا۔ انہیں اپنے قول و فعل کے لیے خدا کے سامنے ذمے دار ٹھہرایا۔ ایک طرف تو بادشاہ کو وہ درس دیا کہ اس کی حکومت کا مقصد ہی رضائے الٰہی ہے تو دوسری طرف عوام ہی یہ رجحان پیدا کیا کہ لوگ قانون کا احترام اس لیے کریں کہ وہ خدا کی مرضی کی پابندی کرتے ہیں۔ اپا دورائے نے اس اصول کی افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”یہ عوام میں قانون کا احترام کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے جو مملکت کے استحکام کے لیے نہایت ضروری ہے، اس اصول کی بنیاد پر حاکم اپنے روزمرہ کے کاموں میں اخلاقی اصولوں کی پابندی کرتے ہیں۔

11.3 نظریۂ جبر (Theory of Oppression)

انسان طاقت کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے ہیں اور انسانی فطرت بھی کچھ ایسی ہے کہ طاقتور انسان کمزور انسان کو اپنے ماتحت رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسری طرف کمزور انسان بھی طاقتور کے ماتحت رہنے میں خود کو محفوظ تصور کرتا ہے اور بعض اوقات اپنی ماتحتی پر فخر بھی کرتا ہے۔ طاقتور اور کمزور یا حاکم و محکوم کا تعلق یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ طاقتور فرد یا جماعت اسے ایک باقاعدہ اصولی شکل دے کر کمزوروں پر حکومت کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ شاید اتنا ہی قدیم ہے جتنی کہ یہ دنیا۔ زمانہ قدیم میں اور آج بھی یہ تعلیم کیا جاتا تھا اور تسلیم کیا جاتا ہے کہ زمین پر اس کی حکمرانی ہوگی جو طاقتور ہوگا۔ اطالوی مفکر جینکش بھی اسی اصول کی بھرپور تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "تاریخی حیثیت سے یہ ثابت کرنے میں قطعی پریشانی نہیں ہے کہ عہد حاضر کے تمام سیاسی سماج جنگ و جدل کے بعد ہی وجود میں آئے۔ کارل مارکس، انجلز، ہربرٹ، سپنسر وغیرہ نے بھی مملکت کو طاقت ہی کا نتیجہ کہا ہے۔

مشہور فلسفی ہیوم کا کہنا ہے کہ "مملکت کی پیدائش اس وقت ہوئی ہوگی جب کسی طاقتور قبیلے کے سردار نے اپنے ہم نواؤں کو ماتحت کرکے ان پر اپنی حکومت مسلط کی ہوگی۔"

"The State orginated in the subjugation of the weaker by the stronge." (Hume)

والٹر کا کہنا ہے کہ "پہلا بادشاہ ایک لڑاکو اور بہادر انسان تھا۔"

11.3.1 نظریۂ جبر کی اہم خصوصیات (Characteristics of Theory of Oppression)

- طاقتور کا کمزوروں کے ماتحت منا لینے کا نتیجہ مملکت ہے۔
- قانون فطرت یہی ہے کہ طاقتور زندہ رہتا ہے اور کمزوروں کا فاتحہ ہو جاتا ہے۔
- جنگ نے ہی بادشاہ کو جنم دیا۔
- طاقت کے بغیر نہ تو کسی مملکت کی پیدائش ہوتی ہے اور نہ فاتح رہ سکتی ہے۔
- مملکت کو دوسری تنظیموں پر فوقیت، طاقت کی وجہ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

11.3.2 نظریہ جبر کا تنقیدی جائزہ (Critical Evaluation Theory of Oppression)

نظریہ جبر کی حمایت میں اگرچہ بہت ساری دلیلیں پیش کی گئی ہیں لیکن باوجود اس میں بہت ساری خامیاں بھی ہیں۔

1۔ نظریہ جبر کشیدگی اور کشمکش کی حمایت کرتا ہے: یہ اصول کشیدگی اور جنگ و جدل کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور جارح ملک اسے ڈھال کے طور پر استعمال کرسکتے ہیں۔ اگر اصولوں کو تسلیم کر لیا جائے تو کوئی بھی طاقتور ملک دوسرے کمزور ملکوں کو اپنا ماتحت بنانے میں حق بجانب ہوگا۔ اس طرح دنیا میں امن وامان کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی اور دنیا افراتفری اور انتشار کی آماجگاہ بن جائے گی جب کہ مملکت کا بنیادی مقصد امن وامان کو قائم کرنا ہے۔

2۔اس صورت کی حمایت کرنے والوں کا یہ ماننا ہے کہ انسان قانون کا احترام خوف کی وجہ سے کرتا ہے کیونکہ مملکت خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دیتے ہے لیکن ملک کے شہری قانون کا احترام صرف سزا کے خوف کی وجہ سے ہی نہیں کرتے بلکہ اس لیے بھی کرتے ہیں کہ اس میں ان کی اور ملک کی بھلائی بھی پوشیدہ ہے۔ٹی ایچ گرین نے ٹھیک ہی کہا ہے؛ طاقت نہیں، عوام کی خواہشات مملکت کی بنیاد ہے۔(Will, not force is the basis of the state)

3۔ نظریہ جبر غیر جمہوری ہے: جمہوریت میں تمام انسان برابر ہوتے ہیں اور سب کو ترقی کے یکساں مواقع ملنے کے امکانات ہوتے ہیں جب کہ نظریہ جبر کا کہنا ہے کہ جینے کا حق طاقتور کو ہوتا ہے۔ یہ جمہوریت کے اصول ہم وجودیت(Co-existance) کے منافی ہے۔

4۔ حقوق کی عدم موجودگی: حقوق کی عدم موجود نظریہ جبر کا ایک اہم خاصہ ہے۔ یہ حقوق کی غیر موجودگی میں طاقت میں غیر مستقل ہو جاتی ہے۔ انقلاب اور بغاوت کے امکانات ہوتے ہیں طاقت کے ذریعے مملکت کو کچھ دنوں تک منظم رکھا جا سکتا ہے لیکن اس کے استحکام کے لیے لوگوں کی تائید لازمی ہے۔ ورنہ مملکت بہت دنوں تک قائم نہیں رہ سکتی۔

5۔ نظریہ وجود جبر میں طاقت کا مفہوم غیر واضح ہے: طاقت کے مختلف پہلو اور مختلف عناصر ہوتے ہیں۔ جیسے مسیحائی طاقت، دماغی طاقت، اخلاقی طاقت اور روحانی طاقت وغیرہ لیکن نظریہ جبر میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ مملکت کا وجود کس طاقت کی وجہ سے ممکن ہوا۔ مختلف مفکرین نے طاقت اور طاقتور کی تعریف مختلف ڈھنگ سے کی ہے۔

ہکسے کا کہنا ہے کہ طاقتور وہ ہے جو حالات کو اپنے موافق بنالیتا ہے۔مارشل کے مطابق طاقتور وہ ہے جو حالات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

مہاتما گاندھی کے مطابق اخلاقی اور روحانی طاقت کا حامل شخص ہی سب سے زیادہ طاقتور ہے۔اس طرح طاقت کی صحیح وضاحت نہ کرنے کی وجہ سے جبر کا اصول مبہم ہو کر رہ جاتا ہے۔

11.3.3 اہم نکات جن کی وجہ سے نظریہ جبر کی وضاحت کی گئی:

اس اصول کے حامیوں نے الگ الگ مقاصد کے مد نظر اس کی حمایت کی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ کلیسا کا منشا: (Church's Aim) پادریوں کا کہنا تھا کہ چوں کہ مملکت کی پیدائش طاقت کے ذریعے ہوتی ہے اس لیے یہ ارادہ بدی(Evil) کی نمائندگی کرتا ہے جب کہ کلیسا کی تخلیق خدا نے کی ہے۔

2۔انفرادیت پسندوں کا مقصد:(Aim of Individalist) انفرادیت پسندوں کا ماننا ہے کہ مملکت کو افراد کے مقابلے میں کم سے کم مداخلت کرنی چاہیے اور افراد کو زیادہ سے زیادہ آزادی ملنی چاہیے۔ کیونکہ مملکت کا وجود طاقت کی بنیاد پر ہوا ہے اور سے عوامی تائید حاصل نہیں ہے۔ ہربرٹ اسپنسر کا کہنا ہے کہ ”حکومت بدی کی تخلیق ہے جس میں اس کے تمام نسلی معائب موجود ہیں۔

3۔سوشلسٹوں کا مقصد:(Socialist's Aim)سوشلسٹ اس اصول کو اس لیے تسلیم کرتے ہیں تاکہ وہ ثابت کر سکیں کہ دولت مندوں کے ذریعے غریبوں کے استحصال کی تکمیل کی غرض سے مملکت کی تخلیق ہو رہی ہے۔لینن کے قول کے مطابق ''مملکت سرمایہ داروں کے لیے استحصال کا ایک آلہ ہے۔اس میں مزدوروں کو معقول معاوضہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

11.3.4 نظریہ جبر کی اہمیت (Importance of Opperession Theory)

اگر یہ مان لیا جائے کہ طاقت ہی مملکت کی پیدائش کا واحد ذریعہ نہیں ہے تب بھی طاقت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔مملکت کے ہر مرحلے میں طاقت ہی کلیدی رول ادا کرتی ہے بنٹشلی نے ٹھیک ہی کہا ہے۔''بغیر طاقت کے نہ تو مملکت وجود میں آسکتی ہے اور نہ طاقت کے بغیر قائم رہ سکتی ہے،طاقت کی ضرورت داخلی اور خارجی دونوں مقابلوں میں ہے۔

Without force a state can neither come into being nor continue, force is required within and without.

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی مملکتوں کا وجود طاقت کی کمی کی وجہ سے ختم ہو گیا۔آج کے اس دور میں بھی فوجی طاقت کی وجہ سے ہی کسی ملک کو عزت ملتی ہے،یہاں تک کہ یو این کی سلامتی کونسل میں بھی مستقل رکنیت انہیں ممالک کو ملی ہے جن کے پاس مہلک ہتھیار ہیں۔

11.4 نظریہ سماجی مفاہمت برائے آغاز مملکت

(The Social Contract Theory and Origin of the State)

سماجی مفاہمت کا اصول مملکت کی پیدائش کے اصول میں کافی اہمیت رکھتا ہے۔اس اصول کو سترہویں اور اٹھارویں صدی میں مقبولیت اور شہرت ملی لیکن اس کی تاریخ بڑی پرانی ہے،مثلاً:

1۔کوٹلیہ نے اپنی کتاب "ارتھ شاشتر" میں لکھا ہے کہ لوگوں نے بدامنی(Anarchy)سے بچنے کے لیے منو کو اپنا بادشاہ منتخب کیا۔

2۔افلاطون کی کتاب میں بھی سماجی مفاہمت کا تذکرہ ملتا ہے۔اس نے اپنی کتاب دی کریٹو(The Crito)میں لکھا ہے کہ ''سقراط خاموشی اور سکون کے ساتھ اپنی موت کا انتظار کر رہا تھا۔اگرچہ موت کی اس سزا کو وہ غلط مانتا تھا لیکن وہ مملکت کے ساتھ اپنے سمجھوتے اور عہد و پیماں کو توڑنا نہیں چاہتا تھا جب کہ اسے اس بات کا موقع حاصل تھا کہ وہ قید خانے سے راہ فرار اختیار کرے اور موت سے بچ جائے۔''

3۔عہد نامہ عتیق یا کتاب صحیفہ (Old Testament) میں بھی ڈیوڈ اور اس کی رعایا کے درمیان سمجھوتے کا تذکرہ ملتا ہے۔

اس اصول کی سائنسی ڈھنگ سے تشریح کے ساتھ پیش کرنے کا سہرا تھومس ہابس(Thomas Hobbes)،جان لاک (John Locke)اور جان جیک روسو(John Jacques Rousseau)کے سر جاتا ہے۔

11.4.1 نظریہ سماجی مفاہمت کے اصولوں کی وضاحت (Explanation of Law of Social Contract Theory)

نظریہ سماجی مفاہمت کے مطابق لوگوں نے آپس میں سمجھوتا کر کے ایک مملکت کو جنم دیا کیونکہ اس سمجھوتے سے پہلے نہ تو کوئی سمجھوتا تھا اور نہ ہی کوئی مملکت بلکہ انسان حالت فطری (State of Nature) میں ہی رہتا تھا اور قدرتی مملکت کی کوئی منظم شکل نہ تھی بلکہ انسان تنہائی کی اور انفرادی زندگی گزارتا تھا۔ نہ تو کوئی قانون تھا جس کی سبھی پاسداری کرتے تھے اور نہ ہی کوئی مقتدر تھا جو اپنے امکانات کی تعمیل کرواتا۔ اس اصول کے مطابق مملکت ایک انسانی تنظیم ہے خدائی یا قدرتی تنظیم نہیں۔ انسانوں نے غور و خوض کے بعد اپنی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی بھلائی کے لیے آپس میں مفاہمت کی اور مملکت وجود میں آئی۔ ویلونے نے اس اصول کی تشریح یوں کی ہے۔ b " نظریہ مفاہمت مملکت کے وجود کی بنیاد اس انوکھے عہد و پیماں کو قرار دیتا ہے جسے سماج کے افراد نے باہم کیا تھا اور جس سے پہلے وہ سیاسی بندش سے پوری طرح آزاد تھے۔

11.4.2 سماجی مفاہمت کے اصولوں کا تنقیدی جائزہ (Critical Evaluation of Social Contract Theory)

سیاسی مفکرین نے اس اصول کی تنقید مختلف زاویوں سے کی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ غیر تاریخی یعنی تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انسانوں نے آپس میں کب سمجھوتا کیا تھا۔

2۔ مملکت کے وجود سے پہلے اور اس کے وجود میں آنے (After and Pre State) کا فرق قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ مفکرین نے قدرتی حالت اور مفاہمیت کے بعد کے حالات میں بہت زیادہ فرق بیان کیا ہے جو عقل اور سمجھ سے باہر ہے۔ تاریخ شاید ہے کہ ترقی بتدریج ہوتی ہے اچانک نہیں۔

3۔ انسانی فطرت کا مشادہ معقول نہیں ہے۔

4۔ کوئی بھی معاہدہ دائمی نہیں ہو سکتا۔

5۔ یہ ایک قیامی اصول ہے۔

6۔ منطقی طور پر اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

7۔ یہ اصول خطرناک ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ یہ مملکت کو انسانوں کی قلان مزاجی کی پیداوار قرار دیتا ہے۔

8۔ مملکت ارتقا کا نتیجہ ہے مفاہمت کا نہیں۔

9۔ سماجی مفاہمت میں عوامی خواہشات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

11.5 نظریہ ارتقا برائے آغاز مملکت (Evolutionary Theory of Origin of the State)

مندرجہ بالا نظریات جن کا مطالعہ کیا جا چکا ہے اپنی تمام تر دلیلوں اور مباحث کے باوجود مکمل درست قرار نہیں دیے جا سکتے۔ ان میں سے کوئی بھی نظریہ مکمل اور سائنٹفک معلوم نہیں ہوتا۔ باوجود یہ کہ ان تمام نظریات میں حقیقت کا کچھ نہ کچھ عنصر ضرور موجود ہے۔ در

حقیقت مملکت کی ابتدا کسی خاص وقت میں اور کسی خاص سبب سے نہیں ہوتی بلکہ اس کا ارتقا بتدریج ہوا ہے جس میں بہت سارے عناصر نے حصہ لیا ہے اور ان عناصر کا کردار ہمیشہ یکساں بھی نہیں رہا ہے بلکہ مختلف ادوار میں مختلف عناصر کی اہمیت میں اضافہ یا کمی ہوتی رہی ہے۔ جن عناصر نے مملکت کی پیدائش میں اہم کردار ادا کیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

11.5.1 خونی رشتہ (Kinship)

انسان سماج میں رہنا پسند کرتا ہے۔ انسانی فطرت اور ضروریات زندگی بھی اسے سماج میں رہنے پر مجبور کرتی ہیں۔ سماج میں رہنے والے لوگوں کے نزدیک سب سے اہم خونی رشتہ ہوتا ہے۔ خونی رشتہ کی بنیاد پر آپس میں اتحاد پیدا ہوا۔ افراد کے درمیان خونی رشتے نے باہمی امداد و تعاون کا جذبہ پیدا کیا۔ ان کے انداز نظم و ضبط کی پاسداری کا احساس پیدا ہوا تاکہ مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے۔ فرماں برداری اور وفاداری کے جذبے کو 'پروفیسر ہنری مین' کے مطابق "سماج کی قدیم ترین تحقیقات سے معلوم ہوتے ہیں کہ سب سے پہلی چیز جس نے انسانوں کو ایک دھاگے میں پرودیا وہ قرابت یا خونی رشتہ تھا۔

آبادی میں اضافہ نے ساتھ ساتھ خونی رشتے کی وجہ سے پیدا ہونے والے احساست کو بھی وسعت ملی اور سماج کی تشکیل ہوئی اور پھر سماج نے مملکت کو جنم دیا۔ فیکا تیور کے لفظوں میں "خونی رشتے سے سماج بنا اور سماج نے مملکت کو جنم دیا۔

11.5.2 مذہب (Religion)

مملکت کے انعقاد میں مذہب نے بھی کلیدی رول ادا کیا۔ خونی رشتہ اور مذہب دونوں اس قدر آپس میں ملے ہوئے تھے کہ ان میں فرق کرنا مشکل ہے بعض لوگوں کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ دونوں ایک ہی سکے کے دو پہلو ہیں۔ زمانہ قدیم مین لوگ اپنے آباو اجدا کو مافوق العناصر اور قدرتی طاقت کا حامل سمجھتے تھے اس لیے ان کی پرپرستش بھی کیا کرتے تھے اور بدھتے لوگ کسی ایک بزرگ کی پرستش کرتے تھے۔ ان میں اتحاد کا جذبہ پیدا ہوا جایا کرتا تھا۔

عبادت کی دوسری شکل فطرت پرستی (Nature Worship) تھی چوں کہ لوگ قدرے کے راز سے ناآشنا تھے اس لیے ہر نہ سمجھ میں آنے والی چیز کی پرستش شروع کر دیتے تھے۔ ان سب کے درمیان جادوگری کی بھی ابتدا ہوئی اور جو نہ دوسروں کو یہ اطمینان دلانے میں کامیاب ہو جاتا تھا کہ اس کے پاس قدرتی طاقتوں کو ماتحت کرنے کی صلاحیت ہے اسے سماجی میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ تندرستی، بیماری، خشکی، قحط، لڑائی وغیرہ میں بھی کامیابی اور ناکامی کے لیے جادوگروں کی صلاحیت پر بھروسہ کیا جاتا تھا۔ دھیرے دھیرے وہی جادوگر لوگوں کے اندر بادشاہ کی طرح اپنے تسرخ استعمال کرنے لگتے تھے۔ گلکرائسٹ کا کہنا ہے کہ ساحری کے وسیلے سے بادشاہ بننا آسان ہے۔

"From chief magician, The step to chief or king in simple. (Gilhrist)

دور جدید میں بھی مذہب کا مملکت سے گہرا تعلق ہے۔ پاکستان کا وجود مذہب کی بنیاد پر ہوا۔ سکھ مذہب کے پیرو بھی مذہب اور

سیاست میں فرق نہیں کرتے۔ دور حاضر کا تر کی ہو یاہندوستان دونوں ملکوں کی سیاست میں مذہب کا کافی اثر ور سوخ محسوس کیا جاسکتا ہے۔

11.5.3 معاشی ضروریات (Economic Needs)

زمانہ قدیم میں انسانی ضروریات کو پورا کرنے والے وسائل کے استعمال کی شکل مختلف تھی اور لوگوں کی زندگی سادہ طریقے سے بسر ہوتی تھی۔ ان کی ضروریات محدود تھیں جن کی تکمیل لگ بھگ انفرادی کوششوں سے ہی پوری ہو جاتی تھی۔

مختلف اسباب نے ذاتی مملکت کے تصور کو جنم دیا اور پھر ذاتی مملکت رکھنے کا رواج شروع ہو گیا اور پھر ذاتی مملکت کے تحفظ کے احساس نے قانون کی ضرورت کا احساس دلایا اور پھر قانون سازی کیسے ہو یا کون کرے یا پھر اس کو نافذ کرنے کی ذمے داری کسے دی جائے، جیسے سوالات نے مملکت کا ڈھانچہ تیار کرنے میں کافی مدد کی۔

معاشی سر گرمیوں نے مملکت کے لیے راہ ہموار کی۔ پروفیسر گیٹل کا کہنا ہے کہ "معاشی سر گرمیوں نے غذا اور رہائش گاہ کے حصول اور پھر دولت جمع کرنے میں کافی مدد کی اور پھر ان چیزوں کے حصول نے مملکت کے وجود میں اہم کردار ادا کیا۔

"The economic activities by which men served food and sheHer and later accumulated property and wealth were important factors in state building." (Gettle)

11.5.4 سیاسی بیداری (Political Awareness)

مملکت کی ارتقا میں سیاسی بیداری نے سب سے اہم رول ادا کیا ہے۔ جب لوگ ایک خاص خطے میں جمع ہوئے اور آمدنی کا ایک خاص حصہ مستقبل کے لیے محفوظ رکھنے لگے تو قانون کی ضرورت محسوس کی گئی تا کہ ان کی دولت کو کوئی ان سے چھین نہ لے۔ حملے کے وقت دوسری اقوام سے ان کا تحفظ ہو سکے اور پھر ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے خاص اوقات میں یکساں اور ایک ساتھ مل کر جدوجہد کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ اس سے سبھی کا مفاد وابستہ ہوتا تھا۔ قدرتی مصائب سے نجات پانے کے لیے بھی متحدہ کوشش کی ضرورت محسوس کی گئی۔ محبت اور اخوت کے جذبے نے بھی ایک دوسرے کی مدد کے لیے ابھارا۔ چنانچہ لوگوں میں ایک منظم جماعت کے قیام کا احساس روز بہ روز زور پکڑتا چلا گیا۔ ابتدائی دور میں یہ شعور مخفی تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں سیاسی بیداری پیدا ہوتی چلی گئی اور منظم ڈھنگ سے تنظیم کی شروعات ہوئی جو آگے چل کر مملکت کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ گیٹل کے مطابق تشکیل مملکت کے سلسلے میں معاون تمام عناصر بہ شمول خونی رشتہ اور مذہب کے سیاسی شعور سب سے اہم عنصر ہے۔

11.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- نظریہ تخلیق ربانی کے اہم نکات، تنقیدی جائزہ، اس کی اہمیت اور افادیت کا جائزہ لیا۔

- نظر سماجی مفاہمت، اس کی وضاحت اور تنقیدی جائزے پر مباحثہ کیا۔
- نظریہ جبر کی خصوصیات، تنقیدی جائزہ، اہم نکات اور اہمیت کو اجاگر کیا۔
- نظریہ ارتقا برائے آغاز مملکت کے عناصر کو جانا۔

11.7 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **آغاز** : شروعات، ابتدا
- **تخلیق** : بنانا، بناوٹ
- **افراد** : فرد کی جمع، آدمی، شخص
- **عزائم** : عزم کی جمع، ارادہ
- **وسیع** : لمبا چوڑا، پھیلا ہوا
- **وابستہ** : ملا ہوا، متعلق، منسلک
- **محیط** : احاطہ کرنا، کسی چیز کو اپنے دائرے میں لینا
- **تخلیق ربانی** : خدا کی بنائی ہوئی چیز
- **انکشاف** : وضاحت، کھولنا
- **احکامات** : حکم کی جمع، آرڈر
- **مفاہمت** : سمجھوتا

11.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

11.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ نظریہ تخلیق ربانی کی حمایت کرنے والوں کا ماننا ہے کہ:

(a) شہری بادشاہ کا مواخذہ کر سکتے ہیں

(b) شہری بادشاہ کا مواخذہ نہیں کر سکتے۔

(c) بادشاہ کا عمل کسی حد تک خدا کا ہی عمل ہے

(d) بادشاہ جو کچھ بھی کرتا ہے اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ اس کے کام کو خدا کا کام نہیں کہا جا سکتا۔

2۔ درج ذیل میں سے کون سا عنصر مملکت کو دیگر سماجی تنظیموں سے ممتاز کرتا ہے۔

(a) آبادی (b) علاقہ

(c) حکومت (d) اقتدار اعلا

3۔ درج ذیل میں سے کسی اصول کے مطابق مملکت انسانوں کے ذریعے وجود میں نہیں آئی۔

(a) نظریہ مفاہمت (b) ارتقا کا نظریہ

(c) طاقت کا نظریہ (d) تخلیق ربانی کا نظریہ

4۔ آغاز مملکت کے تعلق سے درج ذیل میں سے کون سا نظریہ نسبتاً زیادہ سائنٹفک محسوس ہوتا ہے؟

(a) نظریہ تخلیق ربانی (b) نظریہ سماجی مفاہمت

(c) نظریہ طاقت (d) بتدریج ارتقا کا نظریہ

5۔ ''بادشاہ راہ راست زمین پر خدا کا نمائندہ (Viceroy of God) ہے۔'' یہ دعویٰ کون لوگ کرتے ہیں۔

(a) بادشاہ کے حمایتیب (b) کلیسا کے حمایتی

(c) عام شہری (d) مذہبی کتابیں

6۔ پروٹسٹنٹ ریفارمسٹ مارٹن لوتھر نے خدا کا حقیقی نمائندہ کسے کہا ہے؟

(a) چرچ یا کلیسا (b) بادشاہ

(c) عوام (d) خود

7۔ پروٹیسٹنٹ ریفارمسٹ فلسفہ کا غلبہ کس صدی میں تھا؟

(a) سولہویں (b) سترہویں

(c) اٹھارویں (d) انیسویں

8۔ کس فلسفی کا کہنا ہے کہ "پہلا بادشاہ ایک لڑاکو اور بہادر انسان تھا۔"

(a) جینکس (b) لینن

(c) ہوم (d) ارسطو

9۔ کس نظریے کے مطابق جنگ نے بادشاہ کو جنم دیا۔

(a) نظریہ سماجی مفاہمت (b) نظریہ جبر

(c) نظریہ تخلیق ربانی (d) بتدریج ارتقا کا نظریہ

10۔ اخلاقی اور روحانی طاقت کو ہی اصلی اور حقیقی طاقت کس نے کہا ہے؟

(a)مارشل　　　(b)گاندھی

(c)گیٹل　　　(d)کوٹلیہ

11.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ نظریہ تخلیق ربانی کی وضاحت کیجیے۔

2۔ نظریہ تخلیق ربانی کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔

3۔ نظریہ جبر سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ بیان کیجیے۔

4۔ خونی رشتہ (Kinship) سے کیا مراد ہے؟ بیان کیجیے۔

5۔ نظریہ سماجی مفاہمت کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

11.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات(Long Answer Type Questions)

1۔ نظریہ سماجی مفاہمت کا معنی ومفہوم اور اس کے اصولوں کی وضاحت پیش کیجیے۔

2۔ معاشی ضروریات نے مملکت کو وجود میں لانے میں کس طرح مدد کی؟ وضاحت کے ساتھ بیان کیجیے۔

3۔ نظریہ جبر کے تصورات کیا ہے؟ اس کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

11.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Mukhopadhyay, A.K. (1990), Western Political Thought, Calcutta – KP Bagchi and Company
2. Ray Amal and Bhattacharya Mohit, (2013), 'Political Theory, Ideas and Institutions' Word Press, Calcutta
3. Das P.G (1996), Modern Political Theory, New Central Book Agency (P) Ltd, Calcutta
4. Gauthier, D. (1977), 'The Social Contract as Ideology'. Philosophy and Public Affairs
5. Obest E. Goodin (2011), Oxford Handbook of Political Science OUP, Oxford

6. S.P. Verma (2013), Modern Political Theory, Vikas Publishiry New Delhi
7. John Hoffman: Introduction to Political Ideologies.
8. Andrew Heywood (2005), Political Theory, Palgrave Macmillan.
9. O.P. Gauba (1981) , An Introduction to Political Theory.
10. Sarmah, Durga Kant (2004), Political Science, New Age International publishers, NewDelhi
11. Dhawan, Suhana, Relationship between Political Science and History-Essay, 2 Easton, D. (1953). The Political System: An Inquiry into the State of Political Science. New York: Alfred A. Knopf
12. Ray, A. & Bhattacharya, M. (1983). Political Theory: Ideas and Institutions. Calcutta: The World Press
13. Hubble,N,Taylor,J, Tew,P;(2019).Growing old with the welfare state ,Blooms bury academic publishers
14. Ray, A. & Bhattacharya, M. (1983). Political Theory: Ideas and Institutions. Calcutta: The World Press
15. Jain, M. P. (1985). Political Theory: Liberal and Marxian. Authors Guild.
16. Kapur , A. C. (2006). Principles of Political Science. New Delhi, S. Chand & Company Ltd

اکائی 12۔ نظریات کی ابتدا : نظریہ سماجی معاہدہ

(Theories of Origin: Social Contract Theory)

اکائی کے اجزا

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 سماجی معاہدہ

12.2.1 سماجی معاہدہ کے نظریہ کی تاریخ

12.2.2 تھامس ہابز کا سماجی معاہدہ

12.2.3 جان لاک کا سماجی معاہدہ

12.2.4 روسو کا سماجی معاہدہ

12.3 سماجی معاہدہ کے متعلق ہابز، لاک اور روسو کے افکار کا تقابلی مطالعہ

12.4 اکتسابی نتائج

12.5 کلیدی الفاظ

12.6 نمونہ امتحانی سوالات

12.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

12.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

12.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

12.7 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

12.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں سماجی معاہدہ اور اس کے نظریات سے متعلق بحث کی گئی جنہیں مملکت کی ابتدا سے متعلق اہم اور مستند نظریات

تسلیم کیا جاتا ہے۔ سماجی معاہدہ کا نظریہ مملکت کے بنیادی نظریات میں سے ایک ہے۔ یہ یونان کے سوفسٹوں کے زمانے سے ہی معرض وجود میں آ چکا تھا۔ سماجی معاہدے کے تحت افراد کو تحفظ، جان و مال، تعلیم، صحت، مساوات اور انصاف ملتا تھا اور اُس کے بدلے اُن کو اپنی کچھ آزادی گروی رکھنی پڑتی تھی۔ مختلف اوقات میں تین دانشوروں ہابس، لاک اور روسو نے سماجی معاہدہ کا نظریہ پیش کیا۔ سماجی معاہدہ کا یہ نظریہ مملکت اور فرد کے درمیان تعلق پر روشنی ڈالتا ہے۔ یہ نظریہ یہ بھی آشکار کرتا ہے کہ مملکت نے کس طرح فرد پر قانونی اختیار حاصل کیا۔ اس اکائی میں ہابس، لاک اور روسو کے سماجی نظریات کے تفصیلی ذکر کے ساتھ ساتھ ان کے افکار کا تقابلی و تنقیدی مطالعہ بھی کیا جائے گا۔

12.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبا اس قابل ہو سکیں گے کہ

- سماجی معاہدے کے نظریہ کے تصور کی وضاحت کر سکیں۔ سماجی معاہدہ کی اہمیت سے واقف ہوں۔
- سماجی معاہدہ کے نظریہ اور سیاسی ڈھانچے کی ترقی کے مابین روابط کا مظاہرہ کر سکیں۔
- سماجی معاہدہ کے نظریہ اور ان کے مرکزی خیالات میں اہم شراکت داروں کی شناخت کر سکیں۔
- ہابز، لاک اور روسو کے سماجی معاہدوں کے نظریات کا آپس میں موازنہ کر سکیں۔

12.2 نظریہ سماجی معاہدہ (Social Contract Theory)

معاہدہ فریقین کے درمیان ایک راضی نامہ ہوتا تھا جس میں اگر کوئی ایک فریق انحراف کرے تو معاہدہ ٹوٹ جاتا تھا۔ اس نظریہ کے مطابق سماج معاہدہ کا نتیجہ تھا۔ سماج میں رہنے کے لیے انسان کو مختلف قوانین اور اصولوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ ان اصولوں کو سماج نے تقریباً پانچ ہزار برس قبل وضع کیا تھا جب شکار پر گزارہ کرنے والے لوگوں نے بھوک اور زندگی کی رائیگانی سے تنگ آکر دریاؤں کے کنارے ایک جگہ بس کر چھوٹا سا اپنا گھر بنانے کا خواب دیکھا تو اسے خونخوار جانوروں اور طاقتور انسانوں سے عدم تحفظ کا احساس ہونا شروع ہوا تو انہوں نے گروہوں اور مجموعوں کی شکل میں رہنا شروع کیا جس کا فائدہ یہ ہوا کہ انسان نے آپس میں ذمے داریاں قبول کیں اور اس کی بدولت انہوں نے وہ فوائد حاصل کیے جو عام انسان نہ کر سکتا تھا۔ اس طرز زندگی کی بدولت معاشرہ میں کافی سوالات بھی اٹھائے گئے جن کا جواب دینا معاشرہ کی ہی ذمے داری تھی جیسے کہ ذمے داریوں اور وسائل کی تقسیم کیسے کی جائے گی؟ معاشرہ کی سیاسی بنیاد کیا ہو؟ اور اس کی سیاسی تشکیل کیسے کی جائے گی اور اس کی نوعیت کیا ہوگی؟ اس پورے عمل میں یہ بات واضح تھی کہ معاشرہ کو ایک ایسا نظام قائم کرنا ہوگا جو اسے منفی اور خطرناک رویوں سے محفوظ رکھے جیسے کہ چوری، قتل اور ڈکیتی وغیرہ۔ نتیجتاً معاشرے کا اپنے افراد کے ساتھ ایک سماجی

عہد بنا جس میں انسان نے اپنی جسمانی اور ذہنی آزادی، نقل و حرکت، روز گار اور خاندان کے تحفظ کو یقینی بنانے کے عوض اپنی چند آزادیوں سے دست بردار ہو کر انہیں مملکت کو سونپ دیا۔ یوں فرد اور مملکت کے درمیان ایک طرح کا سماجی معاہدہ طے پا گیا جسے ہم سماجی معاہدہ کے طور پر جانتے ہیں۔

جیسے جیسے وقت گزرتا رہا ویسے ویسے سماجی عہد کی شکل بدلتی رہی۔ ایک زمانے میں اس عہد کی شکل باشاہوں اور ان کی رعایا کے درمیان پائی جاتی تھی جہاں بادشاہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بے پناہ طاقت کا مظاہرہ کرتے تھے اور عوام کی حیثیت محض ایک رعایا کی تھی۔ اگر ان میں سے کچھ بادشاہ رحم دل بھی گزرے تو بس اپنی مرضی سے، اس کی وضاحت ہم فرعون مصر سے کر سکتے ہیں، برصغیر کے مغل حکمرانوں سے بھی کر سکتے ہیں اور سامراج برطانیہ سے بھی۔ بالآخر عوام کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے حکمرانوں کے ظلم کے خلاف آواز اٹھانی شروع کی۔ اپنے حقوق کے لیے لڑنا آسان ثابت نہ ہوا کیونکہ حکمران اپنی بے لگام طاقت چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ خون بہا، جانیں ضائع ہوئیں، بے تحاشہ ظلم و تشدد ہوا تب جا کر بادشاہت کا خاتمہ ہوا لیکن پھر بھی سوال باقی رہا کہ حکمرانوں سے رعایا کے تعلق کی نوعیت کیا ہو؟ اور اس پر بحث و مباحثہ جاری رہا۔ عوام نے حکمرانوں کو مجبور کیا کہ وہ ان کے ساتھ نیا معاہدہ کریں جس میں حکمراں قانون سے بالادست نہ ہوں۔ آسان الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ مملکت کے باشندے اور مملکت کے درمیان تعلق کی بنیاد عہد ہو، عوام کا درجہ محکومیت کا نہ ہو، مملکت کی حیثیت عوام کے نمائندے کے جیسی ہو گی، مملکت عوام کے معاملات چلانے کے لیے ان کی رضامندی حاصل کرے گی، اس عہد کا مقصد عوام کی فلاح و بہبود ہو گا اور سب سے اہم یہ کہ اس عہد میں یہ بات بھی ہو گی کہ اپنے فرائض ادا نہ کرنے پر مملکت کی گرفت ہو گی اور ان سے حساب لیا جائے گا۔ سماجی معاہدے کے نظریہ کی بنیاد دو مفروضوں پر ہے۔ حالت فطری اور معاہدہ۔

حالت فطری (State of Nature) یہ ماقبل سیاسی زندگی کا وہ دور ہے جس میں انسان کا بنایا ہوا کوئی قانون نہیں تھا۔ انسانی روابط کا کوئی منظم نظام نہیں تھا۔ اس دور کے بارے میں مختلف مفکرین کی مختلف افکار ہیں۔ ہابس کے مطابق حالت فطری کی صورت حال نہایت سنگین تھی۔ یہاں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا رواج تھا۔ لاک کا خیال ہے کہ اس دور میں انسانی زندگی نہایت خوشگوار تھی مگر کچھ پریشانیوں کا سامنا تھا جس کے سبب زندگی دشوار ہو گئی جس کے نتیجہ میں سماجی معاہدہ پر وہ مجبور ہو گئے۔

معاہدہ (Contract) حالت فطری سے باہر آنے اور تحفظ جان و مال، تعلیم، صحت، مساوات اور انصاف کی خاطر اپنی کچھ آزادی گروی رکھ کر ایک معاہدہ کیا جس کے بعد انہیں مملکت کا تحفظ حاصل ہوا۔

12.2.1 سماجی معاہدہ کے نظریہ کی تاریخ (History of Social Contract Theory)

سترہویں اور اٹھارویں صدی کے دوران مملکت کی ابتدا سے متعلق سماجی معاہدہ بہت ہی مشہور نظریہ بن کر ابھرا، لیکن یہ نظریہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ سیاسی فکر کا نظریہ۔ یہ یونان کے سوفسٹوں کے زمانے سے ہی معرض وجود میں آ چکا تھا۔ سقراط کو سماجی معاہدہ کے نظریہ کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "کریٹو" میں اپنے سماجی عہد کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے ایتھینس کی جیل میں وقت گزارا اور سزائے موت کو قبول کیا حالاں کہ میرے پاس اختیار موجود تھا کہ میں کسی اور جگہ ہجرت کر جاؤں اور جان بچا لوں لیکن میں نے اس جیل اور

سزائے موت کو اس لیے اختیار کیا کہ میرے اور میرے مملکت کے درمیان ایک معاہدہ تھا جسے میں نے جیل کو قبول کرکے مکمل کیا۔ اس طرح اس نے ایتھینز کے قوانین کو بیان کرتے ہوئے یہ وضاحت کی کہ اس نے ایتھینز کے قوانین کی تعمیل کرنے کی ایک بہت بڑی ذمے داری قبول کی کیونکہ انہیں قوانین کی امداد سے میری خوش گوار زندگی کو ممکن بنایا جاسکا۔ مثال کے طور پر، ان قوانین کی وجہ سے میرے والدین کا شادی کرنا ممکن ہوا جس کی وجہ سے میرا جنم ہوا پھر انہیں قوانین کی روشنی میں مجھے میرے والد نے تعلیم دی۔ مختصر اسقراط کے مطابق اس کی زندگی اور ایتھنز میں اس کی ترقی کا انحصار اس وقت کے قانونی نظام پر ہی تھا۔

سقراط کے نظریہ کے مطابق شہریوں اور مملکت کے قوانین کے مابین یہ رشتہ زبردستی نہیں تھا بلکہ یہ ایک رضامندی کا سودا تھا۔ شہری آزادانہ طور پر اس بات کا انتخاب کرسکتے تھے کہ وہ اپنی جائیداد کو اپنے ساتھ لے جائیں، یا قیام کریں۔ قیام کا مطلب یہ ہے کہ وہ قوانین کی پابندی کریں اور ان کی سزاوں کو قبول کریں جو ان کے زیر انتظام تھیں۔ اس کے مطابق مملکت سے کیا ہوا معاہدہ خود ہی ایک منصف ہے، اس لیے شہریوں کو اس معاہدے پر قائم رہنا چاہیے اور جرم کے مطابق سزا چاہے موت کی ہی کیوں نہ ہو قبول کرنا ہی چاہیے۔

سقراط کے مطابق ایک شہر قوانین کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی لیے اس نے معاہدہ کا احترام کرتے ہوئے سزائے موت کو بخوشی قبول کیا۔ اس کے مطابق کسی قانون کی خلاف ورزی ایک طرح کی ناانصافی ہے۔ یہ انصاف پسند شہر (ایتھنز) کے قوانین کے لیے نقصان دہ تھا۔ ایک ناجائز کام بھی روح کو خراب کرتا ہے۔ اس کی موت ایک پروقار موت واقع ہوئی جو رائیگاں نہیں گئی بلکہ اس کی وفات فلسفہ کی فتح ثابت ہوئی۔

12.2.2 تھامس ہابز کا سماجی معاہدہ (Thomas Hobbe's Social Contract Theory)

تھامس ہابز برطانوی نژاد پہلا انگریز سیاسی مفکر تھا، جس نے سیاسی فلسفہ کی تاریخ میں انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ 1651 میں "لیویتھن"(Levzathan) نامی کتاب تصنیف کرکے سماجی معاہدے کے نظریہ کے تناظر سے مغربی سیاسی فلسفے کی بنیاد رکھی۔

اس کے سیاسی نظریات نہایت پرکشش اور زمینی حقیقت پر مبنی ہیں، مزید براں کہ یہ آج بھی عصری سیاست کے لیے مشعل راہ ہیں۔ اس کی بنیادی فکر سماجی اور سیاسی نظم ونسق کے متعلق تھی۔ اس نے بتایا کہ انسان شہری تنازعے کے خوف وخطرات سے بچ کر کس طرح امن کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ اس نے کچھ واضح متبادلات پیش کیے تھے مثلاً ہمیں ناقابل احتساب اقتدار اعلا (ایک فرد یا جماعت جسے ہر سماجی اور سیاسی مسئلے کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہو) کی اطاعت کرنی چاہیے۔ ورنہ حالت فطری والی صورت حال ہماری منتظر ہوگی جس میں ہماری موت واقع ہونے اور مال ودولت کے ضیاع کا خدشہ ہے اور جہاں انسانی تعاون سے فائدہ اٹھانا ناممکن ہے۔

ہابز کے سماجی معاہدہ کے خدوخال (Feature of Hobbes Social Contract)

ہابز کے سماجی معاہدہ سے مراد حالت فطری میں لوگوں کی بربریت، وحشت اور عدم تحفظ کے احساس سے نجات پاکر پرامن زندگی کے حصول کے لیے کیا جانے والا معاہدہ تھا۔ ہابز کے مطابق یہ معاہدہ یک طرفہ تھا جس میں لوگوں نے چند افراد یا فرد کو اپنا مقتدر اعلا منتخب کیا۔ ہابز کا خیال ہے کہ دنیا ایک پرتشدد اور آفت زدہ مقام ہے، اس میں بسنے والے لوگ فطری طور پر مفاد پرست ہیں اور اپنے مفادات

کے حصول میں ایک دوسرے کے ساتھ کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ میں ملوث ہیں۔ انسانی سوچ کا دائرہ مادیت کی حد تک محدود ہے جس کے سبب انسان کی مختصر سی زندگی غربت، بے چینی اور سفاکی سے عبارت ہوتی ہے اور انسانی عقل اتنی طاقتور نہیں کہ وہ انسان کے منفی جذبات کو مسخر کرسکے۔ اس لیے انسانی فطرت کو قابو میں رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسی برتر طاقت ہو جو سماجی زندگی کو پر امن رکھنے کے لیے خاطیوں کو سزا دے سکے اور وہ برتر طاقت مملکت ہی ہو سکتی ہے۔

ہابز کے سماجی معاہدہ کی خصوصیات (Charracteristics of Hobbe's Social Contract)

ہابز کے سماجی معاہدہ کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1. **ایک طرفہ معاہدہ:** ہابز کے مطابق سماجی معاہدہ ایک طرفہ تھا اس میں افراد ایک مقتدر اعلا کے حق میں اپنے حقوق سے دست بردار ہو جاتے تھے، جب کہ مقتدر اعلا اس کا فریق نہیں ہوتا تھا اور اس پر کسی بھی طرح کی پابندی لاگو نہیں ہوتی تھی۔

2. **فطری زندگی کا خاتمہ:** اس معاہدہ کے ذریعے فطری زندگی کا خاتمہ ہوا جو ایک لاقانونیت کا دور تھا جس میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا معاملہ تھا لیکن اس معاہدہ نے ایک سنگ میل عبور کرتے ہوئے ایک نئی سیاسی زندگی کا آغاز کرایا۔

3. **سماجی زندگی کا آغاز:** ہابز کے سماجی معاہدہ کے مطابق انسان نے اپنی قدیم فطری زندگی کو خیر اباد کہہ کر ایک نئی سماجی زندگی کی بنیاد رکھی۔

4. **مطلق العنان مقتدر اعلا:** ہابز کے مطابق اقتدار اعلا کو محدود نہیں کیا جاسکتا، بلکہ وہ لامحدود اور مطلق اختیارات کا مالک تھا۔ چوں کہ افراد نے حصول امن و سلامتی کے لیے اقتدار اعلا کو قائم کیا تھا اور اس مقصد کے لیے اسے مطلق اور برتر ہونا ہی چاہیے تھا۔ ہابز کے مطابق اقتدار اعلی سماجی معاہدہ کے سبب ہی معرض وجود میں آیا۔ اسے ہر طریقے کے قوانین بنانے اور ان کے نفاذ کا حق حاصل تھا اور وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں تھا۔

5. **ناقابل تنسیخ معاہدہ:** افراد نے ایک بار مملکت کے ساتھ عہد کر لیا پھر وہ اسے منسوخ کرنے کے مجاز نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی حالت فطری کی طرف رجوع کرنے کا اختیار تھا۔

مقتدر اعلا کے اختیارات (The Power of Sovereignty)

ہابز کے سماجی معاہدہ نے مقتدر اعلا کو بے شمار اختیارات تفویض کیے جو مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ مقتدر اعلا پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی اور وہ لامحدود طاقت کا مالک تھا۔ مقتدر اعلا سے کیا گیا عہد ناقابل تنسیخ تھا۔

2۔ مقتدر اعلا اگر چاہے تو کسی فرد کی آزادی سلب کر سکتا تھا۔ عوام کو اس کے خلاف کسی بھی طرح کا احتجاج کرنے کا حق نہیں تھا۔

3۔ مقتدر اعلا کے خلاف، انسانی یا خدائی قانون کا حوالہ نہیں دیا جاسکتا تھا۔

4۔ مقتدر اعلا اپنے اقتدار کو چلانے کے لیے وزرا اور معاونین کا انتخاب کر سکتا تھا۔

5۔ وہ اپنی مرضی سے قوانین بنا سکتا تھا اور ان کے نفاذ کے لیے نظام عدلیہ کھول سکتا تھا۔

6۔ وہ دوسرے مقتدر اعلا سے اعلان جنگ کر سکتا تھا، معاہدات کر سکتا تھا۔

7۔ مقتدر اعلا کے خلاف عوام بغاوت کرنے کی مجاز نہیں تھی۔ ساتھ ہی وہ جائیداد پر قوانین اور ان پر ٹیکس کا نفاذ کر سکتا تھا۔

مقتدر اعلا کے فرائض (Duties of the Sovereignty)

ہابز کے مقتدر اعلا فرائض مندرجہ ذیل ہیں

1۔ مقتدر اعلا کی یہ ذمے داری تھی کہ وہ عوام کے مفادات کو پیش نظر رکھے اور ان کی فلاح و بہبود گی ہی اس کا پہلا مقصد تھی

2۔ معاشرہ میں امن وسکون کا قیام اور عوام کو تحفظ کی فراہمی۔

3۔ انصاف و خوش حالی کی فراہمی، سبھی کو یکساں ترقی کے مواقع بنا کسی اقربا و اعزہ پروری کے۔

4۔ بیرونی قوتوں سے تحفظ کے لیے فوجی تربیت کا اہتمام۔

5۔ مقتدر اعلا کی ذمے داری تھی کہ مجرم کو سزا دیتے وقت انسانی حقوق و اقدار کو فراموش نہ کرے۔

6۔ مقتدر اعلا کا اولین فرض تھا کہ عوام کے مسائل پر توجہ دے اور ان کا فوری حل کرے۔

ہابز کے سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ (Critical Evaluation of Hobbe's Social Contract)

1۔ ہابز کا سماجی معاہدہ اور قانون کا نظریہ علم سیاسیات میں ایک خوبصورت اضافہ ہے۔

2۔ یہ پہلا مفکر ہے جس نے مملکت کو مفادات میں مفاہمت کرنے والے ادارے کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

3۔ اس نے مذہب اور اخلاقیات کو سیاست کے تحت کر دیا۔ اس نے مقتدر اعلا کو لامحدود اختیارات دیے۔

12.2.3 جان لاک کا سماجی معاہدہ (John Locke's Social Contract Theory)

معروف انگریز فلسفی جان لاک پہلا مصنف تھا جس نے آئینی جمہوریت کے بنیادی تصورات کو ایک مربوط صورت میں یکجا کیا۔ لاک انگلستان کے شہر رنگٹن میں 1632ء میں پیدا ہوا۔ اس نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی، جہاں 1956ء میں اس کو گریجو ایشن کی سند ملی۔ اس نے 1658ء میں ایم۔اے کیا۔ اس کی فکر بنیادی طور پر تجربیت پسندانہ تھی۔

لاک نے سیاسی افکار کے متعلق کئی کتابیں تحریر کیں جن میں سے "سول حکومت" 1660 میں شائع ہوئی۔ یہ اس کی اہم ترین تصانیف میں سے ایک ہے۔ اس میں سماجی معاہدہ، مملکت کی ابتدا اور حکومت کی تفصیلی وضاحت کی گئی ہے۔ جان لاک نے آزاد خیال حکومت کی حمایت کی اور بادشاہت کے لیے آسمانی حقوق کے نظریہ کو رد کیا۔ 1704 میں اپنی موت سے پہلے، وہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر عظیم شہرت کا حامل بن گیا۔

نظریہ قانون فطرت (Theory of Natural Law)

لاک کا خیال ہے کہ انسان ایک عقلی و سماجی مخلوق ہے۔ وہ خود غرض اور جارحیت پسند نہیں ہے۔ لاک کی فطری مملکت، جنگ سے دور 'امن کی خواہش، باہمی تعاون اور تحفظ' کی مملکت تھی۔ یہ ایک سماجی حالت سے قبل سیاسی نمائندگی کرتا ہے۔ امن کے موقف کی

غالبیت کے سبب انسان اس میں مستقل جنگ نہیں کرتا۔ فطری مملکت قدرت کے قانون کے تحت چلتی تھی۔ انسان اپنے کاموں میں مکمل آزاد تھا چوں کہ وہ آزاد پیدا ہوا تھا اس لیے دوسروں کی طرح فطرت کی نعمتوں سے استفادہ کر سکتا تھا۔ لاک کی فطری مملکت میں انسان کو زندگی، آزادی اور جائیداد کے مساوی قدرتی حقوق حاصل تھے اور یہ حق پراپرٹی کے نام سے جانے جاتے تھے۔ ہر ایک اپنے اعمال کا جج تھا۔ لیکن اگرچہ فطری حالت آزادی کی حالت تھی مگر یہ لائسنس کی حالت نہیں تھی۔ کسی کو بھی خود کی اور دوسروں کی زندگی تباہ کرنے کا حق نہیں تھا۔ چوں کہ فطرت کی حالت میں قدرتی قانون کی خلاف ورزی کی سزا دینے کے لیے کوئی مشترکہ جج نہیں تھا، لہٰذا ہر فرد جج تھا اور قدرت کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینے کا انتظامی اختیار رکھتا تھا۔

نظریہ فطری حقوق (Theory of Natural Rights)

لاک کے سیاسی فلسفہ میں فطری حقوق کا تصور ایک اہم موضوع کی تشکیل کرتا ہے۔ لاک کے مطابق فطرت کی حالت میں انسانوں کو کچھ فطری حقوق حاصل تھے جیسے زندگی، آزادی اور جائیداد کا حق وغیرہ۔ اس کے مطابق فطرت کے عطا کردہ یہ حقوق اس سے سلب نہیں کیے جاسکتے تھے اور آزادی کا مطلب فطری قوانین کے علاوہ تمام قوانین سے آزادی تھا یعنی انسان اپنی مرضی سے اپنی املاک استعمال کر سکتا تھا اور بیچ سکتا تھا۔ انسان فطری طور پر آزاد پیدا ہوا تھا، اسے کسی کے ماتحت نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لاک کے مطابق، فطرت کی حالت میں افراد اپنے فطری حقوق کے بارے میں شعور رکھتے تھے کیونکہ وہ باشعور تھے۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حالت فطری میں انسانی زندگی پرسکون تھی، قوانین بھی موجود تھے تو پھر انسان کو ایک سماجی معاہدہ یا سیاسی سماج اور مقتدر اعلا کا خیال کیوں آیا؟ لاک جواب دیتا ہے کہ یہ ایک غیر مناسب بات تھی کہ لوگ خود اپنے معاملات میں منصف ہوں۔ انسانی فطرت اپنے اور دوسروں کے لیے مختلف رویہ رکھتی ہے، ممکن تھا کی سزا و جزا کے معاملات میں وہ خود پرستی، اعزا پروری اور اقربا پروری کا مظاہرہ کرتے جس سے سماج میں الجھن اور اور بد نظمی پیدا ہو جاتی۔ اس لیے حالت فطری میں ان خامیوں کا ازالہ شہری حکومت سے ہی ممکن تھا۔

جان لاک کے سماجی معاہدہ کے خدوخال (Features of John Locke's Social Contract)

جان لاک کا سماجی معاہدہ ہابز کے سماجی معاہدہ سے مختلف ہے۔ ہابز نے تو سماجی معاہدے کے تصور کو مطلق العنانیت کو بنیاد فراہم کرنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ لاک کے خیال میں خود سماجی معاہدہ قابل تردید تھا"۔ "ماضی میں جب حکمرانوں نے جائیداد کو لوگوں سے چھیننے اور تباہ کرنے یا انہیں استبدادی طاقت کے ذریعے غلام بنانے کی سعی کی 'تو لوگوں نے صف بستہ ہو کر ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا' اور وہ مزید اطاعت کا مطالبہ کرنے کے مجاز نہیں رہے۔ جان لاک کے مطابق، حالت فطرت میں انسان نے کچھ پریشانیوں کے باعث معاہدہ کیا تھا جیسے عام قانون سازادارے، قانون نافذ کرنے اور قانون کی ترجمانی کرنے والی ایجنسی جو قدرتی حقوق کے تحفظ کے قابل ہو کا نہ ہونا۔ لہٰذا، تمام افراد کی مشترکہ رضامندی سے یہ طے پایا کہ ایک سول سوسائٹی تشکیل دی جائے اور فطری قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینے کا حق ایک آزاد اور غیر جانبدارانہ مقتدر اعلا کو منتقل کیا جائے۔

یہ سب کا معاہدہ ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ فطرت کے قوانین کے نفاذ اور اپنے بنیادی حقوق جیسے زندگی، آزادی اور جائیداد

کے تحفظ کے لیے ہر فرد نے اپنا فطری اختیارات سیاسی سماج کو دے دیے اور اپنے طور پر سزا دینے کے اختیار سے دست بردار ہو کر سماج کو منصف بنادیا۔

سیاسی یا سول سوسائٹی کے قیام کے بعد، اگلا قدم فطری قوانین کے اعلان اور اس کے نفاذ کے لیے حکومت کا ہونا تھا۔ لاک اس عمل کو دولت مشترکہ یا سول سوسائٹی کے ذریعے قائم کردہ اعلا اتھارٹی کہتا ہے۔ دیگر الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ لاک کے اس معاہدے میں دو پہلو ہیں- ایک جس کے ذریعے سول سوسائٹی کا قیام اور دوسرا حکومت کی تشکیل۔ پہلا معاہدہ کا نتیجہ تھا جب کہ دوسرا امانت کے طور پر سپرد کیا گیا ایک طاقتوراعلا عہدہ تھا جس کا مقصد دیانتداری کے ساتھ سماج کے مقاصد کی تکمیل تھی، لیکن جب وہ اپنے مقصد سے بھٹک جاتا اور اپنے فرائض منصبی میں کوتاہیاں کرتا تو لوگوں کے پاس اسے ہٹانے کی قوت تھی۔

لاک کے سماجی معاہدہ کی خصوصیات (Characteristics of John Locke's Social Contract)

یہ معاہدہ ہر ایک کا سب سے تھا۔ معاہدہ کی نوعیت عمومی اور دائمی نہیں بلکہ محدود تھی۔ اقتدار اعلا کسی ایک فرد کو نہیں بلکہ پورے سماج کو ملتا تھا۔ ہر فرد اپنے فطری حقوق سے دست بردار ہوتا تھا۔ مقتدر اعلا معتدل اختیارات کا مالک ہوتا تھا۔ افراد کے وہ حقوق سلب نہیں کیے جاسکتے تھے جن سے وہ دست بردار نہیں ہوئے۔ معاہدہ کسی حکمران سے نہیں بلکہ پوری برادری سے کیا جاتا تھا۔ معاہدہ قابل تنسیخ نہیں، لیکن حکومت تبدیل کرنے کا حق عوام کو تھا۔

لاک کے سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ (Critical Evaluation of John Locke's Social Contract)

1۔ لاک نے سماجی معاہدہ کے ذریعے آئینی جمہوریت کے بنیادی تصورات کو ایک مربوط صورت میں یکجا کیا۔
2۔ اقتدار اعلا اور حکومت کا بہترین تصور پیش کیا۔
3۔ لاک کے نظریہ میں رضامندی ناقص ہے کیونکہ اس میں رضامندی کے تسلسل کی ضمانت نہیں ہے۔
4. لاک کا معاشرہ تعصب پر مبنی ہے، وہ محنت کش طبقہ کو سیاسی فیصلہ کرنے کا اہل نہیں سمجھتا۔

جین جیک روسو کا سماجی معاہدہ (Jean Jacques Rousseau's Social Contract)

جین جیک روسو (1778-1712) فرانس کا سب سے بڑا مفکر تھا۔ سیاسی افکار کی پوری تاریخ میں، وہ انتہائی دلچسپ اور سب سے زیادہ اشتعال انگیز تھا۔ اس کے سحر انگیز افکار کے سامنے کوئی دوسرا مفکر نہیں ٹکتا۔ وہ ایک باصلاحیت اور عمدہ اخلاق کا حامل تھا اس نے اٹھارویں صدی کے فرانسیسی معاشرے کی صورت حال پر اپنی تنقید میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ اس نے آزاد خیالی اور عام لوگوں کے حقوق کے بارے میں بہت کچھ لکھا۔ اس کے نظریات نے انقلاب فرانس کے رہنماؤں کو بہت متاثر کیا۔ روسو کے نظریات میں انسانی مساوات کے لیے بہت شدت پائی جاتی ہے اس کے خیال میں معاشرے کا ڈھانچہ انسانی مساوات کے لیے غیر موزوں ہے۔ اس کے خیال میں "انسان آزاد پیدا ہوا تھا لیکن ہر طرف وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے"۔

روسو کی تصانیف نے اہل فرانس کو آزادی کی اہمیت کا احساس دلایا۔ زوال پذیر جاگیردارانہ، سیاسی نظام اور سماجی نظام کو تبدیل کرنے کی ترغیب دی۔ بہت سے ناقدین نے تسلیم کیا کہ روسو نے عوام کو انقلاب فرانس کے لیے دوسروں کے مقابل زیادہ تحریک دی۔ روسو کے نظریے کی روسے ہر وہ حکومت ناجائز ہے جو آمرانہ مزاج رکھتی ہو اور عوام کی مرضی کے بغیر وجود میں آئے۔

روسو کے سماجی معاہدہ کے خدوخال (Features of Jean Jacques Rousseau' Social Contract)

افراد، مملکت اور حکومت کے مابین تعلقات روسو کے "سماجی معاہدے" کے کلیدی اجزا تھے۔ وہ حکمرانی کے اصولوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ پہلا اصول یہ تھا کہ ایک انسان کو دوسرے انسانوں پر فطری طور پر حکومت کرنے کا جواز نہیں بنتا اور نہ ہی ایک فرد دوسرے پر طاقت کے استعمال کا حق رکھتا تھا۔ بلکہ ایک منتخب اتھارٹی کو سماجی معاہدوں میں جواز تلاش کرنا ہوتا تھا۔ دوم، افراد کے مابین مقابلہ، سماجی معاہدہ کی ضرورت کو فروغ دے، تاکہ ایک مرضی عام کے ذریعے ہر فرد کی جان ومال کا تحفظ کیا جاسکے۔

فطری حالت کو سماجی معاہدہ ایک متبادل نظام فراہم کرتا تھا۔ روسو کے مطابق فطری حالت ابتدا میں پر امن تھی، افراد میں باہمی تعاون، ہم آہنگی بھی تھی، آبادی کم ہونے کے ساتھ فطرت کی کثرت اور مسابقت کی عدم موجودگی بھی تھی۔ رفتہ رفتہ معاشرہ پیچیدہ ہوتا چلا گیا، نجی املاک متعارف ہوئی اور افراد کے مابین انحصار کی نئی شکلیں پیدا ہوئیں، جس کے نتیجے میں معاشی اور سماجی عدم مساوات کا سامنا ہوا۔ سماج کی ان خامیوں کو دور کرنے کے لیے سماجی معاہدہ کی ضرورت پیش آئی۔

روسو نے سماجی معاہدے کا موازنہ "ایکٹ آف ایسوسی ایشن" یعنی اجتماعی عمل سے کیا، جس کے تحت مملکت اور فرد کے درمیان باہمی وابستگی ہوتی تھی۔ افراد بحیثیت شہری اقتدار اعلا میں شریک تھے، لیکن مملکتی نظام میں سہولت کے لیے وہ خود کو مملکت کے قوانین کے ماتحت رکھتے تھے۔ روسو حکومت کو قوانین پر عمل درآمد، شہری اور سیاسی آزادی کے تحفظ کے ساتھ رعایا اور مملکت کے مابین ایک وسطی ادارہ کے طور پر دیکھتا ہے۔

روسو کا سماجی معاہدہ عوام سے متعلق حکومت کے اختیارات کا تعین نہیں کرتا کیونکہ حکومت عوام کے ہاتھوں میں محض ایک آلہ تھی اور اپنے الگ اختیارات نہیں رکھتی۔ اس طرح آزادی سے محروم ہوئے بغیر ایک سماجی تحفظ فراہم ہو جاتا تھا۔

روسو کے سماجی معاہدہ کے تحت معاشرہ کے کمزور طبقہ کو بھی تحفظ مل جاتا تھا۔ ان کی جان ومال، جائیداد اور عزت محفوظ ہو جاتی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس معاہدہ کی روسے کوئی کچھ نہیں کھوتا تھا بلکہ تحفظ کی ضمانت حاصل کرتا تھا۔

روسو کے سماجی معاہدہ میں تمام افراد اسماجی تنظیم کے سلسلے میں اکھٹے ہو کر اپنے تمام فطری حقوق اور قوت سے منشائے عام کے حق میں دست بردار ہو جاتے تھے۔

منشائے عام عوام میں اتحاد کو فروغ دیتی تھی، یہ دائمی ہوتی تھی، جائز ہوتی تھی، خود غرضی پر مبنی نہیں ہوتی تھی، یہ کبھی علاحدہ نہیں ہو سکتی تھی، یعنی روسو کے مطابق اقتدار اعلا اور منشائے عام لازم وملزوم تھے، منشائے عام نہ یہ کہ جمہوریت کا بہتر راستہ ہموار کرتی تھی۔

روسو کے نظریہ کی اہمیت (Significance of Rousseau' Social Contract Theory)

علم سیاست میں آج بھی روسو کے نظریات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ تمام جدید سیاسی افکار پر روسو کے نظریات حاوی ہیں۔ یہ نظریہ مقبول عام اس لیے ہے کہ یہ جمہوریت اور انقلاب کی تائید کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ عوامی اقتدار اعلا کا علمبردار ہے۔ روسو کا فلسفہ شروع میں متمدن انسان سے نہیں فطری انسان سے بحث کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ہمیں سب سے پہلے انسان کی فطرت پہ بات کرنی چاہیے کیونکہ کوئی بھی قانون اسی صورت میں ترتیب دیا جاسکتا ہے جب انسان کا فطرت سے تعارف ہو اور سب سے اہم یہ کہ یہ نظریہ مملکت اور حکومت کے درمیان واضح فرق کو پیش کرتا ہے۔

12.3 سماجی معاہدہ کے متعلق ہابز، لاک اور روسو کے افکار کا تقابلی مطالعہ

Comparative Study of Hobbes, Locke, and Rousseau's ideas on the Social Contract

ہابز (Hobbes)	لاک (Locke)	روسو (Rousseau)
1۔ فطری حالت۔ فطری حالت میں انسان خود غرض ہوتا تھا، اقتدار چاہتا تھا، سب کو مساوی حقوق حاصل ہوتے تھے، لیکن اچھے اور برے کا امتیاز نہیں اور زندگی نہایت سنگدلانہ ہوتی تھی۔	1۔ حالت فطری حالت فطری میں زندگی پر امن، فطری قانون کی حکمرانی اور ماحول باہمی تعاون کا آئینہ دار ہوتا تھا۔	1۔ حالت فطری حالت فطری میں سب کو برابر کے حقوق حاصل ہوتے تھے، انسانی زندگی طمانیت سے بھرپور ہوتی تھی، انسان پر عقل کے بجائے اندرونی تحریک کا غلبہ ہوتا تھا۔
2۔ قانون فطرت فطری حالت میں کوئی قانون نہیں تھا۔ افراد معاہدوں کے ذریعے ہی امن حاصل کرتے تھے۔	2۔ قانون فطرت فطری قانون اخلاقیات، عقل اور سچائی کا ترجمان تھا اور افراد میں تعاون کو فروغ دیتا تھا۔	2۔ قانون فطرت قانون فطرت کی بنیاد جبلت پر ہوتی تھی جو جذبات کا سہارا زیادہ لیتی تھی بمقابل عقل کے۔
3۔ فطری حقوق سماج میں ڈر، خوف اور دہشت کی زندگی ہوتی تھی۔ طاقتور کا سکہ چلتا تھا۔	3۔ فطری حقوق افراد کو فطری حقوق جیسے زندگی اور جائیداد پیدائشی طور پر حاصل ہوتے تھے۔	3۔ فطری حقوق انسان کے فطری طور پر آزاد پیدا ہونے کے سبب ضرورت کی ہر چیز حاصل کرنے کا اسے فطری حق تھا۔
4۔ سماجی معاہدہ خوف و دہشت	4۔ سماجی معاہدہ قانون فطرت کی	4۔ سماجی معاہدہ افراد کی انفرادی اور اجتماعی

کے ماحول میں قیام امن کے لیے افراد ایک حکمراں کے حق میں اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہو جاتے تھے۔ معاہدہ ایک طرفہ ہوتا تھا۔	تعمیل کے لیے افراد نے ایک مملکت کی تشکیل کی،اس کے لیے وہ اپنے کچھ حقوق سے دست بردار ہو گئے۔	حیثیت کے درمیان ایک معاہدہ قرار پایا، جس میں وہ اپنے اجتماعی وجود کے حق میں اپنے انفرادی حقوق سے دست بردار ہو گئے
5۔اقتداراعلا اقتداراعلا بے پناہ اختیارات کا مالک تھا، ناقابل تقسیم ناقابل انتقال،لا محدود اور انصاف کا سرچشمہ تھا۔ اس کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کر سکتا تھا	5۔اقتداراعلا اقتداراعلا محدود اختیارات کا مالک تھا جو خود سماجی معاہدہ کا فریق تھا،کسی کا جائز حق غصب نہیں کر سکتا تھا اور مفاد عامہ کے خلاف قانون نہیں بنا سکتا تھا۔	5۔اقتداراعلا روسو مجموعی اقتداراعلا کا قائل تھا، عوام ہی قانون پر مقتدراعلا تھے اور اس کا وجود منشائے عام کے اندر ہوتا تھا۔ اقتداراعلا ناقابل تقسیم اور ناقابل انتقال تھا
6۔ آزادی آزادی مقتدراعلا کے ہاتھ میں ہوتی تھی، جسے چاہے اپنی مرضی سے دے یا سلب کر لے	6۔ آزادی افراد کو فطری حقوق جیسے زندگی، جائیداد وغیرہ فطری طور پر حاصل ہوتے تھے،وہ سلب نہیں کیے جا سکتے	6۔ آزادی آزادی اقتداراعلا کی طرف سے ایک تحفہ ہوتی تھی
7۔ فرد اور مملکت سماجی معاہدہ کے مطابق فرد کے تمام معاملات کی ذمے داری اقتداراعلا کی ہوتی تھی۔ افراد کو تحریر و تقریر کی اجازت نہیں تھی تاہم افراد کو ایسے حکمراں کو ہٹانے کا حق تھا جو زندگی کی حفاظت نہ کر سکیں۔	7۔ فرد اور مملکت افراد مملکت بناتے تھے،انہیں اختیارات سونپتے تھے اس لیے اقتدار اعلا کا فرض تھا کہ وہ عوام کی جان و مال کی حفاظت کرے۔ حکمرانوں کے خلاف عوام کو حق بغاوت تھا۔	7۔ فرد اور مملکت فرد کا مملکت کے باہر کوئی وجود نہیں۔ سب کو حق آزادی ،مساوات اور جائیداد ان کے شہری ہونے کی بنا پر حاصل ہوتے تھے لیکن ہر فرد آزاد ہوتا تھا کیونکہ تمام پابندیاں وہ خود لگاتا تھا۔
8۔ مملکت اور حکومت ہابز کے یہاں مملکت اور حکومت میں کوئی فرق نہیں	8۔ مملکت اور حکومت لاک کے مطابق مملکت اور حکومت دونوں مختلف تھے ،پہلے مملکت	8۔ مملکت اور حکومت مملکت خود مختار ہے اور حکومت اس کے ماتحت ہوتی ہے۔ اس کے یہاں حکومت

	پھر ایک محدود آئینی حکومت وجود میں آتی ہے	دراصل مملکت کی ترجمان ہوتی ہے

تاریخ انسانی میں تہذیب وتمدن کی شروعات ہوئی تو سماجی معاہدے نے لوگوں اور حکومت کے درمیان تعلق کی وضاحت کی۔ معاہدہ کسی دو فریقین کے درمیان راضی نامہ ہوتا تھا جس میں اگر ایک فریق انحراف کرے تو معاہدہ باطل ہو جاتا تھا۔ سماج معاہدہ کا نتیجہ ہوتا تھا۔ سماج میں رہنے کے لیے افراد کو مختلف قوانین اور اصولوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ سماج حکومت کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا تھا اور معاہدہ ایک فریم ورک فراہم کرتا تھا کہ عوام اور حکومت کی ذمے داریاں کیا ہیں۔ سماجی معاہدے کے تحت افراد کو تحفظ جان ومال، تعلیم، صحت، مساوات اور انصاف ملتا تھا اور اُس کے بدلے اُن کو اپنی کچھ آزادی گروی رکھنی پڑتی تھی۔ مختلف اوقات میں تین دانشوروں ہابس، لاک اور روسو نے معاہدہ عمرانی کا نظریہ دیا۔

تھامس ہابس اُس کے مطابق ابتدا میں معاشرہ فطری حالت میں تھا، حکومت موجود نہ تھی، سب لوگ برابر تھے اور جان کو ہر وقت خطرہ لگا رہتا۔ امن کے حصول کے لیے افراد نے آپس میں معاہدہ کیا اور اپنی آزادی اِس شرط پہ اقتدار اعلا کے سپرد کی کہ وہ اُن کی زندگی کی حفاظت کرے گا۔ ہابس ملوکیت کا قائل تھا۔

جان لاک، ہابس کے حالت جنگ کے نظریے کو نہیں مانتا۔ اُس کے مطابق ابتدائی معاشرہ پر امن تھا اور معاشرے میں مساوات تھی۔ شہری حکومت کا معاہدہ اِس غرض سے کیا گیا کہ اقتدار اعلا لوگوں کی املاک اور جائیداد کی حفاظت کرے۔ اُس کے مطابق حکومت کا مقصد املاک کا تحفظ تھا افراد کا نہیں۔ لاک سرمایہ دارانہ جمہوریت کا سچا نمائندہ تھا۔ لاک نے بادشاہ کی اِس حیثیت کو چیلنج کیا کہ بادشاہ سے کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔ لاک کے مطابق افراد ٹیکس اور خدمات دیتے تھے تو حکومت کو لازماً اِس کے بدلے لوگوں کی خواہشات اور ضرورتوں کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔

روسو کا قول ہے "آدمی آزاد پیدا ہوا ہے مگر ہر طرف زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔" مطلب یورپی حکمران اور ملکہ بے انصافی سے حکومت کرتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے طرز حکمرانی سے لوگوں کی زندگیاں اجیرن کر رکھی تھیں۔ وہ کہتا ہے کہ سماج میں عام آدمی کو مساوات، بنیادی ضروریات اور تعلیم تک ہر ممکن رسائی حاصل ہو۔ تاکہ عوام طاقت کے غلط استعمال کا دفاع کر سکیں۔ روسو کی کتاب "سماجی معاہدہ" 1762 میں شائع ہوئی اور اتنی مقبول ہوئی کہ "انقلاب فرانس کی انجیل" کہلائی۔ اُس کا موضوع شخصی آزادی ہے۔

12.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- سماجی معاہدہ کو سمجھا۔

- ہابس کے سماجی معاہدہ، سماجی معاہدے کے خد و خال، سماجی معاہدے کی خصوصیات، اقتدار اعلا اور سماجی معاہدے کے تنقیدی جائزے کی وضاحت کی گئی ہے۔
- جان لاک کے سماجی معاہدے، نظریہ قانون فطرت، نظریہ فطری حقوق، سماجی معاہدے کے خد و خال، خصوصیات اور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔
- روسو کے سماجی معاہدہ، سماجی معاہدے کی خد و خال اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔
- سماجی معاہدے سے متعلق ہابس، لاک اور روسو کے افکار کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔

12.5 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **مطلق العنان حکمران** : ایک فرد یا گروہ جسے ہر سیاسی اور سماجی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہو
- **فطری حالت** : وہ زمانہ جس میں انسان کا بنایا ہوا قانون نہیں تھا
- **سوفسٹ** : قدیم یونان میں بیان بازی کے ساتھ ساتھ دیگر مضامین کے پیشہ ور اساتذہ

12.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

12.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. سماجی معاہدے کے نظریے کا بانی کسے تسلیم کیا جاتا ہے؟

(a) جان لاک (b) تھامس ہابز

(c) روسو (d) سقراط

2. راہ فرار کا آپشن موجود ہونے کے باوجود سماجی معاہدہ کا احترام کرتے ہوئے سزائے موت کو بخوشی کس مفکر نے قبول کیا۔

(a) جان لاک (b) تھامس ہابز

(c) روسو (d) سقراط

3. لیویاتھن مندرجہ ذیل میں سے کس مفکر کی کتاب ہے۔

(a) جان لاک (b) تھامس ہابز

(c) روسو (d) سقراط

4. جدید سیاسی فلسفے کا بانی ہے؟

(a)جان لاک (b) تھامس ہابز

(c)روسو (d) سقراط

5. وہ کون پہلا مفکر ہے جس نے مملکت کو مفادات میں مفاہمت کرنے والے ادارے کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

(a)جان لاک (b) تھامس ہابز

(c)روسو (d) سقراط

6 . کس مفکر کا قول ہے کہ "انسان آزاد پیدا ہوا تھا لیکن ہر طرف وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا نظر آتا ہے"

(a)جان لاک (b) تھامس ہابز

(c)روسو (d) سقراط

7. سماجی معاہدہ __________ ہے۔

(a) لوگوں کے مابین ایک معاہدہ جس کے تحت افراد کو تحفظ جان و مال، تعلیم، صحت، مساوات اور انصاف ملتا ہے اور اُس کے بدلے اُن کو اپنی کچھ آزادی گروی رکھنی پڑتی ہے۔

(b) بنیادی طور پر یکساں بے غرض اور بے لوث افراد کا معاہدہ جس میں چوری یا قتل نہ کیا جائے۔

(c) ایک مختصر سی جماعت کے لیے خدمت اور ان کی فلاح و بہبودگی

(d) واحد مقبول سیاسی نظری

8. ہابز کے مطابق، فطرت کی حالت میں زندگی __________ تھی۔

(a) اس کے اپنے دور سے زیادہ بہتر تھی (b) آزاد اور شریفانہ

(c) غریب، تنہا، غلیظ، سفاک اور مختصر (d) مشکل لیکن ایماندار

9. مندرجہ ذیل میں سے کس کا خیال ہے کہ لوگوں کی حقیقی قوت منشائے عامہ یا مرضی عام ہے، جو ان کو آزادی اور تحفظ کی بنیاد فراہم کرتی ہے؟

(a)جان لاک (b) تھامس ہابز

(c)روسو (d) سقراط

10. ہابز اور لاک کے مطابق حکومت کا مقصد کیا ہے؟

(a) عوام کو خوش رکھنا (b) عوام کے پیسوں سے فائدہ اٹھانا

(c) فرمان جاری کرنا (d) تمام لوگوں کی حفاظت کرنا

12.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Question)

1. لاک کے سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔
2. فطری حقوق سے آپ کیا سمجھتے ہیں، قلم بند کیجیے؟
3. سماجی نظریہ کے سلسلے میں روسو کے منشائے عام پر مختصر نوٹ لکھیے۔
4. ہابز کے اقتداراعلا کے فرائض لکھیے۔
5. عصر حاضر کے تناظر میں کون سا سماجی معاہدہ بہتر ہے وضاحت کیجیے۔

12.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. سماجی معاہدہ کے متعلق ہابز، لاک اور روسو کے افکار کا تقابلی مطالعہ کیجیے۔
2. سماجی معاہدہ کی اہمیت، ضرورت اور اس کے تاریخی ارتقاپر روشنی ڈالیے۔
3. روسو کے سماجی معاہدہ کے خدوخال پر غوروفکر کیجیے۔

12.7 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Mukherjee, S. and Ramaswamy, S. (2004), A History of Political Thought, PHI
2. Mukhopadhyay, A.K. (1990), Western Political Thought, Calcutta - KP Bagchi.
3. Ray Amal and Bhattacharya Mohit (2013), 'Political Theory, Ideas and Institutions' Word Press, Calcutta.
4. Das P.G (1996), Modern Political Theory, New Central Book Agency (P) Ltd, Calcutta.
5. Gauthier, D. (1977). 'The Social Contract as Ideology'. Philosophy and Public Affairs.
6. Easton, David.(2000).The Political System, Scientific Book Agency, Calcutta.

اکائی 13۔ مملکت کی درجہ بندی

(Classification of the State)

اکائی کے اجزا

13.0		تمہید
13.1		مقاصد
13.2		مملکت اور اس کے عناصر
13.3		جدید دور میں مملکت کی درجہ بندی
13.4		میریٹ کی درجہ بندی
13.5		جمہوریت کی قسمیں
	13.5.1	براہ راست جمہوریت
	13.5.2	بالواسط جمہوریت
13.6		جمہوریت کی خصوصیات
	13.6.1	جمہوریت کی خوبیاں
	13.6.2	جمہوریت کی خامیاں
13.7		وفاقی حکومت
13.8		پارلیمانی حکومت
13.9		صدارتی حکومت
13.10		اکتسابی نتائج
13.11		کلیدی الفاظ
13.12		نمونہ امتحانی سوالات

13.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
13.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
13.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
13.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

13.0 تمہید (Introduction)

علم سیاسیات میں مملکت (State) کو قدیم روایات میں مرکزی حیثیت حاصل تھی جیسے کہ قدیم روایات کے معروف و مشہور مفکر سیاسیات R.G.Gettel کے نزدیک علم سیاسیات بنیادی طور پر مملکت (State) کا مطالعہ ہے ایسے ہی J.W. Garner نے دعویٰ کیا کہ علم سیاسیات مملکت سے شروع ہوتا ہے اور اسی پے ختم بھی۔ ان سب باتوں سے علم سیاسیات میں مملکت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ مملکت انسان کی ایک اعلا سیاسی تنظیم ہے جو انسان کی سماجی وسیاسی شعور کی عکاسی کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں مملکت انسان کے اجتماعی وجود کی عکاسی ہے۔ آج کے دور میں تمام انسان کسی نہ کسی مملکت میں منظّم ہیں۔ جس میں انسان منظّم زندگی بسر کرتا ہے اور پیدائش سے لے کر مرتے وقت تک مملکت کا ممبر رہتا ہے۔

13.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مقصد ہے طلبا کو مملکت کے بارے میں تفصیل سے جانکاری مہیا کرانا۔ اس اکائی کی مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس قابل ہو جائیں گے کے مملکت کی درجہ بندی کیا ہے اور مملکت کتنے قسمیں ہوتی ہے اور اس کی خوبیاں اور خامیاں سے بھی واقف ہو جائیں گے۔ اس اکائی کے ذریعے طلبا جمہوریت کی راہ میں موجود چیلینجز کی نشاندہی بھی کر پائیں گے۔

13.2 مملکت اور اس کے عناصر (State and its Elements)

موجودہ دور میں سماجی اداروں میں سب سے اہم ادارہ مملکت ہے کیونکہ یہ مملکت ہی ہے جس نے انسان کی زندگی کو پُر امن اور مہذب بنایا اور بغیر مملکت کے سماج میں انسانی زندگی بسر کرنا ممکن نہیں ہے جیسا کہ ارسطو کہتا ہے کہ مملکت کا کام اور مقصد انسان کی زندگی کو خوشگوار اور زیادہ بہتر بنانا ہے۔

دورِ جدید میں نکولو میکیاویلی (Niccolo Machiavelli) ایک ایسا ماہر سیاسیات ہے جس نے سب سے پہلے مملکت کا لفظ اپنی کتاب 'Prince' میں استعمال کیا اور اس کے نزدیک "مملکت وہ طاقت ہے جس کو لوگوں پر اختیار حاصل ہوتا ہے "State" "

کا لفظ 'Status' سے ماخوذ ہے جس سے مراد "سیاسی تنظیم" ہے۔

ڈُوڈرو ولسن (Woodrow Wilson) کے مطابق "مملکت قانون سے استفادہ کے لیے متعین علاقہ میں منظّم عوام کا نام ہے"

پروفیسر ہالینڈ (Prof. Holland) کے مطابق "مملکت عوام کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو ایک متعین رقبہ میں آباد ہوتا ہے "

برگس (Burgess) کے نزدیک "مملکت انسانوں کا ایک ایسا گروہ ہے جو منظّم ہو"۔

لیکن سب سے زیادہ جامع اور واضح تعریف پروفیسر گارنر (Prof. Garner) کی ہے جس کے نزدیک "مملکت افراد کی وہ جماعت ہے جو مستقل طور پر کسی علاقے پر قابض ہو، بیرونی اثرات سے آزاد ہو اور ایک منظم حکومت رکھتی ہو اور اس کی اطاعت اس علاقے کے باشندوں کی اکثریت عادۃً کرتی ہو"۔

ان تمام تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مملکت ایک ایسی تنظم کا نام ہے جس کے اجزا علاقہ، آبادی، حکومت اور اقتدار اعلا ہیں، جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہیں:

1 **آبادی(Population)** : مملکت ایک انسانی ادارہ ہے لہٰذا آبادی کے بغیر مملکت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایسی سرزمین جہاں انسان آباد نہ ہوں مملکت نہیں ہوسکتا ہے۔ مملکت کی آبادی کتنی ہونی چاہیے؟ ماہرینِ سیاسیات نے اس کا تعین نہیں کیا ہے بلکہ ان کے نزدیک آبادی ایسی ہونی چاہیئے جو خود کفیل ہو۔ افلاطون اور ارسطو نے مملکت کی آبادی کی حدیں مقرر کی تھیں مثلاً افلاطون کے نزدیک مملکت کی آبادی پانچ ہزار ہونی چاہے اور ارسطو نے دَس ہزار کی آبادی کی تجویز کی تھی لیکن موجودہ دُنیا میں مملکت کی آبادی کی کوئی حَد نہیں مقرر کی جاسکتی۔ آج کل کم آبادی والے مملکت بھی ہیں اور زیادہ آبادی والے بھی۔

2 **علاقہ / سرزمین (Territory)** : انسانی آبادی کو رہنے کے لیے ایک مستقل سَرزمین چاہیئے لہٰذا سَرزمین بھی مملکت کا ایک لازمی جُز ہے۔ قدیم زمانے میں قبیلے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے تھے اس لیے وہ مملکت نہیں بنا سکے کیونکہ ان کی کوئی مستقل سَرزمین نہیں تھی۔ مملکت کا رقبہ / سرزمین کتنا ہونا چاہیئے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ دُنیا میں چھوٹے رقبے والے مملکت بھی ہیں اور لمبے رقبے والے بھی۔ مملکت کی سرزمین میں صرف زمین ہی نہیں آتی ہے بلکہ سارے قدرتی وسائل و ذرائع جیسے جنگل، دریا، پہاڑ وغیرہ۔ بین الاقوامی قانون کے مطابق اگر کوئی مملکت سمندر کے پاس واقع ہے اس کا بھی کچھ حصہ مملکت کی سرزمین میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی سرزمین کے اوپر کی فضا بھی ایک حد تک مملکت کے علاقے کا حصّہ تصوّر کی جاتی ہے۔

3 **حکومت(Goverment)** : مملکت کا ایک اہم عنصر حکومت ہے۔ محض سرزمین اور آبادی کی بنا پر مملکت وجود میں نہیں آسکتا ہے۔ جب تک کہ لوگ سیاسی طور پر منظم نہ ہوں اور ان کی اپنی حکومت نہ ہو وہ مملکت نہیں بناسکتے۔ حکومت کے ذریعے ہی مملکت اپنے اُمور انجام دیتا ہے حکومت وہ ایجنسی ہے جس کے ذریعے مملکت نظم و نسق قائم کرتا ہے۔ حکومت کا کام یہ ہے کہ قانون بنائے اور اس کو نافذ کرائے اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے اور ملک کو بیرونی حملوں سے بچاؤ کرے اور ملک کے حق و مفاد میں کام کرے۔

4 **اقتدار اعلا(Sovereignty)** :اقتدار اعلا مملکت کی روح ہے اس کے بغیر مملکت کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اقتدار اعلا ہی وہ چیز ہے جو مملکت کو دوسرے تمام سماجی اداروں اور تنظیموں سے ممتاز کرتا ہے۔ اقتدا اعلا سے مراد بیرونی تسلّط سے آزاد ہونا اور داخلی طور پر خود مختار ہونا ہے۔ اس طرح اقتدار اعلا کے خارجی اور داخلی پہلو ہیں۔ ہندوستان 15 اگست 1947 سے قبل مملکت نہیں تھا کیونکہ وہ بیرونی تسلّط سے آزاد نہیں تھا لیکن جب وہ آزاد ہوا تو دنیا کے نقشہ میں ایک خود مختار مملکت بن کر اُبھرا۔

مملکت کی تقسیم (Classification of the State) قدیم زمانے سے ماہرین سیاسیات نے مملکت کی تقسیم پر روشنی ڈالی۔ سب سے حکرانی تقسیم وہ ہے جو ارسطو نے اپنی کتاب "Politics" میں پیش کی۔ اس تقسیم کی بنیاد دو اُصولوں پر ہے

(1) **حکمرانی کا مقصد** (Purpose of the Rule) ارسطو کے نزدیک اگر حکومت ساری قوم کے مفاد میں کی جاتی ہے تو یہ اچھی حکومت کہلائے گی اور اگر صرف حکمراں کے مفاد میں کی جاتی ہے تو یہ خراب حکومت کہلائے گی۔ ان دو اُصولوں کی بنا پر ارسطو نے مملکت کی مندرجہ ذیل تقسیم کی تھی:

حکمرانوں کی تعداد اچھی حکومت، خراب حکومت

اچھی حکومت	خراب حکومت
ایکشاہی (Monarchy)	جابرانہ حکومت (Tyranny)
چنداشرافیہ(Aristocracy)	چند سری (Oligarchy)
کئی منظّم معاشرہ (Polity)	جمہوریت(Democracy)

ارسطو کی اس درجہ بندی سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس کے نزدیک حکومت کی تین اچھی اور تین بگڑی شکلیں ہیں اور سب سے زیادہ بگڑی ہوئی حکومت جمہوریت ہے لیکن ارسطو کی جمہوریت کی تنقید آج کے دور میں قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ آج جمہوریت کو بہترین طرز کی حکومت تصوّر کیا جاتا ہے جسے انسان نے اب تک دریافت کیا ہے۔ ارسطو کے بعد حکومت / مملکت کی درجہ بندی مختلف ماہرین سیاسیات نے پیش کی ہے۔ مان تس کیو (Montesquieu) نے مملکت کی تین قسمیں قرار دیں:

1۔ Despotic مملکت جس میں بادشاہ یا فردِ واحد اپنی من مانی کے مطابق حکومت کرتا ہے۔

2۔ بادشاہت(Monarchy) جس میں بادشاہ قانون کے تحت حکومت کرتا ہے۔

3۔ Republic جس میں اقتدار اعلا کے مالک عوام ہیں۔

مان تس کیو کے خیال میں جمہوریت عوامی بھی ہو سکتی ہے اور اشرافیہ بھی۔ جان لوک (John Locke) نے حکومت کو مکمل جمہوریت (Perfect Democracy) چند سری اور شاہی میں تقسیم کیا ہے، میکیاویلی (Machivalli) نے ارسطو کی درجہ بندی کرتے ہوئے شاہی اور جمہوریہ کی ایک مرکب حکومت (Mixed Govt.) کو سب سے بہترین حکومت قرار دیا ہے۔

ان سب ماہرین نے ارسطوں کی تقسیم کو بنیاد بنایا لیکن ان میں وہی نقص پایا جاتا ہے جو ارسطو کی تقسیم میں پایا جاتا ہے۔

13.3 جدید دور میں مملکت کی درجہ بندی(Classification of the State in Modern Age)

Bluntschliاور J.A.K. Marriot نے دورِ جدید میں مملکت / حکومت کی درجہ بندی کی ہے۔ Bluntschli ارسطو کی درجہ بندی قبول کرتا ہے اور اس میں ایک چوتھی قسم کی حکومت کو شامل کرتا ہے۔ چنانچہ حکوت کی چوتھی اچھی قسم دینی حکومت (Theocracy) ہے اور اس کی خراب شکل بت پرست حکومت (Idolocracy) ہے۔ دینی حکومت میں حکمران خدا کا نائب ہے اور خدائی احکامات کے مطابق حکومت کرتا ہے جب کہ بت پرست حکومت کا حکمران اس کے مخالف حکومت کرتا ہے۔

13.4 میریٹ کی درجہ بندی(Marriot's Classification)

میریٹ نے حکومت کی درجہ بندی تین بنیادوں پر کئی:

1 مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے درمیان تعلق (Relation between Central and State Government) :اگر تمام اختیارات مرکزی حکومت کے پاس ہو تو یہ وحدانی حکومت ہے اور اگر اختیارات مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کے درمیان منقسم ہو تو یہ وفاقی حکومت ہے۔

2 ٹھوس اور لچک دار دستور کی بنیاد پر : (Rigid and Flexible Constitution) اگر دستور میں ترمیم کرنا آسان ہو تو یہ لچک دار حکومت ہے اور اگر قانون میں ترمیم کرنا مشکل ہو تو یہ ٹھوس حکومت ہے۔

3 انتظامیہ اور مقننہ کے درمیان تعلق (Relation between Administration and Legislature) : انتظامیہ اور مقنّنہ کے درمیان تعلق کی بنیاد پر میریٹ حکومتوں کو صدارتی، مطلق العنان (Despotic) اور پارلیمانی میں تقسیم کرتا ہے۔

حکومت کی جدید درجہ بندی میں سب سے جامع درجہ بندی ڈاکٹر لیکاک (Dr. Leacock) نے پیش کی ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

مطلق العناں مملکت (Despotic state) میں تمام اختیارات فرد واحد کے پاس ہوتے ہیں جو اپنی مرضی کے مطابق حکومت چلاتا ہے اور لوگوں کی رائے کے مطلق پرواہ نہیں کرتا ہے۔ اس حکومت میں لوگوں کو کسی قسم کی آزادی اور حقوق نہیں ہوتے ہیں۔ ہر بات حکمران کی رائے اور مرضی پر منحصر ہوتی ہے۔

مطلق العنان مملکت کی اچھائیاں (Merits of Despotic State): اس حکومت کی تنظیم بہت سادہ ہوتی ہے۔ یہ بڑی تیزی اور مؤثر ڈھنگ سے کام کر سکتی ہے۔ یہ مسلسل اور مستحکم پالیسی کو برقرار رکھتی ہے۔

مطلق العنان مملکت کی خرابیاں(Demerits of Despotic State): اس حکومت میں اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ حکمران اپنے اختیارات کا بے جا اور ناجائز استعمال نہیں کرے گا۔ اس بات کی بھی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ اچھے حکمران کا جانشین بھی اچھے ہوں گے۔ اس حکومت میں لوگوں کے کیرکٹر کی تعمیر اور ان کی خداداد صلاحیتوں کی نشوونما ممکن نہیں ہے۔

جمہوریت: (Democracy) جمہوریت کی تعریف پیش کرنا آسان کام نہیں ہے کیونکہ جمہوریت محض ایک طرز حکومت کا نام نہیں، یہ

محض مملکت کی ایک قسم نہیں بلکہ یہ سماجی زندگی کی ایک قسم ہے۔جمہوریت کا لفظ یونانی زبان کے الفاظ Demos اور Cratia سے لیا گیا ہے۔ Demos کو یونانی زبان میں عوام اور Cratia کو طاقت کہتے ہیں اس لیے لفظی معنیٰ کے اعتبار سے جمہوریت لوگوں کے ہاتھ میں طاقت کا نام ہے۔

جمہوریت کی تعریفات (Definitions of Democracy)

1۔ جمہوریت عوام کی، عوام سے اور عوام کے لیے حکومت کا نام ہے۔ ابراہم لنکن

2۔ جمہوریت وہ حکومت ہے جس میں حکمراں جماعت تقابلی طور پر پوری قوم کا بڑا حصّہ ہوتی ہے۔ اے۔وی۔ڈائیسی

3۔ جمہوریت وہ حکومت ہے جس میں ہر ایک کا حصّہ ہوتا ہے- پروفیسر سیلے

آج کے دور میں اگر دیکھا جائے تو جمہوریت صرف ایک طرز حکومت کا نام ہی نہیں بلکہ یہ مکمل طور پر طرز معاشرت، سماجی رویہ، حُسن سُلوک کا نام ہے۔ لہٰذا جب ہم جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد ہماری زندگی کے معاشی، سیاسی اور سماجی پہلوں سے بھی ہے

13.5 جمہوریت کی قسمیں(Types of Democracy)

13.5.1 براہِ راست جمہوریت (Direct Democracy)

اگر تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو براہِ راست جمہوریت قدیم یونان میں شہری مملکتوں میں پائی جاتی تھی۔ یہ وہ حکومت ہے جس میں عوام براہِ راست حکومت میں حصّہ لیتی ہے۔ یہ حکومت ان مملکت کے لیے ممکن ہے جن کی آبادی کم ہو جہاں لوگ ایک جگہ اکٹھا ہو پائیں اور حکومتی پالیسی پر گفتگو کر پائیں چوں کہ جدید دور میں مملکت کی آبادی بہت ہے لہٰذا یہ حکومت ناممکن ہے۔

13.5.2 بالواسطہ جمہوریت(Indirect Democracy)

یہ وہ حکومت ہے جس میں عوام براہِ راست حکومت میں حصّہ نہیں لیتی بلکہ وقتاً فوقتاً انتخابات کے ذریعے اپنے نمائندے چُن لیتی ہے جو عوام کی مرضی کا اظہار کرتے ہیں۔ پارلیمانی جمہوریت برطانیہ / ہندوستان بالواسطہ جمہوریت کی مثال ہے۔ اس حکومت میں جو سیاسی تنظیم پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرتی ہے وہ حکومت بناتی ہے اور پارلیمنٹ کے پاس جواب دہ ہوتی ہے۔ آج کی دُنیا کے بیشتر ممالک نے یہ طرزِ حکومت اختیار کی ہے جیسے انڈیا، امریکہ، برطانیہ وغیرہ وغیرہ۔

13.6 جمہوریت کی خصوصیات (Characteristics of Democracy)

جمہوریت کی مندرجہ ذیل خُصوصیات ہیں:

(1) رضامندی سے حکومت(Government by Consent): یہ ایک ایسی حکومت ہے جس میں لوگوں کی رضامندی سے حکومت

ہوتی ہے۔اس میں لوگ ہی حاکم اور محکوم دونوں ہوتے ہیں۔ اس میں ہر بالغ مرد وعورت شہری کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہوتا ہے اور وہ الیکشن میں اپنے نمائندے منتخب کرتا ہے اور یہ الیکشن آزادانہ طور سے ہوتے ہیں۔

(2) اکثریت کی حکومت(Majority Rule) :اس حکومت کی ایک اہم خُصوصیت یہ ہے کہ اس میں حکومت کرنے کا حق اکثریت کو حاصل ہوتا ہے یعنی الیکشن کے ذریعے جس پارٹی کو مقننہ میں اکثریت حاصل ہو وہ حکومت بناتی ہے اور اکثریتی پارٹی کا لیڈر وزیر اعظم مقرر کیا جاتا ہے اور وہی اپنی کابینہ بناتا ہے۔

(3) آزادی و حُقوق(Recognition of Freedom and Rights) : اس طرز حکومت میں شہریوں کو آزادی اور کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ ان کو تحریر و تقریر کی آزادی حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ حکومت کو تنقید بھی کر سکتے ہیں۔ اس طرز حکومت میں بلاوجہ کسی کو گرفتار یا سزا نہیں دی جاتی ہے کیونکہ لوگوں کو کچھ حقوق حاصل ہیں جن کی خلاف ورزی حکومت بھی نہیں کر سکتی ہے۔ اس میں اقلیت کو بھی حقوق کا تحفظ ملتا ہے۔

(4) مخالف سیاسی پارٹی(Opposition Political Party) : جمہوریت میں ایک اپوزیشن پارٹی کا ہونا لازمی ہے کیونکہ یہ ضروری ہے کہ مقننہ کے اندر اور باہر کوئی ایسی مضبوط سیاسی پارٹی ہو جو حکومت کی پالیسیوں کی خامیوں کو لوگوں کے سامنے رکھے تا کہ حکومت سنجیدگی سے اپنا کام کرے۔

13.6.1 جمہوریت کی خوبیاں(Merits of Democracy)

جمہوریت کی خوبیاں مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ جمہوریت کی خوبی یہ ہے کہ اس میں لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ خود حکومت کرتے ہیں اور وہ کسی کے محکوم نہیں ہیں۔

2۔ جمہوریت میں انقلاب کا کم خطرہ ہے کیونکہ اگر لوگ کسی کی حکومت سے مطمئن نہ ہو تو وہ الیکشن کے ذریعے حکومت کو تبدیل کرتے ہیں۔

3۔ دوسری حکومتوں کے مقابلے میں جمہوریت ہی عوام کی بھلائی و ترقی کے لیے زیادہ بہتر سے کام کرتی ہے۔ کیونکہ حکومت چلانے والے پورے طور سے عوام کے کنٹرول میں ہوتے ہیں۔ اگر وہ عوام کے مفاد کو نظر انداز کرنے لگے تو پھر وہ اقتدار سے محروم ہو جاتے ہیں۔

4۔ اس کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کی بنیاد آزادی، مساوات اور حقوق کے مشترکہ اُصولوں پر قائم ہے۔

5۔ اس طرزِ حکومت میں چوں کہ عوام اور حکومت کے درمیان مضبوط رابطہ اور رشتہ ہے اس لیے عوام میں وفاداری اور حب الوطنی کا جذبہ بھی زیادہ پایا جاتا ہے۔ اگر ملک میں کسی وقت کوئی بھی آفت آپڑے تو عوام اس آفت سے نمٹنے کے لیے منظّم و متحد ہو جاتی ہے۔

13.6.2 جمہوریت کی خامیاں (Demerits of Democracy)

جمہوریت کی کچھ خامیاں مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ جمہوری نظام کو کامیاب بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عوام تعلیم یافتہ ہو اور ان میں سیاسی شعور ہو تا کہ وہ بہترین نمائندوں کا انتخاب کریں۔ لیکن اکثر ممالک میں یہ شرط نہیں پائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ حکومت کی باگ ڈور نااہل افراد کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔

2۔ جمہوریت پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ نازک حالت میں جب کہ فوری فیصلے کی ضرورت ہوتی ہے مگر جمہوری حکومت اپنا وقت بحث و مباحث میں ضائع کر دیتی ہے اور بسا اوقات دیر میں فیصلہ کرنے کی وجہ سے ملک کو بڑا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

3۔ جمہوری حکومت ایک ناپائیدار حکومت ہے اور یہ آئے دن بنتی اور ٹوٹتی رہتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حکومت کوئی مستقل پالیسی نہیں اختیار کر پاتی ہے۔

4۔ اس حکومت میں اقلیت ہمیشہ اکثریت کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ عملی طور پر اگر دیکھا جائے تو جمہوریت اکثریت کی حکومت ہے

5۔ جمہوری حکومت ایک خرچیلی حکومت ہے آئے دن الیکشن ہوتے رہتے ہیں۔ جس میں گورنمنٹ بہت پیسہ خرچ کرتی ہے اور سیاسی پارٹیاں اور اُمیدوار بھی اپنے آپ کو جِتانے کے لیے روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ یہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ کا سبب بن جاتی ہے۔

بادشاہت (Monarchy)

یہ وہ مملکت ہے جس میں اقتدار اعلا ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور وہ لا محدود اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ اختیارات کے لحاظ سے بادشاہات کی دو قسمیں ہوویں:

مطلق العنان بادشاہت (Absolute Monarchy)

یہ وہ بادشاہت ہے جس میں بادشاہ ہی حقیقی معنی میں ملک کا حاکم ہوتا ہے اور وہی قانون سازی، انتظامی اور عدالتی اختیارات کا سرچشمہ ہوتا ہے عہد قدیم میں اس کا رواج عام تھی لیکن اب یہ کسی مہذب ملک میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اس کو Despotic State بھی کہا جاتا ہے۔

محدود یا دستوری بادشاہت (Limited or Constitutional Monarchy)

یہ وہ مملکت ہے جس میں بادشاہ کے اختیارات محدود ہوتے ہیں اور وہ دستور کے مطابق اپنے فرائض انجام دیتا ہے اور صرف انہیں قوانین کو منظوری دیتا ہے جنہیں منتخبہ مقننہ نے پاس کر دیا ہو۔ وہ اپنی خواہش کے مطابق کچھ نہیں کر سکتا ہے بلکہ وہ ہر معاملے میں وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کا محتاج ہے۔ بادشاہات کی اس قسم میں بادشاہ کی شان و شوکت باقی رہتی ہے لیکن اسے حقیقی اختیارات حاصل نہیں۔

محدود بادشاہات کی خوبیاں (Merits of Limited Monarchy)

- اس حکومت میں اصل اقتدار وزیز اعظم اور اس کی کابینہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو لوگوں کے نمائندوں میں سے ہوتے ہیں۔
- دستوری بادشاہ لوگوں کے دِلوں میں حکومت کی وفاداری کا جذبہ اُبھارتا ہے۔
- بادشاہ کی ذات قومی اتحاد اور یک جہتی کے جذبے کو مضبوط بناتی ہے۔
- بادشاہ چوں کہ پارٹی بندی سے بالاتر رہتا ہے اس لیے اس کی ذات پر سب کو اعتماد ہوتا ہے۔

وحدانی اور وفاقی حکومتیں (Unitary and Federeal Governments)

جدید ماہرین سیاسیات، اختیارات کی بنائ پر حکومتوں کو وحدانی اور وفاقی حکومتوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ وحدانی حکومت وہ ہے جس میں تمام اختیارات مرکزی حکومت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور مملکتوں کو وہی اختیارات حاصل ہوتے ہیں جو انہیں مرکزی حکومت عطا کرے اور جب وہ چاہے ان اختیارات واپس بھی لے سکتی ہے۔ لہٰذا اس حکومت میں تمام اختیارات ایک مرکز کے ہاتھ میں ہوتا ہے جیسے برطانیہ کی حکومت۔

وحدانی حکومت کی خصوصیات (Characteristics of Unitary Goverment)

☆وحدانی مملکت میں اقتدار کا ایک ہی مرکز ہوتا ہے۔ یعنی تمام اختیارات مرکزی حکومت کے پاس ہوتے ہیں۔ ☆وحدانی حکومت میں جو صوبائی حکومتیں ہوتی ہیں وہ تمام مرکزی حکومت کے تحت ہوتی ہیں اور ان کی حیثیت محض ایجنٹ کی ہوتی ہے اور انہیں کسی قسم کی اقتدار اعلا حاصل نہیں ہوتی ہے ☆وحدانی حکومت کا دستور عام طور سے لچک دار (Flexible) ہوتا ہے جو سارے اختیارات مرکزی حکومت کو دیتا ہے۔ کبھی کبھی وحدانی حکومت میں تحریری دستور نہیں ہوتا ہے جیسے برطانیہ، کیونکہ اس حکومت میں اختیارات کی تقسیم نہیں ہوتی۔ ☆ وحدانی حکومت کی ایک بڑی خاصیت یہ ہے کہ عوام کو ایک ہی شہریت حاصل ہوتی ہے اور یکساں شہری حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

وحدانی حکومت کی خوبیاں (Merits of Unitarty Government)

- اس حکومت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ملک میں نظم و نسق اور قوانین میں یکسانیت ہوتی ہے کیونکہ اس میں سارے اختیارات ایک ہی مرکز کے پاس ہوتے ہیں۔ لہٰذا حکومت کو انتظامی دُشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے۔
- اس حکومت میں اقتدار اور ذمے داری میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں دوہرے ادارے نہیں ہوتے ہیں بلکہ پورے ملک کے لیے ایک ہی مجلسِ قانون ساز ہوتی ہے جو سارے ملک کے لیے قوانین بناتی ہے اس سے حکومت کا خرچ بھی کم ہو جاتا ہے۔
- قومی اتحاد کے جذبے کو بڑی تقویت پہنچاتی ہے اور اس میں قومی مفاد کے مقابلے میں علاقائی یا صوبائی مفاد کو ترجیح نہیں دی جاتی۔
- وحدانی حکومت چھوٹے رقبہ والے مملکت کے لیے موزوں ہے جہاں لوگوں میں کم سے کم مذہبی، زبانی اور کلچری اختلافات ہوں۔

وحدانی حکومت کی خامیاں (Demerits of Unitary Government)

- اس حکومت میں اس بات کا ہمیشہ خطرہ رہتا ہے کہ مرکزی حکومت کہیں مطلق العنان نہ بن جائے اور عوام کو نقصان نہ پہنچے۔
- اس طرز حکومت میں مرکزی حکومت کے کاموں کا بوجھ بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے اور اس وجہ سے وہ بہت سے معاملوں کی طرف توجہ نہیں دے پاتی اور اس وجہ سے نظم و نسق کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔
- بڑی آبادی والے مملکت جہاں مختلف مذہب، مختلف زبانیں اور مختلف کلچر ہوں، یہ حکومت موزوں نہیں ہے۔

- جدید دور میں مرکزی حکومت کو کئی بین الاقوامی مسائل کو سُلجھانا ہوتا ہے۔ لہٰذا علاقائی مسائل پر کم توجہ دی جاتی ہے۔ نتیجتاً نظم ونسق میں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور عوام مرکزی حکومت سے مایوس ہو جاتی ہے۔

13.7 وفاقی حکومت (Federal Government)

یہ وہ مملکت ہے جس میں مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم دستور کے ذریعے کی گئی ہو اور دونوں حکومتیں اپنے دائرے میں آزاد ہوتی ہیں۔ Dicey کے مطابق یہ ایک ایسی سیاسی تدبیر ہے جس کے ذریعے قومی اتحاد بھی برقرار رکھا جاتا ہے اور صوبوں کو اقتدار اعلا بھی حاصل ہوتی ہے۔ امریکہ، ہندوستان، سویت یونین وغیرہ اس کی مثال ہے۔

فیڈریشن کی امتیازی خصوصیات (Essential Characteristics of Federation)

- تقسیم اختیارات (Division of Power) وفاقی حکومت کی روح ہے۔ بغیر مرکز اور مملکتوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کے فیڈریشن قائم نہیں ہو سکتی ہے۔ اس میں مرکزی اور مملکتی حکومتوں کے اختیارات متعین اور واضح ہوتے ہیں۔
- وفاقی حکومت میں مرکزی اور مملکتی حکومت کے درمیان اختیارات کی تقسیم کے لیے ایک ٹھوس اور تحریری دستور لازمی ہے۔ اگر دستور تحریری نہ ہو تو پھر مرکزی اور مملکتی حکومتوں کے درمیان اختیارات کے بارے میں طرح طرح کے جھگڑے پیدا ہو جائیں گے۔
- وفاقی حکومت کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آزاد سپریم کورٹ ہوتا ہے۔ کیونکہ وفاق میں مرکزی اور مملکتی حکومتوں کے درمیان یا دو اور دو سے زیادہ مملکتی حکومتوں کے درمیان تنازعات کی تصفیہ کے لیے آزاد سپریم کورٹ کا ہونا ضروری ہے۔
- وفاقی حکومت کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس میں مرکزی مقننہ کے دو ایوان ہوتے ہیں ایک ایوان ملک کے تمام لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے اور دوسرا صوبائی مملکتوں کی۔ جیسے ہندوستان کے پارلیمنٹ میں دو ایوان ہیں لوک سبھا اور راجیہ سبھا۔

وفاقی حکومت کی خوبیاں (Merits of Federal Government)

- اس حکومت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دونوں حکومتوں کے درمیان آپسی تعاون پایا جاتا ہے۔ اس میں ایک طرف قومی اتحاد قائم رہتا ہے اور دوسری طرف مملکتوں کو بھی آزادی حاصل ہوتی ہے۔
- اس مملکت میں حکومت مطلق العنانی کے رُجحانات کو روکتی ہے۔ کیونکہ اس میں چیک اور بیلنس کا اصول (Principle of checks and balances) پایا جاتا ہے۔ مملکتی حکومتیں مرکزی حکومت ایک دوسرے کو مطلق العنان نہیں بننے دیتی ہے۔
- اس حکومت کی بڑی خوبی اس کی طاقت میں ہے کیونکہ اس میں چھوٹی چھوٹی مملکتیں آپس میں اتحاد کر کے وفاقی حکومت بناتی ہیں تاکہ وہ اپنی آزادی کو مل کر محفوظ رکھ سکیں۔

- یہ حکومت ایسے مُلکوں کے لیے موزوں ہے جو آبادی اور رقبے کے لحاظ سے بڑے ہوں اور جہاں لوگوں میں نسلی، ثقافتی، مذہبی، لسانی اختلافات موجود ہوں۔ ایسے لوگ ایک ایسی حکومت کو تسلیم کرتے ہیں جو ان کو اپنے ذاتی اور مقامی مسائل میں اقتدار اعلا دے۔

ان تمام خوبیوں کی وجہ سے دُنیا کے مختلف ممالک نے یہ طرز حکومت قبول کیا ہے جیسے امریکہ، ہندوستان، کنیڈا وغیرہ۔

وفاقی حکومت کی خامیاں (Demerits of Federal Government)

- وفاقی حکومت کی بنیادی خامی یہ ہے کہ وحدانی حکومت کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں اختیارات کی تقسیم مرکزی حکومت اور مملکتی حکومتوں کے درمیان ہوتی ہیں۔ اس لیے اکثر معاملات پر قوانین بنانے میں آپسی تنازعہ پیدا ہوتا ہے۔
- چوں کہ اس میں دو حکومتیں ہوتی ہیں اس لیے حکومت کے اخراجات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔
- اس میں دستور غیر لچک دار ہوتا ہے۔ لہٰذا بدلتے حالات کے مطابق اس میں ترمیم کرنا آسان نہیں ہوتا ہے۔
- اس حکومت میں یہ خطرہ ہمیشہ لاحق ہوتا ہے کہ چند مملکتیں ملک سے علاحدگی طلب کرتی ہیں۔ اس میں مملکت کے بھی اختیار ہے۔

13.8 پارلیامانی حکومت (Parliamentary Government)

ماہرین سیاسیات نے مقننہ (Legislature) اورانتظامیہ یا عاملہ (Executive) کے درمیان تعلق کی بنائی پر حکومتوں / مملکت کو پارلیمنٹری اور صدارتی حکومت میں تقسیم کیا ہے۔ پارلیمنٹری حکومت ایک ایسی حکومت ہے جس میں حقیقی انتظامیہ کابینہ اپنے سارے کاموں اور پالیسیوں کے لیے مقننہ کے پاس جواب دہ ہوتی ہے اور یہ اس وقت تک اقتدار میں رہتی ہے جب تک اس سے مقننہ میں اکثریت کی تائید حاصل ہو اور اگر اس کو تائید حاصل نہ ہو تو کابینہ کو مستعفی ہونا پڑتا ہے۔ اس طرز حکومت کو پارلیمنٹری حکومت کہتے ہیں۔ اس طرح کی حکومت برطانیہ، انڈیا، جاپان وغیرہ میں ہے۔

پارلیمنٹری حکومت کی خصوصیات (Characteristics of Parliamentary Government)

اس طرز حکومت کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

- اس طرز حکومت میں دو انتظامیہ یا عاملہ (Dual Executive) ہوتے ہیں۔ ایک برائے نام ہوتا ہے دوسرا حقیقی کیونکہ اس کے جیسے انڈیا میں صدر جمہوریہ برائے نام کا حقیقی اور وزیر آعظم حقیقی جس کے پاس حکومت کے اصل اختیارات ہوتے ہیں۔
- اس طرز حکومت میں کابینہ جس کے پاس اصل اختیارات ہوتے ہیں اور وہ اپنے سارے کاموں اور پالیسیوں کے لیے مقننہ کے پاس جواب دہ اور ذمے دار ہوتی ہے۔
- اس طرز حکومت میں جس سیاسی پارٹی کو مقننہ میں اکثریت حاصل ہوتی ہے وہ حکومت بناتی ہے اور اُس پارٹی کا لیڈر وزیر اعظم بن جاتا ہے اور اس کے مشورہ سے صدر جمہوریہ دوسرے وزیروں کو مقرر کرتا ہے۔

- کابینہ کے اراکین مقننہ کے ممبر ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے اگر کوئی مقننہ کا ممبر نہیں ہے تو وہ کابینہ کا ممبر نہیں بن سکتا ہے۔

پارلیمنٹری حکومت کی خوبیاں (Merits of Parliamentary Government)

- اس طرز حکومت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مقننہ اور انتظامیہ کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ چوں کہ کابینہ کے ممبر مقننہ کے ممبر ہوتے ہیں۔ اس لیے حکومت کے یہ دونوں شعبے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہتے ہیں۔
- اس حکومت کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں حکومت جواب دہ ہوتی ہے۔ کابینہ جو حقیقی انتظامیہ ہوتی ہے اپنے سارے کاموں اور پالیسیوں کے لیے مقننہ کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ایک جواب دہ حکومت کہلاتی ہے۔
- اس حکومت میں دستور لچک دار ہوتا ہے جس کو حسب ضرورت اور بدلتے وقت کے تقاضوں کے ساتھ آسانی سے ترمیم کی جاسکتی۔
- اس کی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں مطلق العنان کے رُجحانات کم پائے جاتے ہیں۔

پارلیمنٹری حکومت کی خامیاں (Demerits of Parliamentary Government)

- اس کی بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں حکومت مضبوط نہیں ہوئی ہے کیونکہ حکومت اسی وقت تک بر سر اقتدار رہتی ہے جب تک اس کو مقننہ میں اکثریت حاصل ہو۔ اس لیے یہ ایک ناپائیدار حکومت ہوتی ہے جو آئے دن بنتی اور ٹوٹتی رہتی ہے۔
- یہ حکومت مسلسل اور دائمی پالیسیوں کے لیے موزوں نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں آئے دن حکومت بنتی اور ٹوٹتی ہے۔ حکومت کی روح جو کہ سیاسی پارٹیاں ہیں ہر مسئلے کو اپنی پارٹی کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں اور مخالف پارٹی کی پالیسیوں کو بدل کر اپنے مفاد کے مطابق پالیسی بناتے ہیں جب وہ اقتدار میں آجاتے ہیں۔
- اس حکومت میں اختیارات کی تقسیم کا اُصول (Separation of Powers) نہیں پایا جاتا ہے جو کہ صدارتی حکومت میں ہے

13.9 صدارتی حکومت (Presidential Government)

صدارتی حکومت وہ ہے جس میں اصل انتظامی اختیارات منتخبہ صدر کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جو مقننہ کے پاس جواب دہ نہیں ہوتا ہے اور اس کی میعاد مقننہ کی مرضی پر نہیں بلکہ دستور کے مطابق ایک مقررہ مدّت کے لیے ہوتی ہے جیسے امریکہ کے صدر کی مدّت چار سال ہوتی ہے۔ صدر صرف مملکت کا رسمی سربراہ نہیں ہوتا بلکہ وہ انتظامیہ کا بھی سربراہ ہوتا ہے۔

صدارتی حکومت کی خصوصیات (Characteristics of Presidential Government)

- اس حکومت میں ایک ہی انتظامیہ (Single Executive) وہ صدر ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں تمام انتظامی اختیارات ہوتے ہیں اور وہ خود ان کو استعمال کرتا ہے۔ حکومت کو چلانے کے لیے صدر کچھ وزیروں کو مقرر کرتا ہے جو اس کے ماتحت کام کرتے ہیں۔
- اس حکومت میں صدر حقیقی اور مقننہ دونوں کا انتخاب الگ الگ ہوتا ہے۔ صدر ایک مقررہ وقت کے لیے منتخب ہوتا ہے اور مقننہ اس کو اس کے عہدے سے آسانی سے نہیں ہٹاسکتی ہے اور نہ صدر اپنی پالیسیوں اور کاموں کے لیے مقننہ کے پاس جواب دہ ہوتا ہے۔

- اس حکومت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی بنیاد مقننہ اور صدر کے درمیان اختیارات کی تقسیم کے اُصول پر ہے اور حکومت کے یہ دونوں شعبے اپنے کام جو دستور نے انہیں دیا کرتے ہیں اور ایک دوسرے میں دخل اندازی نہیں کرتے ہیں۔
- اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ملک کے لیے ایک مضبوط اور محکمہ حکومت فراہم کرتی ہے کیونکہ صدر کی میعاد مقرر ہوتا ہے۔

صدراتی حکومت کی خامیاں (Demerits of Presidential Government)

- اس طرز حکومت کی بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں اکثر مقننہ اورانتظامیہ کے درمیان تصادم ہوتا رہتا ہے کیونکہ دونوں شعبے ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں اور یہ علاحدگی نقصان دہ ہوتی ہے جیسے اگر صدر ایک پارٹی کا ہو اور مقننہ میں اکثریت دوسری پارٹی کی ہو جیسے کہ اکثر امریکہ میں ہوتا ہے۔
- دوسری خامی یہ ہے کہ اس میں حکومت ذمے دار نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ ملک کا صدر حقیقی حاکم ہوتا ہے اور وہ اپنی پالیسیوں اور کاموں کے لیے مقننہ کے پاس جواب دہ نہیں ہوتا ہے اور صدر مقررہ مدّت کے لیے منتخب ہوتا ہے۔

13.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس باب (Chapter) کو پڑھنے کے بعد طلبہ مندرجہ ذیل ماخوذ کریں گے۔ **مملکت** ایک ایسی سیاسی تنظیم ہے جس کے لازمی اجزا آبادی، رقبہ، حکومت اور اقتداراعلا ہیں۔ سب سے پہلے **مملکت** کی تقسیم ارسطو نے پیش کی ہے۔ اس کے نزدیک حکومت کی تین اچھی شکلیں ہیں اور وہ شاہی، اَشرافیہ اور منظم معاشرہ ہیں اور تین بگڑی شکلیں ہیں اور وہ جابرانہ حکومت، چند سری اور جمہوریت ہیں۔ دورِ جدید میں سب سے جامع حکومت کی درجہ بندی ڈاکٹر لیکاک (Dr. Leacock) نے پیش کی ہے۔ اس کے نزدیک حکومت کی مختلف قسمیں ہیں جو زیادہ تر دورِ جدید میں پائی جاتی ہیں جیسے جمہوری حکومت، وفاقی حکومت، وحدانی حکومت، پالیمنٹری، صدارتی حکومت وغیرہ ہیں۔

13.11 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **مملکت** (State) : ایک منظم سیاسی گروہ ہے جو ایک حکومت کے ماتحت ہوتی ہے
- **حکومت** (Government) : یہ وہ ایجنسی ہے جس کے ذریعے مملکت اپنے اُمور کو انجام دیتا ہے۔
- **اقتداراعلا** (Sovereignty) : اقتداراعلاسے مراد بیرونی تسلط سے آزاد اور داخلی خودمختاری۔
- **جمہوریت** (Democracy) : وہ حکومت جس میں حکومت بنانے کی طاقت لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔
- **پالیمنٹری حکومت** : وہ ہے جس میں کابینہ مقنّنہ کے پاس جواب دہ ہوتی ہے۔

13.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

13.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1 دورِ جدید میں "مملکت" کی اصطلاح سب سے پہلے کس نے استعمال کی؟

(a) ارسطو (b) گارنر (c) نکولو میکیاولی (d) میریٹ

2 مندرجہ ذیل میں کون مملکت کا عنصر نہیں ہے؟

(a) آبادی (b) سرزمین (c) حکومت (d) یو۔این۔او کی ممبرشپ

3 کس ماہر سیاسیات نے کہا کہ "علم سیاسیات بنیادی طور پر مملکت کا مطالعہ ہے" ؟

(a) جیٹل (b) گارنر (c) ارسطو (d) لیکاک

4 مطلق العنان مملکت وہ ہے جس میں حکومت کے تمام اختیارات:

(a) لوگوں کے پاس ہوتے ہیں (b) ایک فرد کے پاس ہوتے ہیں

(c) ایک گروپ کے پاس ہوتے ہیں (d) سیاسی پارٹی کے پاس ہوتے ہیں

5 مندرجہ ذیل خصوصیات میں کون سی جمہوریت کی خصوصیت نہیں ہے؟

(a) ریضامندی سے حکومت (b) اکثریت کی حکومت

(c) بنیادی حقوق کی عدم موجودگی۔ (d) آزادانہ انتخاب

6 حکومت کی اختیارات کی تقسیم کس طرز حکومت کی بنیاد ہے؟

(a) جمہوریت (b) وفاقی حکومت (c) صدارتی حکومت (d) وحدانی حکومت

7 پارلیمنٹری حکومت کی بڑی خامی کیا ہے؟

(a) حکومت کی جواب دہی کی عدم موجودگی (b) مضبوط حکومت کا فقدان

(c) دستور کی لچک داری (d) مقننہ اور انتظامیہ میں تصادم

8 وحدانی اور وفاقی حکومت میں کیا چیز تفریق کرتی ہے؟

(a) حکومت کے اختیارات کی تقسیم (b) مقننہ کے دو ایوان

(c) جوابدہ حکومت (d) عدالت کا ہونا

9 جمہوریت عوام کی، عوام سے اور عوام کے لیے حکومت کا نام ہے۔ یہ کس نے کہا؟

(a) اے۔وی۔ڈائیسی (b) لیکاک

(c) ارسطو (d) ابراہم لنکن

10۔ میریٹ کے مطابق حکومت کی درجہ بندی ہے۔

(a) مرکزی اور مملکتی حکومتوں کے درمیان درجہ بندی (b) ٹھوس اور لچک دار دستور

(c) انتظامیہ اور مقننہ کے درمیان تعلق (d) یہ سبھی

13.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

(1) مملکت اور اس کے عناصر کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ تحریر کیجیے۔

(2) ارسطو نے مملکت کی جو قسمیں بیان کی ہیں۔ ان کی تفصیل سے جائزہ لیجیے۔

(3) علم سیاسیات میں مملکت کی اہمیت کو بیان کیجیے۔

(4) مطلق العنان مملکت کس سے کہتے ہیں؟ اس میں اور بادشاہت میں کیا فرق ہے؟

(5) جمہوریت کو دور جدید میں کیوں اچھی طرز حکومت سمجھا جاتا ہے؟ بیان کیجیے

13.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

(1) پارلیمنٹری اور صدارتی حکومت کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لیجیے۔

(2) وفاقی اور وحدانی حکومت کی فرق کو واضح کیجیے۔

(3) بالواسطہ جمہوریت پر ایک تفصیلی نوٹ تحریر کیجیے۔

13.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. M.P. Jain (1993)–Political Theory–Liberal and Marxian, Authors Guild publishers, Delhi

2. O.P. Gauba(2007), An introduction to poltical Theory, MacMillan India Ltd

3. Amal Ray & M. Bhattacharya(2013), Political Theory: Ideas & Institutions, World press, latest ed.

4. R.M. Maclver (1948),Web of Government, The Macmillan Company, New york

5. N. Jaya palan (1999), Modern Governments, Atlantic Publication, New Delhi

6. J.W. Garner (1928), Political Science and Government, American Book Company

7. Harold Zink(1958), Modern Government, Van Nostrand

اکائی 14۔ مملکت کے فرائض: روایتی نقطہ نظر

(Functions of the State: Classical Perspective)

اکائی کے اجزا

14.0 تمہید

14.1 مقاصد

14.2 مملکت کے معنی اور مفہوم

14.3 مملکت کی تاریخ

14.3.1 یونانی اور رومن تصورات کے تناظر میں

14.3.2 دور جدید کے تصورات کے تناظر میں

14.3.2 عصر حاضر کے تصورات کے تناظر میں

14.4 مملکت کی ضرورت

14.5 مملکت کے بنیادی فرائض

14.6 مختلف نظریات کے تناظر میں مملکت کے فرائض

14.6.1 خدائی نظریہ یا نظریہ تخلیق ربانی

14.6.2 پدر سری نظریہ

14.6.3 مادر سرانہ نظریہ

14.6.4 قوت کا نظریہ یا نظریہ جبر

14.6.5 سماجی معاہدے کا نظریہ

14.6.6 مارکسی نظریہ

14.7 روایتی نقطۂ نظر کے تناظر میں مملکت کے فرائض

14.8 اکتسابی نتائج

14.9 کلیدی الفاظ
14.10 نمونہ امتحانی سوالات
14.10.1 معروضی جوبات کے سوالات
14.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
14.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
14.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

14.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں طلبا مختصراً مملکت کے معنی اور مفہوم سے روشناس ہوں گے۔ اس اکائی میں بتایا جائے گا کہ اس اکائی کے مقاصد کیا ہیں؟ مملکت کی مختصر تاریخ بیان کی جائے گی۔ اس میں بتایا جائے گا کہ مملکت کی ضرورت کیوں پڑتی ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے؟ مملکت کے بنیادی فرائض سے روشناس کرایا جائے گا۔ مختلف نظریات بالخصوص روایتی نظریے کی رو سے مملکت کے کاموں کو بیان کیا جائے گا۔ اکائی پر بحث کرنے کے بعد اکتسابی نتائج جاننے کے لیے معروضی اور مختصر سوالات دیے جائیں گے۔

14.1 مقاصد (Objectives)

- مملکت کے معنی اور مفہوم کو سمجھنا۔
- مملکت کی تاریخ سے روشناس ہونا۔
- مملکت کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھنا۔
- مملکت کے بنیادی فرائض سے روشناس ہونا۔
- مختلف نظریات کی بالخصوص روایتی نظریے کی رو سے مملکت کے کاموں کو سمجھنا۔

14.2 مملکت معنی اور مفہوم (Meaning and Definition of State)

مملکت انسانوں کی انجمن کی ایک شکل ہے جو اپنے مقصد، نظم و امان اور سلامتی کے قیام، طریقوں، قوانین اور ان کا نفاذ، علاقوں، دائرہ اختیار یا جغرافیائی حدود اور خاص طور سے اقتدار اعلا کی وجہ سے دوسرے سماجی گروہوں سے ممتاز ہے۔ مملکت ایک منظم سیاسی برادری یا سماج کا نام ہے جو حکومت کے تحت کام کرتی ہے۔ مملکت کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں ان کی قسموں پر ہی ان کے کاموں کا انحصار ہوتا ہے۔ مملکتوں کی

درجہ بندی مختلف طرح سے کی جاسکتی ہے جیسے مطلق العنان یا خود مختار مملکتیں۔ یہ ایسی مملکتیں جو کسی بھی دوسری طاقت یا مملکت پر منحصر نہیں ہیں، یا اس کے تابع نہیں ہیں۔ ماتحت مملکتیں وہ مملکتیں ہیں جو بیرونی اقتدار اعلا یا بالادستی کے تابع سمجھی جاتی ہیں جن کی حتمی اقتدار اعلا کسی دوسری مملکت میں ہوتی ہے۔ وفاقی مملکت ایک علاقائی، آئینی جماعت ہے جو کسی فیڈریشن کا حصہ ہوتی ہے۔ ایسی مملکتیں خود مختار مملکتوں سے مختلف ہوتی ہیں، اس میں وہ اپنی خود مختار اختیارات کا ایک حصہ وفاقی حکومت کو منتقل کر دیتی ہیں۔ مملکت افراد کے درمیان، زیادہ تر وسیع پیمانے پر، معاہدے پر مشتمل ہے جس کے تحت تنازعات کو قوانین بنا کر حل کیا جاتا ہے۔

14.3 مملکت کے تاریخ (History of the State)

مملکت کے کاموں کو بہتر طریقے سے جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مختصر تاریخ کو سمجھا جائے تاکہ قدیم زمانے اور آج کی مملکتوں کے فرق کی وضاحت ہو سکے۔

14.3.1 یونانی اور رومن تصورات کے تناظر میں (Greek and Roman Perspective)

مغربی مملکت کی تاریخ کا آغاز قدیم یونان سے ہوتا ہے۔ افلاطون اور ارسطو نے پولس یا سٹی مملکت یعنی شہری مملکتوں کو ایک مثالی شکل کے طور پر پیش کیا ہے، جس میں پوری برادری کی مذہبی، ثقافتی، سیاسی اور معاشی ضروریات پوری ہو سکیں۔ ارسطو نے شہری مملکت، جس کی بنیادی خصوصیت اقتدار اعلا تھی، کو انسان کے کردار میں اخلاقیات کو فروغ دینے کے ذرائع کے طور پر دیکھا تھا۔ یونانی نقطۂ نظر قوم کے جدید تصور سے زیادہ بہتر طور پر مسابقت رکھتا ہے—یعنی ایک مخصوص علاقے کی آبادی جس کی مشترکہ زبان، ثقافت اور تاریخ ہے— جب کہ رومن ریز پبلیکا، یا دولت مشترکہ مملکت کے جدید تصور سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ ریس پبلیکا ایک قانونی نظام تھا جس کے دائرہ اختیار میں تمام رومن شہریوں کے حقوق کو محفوظ بنانے اور ان کی ذمے داریوں کا تعین کرنا تھا۔ اختیار کے سوال اور نظم وضبط کی ضرورت کے نتیجے میں رومن نظام کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے، یوروپ کے متحارب جاگیرداروں کے مابین ایک طویل عرصے تک جدوجہد چلی۔

14.3.2 دور جدید کے تصورات کے تناظر میں (Modern Perspective)

21ویں صدی تک مملکت کا جدید تصور ابھر کر سامنے نہیں آیا تھا۔ نیکولو مکیاولی (اٹلی) اور جین بوڈین (فرانس) کی تحریروں سے یہ سامنے آیا کہ استحکام کے لیے مرکزی قوت ضروری ہے۔ اپنی تصنیف 'پرنس' میں میکیاویلی نے حکومت کے استحکام کو اولین اہمیت دی، تمام اخلاقی تحفظات کو پس پشت ڈال کر حکمران کی طاقت، حوصلہ اور آزادی پر توجہ دی گئی۔ اس کے برخلاف اسی کے ہم عصر بوڈین کے لیے خود مختار بنانے کے لیے طاقت کافی نہیں تھی بلکہ پائیدار حکومت ہونے کے لیے حاکم کو اخلاقیات کی تعمیل کرنا اور اس میں تسلسل کا ہونا بھی ضروری ہے - بوڈین کے نظریہ 17 ویں صدی کے "بادشاہوں کے خدائی حق" کے نظریہ کا پیش خیمہ بن گیا جس کے نتیجے میں بادشاہت یوروپ میں حکومت کی ایک اہم شکل بن گئی۔ اس کے نظریے نے انگلینڈ میں جان لاک اور فرانس میں جین جیک روسو جیسے 17 ویں صدی

کے اصلاح پسندوں کے نظریات کے لیے ایک آب و ہوا پیدا کی، جنہوں نے مملکت کی ابتدا اور مقاصد کا جائزہ لینا شروع کیا۔ لاک، روسو اور تھامس ہوبس کے مطابق مملکت انسانوں کی فطرت کی عکاسی کرتی ہے۔ انسان اپنے آپ کو مملکت کے خود حکمرانی کے تابع کرتا ہے اور اسے خود کو بچانے کا واحد ذریعہ سمجھتا ہے اور جس سے وہ اپنے آپ کو تباہی سے بچاتا ہے۔ لاک کہتا ہے کہ مملکت تحفظ کی ضرورت سے پیدا ہوتی ہے۔ لاک نے کہا کہ مملکت وہ سماجی معاہدہ ہے جس کے ذریعے افراد زندگی، آزادی اور املاک کی ایک دوسرے سے حفاظت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے "فطری حقوق" کی خلاف ورزی نہیں کرتے ہیں بلکہ اس کے بدلے میں ہر شخص اپنی "آزادی کے دائرہ" کو محفوظ کرتا ہے۔ روسو کے نظریات انسانی فطرت کے سلسلے میں ہابز یا لاک سے کہیں زیادہ مثبت رویہ کی عکاسی کرتے ہیں۔ روسو کا ماننا تھا کہ ملک خود خود مختار ہے، اور قانون کچھ بھی نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر لوگوں کی مرضی ہے۔ روسو نے مملکت کو انسانیت کی اخلاقی نشو نما کے ماحول کے طور پر تسلیم کیا۔ اس کا کہنا تھا کہ انسان بنیادی طور پر اچھا ہی رہا ہے اور اسی وجہ سے عمومی فلاح و بہبود کا مقصد حاصل کرنے کا اخلاقی مقام سنبھالنے کے قابل ہے۔

19 ویں صدی کے جرمنی کے فلسفی جی ڈبلیو ایف ہیگل نے پوری مملکت کی حیثیت سے آزادی کے دائرہ کو دیکھا، آزادی کسی فرد کا اتنا حق نہیں ہے۔ آزادی یہ نہیں ہے کہ کسی کی پسند اس کے مطابق ہو بلکہ یہ عافیت کے لیے آفاقی مرضی کی صف بندی ہے۔ ہیگل کے نزدیک، مملکت اخلاقی عمل کی انتہا تھی، جہاں انتخاب کی آزادی شعوری خواہش کے اتحاد کا باعث بنی تھی، اور معاشرے کے تمام حصوں کو پوری طرح صحت یاب بنایا گیا تھا جب کہ اس کے پیش رو امانوئل کانٹ نے تنازعات کو مکمل طور پر ختم کرنے اور "ہمیشہ کے لیے امن" قائم کرنے کے لیے اقوام متحدہ کی لیگ کے قیام کی تجویز پیش کی تھی۔ 19 ویں صدی کے افادیت پسند فلسفیوں نے کہا کہ مملکت مفادات کا اتحاد پیدا کرنے اور استحکام کو برقرار رکھنے کے لیے ایک مصنوعی آلہ کار تھی۔ کارل مارکس جیسے ابتدائی کمیونسٹ مفکرین کے لیے مملکت ایک حکمران طبقے کے ذریعے "مظلومیت کا سامان" بن چکی تھی جس کا مقصد ہمیشہ معاشی بالادستی کو برقرار رکھنا تھا۔

14.3.3 عصر حاضر کے تصورات کے تناظر میں (Contemporary Perspective)

19 ویں صدی میں، مملکت کے تصورات انتشار پسندی سے لے کر فلاحی مملکت تک لیے گئے تھے، انتشار پسندی میں مملکت کو غیر ضروری اور حتی کہ نقصان دہ سمجھا جاتا ہے کیوں کہ وہ کسی نہ کسی طرح جبر کرتی ہے۔ فلاحی مملکت جس میں اس کے ممبران کی بقا کی ذمے داری حکومت پر عائد کی گئی تھی۔ قوم پرستی سے متاثر دنیا کی جنگوں کے ذریعے پیدا ہونے والی تباہی کے تناظر میں بین الاقوامیت کے نظریات نمودار ہوئے۔ کیلسن نے مملکت کے نظریہ کو محض ایک مرکزی قانونی حکم کے طور پر پیش کیا، جو فرد سے زیادہ خود مختار نہیں ہے۔ اجازو نے ایک نئی قسم کی مملکت کی تجویز پیش کی جس میں تمام افراد کی آفاقی خصوصیات نے اتحاد کی ایک بنیاد فراہم کی، جس میں پورا معاشرہ ایک حیاتیات کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔

14.4 مملکت کی ضرورت (Necessity of the State)

مملکت ہمیشہ سے انسانوں کی ضرورت رہی ہے بلکہ انسان نے خود اپنے تحفظ کے لیے اس کی بنیاد ڈالی۔ مندرجہ ذیل نکات سے ہم مملکت کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

1۔ **تحفظ کے لیے:** انسان ایک سماجی جانور ہے۔ اس کی فطرت اور ضروریات اسے مجبور کرتی ہیں کہ وہ معاشرے میں رہے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ سماجی تعلقات پیدا کرے۔ وہ فطری طور پر ایک شیر خوار جانور ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنا اور ساتھی انسانوں کی صحبت میں رہنا چاہتا ہے۔ اسے اپنی سلامتی، امن و امان کی فراہمی کے ساتھ ساتھ تمام مجرموں اور سماج دشمن عناصر کو سزا دینے کے لیے مملکت کی ضرورت پڑتی ہے۔ انسان کو معاشرے میں اپنی جان، مال اور تعلقات کی سلامتی کے لیے مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔

2۔ **سماجی تعلقات کے لیے:** جب انسان دوسروں کی صحبت میں رہتا ہے تو وہ فطری طور پر دوسرے انسانوں کے ساتھ سماجی تعلقات استوار کرتا ہے۔ وہ کنبہ اور کئی دوسرے گروپ بناتا ہے۔ وہ تعلقات کے نظام میں شامل ہو جاتا ہے۔ اسے متعدد تعلقات وراثت میں بھی ملتے ہیں اور زندگی بھر ان کے ساتھ بندھا رہتا ہے۔ مزید یہ کہ اس کی جسمانی اور معاشی ضروریات اسے ہمیشہ معاشی تجارتی اور ثقافتی تعلقات استوار کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔

3۔ **معاشی ضروریات کے لیے:** ہر معاشرے میں عوام کو مملکت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ مملکت معاشی کاروبار اور تجارتی تعلقات کے انعقاد کے لیے کرنسی اور سکے مہیا کراتی ہے۔ عام طور پر مملکت تمام شہریوں کے فائدے کے لیے تمام مالیاتی پالیسیاں اور منصوبے مرتب کرتی ہے اور اس پر عمل درآمد کرتی ہے۔ یہ معاشرے کے غریب اور کمزور طبقوں کو مالی مدد فراہم کرتی ہے۔ سلامتی امن و امان کی فراہمی کے ذریعے، مملکت لوگوں کو اپنے معاشی تعلقات اور سرگرمیاں انجام دینے میں مدد فراہم کرتی ہے۔

4۔ **معاشرے میں امن، سلامتی اور سب کی فلاح و بہبود کے لیے مملکت کی ضرورت:** سماج میں انسان کا اپنا ایک وجود ہے، اس کے ساتھ ہی اس کی خود غرض فطرت بھی اس کے وجود کا ایک حصہ ہے۔ بعض اوقات کچھ افراد کی خود غرضی مشکلات اور دوسروں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ مملکت کی طرف سے اس کی روک تھام کی جاتی ہے۔ معاشرے میں رہتے ہوئے انسان کو اپنی جان و مال کے تحفظ کی ضرورت ہے۔

5۔ **جنگ اور بیرونی دشمنوں سے تحفظ کے لیے مملکت کی ضرورت ہے:** مملکت ہر معاشرے کا خود مختار سیاسی ادارہ ہے۔ یہ ادارہ لوگوں کی حفاظت کرتا ہے اور ان کی خوشی، خوش حالی اور ترقی کے حالات کو یقینی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ بیرونی جارحیتوں، جنگوں اور داخلی رکاوٹوں اور عوارضوں کے خلاف تحفظ اور سلامتی حاصل کرنے کے لیے مملکت کی ضرورت پڑتی ہے۔ سلامتی، امن، استحکام اور بیرونی جارحیتوں اور جنگوں کے خلاف تحفظ کے لیے معاشرے کو مملکت کی ضرورت ہے۔ بیرونی جنگیں لڑنے اور جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے مملکت دفاعی افواج کو برقرار رکھتی ہے۔ مملکت دہشت گردی اور تشدد کے خاتمے کے لیے کام کرتی ہے۔

مملکت کی اہمیت (Importance of the State): ہر معاشرے میں مملکت کی اہمیت مسلم ہوتی ہے۔ یہ معاشرے کی کئی اہم ضروریات

کو پورا کرتی ہے۔

1. مملکت فوج کا نظام بر قرار رکھتی ہے۔
2. مملکت پولس کا نظام بر قرار رکھتی ہے۔
3. مملکت قانونی طور پر لوگوں کے حقوق کی ضمانت دیتی ہے۔
4. مملکت کرنسی اور سکے کو جاری اور منظم کرتی ہے۔
5. مملکت لوگوں کے سماجی و اقتصادی- سیاسی- ثقافتی ترقی کے لیے ضروری حالات کے قیام کے اقدامات کرتی ہے۔
6. مملکت شہریت دیتی ہے اور ان کے مفادات اور حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔
7. مملکت خارجہ تعلقات، غیر ملکی تجارت اور معاشی تعلقات کا انعقاد کرتی ہے۔
8. مملکت بین الاقوامی تعلقات میں قومی مفاد کے اہداف کو حاصل کرتی ہے۔

14.5 مملکت کے بنیادی فرائض (Basic Functions of the State)

مملکت کے کیا کام ہونا چاہیے؟ اس بارے میں مسلسل تنازعہ رہتا ہے۔ سیاسی مفکرین نے وقتاً فوقتاً مملکتی سرگرمیوں کے بارے میں مملکت کے مختلف نظریات کو سامنے رکھا ہے۔ ایک طرف انتشار پسند، کمیونسٹ وغیرہ جیسے مفکرین مملکت کے وجود پر ہی سوال اٹھاتے ہیں اور ایک بے مملکت معاشرے کی حمایت کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف، تصورات پرست جیسے مطلق مفکرین ہیں جو مملکت کو قادر مطلق سمجھتے ہیں اور انسانی زندگی سے متعلق ہر عمل کو اس کے سپرد کرتے ہیں۔ مملکت کے کچھ متفقہ فرائض درج ذیل ہیں:

1. **نظم و ضبط کی بحالی:** مملکت کے پاس عجیب و غریب خصوصیات موجود ہیں جو اسے اس فعل کو انجام دینے کے قابل بناتی ہیں۔ نظم و ضبط کی بحالی کے لیے، اس کا بنیادی کام، مملکت متعدد ماتحت کام انجام دیتی ہے جیسے انجمنوں کے کام کو باقاعدہ اور ہم آہنگ کرنے، شہریت کے حقوق اور فرائض کی وضاحت، مواصلات اور آمدورفت کے ذرائع کو قائم کرنے اور ان پر کنٹرول کرنے، حساب کتاب، سماجی نظام کے درمیان اور دیگر سماجی تعلقات کے درمیان، افراد کے مخصوص حقوق اور فرائض کی تشکیل، فوج اور پولس کے نظام کو بر قرار رکھنا اور انصاف کی فراہمی کرنا ہے۔

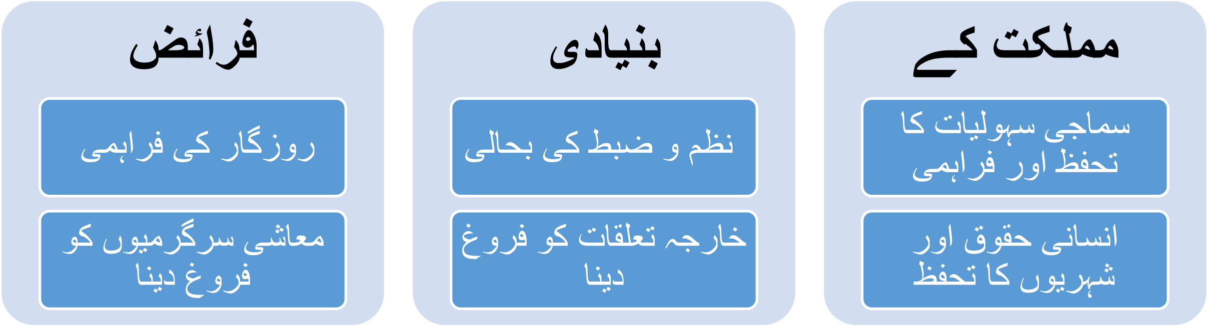

2. **سماجی سہولیات کا تحفظ اور فراہمی:** مملکت مسابقتی مفادات کے مقابلہ میں سب کے مفاد اور مستقبل کے مفاد کو بہتر طور پر برقرار رکھ سکتی ہے۔ لہٰذا جنگلات کا تحفظ، ماہی گیری اور معدنی وسائل کا استحصال وہ کام ہیں جو مملکت کو انجام دینے چاہیے۔ مملکت پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ سماجی سہولیات جیسے اسکول، اسپتال، سڑکیں، پانی، بجلی، عوامی بیت الخلا کی سہولیات، تفریحی سہولیات، رہائش وغیرہ کی فراہمی کرے۔ یہ کام حکومتی اداروں کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے لیکن حالیہ دنوں میں، کچھ حکومتیں کچھ افراد کو نفع کی سہولیات کی فراہمی کا ماحول بناتی ہیں۔ اگر قدرتی وسائل کا استحصال نجی افراد کے ہاتھ میں ہوگا تو وہ اجتماعی فوائد کی قیمت پر اپنا فائدہ حاصل کریں گے۔

3. **روزگار کی فراہمی اور معاشی سرگرمیوں کو فروغ دینا:** مملکت سے اپنے شہریوں کے لیے روزگار کی توقع کی جاتی رہی ہے بلکہ بہت سے ممالک میں یہ مملکت کے آئین میں بھی شامل ہے۔ ملک کی معاشی ترقی کو فروغ دینا مملکت کا کام ہے۔ حکومتوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کے لیے سامان اور خدمات کے لیے کارپوریشنوں کا قیام کریں اور ذاتی طور پر افراد کو بھی ایسا کرنے کے قابل بنانے کے لیے ماحول پیدا کریں۔

4. **انسانی حقوق اور شہریوں کے تحفظ کی گارنٹی:** مملکت کا ایک اور اہم کام اپنے شہریوں کے حقوق کی ضمانت ہے۔ خصوصا زندگی کے حق جیسے بنیادی حقوق کی ضمانت۔ اس سے شہریوں میں مملکت کی پیش کردہ ہر چیز سے لطف اندوز ہونے کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ اس سے شہریوں کو اپنے گھروں میں محفوظ رہنے اور امن وامان محسوس کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔ اس طرح اعتماد اور سماجی استحکام کو تقویت ملے گی۔ شہری کے حقوق میں زندگی کا حق، انجمن کی آزادی، آزادانہ نقل و حرکت، املاک کے مالکانہ حقوق وغیرہ شامل ہیں۔ یہ ذمے داری حکومت کی طرف سے حکومت کے دواداروں عدلیہ اور مجلس عاملہ کی مشترکہ کوشش سے انجام دی جاتی ہے۔

5. **خارجہ تعلقات کو فروغ دینا:** کوئی بھی ملک تنہائی میں نہیں رہ سکتا اسی وجہ سے مملکت دوسرے ممالک کے ساتھ سب کے باہمی فائدے کے لیے بیرونی تعلقات قائم کرتی ہے۔

14.6 مختلف نظریات کے تناظر میں مملکت کے فرائض

(Functions of State in Different Theoritical Perspective)

کئی انسانی معاشروں پر ہزاروں سال مملکتوں کے زیر اقتدار حکومت رہی ہے، لیکن بیشتر تاریخ سے پہلے، لوگ بے مملکت معاشروں میں رہتے تھے۔ پہلی مملکتیں تقریباً چھ ہزار سال پہلے شہروں کی تیز رفتار نشوونما، تحریر کی ایجاد، اور مذہب کی نئی شکلوں کی تدوین کے ساتھ مل کر کھڑی ہوئی تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ، مختلف اقسام مملکتین وجود میں آئیں، جنہوں نے اپنے وجود (جیسے خدائی یا ربانی، سماجی معاہدے کا نظریہ وغیرہ) کے لیے مختلف جوازوں کو استعمال کیا۔ تاہم، آج، جدید قومی مملکت، مملکت کی ایک بنیادی شکل ہے جس کے تحت لوگ مشروط طریقے سے رہ رہے ہیں۔ مملکت کے روایتی کاموں کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم مملکت کے وجود کے مختلف نظریات کے مطابق کاموں کا جائزہ لیں، اس سے ہمیں روایتی نظریے کے کاموں کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

14.6.1 خدائی نظریہ (Theory of Devine State)

مملکت کے وجود کا سب سے قدیم نظریہ الہامی نظریہ ہے۔اسے بادشاہ کے آسمانی حق کے نظریہ کے طور پر بھی دیکھا جاتا ہے۔اس نظریہ کو پھیلانے والے سمجھتے ہیں کہ انسان کی کسی کوشش سے مملکت وجود میں نہیں آئی۔اسے خدا نے پیدا کیا ہے۔مملکت پر حکمرانی کرنے والا بادشاہ زمین پر خدا کا ایجنٹ ہے۔بادشاہ خدا سے اس کا اختیار حاصل کرتا ہے اور اس کے سبھی اعمال کے لیے وہ صرف خدا کا جواب دہ ہے۔بادشاہ کی اطاعت خدا کے لیے مقرر کی گئی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنا گناہ ہوگا۔باشاہ قانون سے بالاتر ہے اور کسی بھی مضمون کو اس کے اختیار یا اس کے عمل سے سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔مملکت کی خدائی تخلیق کا تصور قدیم دور سے مل جاتا ہے۔قدیم لوگوں کا یہ عالمگیر عقیدہ تھا کہ بادشاہ زمین پر خدا کا نمائندہ ہے اور مملکت خدا کی نعمت ہے۔اس طرح بادشاہ کی سیاسی اور مذہبی دونوں حیثیتیں تھیں۔ یہاں تک کہ اگر بادشاہ خراب بھی ہے تب بھی لوگوں کو اس سے بغاوت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

14.6.2 پدر سری نظریہ (Patriarchial Theory)

اس نظریہ کا اصل بانی سر ہنری مائن ہے۔ان کے بقول شہر متعدد خاندانوں کا اجتماع ہے جو اس کنبے کے سب سے بڑے مرد ممبر کے کنٹرول اور اختیار میں تیار ہوا۔بزرگ خاندان کے سربراہ یا والد نے خاندان کے دوسرے افراد پر اپنی طاقت اور اثر و رسوخ قائم کیا۔اس کی حکم گھر کے تمام افراد پر چلتا تھا۔یہ پدر سری خاندان قدیم معاشرے کا سب سے قدیم منظم سماجی ادارہ تھا۔

شادی کے عمل کے ذریعے خاندانوں میں وسعت آنا شروع ہوگئی اور انہوں نے جنس کو جنم دیا جس کا مطلب ایک گھرانہ ہے۔کئی جنسوں نے ایک کنبہ بنایا۔کنبوں نے ایک قبیلہ تشکیل دیا۔جارحین سے اپنے دفاع کے مقصد کے لیے خون کے تعلقات پر مبنی مختلف قبائل کے ایک کنفڈریشن نے ایک دولت مشترکہ تشکیل دی جسے مملکت کہا جاتا ہے۔ایڈورڈ جینکس جو پدرانہ نظریہ کا دوسرا حامی ہے اس کے خیال میں مملکت کی بنیاد تین عوامل یعنی مرد سے خونی رشتے، مستقل شادیاں اور آبائی (پدر) اختیارات کی وجہ سے ہوئی ہے۔اس نظریہ کا ایک اور اہم حامی ارسطو تھا۔اس کے بقول-"جس طرح مرد اور عورت اپنا کنبہ بنانے کے لیے متحد ہوتے ہیں، اسی طرح بہت سے خاندان گاؤں کی تشکیل کے لیے متحد ہوتے ہیں اور بہت سے دیہاتوں کا اتحاد مملکت کی تشکیل کرتا ہے جو ایک خود کفیل یونٹ ہے۔

14.6.3 مادر سرانہ نظریہ (Matriarchial Theory)

مادر سرانہ نظریے کے سب سے بڑے حامی مورگن، میکلنن اور ایڈورڈ جینکس ہیں۔ان کے بقول، قدیم معاشرے میں کبھی بھی کوئی پدر سرانہ خاندان نہیں تھا اور یہ کہ یہ پدر سرانہ خاندان اس وقت ہی وجود میں آیا جب مستقل نکاح کافی مقبول تھا۔لیکن قدیم معاشرے میں مستقل شادی کے بجائے ایک طرح کی جنسی انتشار پھیلا ہوا تھا۔اس حالت میں باپ کی بجائے ماں خاندان کی سربراہ تھی۔خون کی رشتے داری ماں کے توسط سے قائم ہوتی تھی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ کنبہ مملکت کی بنیاد ہے۔

14.6.4 قوت کا نظریہ (Theory of Coersion)

مملکت کا ایک اور ابتدائی نظریہ طاقت کا نظریہ ہے۔اس نظریے کو پھیلانے والوں کا خیال ہے کہ مملکت کی تشکیل میں کچھ طاقت ور قبیلوں

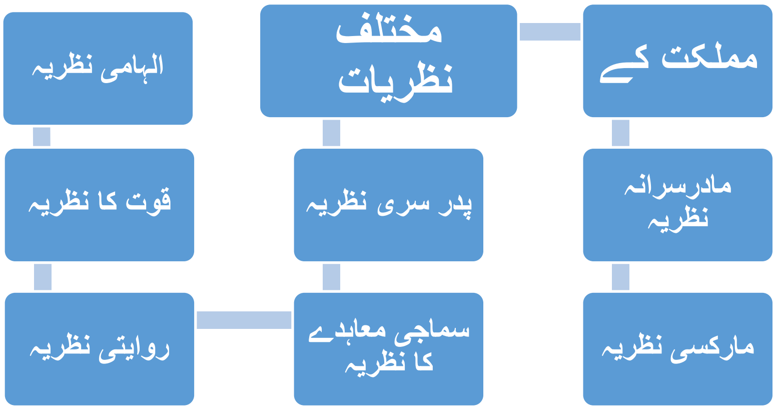

کی جنگیں اور جارحیتیں بنیادی عوامل تھیں۔ وہ مملکت کے وجود کی تاریخی وضاحت کے طور پر "جنگ نے بادشاہ کو پیدا کیا" کے مقولے پر یقین رکھتے ہیں۔ قدیم معاشرے میں طاقت پر حقوق پر غالب آگئی۔ جسمانی طور پر مضبوط آدمی نے کم طاقتور لوگوں پر اپنا اختیار قائم کیا۔ لہٰذا کسی قبیلے کا سب سے مضبوط اور طاقت ور شخص اس قبیلے کا سربراہ یا قائد بن گیا۔ مملکت کے قیام کے بعد اس نے دوسرے لوگوں کو محکوم کرکے امن وامان برقرار رکھنے اور مملکت کو باہری جارحیت سے بچانے کے لیے اپنے اختیار کا استعمال کیا۔ اس طرح طاقت نہ صرف مملکت کی ابتدا کے لیے بلکہ مملکت کی ترقی کے لیے بھی ذمے دار تھی۔ یہ نظریہ بہترین کی بقا کے مقولے پر مبنی ہے۔ فریڈرک ہیگل، ایمانوئل کانٹ، جان برنہاردی اور ٹریسکی جیسے جرمن فلسفیوں نے مملکت کی تشکیل میں قوت کو اہم مانا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مملکت اور جنگ اور طاقت فیصلہ کن عوامل ہیں۔

14.6.5 سماجی معاہدے کا نظریہ (Social Contract Theory)

مملکت کی وجود کے حوالے سے سب سے مشہور نظریہ سماجی معاہدہ کا نظریہ ہے۔ یہ نظریہ یہ بتاتا ہے کہ مملکت کسی وقت عوام اور خود مختار کے مابین معاہدے کے نتیجے میں وجود میں آئی تھی۔ اس نظریے کو ماننے والے تین اہم مفکرین تھے۔ یہ تھامس ہابز، جان لاک اور جین جیک روسو تھے۔ سماجی معاہدے کی تھیوری کا مرحلہ یہ ہے کہ لوگ اپنے پہلے سے موجود فطری حقوق کے تحفظ کے مقصد کے لیے حکومت بناتے ہیں–یہ سب جانتے ہیں کہ یہ حقوق پہلے آتے ہیں اور ان حقوق کے تحفظ کے لیے حکومت تشکیل دی گئی ہے۔

14.6.6 مارکسی نظریہ (Marxist Theory)

مارکسیوں کا خیال ہے کہ مملکت طبقاتی جدوجہد کے ذریعے طاقت کی مدد سے تخلیق ہوئی ہے۔ مارکسسٹوں کا آغاز اس قدیم معاشرے سے ہوا تھا جہاں جھگڑا کرنے کے لیے کوئی زائد دولت نہیں تھی اور نہ ہی مملکت تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ، معاشرہ متضاد مفادات کے ساتھ مخالف طبقوں میں تقسیم ہوتا گیا۔ یہ طبقاتی عداوت مملکت کی اصل وجہ تھی۔ مملکت کو قائم کرنے کے لیے سب سے زیادہ طاقت ور طبقے

نے پیداوار کے طریقوں پر قابو پالیا تاکہ دوسرے طبقات پر بھی اس کا تسلط یقینی بنایا جاسکے جو پیداوار کے طریقوں کے مالک نہیں تھے۔ اس طرح مملکت دوسرے طبقات پر ایک طبقے کے تسلط اور جبر کا ذریعہ بن گئی۔ جی افاناسیف نے اپنی کتاب "مارکسسٹ فلسفہ" میں اس بات کو واضح طور پر کہا کہ مملکت کو باہر سے مسلط نہیں کیا گیا تھا، بلکہ یہ ترقی کے ایک خاص مرحلے پر معاشرے کی داخلی ترقی کی پیداوار ہے۔

14.7 روایتی نظریے کے تناظر میں مملکت کے فرائض

(Functions of the State in Classical Perspective)

ایڈم اسمتھ سے لے کر جے ایس مل اور دیگر مفکرین قدرتی قانون پر قوی یقین رکھتے تھے اور ساتھ ہی آزاد بازار کے نظام کی مختص کارکردگی پر پختہ یقین رکھتے تھے۔ ان کے مطابق یہ قومی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اور مکمل روزگار کے مواقع پیدا کرے گا۔ کلاسیکی نقطہ نظر نے 'لیسز-فیئر' کا نظریہ پیش کیا جس نے معاشی سرگرمیوں میں مملکت یا حکومت کے کردار کو محدود کیا۔ اس نظریے نے زندگی کے ہر شعبے میں قوم پرستی اور مملکتی ضابطوں پر ایک بڑا حملہ کیا تھا جس میں تجارتی نظام کی خصوصیات تھیں۔ مملکت یا حکومت کی فہرست میں افواج اور دفاعی کام کے ساتھ ساتھ انصاف، مذہبی اور دیگر تعلیم کے انتظام، غریب اور بے روزگاروں کی دیکھ بھال، سڑکوں، پلوں کی تعمیر اور دیکھ بھال، بحری دریاؤں، بندرگاہیں وغیرہ شامل ہیں۔ مجموعی طور پر معاشرے کی عمومی فلاح وبہبود۔ معاشرے کی حفاظت کرنا مملکت کا فرض ہے۔ دوسری بات یہ کہ جہاں تک ممکن ہو مملکت کا فرض معاشرے کے افراد کی ناانصافیوں اور ظلم سے حفاظت کرنا ہے۔ اس کے علاوہ عدل کا صحیح انتظام کرنا۔ کچھ عوامی ادارے جو مفاد کے لیے کبھی نہیں ہوسکتے ہیں ان میں سے ایک مملکت بھی ہے۔ انہوں نے یہ بھی وکالت کی کہ حکومت عام لوگوں کو تعلیم بھی فراہم کرے۔ اسمتھ نے یہ بھی مشورہ دیا کہ بہت سے عوامی کام جیسے سڑکیں اور بہت حد تک تعلیم، جو ان کا استعمال کرتے ہیں وہ خود اس کا بوجھ اٹھائیں۔ عوامی اخراجات کو سمجھنے کے لیے معاشرے کی ضروریات کو جاننا بھی بہتر ہے۔ معاشرے کی بہت سی مشترکہ خواہشات ہیں جو صرف مشترکہ کاوشوں سے ہی پوری ہو سکتی ہیں۔ افراد کی طرف سے محسوس کی جانے والی ضروریات ایک ایسے ادارے کے ذریعے پوری کی جائیں جو سب کی اطاعت کو قبول کر سکے۔ اس طرح کلاسیکی ماہرین مملکت یا حکومت کو تفویض کردہ بنیادی کردار دفاع، انصاف جیسے معاہدوں کے نفاذ، اور املاک کی حفاظت جیسے معاملات شامل تھے اور سڑکوں، نہروں، بندرگاہوں، لائٹ ہاؤسز، اور دیگر ضروریات جیسے سکے جیسی بنیادی ڈھانچے کی فراہمی، اور ٹیکسوں کی عدم دستیابی جیسے معاملات کی فراہمی کی حوصلہ شکنی کے لیے بنایا گیا ہے۔ کلاسیکی معاشی ماہرین بھی صحت عامہ کے ضوابط کو حکومت کا ایک اہم کام سمجھتے ہیں، شہرکاری میں اضافے کے ساتھ ہی انہوں نے صحت عامہ کے ضوابط اور ملاوٹ کی جانچ پر بھی زور دیا۔ این ایس سینیر نے یہاں تک کہا کہ عوامی علاج کے لیے عوامی سہولیات مہیا ہونا چاہیے۔

کلاسیکی ماہرین نے متعدد امور پر زور دیا جہاں مملکتی مداخلت یقینی طور پر ناپسندیدہ تھی خاص طور پر قیمتوں میں ٹھہراؤ، صنعتوں کا نظم و نسق، خوراک کا داغدار ہونا، اجارہ داریوں پر پابندی وغیرہ۔ مملکت کے افعال کے حوالے سے نوکلاسیکیوں کی بنیادی سوچ یہ تھی کہ مارکیٹ

کی ہدایات کے جواب میں معاشی نظام کام کرتا ہے۔ بڑے پیمانے پر معاشرے کے بہتر مفادات کے لیے مملکت کو جواب میں اضافی کام کرنا چاہیے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ مملکت کی خدمات بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ سماجی پالیسی نے نجی کاروباری اداروں کے لیے مملکتی کنٹرول کی عدم موجودگی کو پسند کیا گیا۔

1۔ خدمت یا ضروریات سے متعلق کام: مسگراو نے سماجی خواہشات اور وصف کی خواہش کا تصور پیش کیا۔ بنیادی طور پر اس نے انسانی خواہش کی دو وسیع اقسام میں درجہ بندی کی، نجی خواہشات اور عوامی خواہشات۔ نجی خواہشات انفرادی طور پر ہوتی ہیں اور کوئی بھی شخص ان ضروریات کو اپنی استعداد کے مطابق پورا کر سکتا ہے۔ عوامی خواہشیں مختلف ہیں۔ یہ اجتماعی طور پر سب کی ضرورتیں ہیں، اور کسی کو بھی اس کے استعمال سے خارج نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح دفاع اور سلامتی، سماجی صحت، تعلیم، صفائی ستھرائی وغیرہ اجتماعی طور پر سب کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کے استعمال سے کسی کو خارج کیا جا سکتا ہے۔ لہذا مملکت کا کردار ایسی خواہشات کی فراہمی ہے۔ عوامی خواہشات کی مسگراو نے سماجی خواہشات اور وصف خواہشات درجہ بندی کی، سماجی خواہشیں انسانی خواہشات ہیں جو اجتماعی طور پر سب محسوس کرتے ہیں۔ معاشرہ ان کو بڑے پیمانے پر محسوس کرتا ہے۔ اس کے برعکس ہر فرد قطعی طور پر یہ نہیں بتا سکتا کہ وہ اپنی خواہش کا کتنا استعمال کرتا ہے۔

سماجی تحفظ، قوم کا دفاع، امن و امان، محکمہ پولیس، تعلیم (بنیادی) صحت اور صفائی ستھرائی کی بنیادی سہولیات، سامان، سڑکیں اور مواصلات وغیرہ کی خواہش کچھ ایسی سماجی خواہشات ہیں جن کو مملکت کو اطمینان بخش طریقے سے پورا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح مملکت کے لیے لازمی ہو کہ وصف کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے مناسب وصف کا سامان تیار کریں جیسے اعلا اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی۔ اس طرح مسگراو نے محسوس کیا کہ عوام کی خواہشات یا اجتماعی خواہشات کی تسکین میں مملکت کو سماجی و معاشی حد سے زیادہ سرمایہ کاری پیدا کرنے میں سب سے بڑا کردار ادا کرنا ہو گا۔ دفاع، داخلی امن و امان، انصاف، عوامی تعلیم اور صحت، ٹرانسپورٹ اور مواصلاتی نیٹ ورک، حفظان صحت کی فراہمی کے لیے ادارہ جاتی فریم ورک خاص طور پر دیہی علاقوں وغیرہ میں، مملکتی سرگرمی بن گئی۔

2 ۔ استحکام کے کام: روزگار، استحکام اور افراط زر سے بچنے کے لیے مانیٹری پالیسی اور دوسرے اقدامات کر مجموعی طلب کی سطح کو بلند کرے۔ میسوریو نے اپنی کی کتاب میں بجٹ کی منصوبہ بندی کے ذریعے مملکتی افعال کا مطالعہ کیا گیا۔ ان کے مطابق قومی منصوبہ بندی کی ضرورت مملکت کے کردار میں توسیع کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ مختصر طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مملکت کو بنیادی طور پر داخلی امن اور غیر ملکی طاقتوں سے تحفظ کا ہے جو ترقی اور استحکام کے لیے اہم ہے۔ سیاسی استحکام، داخلی نظم و امان ترقی کے لیے بھی بنیادی ہے اور مملکت دفاع، داخلی پولیس سسٹم، مضبوط فوج کی دیکھ بھال، دفاعی پیداوار وغیرہ پر بہت خرچ ہوتا ہے۔

3۔ مملکتوں کا ضابطوں کے متعلق کام: انصاف کے عین مطابق انتظامیہ کا قیام مملکت کا اہم کام ہے۔ برادری کے ممبران، تاجروں اور کارکنوں اور صنعت کاروں کے مابین تنازعات اور قانونی چارہ جوئی کو حل کریں باضابطہ افعال اس حقیقت کے پیش نظر جائز

ٹھہرائے جاسکتے ہیں کہ مجموعی طور پر معیشت کو قابو میں کرنا اور نگرانی کرنا تاکہ پیداوار زیادہ سے زیادہ ہو، آمدنی اور دولت میں عدم مساوات کو کم کیا جائے اور وسائل بہترین ممکنہ انداز میں اور قومی مفادات میں مختص ہوں۔ مملکت کو نجی سرمایہ کاری اور پیداوار کے لیے قواعد وضوابط اور رہنمائی کرنی چاہیے۔اسے صارفین کے مفادات اور مزدور طبقے کے تحفظ کے لیے بھی ضوابط طے کرنا چاہیے۔

4۔ مملکت کا فلاحی کردار بھی اہم ہے: مملکت کو عوام کی خواہشات اور سامان، تعلیم، ترقی کی فراہمی کرنی ہوگی۔ معیشت کے بنیادی ڈھانچے اور سماجی زندگی کو اٹھانا ہوگا۔ فلاح و بہبود کی اسکیمیں جیسے پبلک ہیلتھ، پبلک ایجوکیشن، ایمپلائمنٹ گارنٹی اسکیم، فوڈ اینڈ ورکس پروگرام وغیرہ کی سمت میں جدید مملکت کو معاشرے کے غریب طبقوں کی ترقی کے لیے کام کرنا چاہیے۔ ترقی یافتہ ممالک میں مملکت یا حکومت کو خاص طور پر جمہوری سیٹ اپ میں اہم کردار ادا کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ معاشی ترقی کو فروغ دینے میں ایک فعال اور اہم کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔

ترقی پذیر ممالک میں ترقی کے ابتدائی مرحلے میں معیشت کی ترقی کی شرح کو متحرک کرنے میں مملکت کو ایک اہم کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ غربت کا ناجائز دائرہ، بنیادی ڈھانچے کی عدم موجودگی، بچت کی کم سطح، غیر ترقی یافتہ سرمایہ اور چھوٹے بازار، وسطی مالی سرمایہ کاری کے نجی شعبوں کی عدم موجودگی، معاشی نمو کے لیے صحیح سیاسی اور معاشی ماحول کی عدم موجودگی کم ترقی یافتہ ممالک کی بنیادی رکاوٹیں ہیں۔ اس تناظر میں ترقی یافتہ ممالک میں فروغ اور ترقیاتی افعال مملکت کے لیے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ مملکت کو بنیادی ڈھانچے میں زیادہ سے زیادہ لاگت فراہم کرنا چاہیے۔

14.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہوگئے ہیں کہ:

- مملکت کے معنی اور مفہوم بیان کر سکیں۔
- مملکت کے مقاصد بیان کر سکیں۔
- مملکت کی تاریخ بیان کر سکیں۔
- مملکت کی تاریخ کے ادوار کو واضح کر سکیں۔
- مملکت کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھ سکیں۔
- مملکت کے بنیادی فرائض کو بتا سکیں۔
- فرائض سے متعلق مملکت کے نظریات پر بحث کر سکیں۔
- روایتی نظریے کے مطابق مملکت کے فرائض کو واضح کر سکیں۔

14.9 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **مملکت** : ایک طے شدہ حکمرانی کے تحت منظم سیاسی گروہ کا نام ہے۔

- **نظریات** : ایک ایسا خیال جو حقیقت پر مبنی ہو۔
- **فرائض** : ایسی کارکردگی جو کسی فرد سے امید کی جاتی ہے حالاں کہ یہ قانونی بندش میں نہیں آتی ہے۔
- **خدائی نظریہ** : کے مطابق مملکت کی تخلیق خدا نے کی ہے جو اپنے نمائندے کے ذریعے حکمرانی کرتا ہے۔
- **فلاحی مملکت** : حکومت کا ایک ایسا نظام جہاں ضرورت مندوں کو سرکاری اسکیم مہیا کروائی جاتی ہے۔ اور اس کو حکومت نچلے پائیدان سے سماج میں اوپر اٹھانے کے لیے کئی مثبت قدم اٹھاتی ہے۔
- **حکومت** : لوگوں کا ایک جماعت جو کسی ملک پر کنٹرول یا حکمرانی کرے۔
- **اقتدارِ اعلا** : کسی ملک کی خود کی حکمرانی کرنے کا اختیار جس میں کسی اندرونی یا باہری طاقت کا مداخلت نہ ہو۔

14.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model of Examination Question)

14.10.1 معروضی جوبات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. مندرجہ ذیل میں سے کس پر مملکت کے کاموں کا انحصار ہے۔

(a) مملکت کی اقتدار اعلا پر　　(b) مملکت کی قسموں پر

(c) مملکت کی طاقت پر　　(d) یہ تمام سبھی

2. برادری کی مذہبی، ثقافتی، سیاسی اور معاشی ضروریات پوری کرنا کس کی خصوصیت ہے؟

(a) وفاقی مملکت　　(b) مطلق العنان مملکت

(c) شہری مملکت　　(d) جمہوری مملکت

3. کس کی بدولت بادشاہوں کے خدائی حق کا نظریہ سامنے آیا؟

(a) ارسطو　　(b) بوڈین

(c) میکاولی　　(d) افلاطون

4. مندرجہ ذیل میں سے کون سا سماجی تعلقات کے زمرے میں نہیں آتا۔

(a) جسمانی اور معاشی ضروریات　　(b) تجارتی اور ثقافتی ضروریات

(c) ملکوں کے آپسی تعلقات　　(d) سماجی ضروریات

5. ان میں سے کون سا مملکت کا کام نہیں ہے؟

(a) روزگار کی فراہمی　　(b) انسانی حقوق کا تحفظ

(c)انسان کو زندگی دینا (d)امن وامان قائم کرنا

6. مورگن، میکلنن اور جینکس کون سے نظریے کے حامی تھے؟

(a)قوت کا نظریہ (b)پدر سری نظریہ

(c)مادر سرانہ نظریہ (d)مارکسی نظریہ

7. کس نے کہا کہ مملکت کو باہر سے مسلط نہیں کیا گیا؟

(a)جان جیکس روسو (b)جی افاناسیف

(c)تھامس ہوبس (d)مانٹیسکیو

8. لیزیز فیئر کا تصور کس نظریے سے تعلق رکھتا ہے؟

(a)مارکسی نظریہ (b)کلاسیکی نظریہ

(c)سماجی معاہدے کا نظریہ (d)پدر سری نظریہ

9. کس نے سماجی اور وصف خواہشات کا نظریہ پیش کیا؟

(a)مسگراو (b)ایڈم اسمت

(c)جے ایس مل (d)کارل مارکس

10. ترقی یافتہ ممالک میں فروغ اور ترقیاتی افعال مملکت کے کام ہیں۔

(a)فلاحی (b)خدماتی

(c)استحکامی (d)اختیاری

14.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ مملکت سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

2۔ ری پبلیکا سے کیا مراد ہے؟

3۔ دور جدید کے تصور میں کس بات کو اہمیت دی گئی ہے؟

4۔ مملکت کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے؟

5۔ مملکت کے بنیادی فرائض کیا ہیں؟ خدائی نظریہ مملکت کے کن فرائض پر زور دیتا ہے؟

14.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ روایتی نظریہ کس بات پر زور دیتا ہے؟ روایتی نظریے کے استحکامی کام کیا ہیں؟

2۔ مملکت کے ضابطوں سے متعلق کام سے کیا مراد ہے؟

3۔ سماجی معاہدے اور مارکسی نظریے کے فرائض میں کیا فرق ہے؟

14.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Adam smith (1954), An Enquiry into the Nature and Causes of the Wealth of Nations, Everyman's Library Edition,(J. M. Dent & Sons), London
2. J. S. Mill (1929), 'Principles of Political Economy ', Ashley Ed. Longmans, Green and co.; London
3. Agrawal R.C (2004), Political Theory, S. Chand, New Delhi
4. J.C. Johari (2019), Principles of Modern Political Science, Sterling Publishing House
5. O.P. Gauba (2020), An Introduction to Political Theory, Natimal Paperbacks, New Delhi
6. Robest E. Goodin (2011), Oxford Handbook of Political Science OUP, Oxford
7. Sabine G.H. (2014), A History of Political Theory, Oxford
8. Almond, G. A. & Bingham, G. Powell Jr. (1966). Comparative Politics: System, Process, and Policy. Boston: Little, Brown
9. Barrow, C. W. (1993) . Critical Theories of the State: Marxist , Neo -Marxist, Post Marxist. Madison: University of Winsconsin Press
10. Bernard, C. (1972). In defence of politics. University of Chicago Press

اکائی 15۔ مملکت کے فرائض: جدید لبرل کے تناظر میں

(Functions of the State : Modern Liberal Perspective)

اکائی کے اجزا

15.0 تمہید
15.1 مقاصد
15.2 مملکت کی تصورات
15.2.1 مملکت کی تعریفات
15.2.2 مملکت کے فرائض
15.2.3 مملکت کے لبرل تصورات
15.3 لبرل مملکت کے ذریعے فروغ
15.4 لبرل حکومت میں حکومت کی ساخت
15.5 جدید لبرل ازم
15.6 مملکت کے فرائض جدید لبرل نقطۂ نظر سے
15.7 جدید لبرل مملکت کی خدوخال
15.8 اکتسابی نتائج
15.9 کلیدی الفاظ
15.10 نمونہ امتحانی سوالات
15.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
15.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
15.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
15.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

15.0 تمہید(Introduction)

مملکت کا جمہوریت میں خاص مقام ہے۔ دنیاں کے ہر خطے میں مملکت کا وجود کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ سے رہا ہے۔ لیکن اس کی ساخت اور فرائض میں ہمیشہ فرق رہا۔ 19 ویں صدی میں کلاسیکی مفکرین کے مطابق مملکت ایک بُرائی تھی، کیونکہ اس کی مداخلت سے سماج اور شہریوں کا فلاح و بہبود نہیں ہو سکتا۔ لیکن 20 ویں صدی میں جدید لبرل مفکرین نے مملکت کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے عام زندگی میں مملکت کی مداخلت کو لازمی سمجھا اور مملکت کی منفی شکل کو مثبت شکل میں تبدیل کر دیا۔ اب مملکت بُرائی نہیں رہی، بلکہ شہریوں کی زندگی کو سنوارنے والی فلاحی ایجنسی ہے اور اب مملکت کے ذریعے سے سماج میں کئی مثبت اقدامات اٹھائے گئے۔ جس سے سماج کے پسماندہ طبقات کو اس کا فائدہ پہنچا۔

15.1 مقاصد(Objectives)

اس اکائی میں طالب علم کو مملکت سے تعارف کرانا اور ساتھ ہی ساتھ مملکت کے لازمی عناصر اور کلاسیکی لبرل نظریہ اور جدید لبرل مملکت کی بھی جانکاری فراہم کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں جدید لبرل مملکت اور مملکت کے فرائض پر بھی طالب علم کو متوجہ کرانا بھی اس اکائی کا ایک اہم مقصد ہے۔ طلبا اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد مملکت سے متعلق سبھی مراعات کو بھی تفصیل سے سمجھ پائیں گے۔ وہ مملکت سے جڑے سوالوں کو حل کرنے کے اہل ہو جائیں گے۔

15.2 مملکت کی تصورات (Concepts of State)

مملکت انسانوں کی ایسی انجمن ہے۔ جس کا دائرہ کسی خاص غرض و مقصد میں محدود نہیں ہے۔ یہ عام طور پر پورے شہریوں کے لیے کام کرتی ہے۔ شہری کی بہتری کے لیے کوشش کرنا اور اس کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے کام کو انجام دینا اس کا ایک اہم فرض ہے۔ یہ کسی خاص طبقے کے لیے کوئی کام نہیں کرتی، کوئی فرد بیک وقت متعدد انجمنوں کا رکن ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ بیک وقت متعدد مملکتوں کا رکن نہیں ہو سکتا۔ افراد اپنی مرضی سے انجمنوں کے رکن ہوتے ہیں۔ لیکن مملکت کی رکنیت جسے شہریت کہتے ہیں، ہر فرد کے لیے لازمی ہے۔ یہ رضاکارانہ نہیں ہے۔ کوئی فرد مملکت میں رہ کر اپنی مرضی اور پسند کا کام نہیں کر سکتا۔ یعنی اسے من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ تمام شہریوں کو مملکت کے قوانین ضوابط کی پابندی کرنی ہوتی ہے۔ مملکت ہر حال میں عظیم ہوتا ہے۔ مملکت کی سبھی تنظیم اس کے ماتحت ہوتے ہیں۔ وڈرو ولسن (Woodrow Wilson) نے مملکت کے اصطلاح کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے "یہ وہ عوام ہے جو کسی مخصوص علاقے میں قوانین کی پابندی کرتے ہوئے منظم میں رہتے ہیں"۔

مملکت کے کچھ لازمی عناصر ہوتے ہیں، جس کے بغیر مملکت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں مخصوص علاقے (Definite Territory)ہوتی ہے۔ یہ مبینہ طور پر طے شدہ رہتی ہے۔ مخصوص علاقے کے بغیر کسی بھی مملکت کا وجود نہیں ہوتا ہے۔ اس خاص

علاقے میں مملکت کے افرادوں کی رہائش ہوتی ہے۔ مملکت کے دویئم عنصر آبادی (Population) مخصوص علاقے میں کم و بیش مستقل طور پر رہنے والے عوام بھی ضروری ہیں۔ بنجاروں کی آبادی سے مملکت کا وجود منظور نہیں ہو سکتا۔ سویئم حکومت یا سرکار (Government) اس علاقے میں رہنے والے منظم زندگی بسر کر رہے ہوں، اور ایک حکومت کی تشکیل بھی کریں۔ کیوں کہ مملکت میں حکومت کا فرض یہ ہے کہ دستورالعمل تیار کرے اور قوانین کا نفاذ کرے۔ اگر حکومت کا وجود نہیں ہوگا تو مملکت منظم طرح سے نہیں رہ سکتی۔ ہر طرف افرا تفری اور بد نظمی و بدانتظامی کا ماحول ہوگا۔ چوتھی اور آخری اہم مملکت کے لازمی عناصر ہے۔ اقتدارِ اعلا (Sovereignty) حکومت لا محدود طاقتوں کی حامل ہو۔ یہ طاقتیں اس حد تک ہوں کہ وہ آزادانہ فیصلہ کر سکے۔ یہ حکومت کا عظیم اقتدار، یہ اقتدارِ اعلا کہلاتا ہے۔ اقتدار اعلا سے مراد ہے کہ یہ اندرونی اور بیرونی طور پر تسلیم شدہ ہوتا ہے ساتھ ہی اندرونی اور بیرونی مداخلت سے آزاد ہوتا ہے۔ یعنی عوام حکومت کے اقتدار اعلا کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری طرف سارے ممالک بھی اس کے اقتدار اعلا کو تسلیم کرتے ہیں۔ آزادی سے پہلے ہندوستان ایک غلام علاقہ تھا۔ حالاں کہ ہندوستان میں مملکت کے لیے ضروری عناصر جیسے مخصوص علاقہ، حکومت، عوام اس وقت بھی تھی، لیکن حکومت اور اقتدار اعلا ہندوستان کے پاس نہیں تھی یعنی حکمراں جماعت انگریزوں کی تھی اس لیے حکومت کا اقتدار اعلا انہیں کو حاصل تھا۔ اور اس لیے لازمی طور پر ساری پالیسیاں، قوانین وغیرہ پر برطانوی حکومت کے فیصلے بھی برطانوی حکومت کے مرضی کے مطابق ہوتے تھے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اقتدار اعلا مملکت کا نہایت اہم عنصر ہے۔ یہ اس کو نمایاں حیثیت عطا کرتا ہے۔

مملکت کو بہتر طریقہ سے سمجھنے کے لیے اس کے ارتقا پر بھی روشنی ڈالنا لازمی ہے۔ مملکت کا وجود قدیم دور سے لے کر جدید دور تک کسی نہ کسی شکل میں رہا ہے۔ قدیم یونان میں مملکت کو 'Polis' کہا جاتا تھا۔ پولس چھوٹی مملکتیں ہوا کرتی تھی۔ جب کہ رومن دور میں مملکت کو 'Calvitas Republica' کہا جاتا تھا اور دورِ وسطیٰ (Medievel Period) میں مملکت کو 'Christian Commonwealth' سے بھی جانا جاتا تھا۔ جدید دور میں قریب 16 ویں صدی میں اِٹالین مفکرین میکاولی نے مملکت کو 'Stato' کہا، اور یہیں سے جدید مملکت کی شروعات ہوتی ہے۔ میکاولی نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "The Prince" ہے۔ اس کتاب میں میکاولی مملکت کو مضبوط اور منظم کرنے کے لیے حکمرانوں پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب ایک حکمران کے لیے گائیڈ کی طرح ہے۔ جس کا مطالعہ کر کے حکمران اپنے مملکت میں بہتر نظم و نسق قائم کر سکتے ہیں اور اندرونی و بیرونی خطرات سے مملکت کو محفوظ کر سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کہا جائے کہ مملکت کیا کیا فرائض انجام دیتی ہے، میکاولی نے اس پر توجہ دی ہے۔ قدیم ہندوستان کی بات کی جائے تو یہاں بھی مملکت کا وجود تھا۔ اس بات کی معلومات ہمیں "ارتھ شاستر" کے مصنف کوٹلیہ نے مملکت اور اس کے فرائض کے بارے میں اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ حالاں کہ قدیم دور کی مملکت اور جدید دور کے مملکت میں کافی فرق ہے۔ جس طرح آج بیشتر مملکت جدید جمہوری طرز پر قائم ہے۔ اس طرح کی مملکت قدیم دور میں نہیں تھی۔ موجودہ دور میں بھی مملکت کی حدود، قوانین اور آئین صاف طور لکھا ہوا ہے۔ اس لیے مملکت کے فرائض بھی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

مملکت اور اس کے فرائض کو سمجھنے کے لیے مملکت کی تعریف پر روشنی ڈالنا ضروری ہے جس کو مختلف دانشوروں نے تفصیل سے بیان کیا ہے ۔

15.2.1 مملکت کی تعریفات (Definitions of State)

مملکت کی تعریفات مندرجہ ذیل ہیں۔

1. "مملکت خاندان اور گاؤں کا ایک گروہ ہوتا ہے۔ جس کا مقصد مکمل خود مختار اور باعزت زندگی کو حاصل کرنا۔"۔ ارسطو
2. "انسانوں کی ایک مجلس جو ایک علاقے میں رہتی ہے اور جہاں اکثریت لوگوں کے ذریعے پالیسیاں بنائی اور نافذ کی جاتی ہیں۔" ہالینڈ
3. "کسی خاص علاقے میں شہریوں کا قانون بنانے کے لیے منظم طور پر اکٹھا ہونا ہی مملکت ہے۔" وڈرو ولسن
4. "مملکت حکمراں طبقے کی ایک سیاسی انجمن ہے۔ جس کا مقصد اپنی مخالف جماعت یا گروپ کو دبانا ہے۔" کارل مارکس
5. "مملکت لوگوں کا ایک ایسا گروہ ہے جس کا مقصد وسائل (Means) کے ذریعے مقاصد (Ends) کا حصول ہے۔" سائمنڈ
6. "مملکت ایک علاقائی معاشرہ ہے جو حکومت میں منقسم ہے اور ایسے موضوعات جو اس کے مختص طبعی علاقے میں ہے، اور جو دوسرے تمام اداروں پر بالادستی کی دعویٰ کرتی ہے۔" پروفیسر ہیرولڈ لاسکی۔
7 "علم سیاسیات کے تصور کے طور پر، مملکت کم و بیش متعدد افراد کی ایک جماعت ہے، جو آزادانہ یا قریب قریب آزادانہ طور پر بنا کسی بیرونی اختیار کے، ایک خاص علاقے میں مستقل طور پر قابض رہتی ہے اور ایک منظم حکومت کی مالک ہے جس کے پاس عظیم ادارہ ہے اور باشندوں کی عادتً اطاعت ہے۔" گارنر

15.2.2 مملکت کے فرائض (Duties of State)

مملکت ارتقا کے مختلف منازل سے گزری ہے۔ اس نے اپنی ارتقا کی ہر منزل پر عوام کو کسی نہ کسی حد تک پہنچایا ہے۔ اپنی ارتقا کے اوائیل میں اس نے امن، نظم ونسق اور تحفظ قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ مملکت کی کارکردگی میں عوام کو بیرونی حملوں کے خطرات سے محفوظ رکھنا ہے، اور اندرونی بدنظمی کا شکار ہونے سے بچانا بھی شامل ہے۔ جرائم کو روک کر اس سے عوام کو پر سکون بنایا۔ بتدریج مملکت کے کام وسیع ہوتے گئے۔ اس لیے مملکت نے عوام کی زندگی کی تمام ضروریات کی کفالت کی ذمے داری لے لی۔ لیکن ہر مملکت اپنے بنیادی کام کی اہمیت کی طرف پوری توجہ دیتی ہے۔ مملکت کے تمام تر آسانیوں سے عوام اسی وقت پوری طرح سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں جب مملکت کی عوام پوری طرح محفوظ ہوں۔ بڑھتے ہوئے تکنیکی اور سائنسی ترقی نے ریاست کے فرائض میں بہت تبدیلیاں کھڑی کر دی جن کو مملکت کو

سنبھالنا ہوتا ہے جدید مملکتیں آئین کے مطابق چلتی ہیں جو قدیم بادشاہت یا آمریت سے مختلف ہیں یہاں تک کے عوامی فلاح و بہبود کا تعلق وہ طرز حکومت پر منحصر ہے جیسے سرمایہ داری نظام اور اشتراکی نظام کی کارکردگی میں فرق ہے۔ سب سے بڑا مسلئہ مملکت کے سامنے معیشت کا ہے جس پر سارے فلاحی اسکیمات منحصر رہتے ہیں موجودہ مملکت عوام کی بیماریوں سے حفاظت خوراک اور دوسری ضروریات کو پورا کرکے ان کی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ ان کو ہر طرح کی سہولتیں مہیا کراتی ہے۔ عوام کے فائدے کے لیے مختلف کام کرتی ہے۔ موجودہ مملکت ملکی معاشی ترقی کے منصوبے تیار کرتی ہے۔ تاکہ عوام کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے سہولتیں مہیا کرا سکے۔ اکثر مملکت عوام کی تعلیم کے لیے ضروری سہولتیں فراہم کررہی ہیں۔ تاکہ عوام قومی ترقی میں پوری طرح تعاون پیش کرسکیں۔ یہ سہولتیں تمام لوگوں کو مساوی طور پر دی جارہی ہے۔ اس میں کسی طبقے یا فرقے میں تفریق نہیں ہے۔ سماج میں جو کمزور طبقے ہیں ان کو امیروں کی زیادتیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کی جارہی ہیں۔ کام کے مختلف شعبوں میں دی ہوئی سہولتوں کو وسیع تر کرنے کے لیے مملکت زیادہ سے زیادہ موقع مہیا کراتی ہے۔ اس طرح یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مملکت عوام کی فلاح و بہبود کے لیے لامحدود کام انجام دے رہی ہے۔ مملکتوں کے ان کاموں اور سہولتوں کو دیکھتے ہوئے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اگر فرد کو تنہا اپنے لیے اتنا کرنے کو چھوڑ دیا جائے تو وہ یہ سب کچھ اپنے لیے نہیں کرسکتا ہے۔ افراد کی نشو نما اور ان کی زندگیوں میں بہت بڑا فرق پیدا ہو جائے گا۔

آج کے مملکتی نظام میں عوام کو جو سہولتیں میسر ہیں وہ ہمارے آبا و اجداد کے خواب میں بھی نہ رہی ہوں گی۔ ہم میں سے کچھ لوگ ان سہولتوں کو حق کہنے کے لیے مائل ہوسکتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ تعلیم حاصل کرنا اور ایک اچھا مکان رہنے کے لیے ہونا ہمارا حق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہمارا کچھ حق ہے تو اس حق کی مناسبت سے ہمارا کچھ فرض بھی ہے۔ افراد کو اس بات کا پورا خیال رکھنا چاہیے کہ مملکت کے لیے جو ہمارے فرائض ہیں ان کو انجام نہ دیا اور محض حقوق مانگتے رہے تو یہ حقوق ہمیں زیادہ دنوں تک نہ مل سکیں گے۔

مملکت کے لیے ہمارے فرائض کیا ہیں؟ سب سے پہلے ہمیں مملکت کا وفادار رہنا چاہیے۔ مملکت نہ صرف ہماری زندگی کے لیے لازمی مواقع مہیا کرتی ہے بلکہ اُس کی ضمانت دیتی بھی ہے۔ مملکت کی وفاداری فرد کے لیے لازمی ہے۔ دوئم مملکت عوام کے لیے جو قوانین بناتی ہے۔ ان قوانین سے بہتر زندگی کے مواقع مہیا ہوتے ہیں۔ مملکت میں ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ قوانین کی پابندی کرے۔ ہوسکتا ہے کہ ان قوانین کی پابندی میں کچھ مشکلات محسوس ہوں۔ یا آزادی میں رخنہ اندازی ہو یا حرکات و سکنات میں رکاوٹیں آئیں۔ لیکن یہ بات پوری طرح ذہن نشین ہونی چاہیے کہ قوانین ہماری زندگی کے تحفظ کی ضمانت ہیں اور یہ ہمارے حقوق سے لطف اندوز ہونے کے لیے لازمی ہیں۔ مملکت جو بھی فرائض ہم پر عائد کرتی ہے ان کو پورا کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ بعد ازاں ہمیں اپنی آزادی کی پوری طرح حفاظت کرنی چاہیے، جس سے کہ ہم بیرونی حملوں اور اندرونی انتشار کی وجہ سے آزادی سے محروم نہ ہو جائیں۔ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ حکومت کے قوانین ایسے ہوں جو ہماری آزادی کا تحفظ کریں۔ جس طرح خاندان میں رہتے ہوئے ہمارے حقوق و فرائض ہوتے ہیں اسی طرح مملکت میں بھی ہمارے حقوق و فرائض ہوتے ہیں۔ حقوق کو حاصل کرنے کے لیے اور اس سے استفادہ کرنے کے لیے فرائض کی انجام دہی ضروری ہے۔

سیاسی مفکرین نے مملکت کے کچھ اہم فرائض کو بتایا ہے۔ جس کا ذکر یہاں لازمی ہو جاتا ہے۔ سیبائین کے مطابق مملکت کو مختلف فرائض کو انجام دینا چاہیے۔

1. مملکت کو یہ دیکھنا چاہیے کہ مملکت کے افراد کے حقوق اور اس کے آزادی کی حفاظت ہو۔
2. شہریوں کو سہولیات فراہم کرنا مملکت کے اہم فرائض میں شامل ہے۔
3. مملکت کو شہریوں کے فلاحی منصوبہ بندی رویہ عمل میں لانا چاہیے۔
4. اخلاقی ترقی (Moral Development) کو لازمی طور پر آگے بڑھائیں۔
5. جبری طاقت میں کمی لانا چاہیے۔
6 داخلی طور پر قوانین اور ضوابط بنائے رکھتے ہوئے امن و امان قائم کرنا
7. سماج کے پشماندہ طبقات کے لیے پالیسی اور اسکیم تیار کرنا جس سے ان پچھڑے لوگوں کو سماج کے مرکزی دھارے میں شامل کیا جاسکے۔

مملکت کے فرائض کے بعد اعتدال پسند مملکت کے تصورات پر روشنی ڈالنا بھی لازمی ہے۔ ورنہ جدید مملکت کے فرائض جس کو جدید اور لبرل تناظر میں سمجھنا ممکن نہیں ہو گا۔

15.2.3 مملکت کے لبرل تصورات(Liberal Concept of State)

آسان لفظوں میں لبرل مملکت سے مراد ہے، افراد کے روز مرہ کی زندگی میں مملکت کی کم سے کم مداخلت کو یقینی بنانا ہے۔ لفظ 'Liberal'کا عروج لاطینی لفظ 'Liber' سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں آزاد'Free' ۔ سب سے پہلی بار لبرل لفظ کا استعمال 1375 میں لبرل مملکت کے طور پر ہوا۔ لبرل مملکت کا مطلب ہے انفرادی آزادی میں مملکت دخل اندازی میں کمی لانا۔ حالاں کہ لبرل کی تعریف بیان کرنا آسان نہیں۔ کیونکہ تاریخ کے مختلف دور میں لبرل کے معنی بھی مختلف رہے ہیں۔ کوئی بھی معنی مکمل نہیں مانا جاتا ہے۔ اکثر لبرل سے پہلے Prefix Classical, Neo, Modern لکھتے رہے ہیں۔ اور یہ عمل لبرل کے معنی کو بدلتے رہے ہیں۔ ایک لبرل مملکت اپنے پالیسی، نظم و نسق اور قوانین میں اعتدال پسند ہوتے ہیں۔ اور اس کا مطلب لبرل مملکت اپنے خیال میں خاص کر شہریوں کے حقوق اور فرائض سے مطلق لبرل ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت مملکت کے ذریعے نہ تو کسی طرح کی پابندیاں عائد کرنا اور نہ ہی اسے شہریوں کی آزادیوں کا خاتمہ کرتی ہے۔ کیونکہ کسی وجہ سے اگر کسی طرح کی پابندی عایئد کی جائے تو شہریوں کی ترقی رک جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی شخصیت میں بھی اضافہ (Personality Development) نہیں ہو پاتا۔ لبرل مملکت ہمیشہ لیمٹیڈ حکومت (Limited ' Govt.) میں یقین رکھتی ہے اور اسی کو ایڈم اسمتھ "Theories of Lessez - Faire" بھی کہا جاتا ہے۔ جس کا آسان مطلب ہے شہریوں کے زندگی میں مملکت کا محدود رول ہے۔ حالاں کہ لبرل مملکت کے بانی حق الاہی کا نظریہ (Divine Rights Theory) کو

خارج کرتے ہیں اور اس بات پر زور ڈالتے ہیں کہ جائز حکمرانی (Legitimate rule) افراد کی مرضی پر مشتمل ہونا چاہیے۔

لبرل مملکت اعتدال پسند (Conservative) حاکمانہ اور مطلق العنان کے برعکس ہوتا ہے۔ لبرل مملکت سبھی افراد کے خیال رویہ اور حالات رویہ کو باعزت تسلیم کرتی ہے۔ اور اس نظام میں حکومت نظم و نسق کے وجود کو نہ سازگار سمجھتی ہے ۔ حالاں کہ لبرل مملکت کے فرائض کے بارے میں سیاسی مفکرین کے درمیان اختلاف رائے پائے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ سبھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مملکت میں افراد کو زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل ہو۔ فرد کی نشونما میں مملکت کی پالیسی کسی طرح بھی روکاوٹ نہ ڈالے۔ لبرل مملکت مختلف باتوں کو فروغ دیتی ہے۔ جس کا ذکر کرنا یہاں لازمی ہے۔

15.3 لبرل مملکت کے ذریعے فروغ (Promotion by Liberal State)

1. انفرادیت (Individualism)

لبرل مملکت حالاں کہ کچھ حد تک حقوق پر پابندی عائد کرتی ہے لیکن شہری کے حقوق کو فروغ اور اس کی حفاظت کرنا بھی اسی کا کام ہے۔

2. رواداری (Tolerance)

مملکت کے کسی بھی عمل سے سماج کے دوسرے کسی بھی فرد کے حقوق اور اس کے آزادی کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ سبھی افراد کے ساتھ مساوانہ سلوک کیا جانا چاہیے۔

3. اہلیت (Meritocracy)

عہدہ اور اختیارات اہلیت یا میریٹ پر مشتمل ہونا چاہیے، نہ کی پیدائش کی بنیاد پر۔

4. مساوی موقع (Equality of Opportunity)

سبھی انسان پیدائشی طور پر برابر ہیں۔ اس لیے مملکت میں ترقی کے لیے سبھی کو مساوی کے حقوق حاصل ہونا چاہیے۔

5. انصاف (Justice)

سبھی افراد کے ساتھ مملکت کا انصاف برابری پر مشتمل ہونا چاہیے۔ حکومت اور آئین کے سامنے سبھی فرد برابر ہیں، کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔

15.4 لبرل مملکت میں حکومت کی ساخت (Structure of Government in Liberal State)

1. دستوری / محدود حکومت (Constitutional / Limited Government)

اس طرز حکومت میں مطلق العنانی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ کیونکہ سیاسی اقتدار میں 'Checks and Balances' کا نظام

ہے۔ حکومت کے سبھی قوانین اور ضوابط دستور کے مطابق عائد ہوتے ہیں ۔ جس سے فرد کے حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اس طرز نظام میں اختیار کا تقسیم آئین کے مطابق ہوتا ہے۔

2. **بے ربط حکومت (Fragmented Government)**

اس طرز حکومت میں (مملکت) کے اختیار کی تقسیم عاملہ، مقننہ اور عدلیہ کے سطح پر مبنی رہتی ہے۔ جس سے ایک دوسرے پر توازن قائم رہ سکے۔ مثال کے طور پر وفاقی اور مملکتی۔

3. **رسمی مساوات (Formal Equality)**

مملکت کے سبھی شہریوں کو ایک ہی طرح کے قانونی اور سیاسی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ چاہے وہ کسی بھی مذہب، نسل، جنس، پیدائیش کی جگہ سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو۔ یہ تمام خوبیاں لبرل مملکت سے متعلق ہیں۔

لبرل مملکت کی مختلف قسمیں ہیں۔ جیسے کلاسیکل لبرلزم، جدید لبرلزم، نیو لبرلزم وغیرہ۔ کلاسیکل لبرلزم ہی مملکت کے رول کو پورے طور پر کنٹرول کرنے کی وکالت کرتی ہے۔ مملکت کا رول صرف کچھ خاص جگہ کے لیے ہی رکھنا چاہتی ہے۔ جیسے بیرونی پالیسیاں، دفاع وغیرہ۔ اس میں مارکیٹ اور انفرادیت کو زیادہ ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن سبھی لبرل مفکرین یہ مانتے ہیں کہ مملکت کے وجود کا ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے تنازعے (Dispute) کو کم کیا جاسکتا ہے۔ مملکت کے ذریعے ہی شہریوں کی جائیداد اور آزادی کی حفاظت ہو سکتی ہے۔ کلاسیکل لبرلزم کو 'منفی لبرلزم' (Negative Liberalism) بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک طرح سے اسی نظریہ میں مملکت پر آئین کے ذریعے پابندیاں عائد کی جاتی ہیں، اور یہ انفرادی آزادی کی مکمل طور پر وکالت کرتی ہے۔ جان لاک (John Locke) اور ایڈم اسمتھ (Adam Smith) کلاسیکل لبرلزم کے بانی تھے۔ کلاسیکل لبرلزم 19 انیسویں صدی کی پیداوار تھا۔ جوں کہ 20 ویں صدی تک اعلا صنعت کاری (Advanced Industrialization) نے کئی سارے مسائل کو جنم دیا۔ جیسے غریبی، بھوک مری، جھگی جھوپڑی کا عروج، بے روزگاری، تنخواہ میں کمی وغیرہ۔ نتیجتاً 1930 کی دہائی میں عالمی سطح پر معاشی بحران سے سارے عالم کی معیشت کمزور پڑ گئی۔ جس کی وجہ سے کچھ مفکرین نے کلاسیکل لبرلزم میں اصلاح کی ضرورت محسوس کی اور کلاسیکی لبرلزم کی جگہ لوگوں نے جدید لبرلزم کی وکالت کی۔ اس میں ٹی۔ ایچ گرین (T.H. Green) سب سے آگے تھے ۔ انہوں نے انسانی فطرت کی بات کی اور کہا کے فرد صرف اپنا ہی خیال نہیں رکھے بلکہ وہ دوسروں کی بھلائی کا بھی خیال رکھیں۔

15.5 جدید لبرلزم (Modern Liberalism)

جدید لبرلزم کو مثبت لبرلزم بھی کہا جاتا ہے۔ اس نظریہ نے فرد کی شخصیت کی ترقی میں مملکت کو ایک مثبت کردار ادا کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ دراصل اٹھارویں صدی کے کلاسیکی لبرلزم سے متعلق تصورات بیسویں صدی کے صنعتی اور معاشی طور پر ترقی یافتہ سماجوں کے لیے موزوں نہیں تھا۔ حقیقت میں کلاسیکی سے جدید لبرلزم کی طرف تبدیلی ٹی۔ ایچ۔ گرین اور جے ایس مل کی تحریروں میں ملتی ہے۔

کلاسیکی لبرلزم کے وجہ سے ہی سرمایاداریت اور اس کی برائیوں کو ترقی ملی جس کی وجہ سے بدلہ ہوا سماج معاشی حالات سے مطابقت کے لیے لبرل نظریے میں تبدیلی ہونا لازمی ہوئی۔ مِل اور گرین کے علاوہ جدید لبرلزم کو پیش کرنے والوں میں ہاب ہاوس، لاسکی اور آر یم میکاور بھی تھے۔

کلاسیکی لبرلزم میں منفی آزادی کی حمایتی ہے۔ جہاں ہر فرد اپنی پسند کی آزادی (Freedom of Choice) ، زیادہ منافع، بازار کی آزادی اور سستے مزدور (جس میں عورتیں اور بچے سبھی شامل تھے)۔ کلاسیکی لبرل ازم کی خصوصیات تھیں۔ اس کے علاوہ کلاسیکی لبرل ازم مملکت کے رول کی مداخلت بازار اور فرد کی زندگی میں کم سے کم ہو۔ اس پر زور دیتا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس سیاسی مفکرین جیسے ٹی ایچ گرین نے منفی آزادی کی جگہ مثبت آزادی پر زور دیا ہے جس سے جدید لبرلزم کا تصور اُبھر کر سامنے آیا۔ مثبت آزادی سے مراد یہ ہے کہ اس میں فرد اپنے ہنر اور کاریگری سے خود کی ترقی کرے گا اور اس میں مملکت کے رول کو بھی بڑھاوا ملے گا۔ چوں کہ اب مملکت کا رول سماج میں منفی نہ ہو کر مثبت ہو گیا ہے۔ مملکت لوگوں کے فائدہ اور نقصان کا بھی خیال رکھے گی۔ 'Minimum State' کی جگہ اب 'State Enabling' ہوگا (مملکت کی کم سے کم مداخلت کے بجایے مملکت خود کا نمونہ پیش کرے گی)۔ خاص کر بیسویں صدی کے بعد مملکت کا رول مثبت طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے۔

جدید لبرلزم میں حکومت فلاحی اسکیم کے تحت لوگوں کی غریبی اور بے روزگاری کا خاتمہ کرے گی۔ 19 ویں صدی میں حکومت کے اوپر انتظامی دباؤ تھا۔ مزدور گروہ اور کسان جس کے وجہ سے بیسویں صدی میں مملکت کو فلاحی مملکت (Welfare State) میں منتقل کیا گیا اور فلاحی مملکت شہری کو طبی، تعلیم اور Pension معاشی خدمات کو فراہم کرے گی۔ جس سے کہ فرد کی ترقی میں کسی طرح کی رکاوٹ نہ ہو۔

معاشی انتظام (Economic Management) ، آزادانہ بازار (Laeseez Faire) کا تصور جس میں بازار کو آزاد ہونا، اس پر مملکت کی پابندی نہیں ہونا، یہ کلاسیکی لبرلزم کا تصور تھا۔ لیکن اسی پالیسی کے نتیجے میں ایک عظیم معاشی بحران 1929 میں وجود میں آیا۔ جس کی وجہ سے بے شمار بے روزگاری اور عظیم مارکیٹ کی ناکامیابی کو دیکھتے ہوئے ماہرین معاشیات جے۔ ایم۔ کینس نے معاشی نظریہ پیش کیا۔ جسے 'کینس نظریہ' بھی کہا جاتا ہے۔ اس نظریے میں کینس کہتے ہیں کہ اگر حکومت بے روزگاری پر کنٹرول کرنا چاہتی ہے تو اسے مکمل مانگ (Aggregate Demand) کو بڑھانا ہوگا، اور اس کے لیے حکومت کو اپنا خرچہ زیادہ سے زیادہ بڑھانا پڑے گا۔ اور ساتھ ہی حکومت اپنے ٹیکس اُصولی کو کم کر دیتی ہے تو اس سے بھی بازار میں مانگ بڑھے گی اور بے روزگاری پر کافی حد تک کنٹرول ہوگا۔ اس نظریہ کے بانی کینس حکومت کے مارکیٹ مداخلت کو مناسب مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے بے روزگاری پر کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ چوں کے جدید لبرل مملکت میں مملکت کا رول اب منفی نہ ہو کر مثبت ہو گیا۔ کیوں کہ کلاسیکی لبرلزم میں معیشت سے لے کر سماجی گروہ، معاشی بحران، غریبی، فاقہ کشی وغیرہ عام ہو گئیں۔ ان سب باتوں کا خیال رکھتے ہوئے مملکت کو آگے لایا گیا۔ اور اب مملکت معیشت سے لے کر سماجی قانون بنانا، مارکیٹ میں مداخلت کرنا اور لوگوں کے استحصال کو روکنا، مملکت میں بے روزگاری اور غریبی کا خاتمہ شامل تھا۔ شہری کے حق

میں پالیسی قوانین اور اسکیم بنائے گئے۔ جس سے شہری کو برابری کا موقع حاصل ہو سکے اور اس کو تحفظ مل سکے۔

جدید لبرلزم کے کئی منفی عوامل جڑے ہوئے ہیں۔ چوں کہ جدید لبرلزم میں مملکت نے مرکب معیشت (Mixed Economic کو اپنایا اور اس میں مملکت پہلے سے زیادہ مداخلت شروع کی۔ زیادہ سے زیادہ ٹیکس عائد کرنے سے معیشت میں جس طرح کی فروغ (Boom) ہونا چاہیے تھا ویسا نہیں ہوا۔ مرکب معیشت نے آمدنی کی کھائی کو کافی بڑھا دیا جس کی وجہ سے لوگ کافی امری ہو گئے اور بیشتر لوگ غریب۔ اس خلاء کو کم کرنے کے لیے جس سے کہ حکومت نے کئی فلاحی اسکیم کی شروعات کی۔ لیکن اس سے سماج میں موجود امیری اور غریبی کی کھائی (Gap) کم نہیں ہوئی۔ مملکت کی مداخلت سے فلاحی اسکیم اور معاشی اصلاح کے باوجود مملکت میں آج بھی بے شمار شہری بے روزگاری اور غریبی کے شکار ہیں۔

15.6 جدید لبرل مملکت کے فرائض (Functions of Modern Liberal State)

مملکت کے فرائض پر پچھلے صفحات پر بھی چرچہ کی گئی ہے۔ لیکن یہاں پر مملکت کے فرائض کو جدید لبرل کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالنا لازمی ہے۔ جدید لبرل سے پہلے مملکت کے فرائض کچھ الگ تھے۔ کیونکہ اس دور میں مملکت کا رول نہ کے برابر یا منفی سمجھا جاتا ہے۔ انفرادی زندگی میں لبرل مملکت کے پس منظر سے پتا چلتا ہے کہ مملکت کے کم سے کم رول نے اس وقت سماج میں کئی مشکلات اور نقصانات کو بڑھایا۔ اس لیے جدید لبرل ازم کے بانی جے۔ ایس۔ مل اور ٹی۔ ایچ۔ گرین نے جدید لبرلزم پر روشنی ڈالی اور مملکت کو انفرادی ترقی کے لیے لازمی سمجھا۔ جدید لبرل مملکت جس کو فلاحی مملکت بھی کہا جاتا ہے۔ شہری کے فلاح و بہبود کے لیے بہت سارے اقدامات اٹھائے، جو اس طرح ہیں۔

1. فلاحی مملکت (Welfare State)

جدید لبرل مملکت چوں کہ فلاحی مملکت ہے۔ یہ شہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے کئی اسکیم اور پالیسی تیار کرتی ہے۔ یہ مملکت لوگوں کے مساوی نظریے پر مبنی ہے جس سے مملکت میں سبھی کو اس کا فائدہ مل سکے۔ سماج میں غیر برابری کو ختم کرنے کے لیے قوانین، پالیسیاں بنائی گئی۔ جس سے کہ سماج کے غریب اور پچھڑے لوگوں کو بھی اوپر اٹھایا جا سکے۔ ہر ممکن کوشش ہوتی ہے کے سماج میں مساوی نظام قائم کیا جا سکے اور اس لیے فلاحی مملکت کچھ مثبت اقدامات بھی اٹھاتی ہے جیسے مفت طبی سہولت، مفت تعلیم وغیرہ وغیرہ۔

2. سماجی لبرلزم (Social Liberalism)

جدید لبرل مملکت کو ہی سماجی لبرلزم بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے تحت حکومت سماج میں نچلے پائیدان پر رہنے والے گروہ کے لیے قوانین کے ذریعے اس کو کچھ سہولت دیکر اوپر اٹھانے کا کام کرتی ہے۔ اسے ایجابی عمل (Affirmative Action) کہا جاتا ہے۔ کلاسیکی لبرلزم میں یہ سہولت اس وقت شہریوں کو حاصل نہیں تھی۔ چوں کی اس وقت مملکت ایک برائی تھی، فرد کے لیے سماجی لبرلزم کے تحت حکومت پچھلے طبقات کے استحصال کو روکنے کے لیے بھی کچھ قوانین نافذ کرتی ہے۔ جس سے اگر کوئی پچھڑے لوگوں کا استحصال کرے تو

حکومت اس کے خلاف قانونی اقدامات اٹھا سکے۔ اس نظریے میں حالانکہ مارکیٹ معیشت کی خیر خواہ ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود مملکت شہری اور سیاسی حقوق اور آزادی کو بھی بڑھاوا دیتی ہے

3. ملکیت کی دوبارہ تقسیم (Redistribution of Wealth)

جدید لبرلزم مملکت میں جو لوگ ملکیت سے نامحروم ہے اور حکومت ویسے لوگوں کو جس کے پاس ضرورت سے زائد ملکیت ہے۔ اس پر محصول (Tax) لگا کر اس کی وصولی کرنے کے بعد سماج میں جو لوگ غریب اور پچھڑے ہیں۔ اس کے لیے فلاحی اسکیم بناتی ہے۔ اور محصول کی شکل میں وصول کی گئی رقم کا غریب اور پچھڑے طبقات پر خرچ کرتی ہے۔ تاکہ سماج میں عدم مساوات کا خاتمہ ہو سکے۔

4. مارکیٹ پر کنٹرول (Control on Market)

جدید لبرل مملکت مارکیٹ پر بھی نظر رکھتی ہے۔ اور یہ کلاسیکی لبرل کی طرح 'Lesseez Faire' میں یقین نہیں رکھتی۔ اس لیے ماارکیٹ پر کنٹرول بنائے رکھتی ہے، تاکہ وہ من مانی نہ کرپائے۔ اور اس سے لوگوں کو خاص طور سے مزدور، عورتیں اور بچے کا استحصال نہ ہو پائے۔ جدید لبرل مملکت نے مزدور، عورتیں اور بچوں کے حق میں کئی مثبت قوانین بنا کر ایسے طبقات کو تحفظ فراہم کی ہے۔ کئی ایسے قوانین بھی بنائے ہیں جس سے شہری مطمعین رہ سکیں۔

جدید لبرلزم کے فرائض کو سمجھنے کے لیے چند نکات پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔

- جدید لبرلزم میں مملکت ایک برائی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس مملکت ایک مثبت اچھائی سمجھا جاتا ہے۔
- اس میں تمام سہریوں کی بھلائی حاصل کرنے کے لیے مملکت کو شہریوں کے معملات میں مداخلات کرنا چاہیے۔
- آزادی کی تصور کے بجائے جدید لبرلزم میں آزادی کے مثبت تصورات ملتے ہیں
- آزادی سے مراد یہاں مملکت کی عدم مداخلت نہں ہے بلکہ آزادی سے مراد موقع کی موجودگی ہے اور ایسے موقع فراہم کرنے کے لیے بامقصد حکومت کا اقدام لازمی ہے۔
- جدید لبرل مملکت ایک مثبت خدماتی مملکت ہے۔ اپنے ضروری فرائض کے علاوہ یہ کئی سماجی، معاشی اور تمدنی فرائض بھی انجام دیتی ہے۔

15.7 جدید لبرل مملکت کی خدوخال (Features of Modern Liberal State)

جدید لبرل مملکت کے خدوخال مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ جدید لبرل مملکت میں مملکت کو لازمی برائی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ کلاسیکی لبرل میں سمجھا جاتا تھا۔ جدید لبرل مملکت ایک فلاحی ایجنسی ہے جو عوامی ملکیت کی حفاظت کرتی ہے۔

2۔ آزادی اور مساوی کے درمیان تعلقات کا توازن بنا رہتا ہے۔

3۔ حکومت مداخلت کے ساتھ سماجی اور معاشی پہلو کو بھی کنٹرول کرتی ہے۔

4۔ اس جدید لبرل مملکت میں زیادہ تاکید اخلاقی آزادی، تقسیم، انصاف، عوامی ملکیت اور اس کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

5۔ انفرادی آزادی صرف مداخلت غیر حاضر اور باہری کنٹرول نہیں ہے، لیکن اس میں خود کی ترقی کے ساتھ اخلاقی اور مثبت آزادی بھی شامل ہے۔

15.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- مملکت کے تصورات، تعریفات اور فرائض کو واضح طور پر سمجھا۔
- مملکت کے لبرل تصورات پر بحث کی۔
- لبرل مملکت میں حکومت کی ساخت کو سمجھا۔
- جدید لبرل ازم اور جدید لبرل مملکت کے فرائض کو جانا۔
- جدید لبرل مملکت کے خدوخال کو سمجھا۔

15.9 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **مملکت** : ایک طے شدہ حکمرانی کے تحت منظم طور پر سیاسی گروہ۔
- **اقتدارِ اعلا** : کسی ملک کی خود کی حکمرانی کرنے کا اختیار جس میں کسی اندرونی یا باہری طاقت کا مداخلت نہ ہو۔
- **حکومت** : لوگوں کا ایک جماعت جو کسی ملک پر کنٹرول یا حکمرانی کرے۔
- **رواداری** : مشکلات یا درد کو برداشت کرنے کی صلاحیت۔
- **فلاحی مملکت** : حکومت کا ایک ایسا نظام جہاں ضرورت مندوں کو سرکاری اسکیم مہیا کروائی جاتی ہے اور اس کو حکومت نچلے پائیدان سے سماج میں اوپر اٹھانے کے لیے کئی مثبت قدم اٹھاتی ہے۔
- **اشتراکیت** : ایک ایسا سماجی نظام جس میں سامان اور خدمات مشترکہ طور پر مشترکہ ہیں۔ سوشلزم کی ایک شکل جو پیداوار کے ذرائع اور مزدوری کی مصنوعات کی شراکت میں مرکزی عوامی ملکیت کے حامی ہے۔
- **مثبت رول** : اس سے مراد ہے حکومت کا اپنے شہریوں کی خاص کر سماج کے دبے کچلے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے کیے گئے اقدام۔

- **بین الاقوامی** : ایک سیاسی اصول ہے جو لوگوں اور قوموں میں زیادہ سے زیادہ سیاسی یا معاشی تعاون کی حمایت کرتا ہے۔

15.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

15.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. مملکت کے کتنے لازمی عناصر ہوتے ہیں؟

(a) پانچ　　(b) چار

(c) تین　　(d) چھ

2. 'The Prince' کے مصنف درج ذیل میں سے کسے مانا جاتا ہے؟

(a) میکاولی　　(b) کوٹلیہ

(c) افلاطون　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

3. "مملکت لوگوں کا ایک ایسا گروہ ہے جس کا مقصد Means کے ذریعے Ends کو حاصل کرنا ہے"۔ یہ کس کا قول ہے؟

(a) کارل مارکس　　(b) وڈرو ولسن

(c) سالمنڈ　　(d) پالینڈ

4. 'Theories of Lessez Faire' کا تعلق درج ذیل میں کس نظریہ سے ہے؟

(a) اعتدال پسند　　(b) لبرلزم

(c) مارکسزم　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

5. 'فلاحی مملکت' کس صدی کی دین ہے؟

(a) اٹھارویں صدی　　(b) انیسویں صدی

(c) سترہویں صدی　　(d) اکیسویں صدی

6. لفظ لبرل کا عروج لاطینی لفظ 'Liber' سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔

(a) آزاد　　(b) بندش

c) روکاوٹ　　(d) ان میں سے کوئی نہیں

7. قدیم یونان میں مملکت کو کس نام سے جانا جاتا تھا؟

(a) Polis　　(b) کامن ویلتھ

(c)ریپبلک (d)اسٹیو

8. قدیم ہندوستان کی مشہور کتاب ارتھ شاستر کے مصنف کون ہیں؟

(a) آریہ بھٹ (b) کوٹلیہ

(c) ناگ ارجن (d) اشوک

9. 'ویلتھ آف نیشن' کس کی کتاب ہے؟

(a)ایڈم اسمتھ (b)جان لاک

(c)بینتھم (d)ان میں سے کوئی نہیں

10. فلاحی مملکت (Welfare State) سے کیا مراد ہے؟

(a)یہ عوام کی فلاح وبہبود کے لیے کام کرتی ہے (b)یہ مارکیٹ کو ملکی آزادی دیتی ہے

(c)اس مملکت میں عوام پر کے اوپر پابندیاں عائد رہتی ہے (d)ان میں سے کوئی نہیں

15.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ جدید لبرل مملکت شہری کے فلاح وبہبود کے لیے کون کون سے اقدامات اتھاتے ہیں؟

2۔ لبرل مملکت کن باتوں کو فروغ دیتا ہے؟ مختصر نوٹ لکھیے۔

3۔ جدید لبرل مملکت کا مختصر جائزہ لیجے اور اس کے خدوخال پر غوروفکر کیجیے۔

4۔ لبرل مملکت میں کی ساخت بیان کیجیے۔

5۔ کلاسیکی لبرلزم کی خامیاں بیان کیجیے۔

15.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ مملکت کیا ہے؟ اس کے تصورات پر غوروفکر کیجیے۔

2۔ جدید لبرلزم کے تصورات پر بحث کیجیے اور جدید لبرل مملکت کے فرائض کو بیان کیجیے۔

3۔ مملکت کی تعریفات بیان کرتے ہوئے اس کے لازمی عناصر پر روشنی ڈالیے۔

15.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. John Hoffman, (2010), Introduction to Political Ideologies, Pearson Education in India

2. Andrew Heywood, (1992), Political Ideologies, Mcmillan, U.K

3. O.P. Gauba, (2017), An Introduction to Political Theory, Mayur Paperback

4. Rajeev Bhargava & Ashok Acharya (2008), Political Theory: An Introduction, Pearson Education in India

5. Subarta Mukherjee, (2016), A History of Political Thought, PHI, Learning

6. Sarmah, Durga Kant Political Science, (2004), New Age International Publishers, New Delhi

7. Obest E. Goodin (2011), Oxford Handbook of Political Science, Oxford University Place

اکائی 16۔ مملکت کے فرائض: مارکسی تناظر

(Functions of the State: Marxist Perspective)

اکائی کے اجزا

16.0 تمہید
16.1 مقاصد
16.2 مملکت کی ابتدا اور نوعیت کا لبرل نظریہ
16.3 مملکت کی ابتدا اور نوعیت کا مارکسی نظریہ
16.4 مملکت کی اصل اور نوعیت کے بارے میں لبرل اور مارکسی نظریات کا موازنہ
16.5 سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے کام
16.6 سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے افعال اور اس کے کام کا تنقیدی جائزہ
16.7 سرمایہ دارانہ معاشروں میں مملکت کے کام
16.8 اکتسابی نتائج
16.9 کلیدی الفاظ
16.10 نمونہ امتحانی سوالات
16.11 معروضی جوابات کے حامل سوالات
16.12 مختصر جوابات کے حامل سوالات
16.13 طویل جوابات کے حامل سوالات
16.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

16.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں ہم "مملکت کے فرائض مارکسی تناظر" کے بارے میں تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔ سب سے پہلے مملکت کیا ہے،

کسے کہتے ہیں؟ اس کے بارے مختصر میں جاننا ہے کہ ماضی میں مملکت کو ایک اختتام اور فرد کو ذرائع سمجھا جاتا تھا۔ لیکن حقیقت میں مملکت ایک ذریعہ ہے اور اس کا مقصد لوگوں کی فلاح و بہبود ہے۔ مملکت لوگوں کی جان، آزادی اور املاک کی حفاظت کرتی ہے اور اسی وجہ سے ان کی سماجی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی فلاح و بہبود کو فروغ دیتی ہے۔ مملکت کا مقصد وہ تمام مواقع پیدا کرنا ہے جو انفرادی شخصیت کی نشوونما کے لیے ضروری ہیں۔ آج کا دور جمہوریت کا ہے اور عوام مملکت کے اختیار کو کنٹرول کرتے ہیں۔ عوام کے نمائندے عوام کی رائے میں مملکتی اتھارٹی کا استعمال کرتے ہیں۔ جس میں مملکت کے ابتدا اور نوعیت کا لبرل اور مارکسیائی نظریات، مملکت کی اصل-مارکسیائی نظریہ، نتیجہ میں، مملکت کی ابتدا اور اس کی نوعیت کے بارے میں مارکسی نظریات، مملکت کی اصل اور نوعیت کے بارے میں لبرل اور مارکسی نظریات کا موازنہ، مملکت کا مارکسی نظریہ، سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے کام جو چار قسم کے ہیں ان کے بارے میں تفصیل سے مطالعہ کرنا، سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے افعال اور اس کے کام کا تنقیدی جائزہ، سرمادارانہ معاشروں میں مملکت کے کام اور سوشلسٹ مملکت اور سرمایہ مملکت کے مابین موازنہ کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

16.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ "مملکت کے فرائض: مارکسی تناظر" جس میں مملکت کے ابتدا اور نوعیت کا لبرل اور مارکسیائی نظریات، مملکت کی اصل مارکسیائی نظریہ، نتیجہ میں، مملکت کی ابتدا اور اس کی نوعیت کے بارے میں مارکسی نظریات، مملکت کی اصل اور نوعیت کے بارے میں لبرل اور مارکسی نظریات کا موازنہ، مملکت کا مارکسی نظریہ، سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے کام جو چار قسم کے ہیں ان کی بارے میں تفصیل سے مطالعہ کرنا، سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے افعال اور اس کے کام کا تنقیدی جائزہ، سرمایہ دارانہ معاشروں میں مملکت کے کام اور سوشلسٹ مملکت اور سرمایہ مملکت کے مابین موازنہ کے بارے میں تفصیل کے اس طرح بیان اور واضع کر دیا جائے کہ طالب علم اس باب کے مطالعے کے بعد "مملکت کے کام: مارکسی تناظر" کی حوالہ سے تمام طرح کے سوالات وسکوک وشبہات کو نہ صرف یہ ہے کہ خود اپنے ذہن ودماغ سے سمجھ سکے بلکہ مملکت کے کام کے مختلف پہلویوں پر بھی غور فکر کر سکے گے۔

16.2 مملکت کی ابتدا اور نوعیت کا لبرل نظریہ

(Origin and Nature of the State and their Liberal Ideology)

لبرل تھیوری انسان کے لبرل تصور پر مبنی ہے جو انسان کو دنیا میں ایک آزاد ایجنٹ کی حثیت سے، اپنی مرضی سے آزاد ہونے کی وجہ سے اہمیت دیتا ہے۔ لہذا مملکت کی ابتدا میں، یہ افراد، ان کی نوعیت، سرگرمیوں، مفادات اور مقاصد کو مناسب کردار دیتا ہے۔ مملکت کو ایک ضرورت، ایک ادارے کی حثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ برائی یا دوسری صورت میں۔ جو معاشرے میں امن وامان، امن اور انصاف قائم کر سکتا ہے۔ مملکت مجموعی طور پر معاشرے کے عام مفاد کی خدمت کے لیے موجود ہے۔ اسے انسانی فلاح و بہبود کی ایک ایجنسی سمجھا جاتا

ہے، جو انسان کی جان ومال کو محفوظ بنائے گا۔ مملکت کو انسان کی اخلاقی اور سماجی ترقی میں مددگار سمجھا جاتا ہے۔ یہ حقوق اور آزادیوں کا تحفظ کرتا ہے اور تنازعات کو حل کرتا ہے، کسی دوسرے تنازعے سے دوچار معاشرے میں اتفاق رائے لاتا ہے۔ یہ انسانی اور سماجی بہبود کا نگہبان ہے۔ مملکت کے آغاز میں لوگوں کے کردار اور ان کی مرضی کو لبرلس نے مناسب اہمیت دی ہے۔ مملکت کی بنیاد طاقت نہیں بلکہ عوام کی مرضی ہے۔ مملکت ایک طاقت نہیں ہے بلکہ کچھ کام انجام دینے کا ایک سماجی آلہ ہے۔ یہ لوگوں کی طرف سے، لوگوں کے ذریعے، لوگوں کے لیے ہے۔ لبرل ازم مملکت اور معاشرے میں فرق کرتا ہے اور برقرار رکھتا ہے کہ مملکت معاشرے کے لیے ہے نہ کہ دوسری صورت میں۔ مملکت کی طاقت کو محدود اور اس کی اقتدار اعلا کو تکثیق سمجھا جاتا ہے۔ مملکت تمام جامع نہیں ہے، کیونکہ اس کے مقاصد اور اختیارات محدود ہیں۔ کسی زمانے میں، لبرل ازم نے کم سے کم مملکت کی حمایت کی تھی۔ جس میں پولیس کے صرف منفی کام انجام دیے جاتے تھے، لیکن اب لبرل ازم ایک مثبت، فلاحی مملکت کی حمایت کرتا ہے۔ لبرل ازم برقرار نہیں رکھتا ہے کہ مملکت محض ایک طبقے کا آلہ کار ہے۔ یہ فرض کرتا ہے کہ مملکت کے پاس تنازعات کو نرم کرنے اور تمام طبقوں کے مفادات کی فراہمی کی صلاحیت ہے۔ مملکت معاشرے کے مختلف تنازعات میں ایک جھٹکے جذب کرنے والے کے طور پر کام کر سکتی ہے۔ یہاں مملکت کی نوعیت کے حوالے سے لبرل اور مارکسزم نظریات کے درمیان بنیادی فرق موجود ہے۔ مختصر میں، مملکت کی نوعیت کے آزاد خیال کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

(1) مملکت ایک انسانی ادارہ ہے، جسے انسان نے بنایا ہے۔(2) مملکت کے خاتمے امن و امان، نظم و ضبط، امن، انصاف کو برقرار رکھنا اور معاشرے کے مشترکہ مفاد کی خدمت کرنا ہے۔(3) مملکت عوام نے بنائی ہے اور اس کی بنیاد جمہوری ہے۔(4) مملکت کے قوانین اور خود مختار طاقت کے بغیر فرد کی حقوق، آزادیاں، جان ومال محفوظ نہیں ہو سکتی۔(5) مملکت اور معاشرے اور مملکت اور حکومت کے مابین ایک فرق ہے (ہوبس اور روسو اسے قبول نہیں کرتے۔(6) مملکت کا دائرہ اور اقتدار اعلا محدود ہے ہوبس اور روسو اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ (7) مملکت معاشرے میں اتحاد پیدا کرتی ہے اور اتفاق رائے پیدا کرتی ہے۔ یہ معاشرے میں تمام طبقوں کی دلچسپی لیتی ہے۔() لبرل ازم مملکت کا خاتمہ کرنے یا غیر مملکت معاشرے میں یقین نہیں رکھتا ہے۔

16.3 مملکت کی ابتدا اور نوعیت کا مارکسی نظریہ

(Marxist Theory of the Origin and Nature of the State)

اگر لبرل ازم بورژوا طبقے کا سماجی اور معاشی اور سیاسی فلسفہ ہے، تو مارکسزم محنت کش طبقے کا سماجی اور معاشی اور سیاسی فلسفہ ہے جو خود سرمایہ دارانہ معاشی نظام کی پیداوار ہے۔ یہ اس بے بس، دبنگ طبقے کا ایک فلسفہ ہے جس کا بورژوا طبقہ استحصال کر رہا ہے۔ 19ویں صدی میں، جب سرمایہ دارانہ معاشی اور سیاسی نظام و ضبط کے ناقابل برداشت استحصال کی وجہ سے مزدور طبقہ دوچار تھا، مارکسزم اس طبقے کا سائنسی فلسفہ بن کر ابھرا۔ یہ ایک فلسفہ اور مزدور طبقے کا عالمی نظریہ ہے اور اس کا مقصد اس طبقے کو ہر طرح کے استحصال سے آزاد کرنا ہے۔ یہ ایک سائنسی انقلابی فلسفہ ہے جو معاشرے میں استحصال، جبر اور ناانصافیوں سے نجات حاصل کرنے کے راستے کی نشاندہی کرتا ہے۔

مار کسزم ایک فلسفے کی حیثیت سے اس کی اصلاح کی بجائے سرمایہ دارانہ حکم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اس کا پیغام، یوٹوپیائی سوشلزم کے بر خلاف، سرمایہ دارانہ نظام کی اصلاح کے لیے سرمایہ داروں کے لیے نہیں تھا، بلکہ غیر سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنے کے لیے مزدوروں کے نام پر تھا۔ اس نے مزدور طبقے کو ایک انقلابی پیغام دیا۔ فریڈرک اینجلس کے مطابق، "پرولتاریوں کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں ہے ان کی زنجیروں کے۔ ان کے پاس جیتنے کے لیے ایک دنیا ہے۔ تمام ممالک کے ورکنگ مرد متحد ہیں"۔ لہذا، مار کسزم ایک سائنسی فلسفہ اور مزدور طبقے کا طبقاتی نظریہ ہے، یہ استحصال اور ناانصافی کے خلاف انقلابی اور ترقی پسند فلسفہ ہے۔

مملکت کی اصل-مارکسیائی نظریہ (Original of State- Marxist Theory)

مارکسزم کے مطابق سیاست اور مملکت معاشی نظام کے ذیلی ڈھانچے یا کسی دیے ہوئے معاشرے کے پیداواری انداز پر مبنی سوپر اسٹرکچر کا ایک حصہ ہیں۔ مملکت کے اصول کا مارکسیائی نظریہ بھی مملکت اور سیاست کے اس عمومی نظریہ پر مبنی ہے۔ اینجلس نے اپنی مشہور کتاب "دی اریجین آف فیملی، نجی املاک اور مملکت (1884) میں مملکت کی اصل کے حوالے سے واضع طور پر مارکسین خیالات دیے۔

اینجلس کا خیالات (Engels Opinion of the State)

اینجلس نے تاریخی مادیت کے سائنسی طریقہ کار کی بنیاد پر مملکت کی اصل کا تجزیہ کیا۔ مملکت کی ابتدا معاشرے کو طبقوں میں تقسیم کرنے اور طبقات کی جدوجہد کے آغاز کے ساتھ ہی ہوئی ہے۔ یہ غالب معاشی طبقے یا پیداوار کے ذرائع کے مالکان کی مفاد کو پورا کرنے کے لیے طبقاتی آلہ کار کے طور پر ابھرا ہے۔ مملکت کی ابتدا معاشرے میں طبقاتی اور طبقاتی جدوجہد کی اصل سے ہوئی ہے اور یہ محض ایک غالب طبقے کے ہاتھوں استحصال کا ایک آلہ ہے۔ مملکت کی مدد سے، حکمران طبقات معاشی طور پر غریب طبقات پر اپنے اختیارات بر قرار رکھتے ہیں۔ اینجلس لکھتے ہیں: "مملکت غیر ملکیت طبقے کے خلاف اپنے تحفظ کے لیے مال دار طبقے کی ایک تنظیم ہے"۔

لینن کے خیالات (Lenin Opinion of the State)

لینن مزدور طبقے کا ایک عظیم انقلابی رہنما اور جدید سوشلسٹ روس کا بانی تھا، جس نے پہلے کامیاب سوشلسٹ انقلاب کی قیادت کی اور وہاں سوشلسٹ مملکت قائم کی۔ لینن کے خیالات اینجلس کے نظریہ سے بہت ملتے جلتے ہیں، مملکت اور انقلاب (1917) لینن نے اینجلس کے اظہار کی حمایت کی ہے۔ انہوں نے کہا، "مارکس کے مطابق مملکت مرجھا رہی ہے۔ جیسا کہ مملکت کے خاتمے کے انتشار پسندانہ نظریے سے الگ ہے"۔

گرامسکی کے خیالات (Gramsci Opinion of the State)

گرامسکی ایک اطالوی مارکسی رہنما تھا۔ گرامسی مملکت کو حکمران طبقات کے ایک آلہ کے طور پر دیکھتی ہے اور "مملکت میں حکمران طبقات کی تاریخی اتحاد کا احساس ہوا ہے، اور ان کی تاریخ بنیادی طور پر ریاستوں اور مملکتوں کے گروہوں کی تاریخ ہے۔ مملکت کی اصل کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ مملکتیں تین طرح کی سماجی قوتوں کی جدوجہد کے ذریعے وجود میں آتی ہیں۔ سماجی قوتیں جو قیادت فراہم کرتی ہیں، ایسی سماجی قوتیں جن کے خلاف جدوجہد کی جاتی ہے، تیسرا، کچھ معاون یا اتحادی قوتیں جو متحرک یا غیر فعال قائدین سے رضامند

ہوتی ہیں۔

نتیجے میں (In Consequence) مملکت کی ابتدا اور اس کی نوعیت کے بارے میں مارکسی نظریات حسب ذیل ہیں:

1۔ مملکت کا تعلق پورے معاشرے سے نہیں ہے، یہ صرف ایک طبقاتی آلہ ہے۔

2۔ مملکت اور سیاسی نظام معاشرے کے معاشی نظام کے بنیادی ڈھانچے پر مبنی سوپر اسٹرکچر کا ایک حصہ ہیں۔

3۔ مملکت شروع سے ہی موجود نہیں ہے۔ تاریخ میں ایسے معاشرے رہے ہیں جہاں مملکت کا نام معلوم نہیں تھا۔

4۔ جسمانی اور نظریاتی تسلط، اور معاشی طور پر کمزور طبقات کے استحصال کے لیے مملکت معاشی طور پر غالب طبقے کا ایک ذریعہ ہے۔

5۔ مملکت نہ ہی معاشرہ ہے اور نہ ہی معاشرے پر مسلط ہے۔ یہ نہ تو خدائی ہے، نہ ہی اعلا اخلاقی نظریہ ہے، بلکہ محض ایک تاریخی بستی ہے جو معاشرے میں متعین تاریخی حالات کی وجہ سے ہے۔

6۔ مملکت نہ تو ایک فطری ادارہ ہے، اور نہ ہی یہ کسی سماجی معاہدے یا پورے معاشرے کی رضامندی سے تشکیل پایا ہے۔ بلکہ یہ معاشرے کے مادی حالات کی ترقی کے ایک خاص مرحلے پر ابھرا ہے۔

7۔ مملکت، اگرچہ طبقاتی جدوجہد کو روکنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن طبقاتی جدوجہد کو طبقوں کو تباہ کیے بغیر ختم نہیں کر سکتی ہے۔

8۔ بعض اوقات ممکن ہے کہ یہ طبقات سے بالاتر ہو، لیکن آخری تجزیے میں یہ صرف ایک خاص طبقے کے مفادات ہے۔

9۔ مملکتی اقتدار کے طبقے کی وجہ سے، اقلیت میں ہونے کے باوجود معاشی طور پر غالب طبقہ سیاسی طور پر مضبوط تر ہوتا جاتا ہے

10۔ جب، معاشی نظام میں تبدیلی یا پیداوار کے انداز کی وجہ سے، معاشرہ طبقاتی ہو جائے گا، تب مملکت بھی مٹ جائے گی۔

11۔ کسی سوشلسٹ انقلاب کے بغیر، ایک منظم مزدور طبقے کی قیادت میں، سرمایہ داری کے پیداواری انداز کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی سوشلسٹ پیداوار کے ذریعے اس کا متبادل لیا جا سکتا ہے۔

12۔ مزدور طبقہ، انقلاب اور اقتدار پر قبضہ کے بعد، بورژوا مملکتی مشینری کو ختم کر دے گا اور مزدور طبقے کی مملکت، یا پرولتاریہ کی آمریت قائم کرے گا۔ مزدور طبقے کی مملکت حکمران طبقے کے طور پر منظم ورکنگ کلاس ہو گی۔

13۔ جب غیر طبقاتی معاشرہ قائم ہو گا، مملکت، ایک طبقاتی آلہ، بیکار ہو جائے گا اور فطری موت کا شکار ہو جائے گا۔

16.4 مملکت کی اصل اور نوعیت کے بارے میں لبرل اور مارکسی نظریات کا موازن

(A Comparison of Liberal and Marxist Ideas about the Origin and Nature of the State)

سوال یہ ہے کہ مملکت کی ابتدا کیوں ہوئی ہے اس کے دو مختلف استحصال ہیں۔ ایک قول یا خیال کے مطابق، مملکت سماجی معاہدے، رضامندی اور اتفاق رائے کی پیداوار ہے، اور امن وامان، انصاف اور فلاحی خسمات کو برقرار رکھتے ہوئے پوری برادری کے عمومی مفاد کے لیے کام کرتی ہے۔ دوسرے خیال کے مطابق، مملکت طبقاتی تقسیم اور طبقاتی جدوجہد کی پیداوار ہے اور صرف ایک خاص طبقے کے مفادات

کی خدمت کرتی ہے کیونکہ تمام طبقات کو ایک ہی دلچسپی نہیں ہو سکتی ہے۔ دوسرا نظریہ، مملکت کو مسترد کرتا ہے، طبقات کی موجودگی سے اس کی موجودگی کو جوڑتا ہے، اور تجویز کرتا ہے کہ انقلاب اور طبقے کے بغیر معاشرے کے قیام سے مملکت کا ادارہ ختم ہو سکتا ہے۔ اس وقت سماجی علوم میں "اتفاق رائے ماڈل" اور "تنازعہ ماڈل" کے مابین بحث کافی گرم ہے۔ اتفاق رائے کا نظریہ، جس کی بنیاد پر لبرل ازم پر مبنی ہے، پارسنیا کے فنکشنل اسٹراڈ افکار سے وابستہ ہے۔ اس کے نزدیک مملکت سمیت معاشرے اور سماجی اداروں کی اساس مشترکہ اقدار، اصول، عقائد، مفادات، نظریات اور ادارے ہیں۔ تنازعہ کا نظریہ تنازعہ یا جدوجہد کو اہمیت دیتا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ مملکت اور بہت سے دوسرے ادارے تنازعات کی پیداوار ہیں۔ مارکسزم تناعہ (طبقاتی جدوجہد) کے نظریہ پر مبنی ہے۔ بہت سے غیر مارکسی ماہر معاشیات، جیسے آر ڈھیرینڈورف نے، تنازعے کے نظریے کی بھی مختلف تجزیوں اور نتائج پر حمایت کی ہے۔ جدید سرمایہ دار معاشرے بحران سے دوچار ہیں اور ان میں تنازعہ فطری ہے۔ سماجیات اور مملکت کی زیادہ تر تحقیق بورژوا کے اندر تنازعات کی وجوہات اور ان کے حل تلاش کرنے میں مصروف ہے۔ تیسرا "فرقہ"، "کنور جنس تھیوری" کی شکل میں بھی ابھر رہا ہے۔ مملکت کی اصل اور نوعیت کا لبرل نقطہ نظر "اتفاق رائے ماڈل" پر مبنی ہے اور مارکسی نظریہ "تناعہ ماڈل" پر مبنی ہے۔ لبرل اور مارکسی نظریات کے مابین فرق بنیادی ہے، دیگر اختلافات اس فرق کے منطقی انجام کے سوا کچھ نہیں۔

مملکت کی اصل اور نوعیت پر لبرل ازم اور مارکسزم دونوں کے خیالات کے موازنہ کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

1۔ مملکت کی اصل اور نوعیت کا لبرل نقطہ نظر فرضی، مبہم اور غیر واضع ہے کیونکہ مختلف فلسفیوں کے مختلف نظریات ہیں۔ مارکسیائی نظریہ قطعی، واضع، واضع سیدھے، سائنسی تجزیہ اور تاریخی اعتبار سے درست ہے۔

2۔ آزاد خیال مصنفین کا کہنا ہے کہ مملکت کی ابتدا باہمی معاہدے، سماجی معاہدے اور معاشرے کے تمام لوگوں کی خیر خواہی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ مارکسزم مملکت کی اصل کو معاشرے میں طبقاتی تقسیم اور طبقاتی جدوجہد سے جوڑتا ہے۔

3۔ لبرل کا خیال ہے کہ مملکت ہمیشہ سے ہی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ مارکسزم کے مطابق یہ قدیم طبقاتی معاشروں میں موجود نہیں تھا

4۔ آزاد خیال مصنفین کا خیال ہے کہ مملکت پورے معاشرے کی ہے اور اس کے عمومی مفادات کی خدمت ہے۔ مارکسزم اس طبقے کے خصوصی مفادات کی خدمت کے معاشی طور پر اس کا حوالہ دیتا ہے۔

5۔ آزاد خیال مصنفین کا خیال ہے کہ انسانی فطرت کی وجہ سے مملکت ضروری ہے۔ مارکسزم اسے مخصوص سماجی حالات کی ضرورت کے طور پر دیکھتا ہے۔

6۔ لبرل ادیب مملکت کو انسان ساختہ ادرہ سمجھتے ہیں۔ مارکسزم اسے ایک تاریخی وجود کے طور پر دیکھتا ہے جو خاص تاریخی حالات میں ابھرا

7۔ لبرلس کا کہنا ہے کہ مملکت کا مقصد امن و امان، امن، آزادی اور مساوات کو برقرار رکھنا اور معاشرے کے عام مفاد کو پورا کرنا ہے۔ مارکسزم برقرار ہے کہ مملکت کا مقصد دوسرے طبقات کی قیمت پر ایک طبقے کے مفادات کی خدمت ہے۔

8۔ لبرلس مملکت کو ایک محدود مملکت سمجھتے ہیں۔ مارکسزم برقرار رکھتا ہے کہ مملکت محدود طاقت نہیں ہے اور وہ اس طبقے کے مفادات کے

لیے ہر کام کرے گی جس کا آلہ کار ہے۔

9۔ لبرلس مملکت کے تنازعات کو حل کرنے اور اتحاد کو برقرار رکھنے والی فطرت پر اعتماد رکھتے ہیں، کیونکہ وہ مملکت کو سوپر اکلاس سمجھتے ہیں۔ مارکسزم اس نظریہ کو مسترد کرتا ہے کہ مملکت طبقاتی تقسیم منقسم معاشرے میں تنازعات کو حل کرسکتی ہے

10۔ لبرلس مملکت کی تباہی یا اس کے مرجانے کے خیال کو مسترد کرتے ہیں کیونکہ اسے ایک ضروری برائی یا فضیلت کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جب کہ مارکسزم مملکت کا خاتمہ کرنے میں یقین رکھتا ہے۔

11۔ لبرلس مملکت یا حکومت کو تبدیل کرنے کے انقلابی طریقے کار کی مخالفت کرتے ہیں اور "پرامن"، "عدم تشدد" اور آئینی طریقہ سے تبدیلی لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مارکسزم ایک انقلابی تبدیلی پر یقین رکھتا ہے اور منظم مزدور طبقے کے ذریعے انقلاب کی حمایت کرتا ہے۔

12۔ لبرل ازم اصلاح پسند ہو سکتا ہے، لیکن یہ انقلابی نہیں ہو سکتا ۔ مارکسزم اصلاحات کی حمایت کر سکتا ہے، لیکن یہ اصلاح پسند نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ انقلاب پر یقین رکھتا ہے۔

مملکت کا مارکسی نظریہ (Marxist Theory of State)

مارکس نے خود مملکت کے نظریہ کو الگ سے وضع نہیں کیا ہے۔ ملی بینڈ کا کہنا ہے کہ، "مارکس نے خود کبھی بھی مملکت کے ایک جامع اور منظم نظریہ کو قائم کرنے کی کوشش نہیں کی"۔ چانگ لکھتے ہیں، "اس سے پہلے کہ لینن نے اپنی 'مملکت اور انقلاب' کی اشاعت 1917 میں کی تھی، مارکسین تھیوری آف مملکت نہ صرف معاشیات بلکہ سماجیات اور سیاسیات میں بھی پوری طرح نظر انداز کیا گیا تھا۔ مختصر یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مملکت کے مارکسین نظریہ کو آہستہ آہستہ سماجی علوم میں نظر انداز کیا گیا ہے"۔ لیکن ریاست پر بحث مارکس کی تقریباً تحریروں میں بکھری ہوئی ہے۔ مارکس، سرمایہ کاری کے طرز عمل کی تاریخی تجزیہ میں مصروف رہتا تھا، مملکت جیسے مخصوص امور پر توجہ نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن اینجیلس اور دیگر مارکسی اسکالرز اور انقلابی اس پہلو پر لکھ چکے ہیں۔ مارکسی تھیوری آف مملکت (نظریہ مملکت) کے اہم نکات کو مندرجہ ذیل سمجھا جاسکتا ہے:

(1) مارکس نے اپنی ابتدائی تحریروں میں یہ واضح کر دیا کہ مملکت معاشی طور پر غالب طبقے کا ایک عضو ہے اور مملکت کی طاقت کے ذریعے یہ طبقہ اقلیتی طبقہ ہونے کے وباجود اکثریت والے طبقے یعنی، محنت کش طبقہ پر سیاسی تسلط حاصل کرنے میں کامیاب ہے۔ مارکس نے لکھا، "جدید مملکت کا ایگزیکٹو پورے بورژوازی کے مشترکہ امور کے انتظام کے لیے ایک کمیٹی ہے"۔ مملکت کو دوسرے طبقے پر ظلم کرنے کے لیے ایک طبقے کی منظم طاقت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اینجلس اور لینن نے اس مارکسی نظریہ کی مزید وضاحت کی ہے۔

(2) مارکس نے کبھی بھی برقرار نہیں رکھا کہ مملکت ایک اعلا اخلاقیات ہے اور معاشرے میں موجود تمام تنازعات کو ختم کرسکتی ہے اور اتحاد اور اہم آہنگی لا سکتی ہے۔ انہوں نے ہیگلین کے اس نظریے پر تنقید کی کہ "مملکت زمین پر خدا کا مارچ ہے" اور اس نے برقرار رکھا کہ مملکت محض جائداد کے مالکان کی خادم ہے۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی آزادی انسانی آزادی نہیں ہے اور کہا: "سیاسی آزادی کی حد فوری طور پر اس حقیقت میں واضح ہے کہ مملکت خود کو کسی حد تک رکاوٹوں سے آزاد کر سکتی ہے، بغیر انسان خود ہی اس سے آزاد ہو جائے گا، اور یہ کہ

انسان آزاد نہ ہو، مملکت آزاد مملکت ہو سکتی ہے"۔ انہوں نے مزید کہا کہ مملکت مذہب اور قانون سے ملتی جلتی انسانی بیگانگی کا اظہار ہے۔ ا

(3) معاشرے اور مملکت کے تعلقات کی وضاحت کرتے ہوئے، مارکس نے کہا کہ مملکت نہ تو معاشرے سے بالاتر ہے اور نہ ہی وہ پورے معاشرے کو منظم کر سکتی ہے اور مختلف مفادات کو ہم آہنگ کر سکتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں، "لہذا، یہ وہ مملکت نہیں ہے جو سول سوسائٹی کے ایٹموں کو ایک ساتھ رکھتی ہے۔ آج صرف سیاسی توہم پرستی کا تصور ہے کہ سماجی زندگی کو مملکت کے ساتھ مل کر رکھنا چاہیے، جب کہ حقیقت میں، مملکت کو شہری زندگی کا ساتھ دینا ہے"۔ وہ مزید لکھتے ہیں، "سیاسی حالات صرف سول سوسائٹی کا باضابطہ اظہار ہے"۔ اس کا سیدھا مطلب ہے کہ مملکت سماجی بدحالی کی پیداوار ہے۔ مارکس نے لکھا کہ جدید جمہوری مملکت کا نچوڑ یہ ہے کہ "یہ نجی مفادات کی آزادانہ نقل و حرکت پر، بورژوا معاشرے کی غیر منظم ترقی پر مبنی ہے"۔ مملکت نہ تو معاشرے کے برابر ہے اور نہ ہی اس سے بالاتر، یہ صرف تاریخی ترقی کے ایک خاص مرحلے پر اس کی پیداوار ہے۔

(4) اگرچہ مملکت کے بارے میں عام طور پر مارکسیائی نظریہ یہ ہے کہ وہ غالب معاشی طبقے کے مفاد کو پورا کرتی ہے، بعض حالات میں، خاص طور پر جب معاشرے کے طبقات متوازن حالت میں ہوتے ہیں، مملکت طبقات سے بالاتر ہوتی ہے اور اپنے آپ کو تمام طبقات سے بالاتر مطلق طاقت کے طور پر قائم کرتی ہے۔ مملکت کی اس پوزیشن کو مارکس نے بوناپارٹزم، 1848-1852 کے دوران فرانس میں بوناپارٹ کی حکمرانی سے تعبیر کیا ہے۔ مارکس لکھتے ہیں، "لہذا، ایسا لگتا ہے کہ فرانس صرف ایک فرد کے استبداد کے نیچے پسپائی کے لیے ایک طبقے کی استبدادی سے بچ گیا ہے، اور اس سے زیادہ، اختیارات کے بغیر کسی فرد کے اختیار کے نیچے جانا ہے۔ جدوجہد کو اس طرح سے طے کیا جاتا ہے کہ رائفل کے بٹ سے پہلے ہی تمام طبقات، یکساں نامرد اور یکساں گونگا، گھٹنوں کے بل گر پڑیں"۔ لیکن اس طرح کی صورتحال میں بھی مملکت ایک طبقاتی آلہ بنی ہوئی ہے کیونکہ اس سے معاشرے کے سماجی اور معاشی اور سیاسی نظام کو بچایا جاتا ہے۔ ایسی بوناپارٹسٹ مملکت کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے ملی بینڈ لکھتی ہے، "مارکس کے لیے، بوناپارٹسٹ مملکت، اگرچہ یہ آزاد ہے کہ یہ کسی بھی طبقاتی طبقے سے ہو سکتی ہے، طبقاتی معاشرے میں رہ سکتی ہے۔ لیکن معاشی اور سماجی طور پر غالب طبقے کی محافظ ہے"۔

یہ کبھی کبھی ہو سکتا ہے کہ پورے نظام کو بچانے کے لیے یا طبقات کو استحصال کرنے کے دباؤ میں، مملکت حکمران طبقے کے خلاف کچھ اقدامات اٹھائے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ مملکت کی کچھ پالیسیاں حتیٰ کہ عام اوقات میں بھی حکمران طبقات کے مفادات کے خلاف ہو سکتی ہیں، لیکن آخری تجزیہ میں مملکت غالب معاشی طبقے کے مفاد کو پورا کرتی ہے۔

(5) کلاسوں کے خاتمے کے لیے، مارکس نظریہ انقلاب پیش کرتا ہے جو مملکت کے مارکسیائی نظریہ سے قریب سے وابستہ ہے، اور یہ نظریہ کا سب سے اہم پہلو ہے۔ مارکسیائی فلسفہ کے مطابق، فلسفہ کا کام دوگنا ہے: دنیاں کو سمجھنا اور اسے تبدیل کرنا۔ اس طرح مارکسزم نہ صرف مملکت اور معاشرے کے استحصالی نوعیت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرواتا ہے بلکہ استحصالی نظام کو بدلنے اور استحصال سے پاک نظام کے قیام کا راستہ بھی بتاتا ہے۔ مارکسزم سرمایہ دارانہ نظام میں اصلاحات کے لیے نہیں ہے بلکہ تجویز کرتا ہے کہ ان کے سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے ختم کرنا چاہیے اور ان کی جگہ سوشلسٹ مملکت اور معیشت کو لینا چاہیے۔ یہ سوشلسٹ مملکت عارضی رجحان ہو گی۔ یہ نجی املاک اور

طبقات کو ختم کر دے گا، اور اس کے بعد یہ مٹ جائے گا۔

16.5 سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے کام(The Function of the State in Socialist Society)

سوشلسٹ معاشرے وہ ہے جہاں منظم مزدور طبقے نے سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر لیا ہے اور مزدور طبقے کی مملکت یعنی پرولتاریہ کی آمریت قائم ہوتی ہے۔ مارکسی خیال یہ ہے کہ یہ مزدور طبقاتی مملکت سرمایہ دارانہ پیداوار کو ختم کرنے اور سرمایہ دارانہ ثقافتی، سماجی، اخلاقی، نظریاتی اور سیاسی ڈھانچے کو ختم کرنے اور معیشت کو ٹھوس سوشلسٹ بنیادوں پر استوار کرنے کے بعد طبقاتی معاشرہ میں مٹ جائے گی۔ اہم سوشلسٹ معاشروں میں چین، روس، کیوبا، ویتنام، کمبوڈیا اور رومانیہ شامل ہیں۔ ایسی معاشروں میں مملکت کے کام کو درج ذیل میں درجہ بندی کیا جا سکتا ہے۔

1 **سیاسی کام (Political Function)**: پرولتاریہ کی آمریت قائم کرنا: پرولتاریہ کی آمریت کی شکل میں سوشلسٹ مملکت قائم کرنا سوشلسٹ انقلاب کا پہلا کام ہے۔ اس کی وجہ کافی آسان ہے۔ انقلاب کے بعد، مملکتی طاقت مزدور طبقے کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ سرمایہ دار طبقے اور اس کے اتحادیوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کو ختم کرنے کے لیے، مزدور طبقے کو آمریت کی شکل میں خود کو منظم کرنا ہوگا اور اس سے پرولتاریہ کی آمریت قائم ہوگی۔ اسٹالن لکھتے ہیں: "پرولتاری انقلاب، اس کی تحریک، اس کی کامیابی اور اس کی کامیابیوں نے صرف پرولتاریہ کی آمریت کے ذریعے گوشت اور خون حاصل کیا"۔ سرمایہ دار طبقے، انقلاب کے بعد بھی، کافی طاقتور ہے اور پرولتاریہ کی آمرانہ استعماری کی صرف منظم طاقت، اسے بے رحمی سے کچل سکتی ہے۔ مارکس نے لکھا: "سوشلزم انقلاب کے مستقل مزاجی، پرولتاریہ کی طبقاتی آمریت کا اعلان ہے، کیونکہ تمام طبقاتی امتیازات کے خاتمے کے لیے ضروری منتقلی مرحلہ، پیداوار کی تمام شرائط کا خاتمہ جس کی بنیاد پر وہ ہیں، خاتمہ پیداوار کے ان تمام تعلقات کے جو پیداوار کے ان حالات سے مطابقت رکھتے ہیں۔

2 **کلاسوں کا خاتمہ (Abolition of Classes)**: یہ سوشلسٹ مملکت کا سب سے بنیادی کام ہے۔ اسے نجی املاک، سرمایہ دار طبقے اور اس کے ذیلی ڈھانچے کی اقتصادی بنیاد یا قیمت کا خاتمہ کرنا ہے۔ نہ صرف ذیلی ڈھانچہ بلکہ سوپر اسٹرکچر یعنی سیاسی، سماجی، اخلاقی اور قانونی کو توڑنا ہوگا اور ان کی جگہ سوشلسٹ نظام کو تبدیل کرنا ہوگا۔ ایک طبقاتی معاشرہ یا کمیونسٹ معاشرے کا قیام سوشلسٹ مملکت کا بنیادی سیاسی کام ہے اور اس کا مقصد جدوجہد کرنے والے طبقے میں اتفاق رائے پیدا کرنا ہے۔

3 **مثبت کام (Positive Function)**: سوشلسٹ مملکت نے نہ صرف کلاسوں کو ختم کرنے کے تباہ کن فنکشن کو انجام دیا ہے بلکہ اس میں بہت سے تعمیری مثبت فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ چانگ لکھتے ہیں: "پرولتاریہ آمریت سے مراد بورژوازی کے زبردستی دبانے سے ہے جو بورژواز کی مزاحمت کی وجہ سے ضروری ہے۔ پھر بھی یہ صرف اس تباہ کن مرحلے میں شامل نہیں ہے۔ اس کے تعمیری مرحلے کے طور پر سوشل ازم کا قیام ہے"۔ مارکس اور اینجلس سوشلسٹ مملکت کے مثبت فرائض کی توثیق نہیں کر سکے اور ان کی تفصیل لینن، اسٹالن، ماؤ اور دیگر مارکسسٹوں نے کی ہے، کیونکہ سوشلسٹ انقلاب کے بعد ان افعال کی وضاحت کرنے کی ضرورت پیدا ہوئی۔ سوشلسٹ مملکت

کے نمایاں کاموں میں سے ایک یہ ہیں: سرمایہ داری کے ہیداواری طرز کی جگہ لے لے، جو نجی ملکیت پر مبنی ہے، سوشلسٹ کے ساتھ؛ صحت مند استحصال سے پاک معاشرے کا قیام؛ مزدور طبقے کے مفادات کا تحفظ؛ سوشلسٹ لائن کے ساتھ ساتھ پیداوار کو تسلیم کرنا؛ سوشلسٹ ثقافت، اخلاقیات، تعلیم اور سماجی نظام کا قیام۔

4 **معاشی کام (Economic Function):** استحصال سے پاک سوشلسٹ معیشت کا قیام جو پیداوار کے اسباب کی سماجی ملکیت پر مبنی ہے سوشلسٹ مملکت کا اولین معاشی کام ہے۔ اس سے معاشی نظام بدل جائے گا جو منافع اور نجی املاک پر مبنی ہے۔ ایک سوشلسٹ مملکت مکمل طور پر مختلف طرح کے معاشی فرائض انجام دیتی ہے اور ان میں سے کچھ یہ ہیں: (i) نجی املاک کا خاتمہ اور پیداوار کے اسباب کی سماجی ملکیت کا قیام۔ یہ صنعتوں کی سماجی کاری کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ (ii) سوشلسٹ طرز پیداوار کی تشکیل، جس کا مقصد نفع نہیں بلکہ سماجی بہبود اور معاشرے کی مادی ضروریات کی تسکین ہوگی۔ (iii) پیداوار میں اضافہ اور پوری آبادی کی مادی زندگی کو تقویت بخش۔ (iv) زمین اصلاحات اور کوآپریٹو اور مملکتی کاشت کاری کا قیام۔ (v) صنعتی اور زرعی ترقی نئے سائنسی اور تکنیکی ذرائع کے استعمال کے ذریعے۔ (vi) منصوبہ بند معیشت کا قیام۔ سرمایہ دارانہ معاشروں میں منصوبہ بندی کے برعکس، اس کا مقصد سماجی تقاضوں کے مطابق پیداوار کو منظم کرنا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشروں میں بیکار پیداوار اور کٹے گلے کا مقابلہ ہے۔ مکمل منصوبہ بند معیشت میں اس سے گریز کیا جاتا ہے۔ (vii) مزدور طبقے کو فلاحی خدمات کا بندوبست کرنا۔ اس س میں مزدوروں کے لیے کام کے اوقات، آرام، تعطیلات اور پینشن کا باقاعدہ انتظام شامل ہے۔

5 **ثقافتی، سماجی اور اخلاقی کام (Cultural, Economic and Moral Functions):** سوشلسٹ مملکت نہ صرف معاشی افعال انجام دیتی ہے بلکہ بہت سارے سماجی و ثقافتی فرائض بھی انجام دیتی ہے۔ ایک نئے سوشلسٹ معاشرے میں، سوشلسٹ ثقافت اور اخلاقیات کو فروغ دیا جاتا ہے اور سرمایہ دارانہ اخلاقی، سماجی اور ثقافتی ڈھانچہ تباہ ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشرے افراد کی ذاتی دلچسپی اور خود غرض سماجی، ثقافتی اور اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے۔ ان کی جگہ ایک نئی سوشلسٹ ثقافت، اخلاقیات اور سماجی اصولوں نے لے لیا ہے۔ یہ سوشلسٹ مملکت کا ایک مشکل اور طویل المیعاد کا ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ خود ساختہ اخلاقیات اور ثقافت اور آرتھوڈوکس نظریات کو راتوں رات تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔

6 **سوشلسٹ ثقافت اور اخلاقیات کا قیام:** ایک سوشلسٹ مملکت ایک سوشلسٹ اخلاقیات قائم کرے گی جس میں بے لوث اور سوشلسٹ نقطہ نظر ہے۔ سب کی فلاح و بہبود کو خود کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے شرط سمجھا جائے گا۔

7 **بین الاقوامی فرائض(International Functions):** سوشلسٹ مملکتیں پرولتاری بین الاقوامیت پر یقین رکھتی ہیں۔ "تمام ممالک کے محنت کش ایک ہو جاتے ہیں" اور سوشلسٹ مملکتیں پوری دنیا میں عوام اور محنت کش طبقے کی ترقی پسند تحریکوں کی مدد کرتی ہیں۔ ہندوستان کی قومی تحریک کو سوشلسٹ روس اور ویتنام کی مدد ملی، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے سامراجیت کے خلاف جنگ میں سوشلسٹ روس اور چین دونوں کی مدد حاصل کی۔ ایک سوشلسٹ مملکت دنیا کے انقلاب پسندوں کو سیاسی پناہ کا حق دیتی ہے (جیسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ جیسے سامراجی طاقت رجعت پسند فراد ہونے والے بادشاہوں کو پناہ دیتا ہے۔ بین الاقوامی شعبے میں وہ امن، ترقی اور انصاف کی بحالی

کے لیے کام کرتے ہیں، اور ان کا مقصد اپنی طاقت یا اثر ورسوخ میں اضافہ کرنا نہیں ہے۔ تاہم، کبھی کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سوویت روس اس راہ سے ہٹ گیا ہے اور سوشلسٹ کمبوڈیا کے ساتھ ویتنام کے تنازعے کی طرف اس کی حوصلہ افزائی اس شک کو تقویت بخشتی ہے کہ اب سوویت روس اپنی بین الاقوامی ذمے داریوں کو پورا نہیں کر رہا ہے۔

16.6 سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے افعال اور اس کے کام کا تنقیدی جائزہ

(Functions of the State in Socialist Society and their Criticism)

مارکسی نظریہ کی تنقیدی جائزہ ان ممالک میں مملکتوں کی کامیابیوں اور ناکامیوں کی بنیاد پر کی جاسکتی ہے۔ بحث کے کچھ اہم پہلو اس طرح ہیں:

(1) معاشی پیش رفت (Economic Development): اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ روس اور چین میں منصوبہ بند معیشت اور پیداوار کے سوشلسٹ طرز عمل تیزی سے صنعتی اور زرعی ترقی کا باعث بنے ہیں۔ ان معاشروں میں معاشی محاذ پر ہونے والی پیش رفت نے یہاں تک کہ لبرل معاشی ماہرین کو منصوبہ بند معیشت کے تصور کو محدود حمایت دینے پر مجبور کر دیا ہے۔ تاہم، اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ سوشلسٹ ممالک میں اب بھی آمدنی میں تفاوت موجود ہے اور مراعات کی ایک اسکیم، جو سرمایہ دارانہ معیشتوں میں نمایاں ہے، وہاں متعارف کروائی گئی ہے۔ ان تنقیدوں کے باوجود، اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشی محاذ پر سوشلسٹ مملکتوں کی کارکردگی قابل تحسین رہی ہے۔

(2) پرولتاریہ کی آمریت کو کمیونسٹ پارٹی کی آمریت میں تبدیل کرنا (The Dictatorship of Proletariat changes in the Dictatorship of Communist Party): یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ سوشلسٹ ممالک میں پرولتاریہ کی آمریت کے بجائے کمیونسٹ پارٹیوں کی آمریت سامنے آئی ہے۔ مملکت کے امور میں حصہ لینے کی وجہ سے مزدور طبقے کو انکار کر دیا گیا ہے اور ایک نیا اشرافیہ۔ انقلابی اشرافیہ ابھرا ہے، اور یہ کمیونسٹ پارٹی کے قائدین پر مشتمل ہے۔ عوام اور پارٹی کے مابین فاصلے دن بدن بڑھتے جارہے ہیں اور ایک مرکزی، انتہائی منظم، درجہ بندی، نظم وضبط پارٹی نے ایسے معاشروں میں سارے اختیارات اکٹھا کر لیے ہیں اور یہ مزدور طبقے کے نام پر کارکنوں پر حکمرانی کر رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لینن اور اسٹالن نے پارٹی کے اتحاد، نظم وضبط اور مرکزیت پر زور دیا اور یوں پارٹی کی قیادت اپنے آپ میں ایک طبقہ بن گئی۔ یہ محنت کش طبقے سے الگ ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ سوویت روس میں سماجی اور معاشی نظام کی ہر سطح پر محنت کش طبقے کی خود ساختہ اور فعال شمولیت زیادہ نہیں ہے۔ لیکن چین میں، مزدوروں کی نسبتاً زیادہ شرکت دیکھنے کو ملتی ہے اور یہ فرض کیا جاتا ہے کہ مزدوروں کے شعور کی سطح میں ترقی کے ساتھ، مزدور طبقے کو زیادہ سے زیادہ شرکت کی جائے گی۔ تاہم، اگر اس کا موازنہ لبرل معاشروں سے کیا جائے تو سوشلسٹ معاشروں میں صنعتوں میں مزدوروں کی شمولیت بہت زیادہ ہے۔

(3) مملکت اور دفتر شاہی (State and Bureaucracy): لینن نے سوشلسٹ مملکتوں میں بیوروکریسی میں اضافے کے خلاف بار بار

متنبہ کیا۔ لیکن اس کے باوجود، صنعتی اور دیگر شعبوں میں کارکنوں کی خود نظم ونسق کے بجائے، بیوروکریسی اور ٹکنالوجی ترقی کر رہی ہے۔ ماہرین انتظامیہ اور صنعتوں پر کنٹرول رکھتے ہیں۔ بیوروکریسی اور ٹکنالوجی کی ترقی نے سوشلسٹ انقلاب کی کامیابیوں کو عملی طور پر مٹا دیا ہے اور اس اضافی قیمت کو جو سوشلسٹ معاشروں میں بیوروکریٹس اور ٹیکنوکریٹس کے اس نئے طبقے کے ذریعے لبرل معاشروں میں سرمایہ داروں کو حاصل ہے۔ اس طرح، بیوکریسی میں اضافے کے ساتھ ہی، اپنی ذاتی مفادات کے حامل نئے طبقے کی سوشلسٹ معاشروں میں ترقی ہوئی ہے اور کارکنوں کے ذریعے صنعتوں کے خود نظم ونسق کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ یہ برقرار ہے کہ سوشلائزیشن کے بجائے سوشلسٹ معاشروں میں جو کچھ ابھر رہا ہے وہ بیوروکریٹائزیشن ہے۔ سوشلسٹ معاشروں کے اس پہلو پر بہت سے مارکسی کھلاڑوں نے بھی حملہ کیا ہے۔

(4) سوشلسٹ معاشرہ اور بیگانگی (Socialist Society and Alienation): مارکس نے سرمایہ دارانہ نظام کے اپنے تجزیے میں اجنبائی کے تصور کو اہمیت دی۔ یہ برقرار ہے کہ سوشلسٹ معاشرے میں بھی بیگانگی کا مسئلہ باقی ہے اور انسان اپنے جوہر کے ساتھ نہیں جی سکتا۔ نجی املاک کو سماجی املاک میں نہیں بلکہ محض سرکاری ملکیت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ فرد اور معاشرے کے مابین فرق اب بھی کافی وسیع ہے اور یہاں تک کہ سوشلسٹ معاشروں میں بھی انسان خود سے اور معاشرے سے بیگانہ ہوتا ہے۔ تاہم، یہ کہا جاتا ہے کہ سوشلسٹ معاشروں میں بیگانگی کا یہ مسئلہ زیادہ خطرناک نہیں ہے۔ بورژوا کلچر کی باقیات ابھی بھی موجود ہیں اور انفرادی اور سماجی مفادات اس حد تک ہم آہنگ نہیں ہو سکے جس کی توقع کی جا رہی تھی۔

(5) مملکت سے دور مرجھانا (Withering away of the State): سوشلسٹ مملکتوں کی ایک اور بہت ہی اہم تنقید یہ ہے کہ مستقبل قریب میں ان معاشروں میں مملکت کے مٹ جانے کے امکانات نہیں ہیں۔ پروفیسر اسٹوجانووک نے سوشلسٹ مملکتوں خصوصاً روس کے مارکسی نقطہ نظر سے اس پہلو پر تنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "اگرچہ مارکسزم ایک انتہائی بنیاد پرست انسداد شماریاتی تصورات میں سے ایک کے طور پر تیار ہوا تھا، مناسب ترامیم کے ساتھ اسے ایک اعداد وشمار کے نظریہ میں ڈھالا گیا تھا"۔ وہ ان لوگوں پر سخت حملہ کرتے ہیں جو کمیونسٹ معاشرے میں مملکت کی دیکھ بھال کے حامی ہیں اور اس کو "سوشلسٹ اور کمیونزم کا شماریاتی افسانہ" قرار دیتے ہیں"۔ ان پر حملہ کرتے ہوئے، وہ کہتے ہیں: "وہ لوگ، سوشلسٹ شماریات کے نظریاتی لوگ، اس مفروضے پر عمل پیرا ہیں کہ کمیونزم کی تعمیر ایک متفقہ مملکت کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ اس طرح، سوشلزم کے شماریاتی افسانہ کے علاوہ، یہاں اشتراکیت کے اعداد وشمار کی بھی روایت ہے۔ سوویت روس پر حملہ کرتے ہوئے، وہ کہتے ہیں: "اکتوبر انقلاب کے انحطاط کے ساتھ ہی ایک نیا استحصالی طبقاتی نظام تشکیل دیا گیا، ایک ایسا نظام جس نے خود کو سوشلزم کے طور پر ختم کرنے کی کوشش کی"۔ ان کا کہنا ہے کہ روس میں مملکت سوشلسٹ مملکت نہیں ہے بلکہ ایک بیوروکریٹک سوشلسٹ مملکت ہے۔

16.7 سرمایہ دارانہ معاشروں میں مملکت کے کام (Functions of State in Capitalist Societies)

سرمایہ دارانہ معاشرہ ایک ایسا ہے جو پیداواری سرمایہ داری کے انداز پر مبنی ہے، جہاں سرمایہ دارانہ (ایک اقلیتی طبقہ) پیداواری ذرائع

کا مالک ہے اور پیداوار کا مقصد منافع ہے اور مزدور (اکثریت والے طبقے) مزدوری کے لیے اجرت کے لیے بیچ دیتے ہیں۔ ایسے معاشرے میں سیاست، ثقافت، اخلاقیات اور سماجی اصولوں کا تعین سرمایہ کاری کے طرز عمل سے ہوتا ہے اور معاشرے کو سرمایہ دار اور مزدوروں میں تیزی سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ چوں کہ ان دونوں طبقوں کے مفادات ایک دوسرے کے مخالف ہیں، ان کے مابین طبقاتی جدوجہد بنیادی ہے۔ مغربی لبرل جمہوریتیں ریاست ہائے متحدہ امریکہ (USA)، انگلینڈ، فرانس، جرمنی، اٹلی وغیرہ۔ ایسی معاشروں کی مثال ہیں۔ مارکسیائی نظریہ کے مطابق، یہ تمام بورژوا جمہوریتیں ہیں چوں کہ ان تمام معاشروں میں مملکت سرمایہ دارانہ سماجی اور معاشی اور سیاسی نظم و ضبط کو برقرار رکھتی ہے اور سرمایہ دار طبقے کے مفاد کو پورا کرتی ہے۔ چاہے سرمایہ دار فیصلہ سازی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں یا نہیں۔ چاہے صدر یا وزیراعظم اس طبقے سے تعلق رکھتے ہوں یا نہیں چاہے پولیس، بیوروکریسی، اور فوج سرمایہ دار طبقے کے ممبروں کے زیر انتظام ہیں یا نہیں یہ بے راہ روی ہے۔

جدید سرمایہ دارانہ معاشروں میں، سرمایہ داری کے پیداواری نظام کو منظم کرنے کے لیے، معاشی امور میں قومی مداخلت، لائسنسنگ اور قیمتوں پر قابو پانا ضروری ہے۔ مارکسزم کا کہنا ہے کہ ان اقدامات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مملکت سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ مملکتی اقدامات 20ویں صدی میں سرمایہ دارانہ معیشت کی تاریخی تقاضے ہیں۔ اب سرمایہ دارانہ معیشت 18ویں صدی میں آزاد بازار کے توازن کو آگے بڑھا نہیں سکتی اور وہ افراط زر، افسردگی اور بے روزگاری کا شکار ہے جو سرمایہ دارانہ معیشت کی لازمی مصنوعات ہیں۔ معیشت میں مملکتی مداخلت کا مقصد سرمایہ داروں کے مجموعی مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔ سرمایہ دارانہ مملکت کے ذریعے نیشنلائزیشن سماجی کاری کا باعث نہیں ہے بلکہ اس سے بیوروکریٹائزیشن اور مملکتی اجارہ داری سرمایہ دارانہ نظام ہوتا ہے۔ مملکتی اجارہ داری سرمایہ داری ایک خطرہ پیدا کرتا ہے کہ مملکت فاشزم کی طرف مائل ہو سکتی ہے۔ اس طرح مملکت کے معاشی اور فلاحی کاموں سے سرمایہ دارانہ مملکت کی نوعیت تبدیل نہیں ہوتی ہے اور اس سے آزاد بازار سرمایہ کے بجائے باقاعدہ سرمایہ دارانہ نظام کا قیام ہوتا ہے۔ ملی بینڈ لکھتے ہیں، "حقیقت میں معاشی زندگی میں مملکتی مداخلت کا مطلب بڑے پیمانے پر سرمایہ دارانہ کاروبار کو مدد فراہم کرنا ہے۔ کسی بھی شعبے میں 'ویلفیئر مملکت' یا فلاحی مملکت کا تصور یہاں کے مقابلے میں زیادہ درست اور مخالف معنی نہیں رکھتا ہے

16.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں اوپر بیان کیے گئے عنوان "مملکت کے کام: مارکسیائی تناظر" کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، مملکت کی ابتدا، اصل اور نوعیت کا لبرل اور مارکسیائی نظریات اور موازنہ، سوشلسٹ معاشرے میں مملکت کے چار کام اور اس کے کام کا تنقیدی جائزہ، سرمایہ دارانہ معاشروں میں مملکت کے کام اور آخر میں سوشلسٹ مملکت اور سرمایہ دارانہ مملکت کے مابین موازنہ کے بارے میں بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو بھی طالب علم اس باب کے مطالعے کے بعد تمام طرح کے سوالات و سکوک کو اپنے ذہن و دماغ سے سمجھ لے گا اور مختلف پہلوؤں پر جس طرح کے بھی سوالات پیدا ہوں گے وہ ان کے جواب دینے کے قابل ہو جائے گا۔

16.9 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **سرپلس ویلیو** : ایک ایسا ویلیو جس کو مزدور طبقہ بناتے ہیں لیکن فائدہ کیپٹیلسٹ کو ملتا ہے۔
- **سرمایہ دار** : ایسا گروہ جس کا کارخانے پر مالکانہ حق ہوتا ہے۔
- **سوسلسٹ مملکت** : ایسی مملکت جس کا مقصد عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا ہے۔
- **طبقاتی جدوجہد** : دو گروہ کے درمیان اپنے اپنے مفاد کو حاصل کرنے کی لڑائی۔
- **مارکسزم** : سماجی، معاشی اور سیاسی فلسفہ جس میں سماج برابری پر مبنی ہو اس فلسفہ کے بانی کارل مارکس ہیں۔

16.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

16.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. آرڈ ہیرینڈورف کس نظریہ کے ماہر معاشیات ہیں؟

(a) مارکسی (b) غیر مارکسی (c) دونوں (d) کوئی نہیں

2۔ بوناپارٹے کی حکومت 1848 سے 1852 تک کس ملک میں تھا؟

(a) فرانس میں (b) ہولینڈ میں (c) انگلینڈ میں (d) امریکہ میں

3۔ صدر النڈے کس ملک کے صدر تھے؟

(a) ویتنام کے (b) روس کے (c) چین کے (d) چیلی کے

4۔ "مملکت زمین پر خدا کا مارچ ہے"، یہ کس کا قول ہے؟

(a) مارکس کا (b) لینن کا (c) ہیگل کا (d) اسٹالن کا

5۔ "سیاسی حالات صرف سول سوسائٹی کا باضابطہ ہے"، یہ قول کس نے لکھا ہے؟

(a) مارکس کنے (b) ہیگل نے (c) اسٹالن نے (d) لینن نے

6۔ انتونیو گرامسکی کہاں کا ایک مارکسی رہنما تھا؟

(a) رومانیہ کا (b) روس کا (c) چین کا (d) اطالوی کا

7۔ ایک مشہور کتاب "کنبہ کی اصل، نجی ملکیت اور مملکت" کا مصنف کون ہے؟

(a) اینجلس (b) مارکس (c) لینن (دd) اسٹالن

8۔ ایک مشہور کتاب "کنبہ کی اصل، نجی ملکیت اور مملکت" کب شائع ہوئی؟

1887 (a) میں　　1886 (b) میں　　1885 (c) میں　　1884 (d) میں

9۔ گرامسکی کو فاشسٹ ڈکٹیٹر موسولینی نے کب گرفتار کیا تھا؟

1924 (a) میں　　1925 (b) میں　　1926 (c) میں　　1927 (d) میں

10۔ یہ کس کا خیال ہے کہ "مملکت کا تعلق پورے معاشرے سے نہیں ہے، یہ صرف ایک طبقاتی آلہ ہے؟

(a) مارکسین نظریہ کا　　(b) سرمایہ دارانہ نظریہ کا　　(c) دونوں کا　　(d) کسی کا نہیں

16.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ مملکت کا مارکسی نظریہ کے بارے میں چانگ کیا کہتے ہیں؟

2۔ مملکت کی ابتدا اور نوعیت کا لبرل نظریہ کا مختصر بیان کریں۔

3۔ مملکت کی ابتدا اور نوعیت کا مارکسی نظریہ پر روشنی ڈالیں۔

4۔ اینجلس کا مملکت پر مختصر خیالات کا ذکر کیجیے۔

5۔ مملکت کی اصل اور نوعیت کے بارے میں لبرل اور مارکسی نظریات کے کم سے کم دو موازن کریں۔

16.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ سوشلسٹ معاشروں میں مملکت کے افعال اور اس کے کام کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

2۔ سرمایہ دارانہ معاشروں میں مملکت کے کام پر روشنی ڈالیے۔

3۔ مارکس کے نظریہ مملکت کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

16.11 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. M.P. Jain (1993), Political Theory: Liberal and Marxian, Author Gold Publication Delhi

3. V.I .Lenin (1917), The State and Revolution, Moscow

4. Angels (1967), Socialism Utopian and Scientific, Progress Publishers, Moscow

5. A. Chhabra (1984), Foundation of Political Science, Malhotra Book Depot, Jalandhar

اکائی 17۔ شہریت: تصور اور نظریہ

(Citizenship : Concept and Theory)

اکائی کے اجزا

17.0 تمہید

17.1 مقاصد

17.2 شہریت کے تصورات

17.3 دستور میں شہریت کی توضیعات

17.4 اچھی شہریت کے لازمی عناصر

17.5 اچھا شہری بننے کی راہ میں رکاوٹیں

17.6 بھارت میں شہریت حاصل کرنے کا طریقہ

17.7 شہریت کا نظریہ

17.8 بھارت میں شہریت کو لے کر حالیہ بحث

17.9 اکتسابی نتائج

17.10 کلیدی الفاظ

17.11 نمونہ امتحانی سوالات

17.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

17.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

17.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

17.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

17.0 تمہید (Introduction)

دنیا کا ہر شخص کسی نہ کسی ملک کا شہری ہوتا ہے۔ حالاں کہ قدیم زمانے سے لے کر جدید زمانے تک شہریت ایک ارتقا عمل سے گزرا ہے۔ آج دنیا کے سبھی ممالک کے حدود مقرر ہے۔ اس لیے شہریت کے تصورات کی اہمیت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ شہریت حاصل ہونے سے مراد ہے کہ آپ جس ملک میں رہتے ہیں اس ملک کے دستور اور قانون نے کچھ حقوق فراہم کیے ہیں اور ان حقوق کے بغیر کوئی بھی شخص ترقی نہیں کر سکتا۔ حقوق کے علاوہ ملک کا دستور اور قانون اپنے شہری سے کچھ فرائض کو انجام دینے کی توقع بھی کرتا ہے۔ بڑھتی آبادی اور گھٹتے وسائل کو دیکھتے ہوئے آج دنیا کے بیشتر ممالک شہریت کے قانون میں کئی ٹھوس اقدامات اُٹھائے ہیں۔ جس سے کی غیر قانونی طریقے سے آئے ہوئے لوگوں کو اس کے اپنے ملک میں واپس بھیجا جا سکے۔

17.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مقصد طلبہ کو علم شہریت کے تصورات اور اس کے نظریہ سے واقف کرانا ہے۔ اس کے علاوہ اس اکائی میں یہ بھی معلومات فراہم کیا گیا ہے کہ ایک اچھا شہری ہونے کے لیے لازمی عناصر کیا ہیں ؟ اور اچھا شہری کی راہ میں کیا کیا رکاوٹیں ہیں۔ اس اکائی میں طلبہ دستور اور بھارت کے قانون میں شہریت کے کون سے اقدامات اٹھائے گئے، اس سے بھی متوجہ ہوں گے۔ اکائی کے آخر میں شہریت سے متعلق حالیہ بحث سے روبرو ہوں گے۔

17.2 شہریت کے تصورات (Concepts of Citizenship)

جمہوریت میں عوام ہی سب کچھ ہے۔ اس لیے ہمارا آئین تمام تر اختیارات عوام ہی کو دیتا ہے۔ بھارت کے آئین کے تمہید (Preamble) میں بیان کیا گیا ہے کہ عوام ہی نے آئین کو نافذ کیا، اختیار کو اپنے حوالے کیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے بھی عوام ہی ہیں۔ وہی اس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی حکومت اپنے مفاد کے لیے کس طرح چلائیں گے۔

علم تمدن کی زبان میں ہم لفظ شہری کا استعمال کرتے ہیں، نہ کہ لفظ عوام، لفظ عوام سے مراد ہے کہ وہ تمام تر لوگ جو ملک میں رہتے ہیں چاہے وہ ملکی ہو یا غیر ملکی۔ غیر ملکی (Non-Resident) لوگوں کو نہ تو حق رائے دہندگی ہے اور نہ ہی سول حقوق حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا ملک کے انتظامیہ یا حکومت میں ان کا کوئی تعاون یہ حصہ نہیں ہوتا۔ صرف ملک کے شہری کو ہی یہ حق حاصل ہے کہ وہ کس نمائندہ یا پارٹی کو ووٹ دے یا نہیں دے۔ خود ہی الیکشن میں شرکت کرے۔ جائیداد حاصل کر سکیں۔ یہاں تک کہ حکومت اور ملازمتوں میں بھی تعاون یا حصے داری پا سکے۔ مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے انہیں ملک کے سیاسی، معاشی، سماجی اور سول حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

لہٰذا شہری وہ شخص ہے جو شہری اور سیاسی حقوق کا حامل ہوتا ہے۔ غیر ملکی جن میں سفیر مملکت (State Diplomats) بھی شامل ہے۔ صرف وہ شہری حقوق کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن سیاسی حقوق میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی غیر ملکی

ملک میں قائم شدہ عدالتوں سے انصاف پانے کا حق رکھتا ہے۔ وہ پولیس کی مدد اور پناہ حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن وہ انتخاب میں حصہ نہیں لے سکتے، ووٹ نہیں دے سکتے، وہ حکومت کی ملازمتوں میں داخل نہیں ہو سکتے، اور نہ ہی حکومت کو کسی بھی موضوع پر تنقید کر سکتے ہیں۔

17.3 دستور میں شہریت کی توضیعات (Citizenship Provision in the Constitution)

دستور ہند کے دوسرے حصے (Part - II) میں دفعہ 5 سے دفعہ 11 تک ہندوستانی شہریت کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حالاں کہ بھارت کا دستور نہ تو شہریت سے متعلق ہے نہ تو پائیداری (Permanent) اور نہ ہی کوئی طویل فراہمی کی بات کرتا ہے۔ یہاں تک کہ دستور نہ تو شہریت حاصل کرنے کی مشکلات اور نہ ہی شہریت کی خاتمے پر۔ دستور پارلیمنٹ کو یہ اختیار دیتی ہے کہ وہ شہریت کے سلسلے میں قانون بنائے اور اس پر تفصیل سے روشنی ڈالے۔ اسی کے مد نظر بھارت کے پارلیمنٹ نے شہریت قانون 1955 (Citizenship Act 1955) پاس کیا۔ تب سے لے کر آج تک اس میں کئی بار ترمیم کیا جا چکا ہے جیسے 1957، 1960، 1985، 1986، 1992، 2003، 2005، 2015 اور ابھی حال ہی میں 11 دسمبر، 2019 کو حکومتِ ہند نے شہریت قانون میں ترمیم کی، اور اس کو پاس کیا۔ جس کے تحت بھارت کا شہری وہ شخص ہو گا۔

1. وہ شخص جس کے پاس بھارت کا ڈومیسائیل (Domicile) ہو۔
2. وہ شخص پاکستان ہجرت (Migrated) کر گیا، لیکن پھر وہ بھارت واپس آ چکا ہو۔
3. وہ شخص جو پاکستان سے ہجرت کر بھارت آ گیا ہو۔
4. وہ شخص جو بھارت کے نسب (Origin) سے تعلق رکھتا ہو، لیکن وہ بیرونی ملک میں رہائش ہو۔

دیگر دستور فراہمی شہریت کے مطلق مخالف ہے۔

i. کوئی بھی شخص اگر وہ دوسرے ملک کی شہریت حاصل کر لیتا ہے تو وہ بھارت کا شہری نہیں ہو گا۔ دفعہ 9

ii. ہر ایک شخص جو بھارت کا شہری ہے، اس کے شہریت تب تک برقرار رہتی ہے جب تک کے پارلیمنٹ اس سے مطلق کوئی نہیں بنا دیتی ہے۔ دفعہ 10

iii. ہندوستان کے پارلیمنٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ شہریت سے متعلق یا شہریت حاصل کرنے، یا شہریت کے خاتمہ یا کوئی اور بھی شہریت کے بارے میں معاملات پیش آئے تو بھارت کے دستور کے دفعہ 11 کے تحت پارلیمنٹ کو ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

17.4 اچھا شہری کے لیے لازمی عناصر (Essentials Elements for Good Citizens)

اچھا شہری کے لیے کچھ لازمی عناصر ہیں جس کی یہاں وضاحت کرنا ضروری ہے۔ بھارت کے آئین نے اپنے شہریوں کو حقوق اور

فرائض دونوں فراہم کیے ہیں۔ اس لیے ایک اچھا شہری ہونے سے مراد ہے کہ اسے اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض کو بھی پورا کرنا لازمی سمجھنا چاہیے ۔بے ایمان، خود غرض، سماج مخالف لوگ، سماج کے لیے لعنت اور مملکت کے لیے مفید نہیں ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس تندرست، ایماندار، انسان دوست، ہمدرد شہری ملک کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اچھے شہری کے لیے مندرجہ ذیل خصوصیات کچھ اس طرح سے ہیں۔

1. **اچھی تندرستی** (Sound Health)

شہریوں کو جسمانی اور دماغی طور پر تندرست ہونا بہت ضروری ہے۔ بغیر جسمانی اور دماغی تندرستی کے وہ اپنی روزی روٹی نہیں کما سکتے اور۔ ملک کی مدد کرنے کے بجائے وہ ملک پر بوجھ بن جاتے ہیں۔

2. **بلند اخلاقی کردار** (High Moral Charracter)

اچھا شہری کے لیے دوسری اہم صفت ہے بلند اور اعلا اخلاق یا کردار کا ہونا۔ چور، ڈکیت، چیزوں میں ملاوٹ کرنے والے، کریمنل، اسمگلر ملک کے بدترین دشمن ہیں۔ یہ لوگ اپنی ذاتی مفاد اور خود غرضی کے لیے ملک کی معشیت کو بری طرح برباد کرتے ہیں۔ اسی طرح چور، ڈاکو، بدعنوان یہ سبھی اپنی حرکتوں سے سماج کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں۔ وہ غدار جو ملک کے رازدار دوسرے ملکوں تک پہنچاتے ہیں۔ ملک کے بدترین اور ذاتی دشمن ہیں۔ اچھا شہری ان حرکات کی نہ صرف مذمت کرتا ہے بلکہ ان کو ہونے سے روکنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ اور اطوار و اخلاق کا بہترین معیار قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

3. **ذاتی مفاد کو نظر انداز کر کے عوام کی خدمت** (Avoid Individual Interest Serve to the People)

اچھا شہری ہمیشہ عوام کی خدمت کو انجام دیتا ہے۔ دوسروں کی خدمت کے لیے وہ اپنی ذاتی مفاد کو نظر انداز کر، وہ کمزور اور مجبوروں کی مدد کرتا ہے۔ انسانی ہمدردی کے کاموں میں جیسے تعلیمی ادارے قائم کرنا، دوسرے فلاحی تنظیم کو بھی قائم کرنا اور تعلیم اور دیگر فلاحی تنظیم میں حکومت اور دیگر عوام جو اس کام میں ملوث رہتے ہوئے بھی ان سبھی کو بھی تعاون کرتے ہیں۔ وہ جس سماج کا کارکن اور لازمی حصہ ہے۔ وہ اس کو بہتر اور متحدل بنانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

4. **فرائض کے بارے میں پورا شعور رکھنا** (Awareness About Duties)

عموماََ یہ دیکھا گیا ہے کہ عوام اپنے حقوق کی طرف زیادہ دھیان دیتے ہیں۔ اور یہ بالکل بھول جاتے ہیں کہ ہر حق کے ساتھ ان کے اوپر ایک فرض کی ذمے داری بھی عائد ہوتی ہے۔ عمدہ شہری نہ صرف اپنے فرائض کو انجام دینے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے۔ بلکہ وہ قانون اور ضوابط کے بھی پابند ہوتے ہیں۔ وہ وقت پر محصول بھی ادا کرتا ہے۔ اور دوسرے شہریوں کے حقوق میں دخل اندازی نہیں کرتا ہے۔

5. **حق رائے دہندگی کا مناسب استعمال کرنا** (Use of Voting Rights Properly)

اچھے شہری کو چاہیے کہ وہ الیکشن میں اپنے ووٹ کا استعمال کرے۔ لیکن اکثر ایسی خبریں پڑھنے اور سننے کو ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر اس بار الیکشن میں صرف 60 فیصد ہی عوام نے اپنے حق رائے دہندگی کا استعمال کیا۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ عوام جمہوریت کے اتنے عظیم اور

متبرک حق سے بے توجہی برتتے ہیں۔ الیکشن کے وقت یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ عوام اچھے امیدوار یا اچھی سیاسی پارٹی کو ووٹ نہیں دیتے، بلکہ وے ذات پات، مذہب، علاقائی اور لسانی تعصبات کا شکار ہو جاتے ہیں اور اسی بنیاد پر ووٹ دیتے ہیں۔ وہ اپنے ووٹ کی حقیقی قیمت سے بالکل باخبر رہتے ہیں۔ اچھا شہری ہمیشہ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کرتے ہیں، اور ووٹ دیتے وقت کبھی بھی ذات پات، مذہب، جنس، علاقہ اور زبان کو ترجیح نہیں دیتے ہیں۔

6. وطن کی محبت (Love to Country)

وطن کی محبت اور اس کی اہمیت اپنی ذات سے زیادہ بالاہ اور برتر ہوتی ہے۔ جنگ یا کسی اور ہنگامی حالات میں ملک کی طرف سے کسی بھی ذمے دار عہدے پر فائز ہوتے وقت یا قانون ساز اسمبلی کا ممبر ہوتے وقت جب اچھا شہری قوم اور ملک کی وفاداری کی حلف برداری کرتا ہے وہ محض نمائش نہیں ہوتی ہے، یا صرف برائے نام حلف برداری نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اس وفاداری کو اپنی زندگی اور عمل کے تمام شعبوں میں برتتا ہے۔ ملک سے محبت کا ذکر ہمارے دستور میں بھی ہے۔ ملک سے محبت کا قطعی یہ مطلب نہیں کہ ہم دوسرے ملکوں سے نفرت کریں۔ کیونکہ بھارت دنیا میں ایک ایسا ملک ہے جس کی تاریخ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جمہوریت کو زندہ رکھنے میں ہم نے ہمیشہ دنیا کی قیادت کی ہے۔ اچھے شہری کو اپنے وطن کو پیار کرتے ہوئے دوسرے ملکوں کے اقتدار اعلا کی عزت و احترام بھی کرنا چاہیے۔ جس سے کہ بین الاقوامی تنائو کے امکانات کو ختم کیا جاسکے۔

17.5 اچھا شہری بننے کی راہ میں رکاوٹیں (Obstacle in the Way to be a Good Citizens)

مملکت کا تقاضا ہے کہ ہر شخص اچھا شہری ہو۔ لیکن اس کے راستے میں متعدد رکاوٹیں ہیں۔ جس کا ذکر یہاں لازمی ہے۔

1. بے نیازی (Indifference)

کچھ لوگ قومی جمہوریت سے اتنے بے نیاز ہوتے ہیں کہ ووٹ دینے کی زحمت بھی نہیں اٹھاتے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر وہ ووٹ نہیں دیں گے تو اس سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوگا۔ اگر سبھی شہری یہ سمجھ لیں تو ووٹ دینے والا کوئی بھی نہیں ہوگا۔ کبھی کبھی لوگ ایسا بھی سمجھتے ہیں کہ اگر وہ اپنا اظہار وخیال ظاہر کرے تو اسے کون سنے گا۔ اور اس کی طرف کون متوجہ ہوگا۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے، جمہوریت میں ایک ایک ووٹ قیمتی ہے، اور کبھی کبھی تو ایک ووٹ سے کسی امیدوار کی فتح وشکست کا بھی فیصلہ ہوتا ہے۔ اس لیے اگر عوام صحیح سے ووٹ نہ کرے تو حکومت کو عوام کے رد عمل (Reactions) کا اندازہ کیسے ہوگا۔

2. ناخواندگی (Illiteracy)

علم انسان کو مکمل بناتا ہے۔ تعلیم سے انسان کو حقوق اور فرائض کا علم ہوتا ہے۔ اس سے انسان روشن ضمیر کو جاتا ہے۔ اندھے عقیدوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔ ماحول اور حالات کے تجزیے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اور صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس لاعلمی اور ناخواندگی لعنت ہے۔ اس سے توہم پرستی پیدا ہوتی ہے۔ فکر کرنے کی صلاحیت سرے سے پیدا نہیں ہوتی ہے۔ ناخواندگی کی وجہ

سے وہ غلط جذبات، اندھا عقیدہ اور فرقہ وارانہ جذبات کا شکار ہو جاتا ہے۔ ناخواندہ اور لاعلم ہونے کی وجہ سے انسان غلط روی اختیار کرلیتا ہے۔ ووٹ دینے کا صحیح فیصلہ نہیں کرپاتا۔ جس سے جمہوریت کو نقصان ہوتا ہے۔

3. غربت (Poverty)

انسان اپنی کاہلی، مواقع نہ حاصل ہونے یا بے روزگاری ان دونوں کی وجہ سے غریب ہوتا ہے۔ جو شخص ہر وقت اپنے اور اپنے خاندان کی روزی روٹی پیدا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے، وہ سماج، سماجی معاملات، سیاسی معاملات میں حصہ لینے کی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔ غربت کی وجہ سے انسان یا تو جرائم پیشہ میں گرفت ہو جاتا ہے یا بد کرداری یا بداخلاقیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ سماج میں غلط کام کو کبھی کبھی غربت کی وجہ سے بھی انجام دیے جاتے ہیں۔ اس لیے ایک اچھے شہری کو چاہیے کہ وہ غربت دور کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا کرے۔ اور روزگار حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ فکر مند رہے۔

4. فرقہ بندی (Sectarianism)

گروپ بندی فکر اور اظہار خیال کی آزادی کا فطری نتیجہ ہے۔ یہ بہت ہی مبارک اور اچھی چیز ہے۔ اور اس عمل سے فوائد بھی ہوتے ہیں۔ لیکن جب اس سے فرقہ بندی جنم لیتی ہے تو یہ سماج کے لیے لعنت بن جاتی ہے۔ جب گروپ بندی یکساں سیاسی اور معاشی فکر کی بنیاد پر ہوتی ہے تو سیاسی پارٹی عالم وجود میں آتی ہے۔ جمہوریت کے کامیابی کے لیے یہ بہت فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔ جب تک مختلف قسم کی ذاتیں یا تنگ دل لوگ محدود مقاصد کے لیے گروپ بندی کرتے ہیں تو فرقہ بندی جنم لیتی ہے۔ یہ وسیع قوی سیاسی بیداری کو اور شعور کو تباہ کر دیتی ہے۔ لہٰذا یہ نقصان اور تباہ کن تنظیم ہوتی ہے۔

دستور ساز اسمبلی کے لیے یہ مشکل ہو گیا کہ تمام ضروری پسندیدہ باتوں کو دستور میں شامل کرے، اور تمام غیر ضروری اور ناپسندیدہ چیزوں کو خارج از بحث اور خارج از عمل کر دے۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ جب ہندوستان کی شہریت کا مسئلہ زیر بحث آیا تو 140 ترمیمات عمل میں لائی گئی تھی۔

دستور نے شہریت کے واضح اور ضروری اصولوں کی تعریف کی ہے اور ان اصولوں کی بنیاد پر یہ بھی اعلان کیا کہ کس قسم کے لوگوں کو ہندوستان میں شہریت حاصل ہوگی۔ بہر حال اس مسئلے کے فیصلے کے لیے ایک طویل قانون پارلیمنٹ نے پاس کیا۔ جسے قانونِ شہریت 1955 (Citizenship Act) کہتے ہیں جس کے مطابق مندرجہ ذیل قسم کے لوگ بھارت میں شہریت حاصل کرسکتے ہیں۔ اس قانون کے تحت پانچ طریقے سے شہریت حاصل کی جاسکتی ہے۔ پیدائشی طور پر، نسلی طور پر، رجسٹری کے ذریعے، قومیت اور علاقے کی شمولیت کے ذریعے۔

17.6 بھارت میں شہریت حاصل کرنے کا طریقہ (Procedure to Acquire Citizenship in India)

1. پیدائشی طور پر (By birth)

ہر وہ شخص جو ہندوستان میں 26 جنوری، 1950 کے بعد اور یکم جولائی 1987 تک بھارت میں پیدا ہوا ہے وہ ہندوستانی شہری ہو گا۔ چاہے اس کے ماں باپ کسی بھی ملک کے شہری ہوں۔ ویسے شخص بھی بھارت کے شہری ہوں گے جو یکم جولائی 1987 کے بعد پیدا ہوئے ہوں۔ بشرط یہ کہ ان کے ماں باپ دونوں میں سے کوئی ایک اس کے پیدا ہونے کے وقت بھارت کا شہری رہا ہو۔ اس کے علاوہ تیسری شرط یہ ہے کہ جو شخص 3 دسمبر، 2004 یا اس کے بعد پیدا ہوا ہے، وہ بھی بھارت کا شہری ہو گا۔ لیکن شرط یہ ہے کے اس کے پیدا ہونے کے وقت دونوں (ماں اور باپ) کا بھارت کا شہری ہونا لازمی ہے۔ لیکن اس میں غیر ملکی سفرائی یا غیر ملکی باشندوں کے بچے شامل نہیں ہوں گے۔

2. نسلی طور پر (By descent)

وہ شخص جو 26 جنوری، 1950 یا اس کے بعد لیکن 10 دسمبر، 1992 سے پہلے پیدا ہوا ہے وہ نسلی طور پر بھارت کا شہری ہو گا۔ اگر چہ وہ بھارت سے باہر ہی کیوں نہ پیدا ہوا ہے۔ بشرطہ کہ اس کے باہر پیدا ہونے کے دوران اس کے باپ کو بھارت کی شہریت حاصل ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص 10 دسمبر، 1992 یا اس کے بعد کسی بیرونی ملک میں پیدا ہوا ہو اور اس کے پیدا ہونے کے دوران اس کے ماں اور باپ دونوں بھارت کے شہری ہوں، تو وہ شخص بھی بھارت کا شہری ہو گا۔ تیسری شرط اگر کوئی شخص 3 دسمبر، 2004 کے بعد باہری ملک میں پیدا ہوا ہے تو وہ نسلی طور پر بھارت کا شہری نہیں ہو گا۔ شہری ہونے کے لیے اس کے پیدا ہونے کے ایک سال کے اندر بھارتی سفیر میں بھارت کے حکومت کے اجازت کے بعد اس کی رجسٹری ہوئی ہو۔

3. رجسٹری کے ذریعے (By Registration)

بھارت کے قانون کے اصول و ضوابط کی تکمیل کرنے کے بعد کوئی بھی شخص کچھ شرائط کو پورا کرنے کے بعد بھارت کا شہری ہو سکتا ہے۔ بشرطے کہ وہ اپنی رجسٹری شہری کی حیثیت سے کرا لے۔

a) بھارتیہ توضیعات (Indian Origin) کا ویسا شخص ہو جو کم سے کم سات سال سے بھارت میں رہ رہا ہو۔ وہ رجسٹری کے ذریعے بھارت کا شہری ہو سکتا ہے۔

b) ایسا شخص غیر منقسم ہندوستان (Undivided India) کے باہری ملک میں رہتا ہے، وہ بھی رجسٹری کے ذریعے بھارت کا شہری ہو سکتا ہے۔

c) ایسا شخص جس کی شادی ہندوستانی شہری سے ہوئی ہو اور وہ رجسٹری کی ارضی دینے سے پہلے کم سے کم سات سالوں سے بھارت میں رہتا ہو۔ وہ رجسٹری کے ذریعے بھارت کا شہری ہو گا۔

d) ایسے شخص کے چھوٹے بچے جو ہندوستانی شہری ہوں۔

اوپر بتائے گئے سبھی درجہ حاصل شخص کو بھارت کا شہریت حاصل کرنے سے پہلے اسے وفاداری کا حلف لینا لازمی ہے۔

4. قومیت کے ذریعے (By Naturalization)

ہر وہ شخص جو درخواست دے کہ وہ ہندوستان کا شہری بننا چاہتا ہے اور حکومت اسے اس کے لیے سند دے دے تو وہ ہندوستان کا

شہری بن سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے کچھ شرائط کی ادائیگی لازمی ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں۔

a) وہ شخص جو اپنے ملک کی شہریت کھو چکا ہو اور بھارت میں مرکزی حکومت کو اپنی شہریت چھوڑ دینے کی اطلاع دے چکا ہو۔

b) وہ درخواست دینے سے قبل کم سے کم ایک سال سے بھارت میں رہ رہا ہو۔

c) وہ شخص جو بھارت کا شہری بننا چاہتا ہو اس کے اخلاق و کردار اچھا ہونا چاہیے۔

d) وہ آئین میں موجود 8 ویں فہرست میں شامل زبان کا یا کسی علاقائی زبان کا اچھی معلومات رکھنے والا ہو۔

اس کے علاوہ آئین ایسے شخص کو بھی شہریت حاصل کرنے میں خاص رعایت دیتی ہے جو سائنس، ادب، آرٹ، عالمی سطح پر امن کے لیے کام کیا اور عوامی ترقی کے لیے عمدہ کام کیا ہو۔

5. علاقے کی شمولیت کے ذریعے (By Incorporation of Territory)

وہ تمام افراد جو کسی ایسے علاقے میں رہتا ہو جو بعد میں کسی وقت بھی ہندوستان میں شامل ہو جاتا ہے تو وہ تمام افراد خود بخود بھارت کے شہری ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر جب پونڈی چیری بھارت کا اٹوٹ حصہ بن گیا تب 1962 میں بھارتی حکومت نے شہریت قانون 1955 کے تحت فرمان جاری کر دیا۔ اس کے بعد پونڈی چیری کے سبھی افراد کو بھارت کی شہریت دے دی گئی۔

اسی طرح سے وہ شخص ہندوستان کا شہری باقی نہیں رہتا ہے جو یہاں کی شہریت کو ترک کر دے۔ اور کسی دوسرے ملک کا شہری بن جائے۔ حکومت رجسٹری کیے گئے اور قومیت کے ذریعے شہری بنے ہوئے لوگوں کو حق شہریت سے محروم کر سکتی ہے۔ اگر ان کی شہریت ملک کی مفاد میں نہ ہو۔ بیشتر وفاقی حکومت (Federal Government) کے برعکس ہمارے یہاں وحدانی شہریت یا یکساں شہریت کا طریقہ ہے۔ امریکہ میں ہر شہری اپنی مملکت کے علاوہ وفاق کا بھی شہری ہوتا ہے۔ اس لیے وہاں ہر شہری کو دوہری شہریت (Dual Citizenship) حاصل ہے۔ جب کہ ہمارے یہاں صرف واحد شہریت (Single Citizenship) کا ہی نظام ہے، چاہے وہ شخص کسی بھی ریاست سے کیوں نہ تعلق رکھتا ہو۔ اس سے مملکتوں کے درمیان کی غیر فطری مزاحمت ختم ہو گئی۔ اور اس سے عوام کو آزادانہ طور پر تمام ملک میں نقل و حرکت کے موقع حاصل ہو گئے ہیں۔

17.7 شہریت کا نظریہ (Theory of Citizenship)

شہریت کے نظریے کو سمجھنے کے لیے شہریت کے ارتقا پر غور کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ شہریت کے ارتقا کو سمجھے بغیر شہریت کے نظریہ کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔

شہریت کی ارتقا کو جاننے کے لیے قدیم یونانی مملکت کے پس منظر میں جانا لازمی ہے۔ کیونکہ شہریت کی تصور سب سے پہلے یونان میں دیکھنے کو ملتا ہے اور یونانیوں کے یہاں جس طرح کی شہریت موجود تھی وہ آج کے جدید دور سے مختلف ہوا کرتی تھی۔ جدید دور میں شہریت اکثریت عوام کو حاصل ہے۔ جب کہ قدیم یونان میں اس کے برعکس چند طبقوں کو ہی شہریت حاصل تھی۔ چوں کہ یونانی مملکت میں پوری

آبادی کو تین مختلف طبقات میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ پہلا طبقہ جو غلاموں کا تھا اس کی آبادی اکثریت میں تھی۔ دوسرا طبقہ غیر ملکیوں کا تھا جو قدیم یونان کے تجارت و کامرس میں شامل تھے۔ اس وقت یونان تجارت و کامرس کا ایک عظیم مرکز ہوا کرتا تھا۔ اس لیے یونانی مملکت میں غیر ملکیوں کی بھی تعداد اچھی خاصی تھی۔ لیکن غیر ملکیوں کو شہر کی سیاسی زندگی میں حصہ لینے کا حق حاصل نہیں تھا، وجہ انہیں شہریت حاصل نہیں تھی۔

آبادی کا تیسرا حصہ وہاں کے شہریوں کا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو شہری مملکت کی سیاسی زندگی میں حصہ لینے کے اہل تھے۔ اس طرح یونانی مملکت میں شہری ہونے کا مطلب وہاں کی سیاسی زندگی میں حصہ لینے کی اہلیت تھی جو پیدائشی طور پر حاصل ہوا کرتی تھی۔ لیکن اس کے علاوہ بھی یونانی مملکت میں کچھ ایسے بھی طبقات تھے جن کو شہریت کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔

لفظ 'شہریت' لاطینی زبان 'Civis' سے نکلا ہے۔ جو یونانی 'Polis' کے جیسا ہوتا ہے۔ Polis یونانی City-State کو کہا جاتا تھا۔ جو بھی شخص اس Polis کا رُکن ہوتا ہے اسی کو شہریت حاصل ہوتی تھی۔ شہریت کو ارتقا کے تنازل میں دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ شہریت ایک طریقِ ارتقا ہے، جس میں لگاتار قدیم یونان سے لے کر رومن، وسطی اور جدید دور تک تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔

شہریت کے ارتقا جس میں شہریت کا نظریہ بھی شامل ہے، موٹے طور پر چار عہدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

.1۔ پہلا عہد قدیم یونانی و رومن : قدیم یونان کی مملکت میں متعدد شہریت (Active Citizenship) ۔ جس کو Civic Republica بھی کہا جاتا تھا۔ یہ ایک طرح سے 'Common Good' کا خیال بھی ہے۔ جو Civic Republic سے جڑا ہے۔ جس میں سیاسی حصے داری، پبلک اسپریٹ اور Civic Virtue بھی آتے ہیں۔ یہ سبھی متعدد شہریت کی اہم خصوصیات ہیں۔ یونانی انتظامیہ میں دو طرح کا نظام تھا۔ پہلا ایتھینس، دوسرا اسپارٹہ۔ حالاں کہ دونوں کے طریق حکومت میں مختلف فرق تھے۔ ایک جمہوریت کا پیروکار تو دوسرا حاکم مطلق(Dictator) ۔ اس کے باوجود دونوں کے درمیان ایک برابری کا متعدد شہریت کی موجودگی رہی ہے۔

یونانی مفکرین ارسطو اپنی مشہور کتاب 'پولٹیکس' (Politics) میں لکھتے ہیں کہ انسان کے لیے سیاست ایک اہم موضوع ہے۔ آگے اس کتاب میں وہ کہتے ہیں کہ 'انسان ایک سیاسی جانور ہے'(Man is a Political Animal) ۔ کیونکہ سیاست میں متحد حصے داری خاص معاملہ ہے۔ سیاسی حصے داری اور سیاسی زندگی کے باوجود یونانی شہریت استثنا (Exclusion) پر مبنی تھی۔ کیونکہ اکثریت آبادی کو شہریت کا درجہ حاصل نہیں تھا۔

2۔ دورِ رومن : یونانی دور سے آگے بڑھتے ہوئے رومن دور میں پہنچے تو اس دور میں شہریت کے تصور میں مختلف تبدیلیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ چوں کہ رومن استعماریت (Imperialism) میں شہریت کا دائرہ پہلے کے مقابلے میں تھوڑا وسیع ہو جاتا ہے اور جنگ یا فتح کے وجوہات سے آبادی کی بڑی تعداد شہریت میں شامل ہو جاتی تھی اور شہریت یونانی دور کے مقابلے زیادہ شمولیت (Inclusion) تھا۔ حالاں کہ یہ شمولیت (Inclusion) ایک ہی دفعہ نہیں ہوا کرتا تھی بلکہ زمرہ بندی کے تحت لوگوں کو اس میں شامل کیا گیا۔ اور یہ ایک غیر متحرک شہریت (Passive Citizenship) تھی۔ جس میں مختلف گروہ، تمدن اور نسل کے لوگ شامل ہوئے۔ یہ ایک طرح کی استعماریت

(Imperialism) تھی نہ کہ جمہوری شمولیت جس میں معیشت بھی ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ شہریت کے ارتقا کو اور بہتر طریقے سے سمجھنے کے لیے یہاں شہریت کے ماہرین ٹی۔ ایچ۔ مارسل کا ذکر لازمی ہو جاتا ہے کیوں مارسل نے شہریت کے اُوپر بہترین کام کیا ہے۔ مارسل شہریت کے ارتقا کو حقوق کے ارتقا کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ جس کو تین مختلف عرصہ کے ذریعے جانا جاتا ہے۔

1. سول حقوق کا ارتقا : (Evolution of Civil Rights) سول حقوق کے تحت مختلف حقوق آتے ہیں، جیسے خیال ظاہر کرنے کا حق، میڈیا کی آزادی، یکجا ہونے کا حق وغیرہ یہ سارے حقوق 18 ویں صدی کی نشاندہی ہے۔ یہ سول حقوق اپنی فطرت میں منفی ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ کوئی مثبت مضمون(Contents) فراہم نہیں کرتا۔ لیکن یہ حقوق لوگوں کو کچھ تحفظ (Security) ضرور فراہم کرتی ہے۔

2. سیاسی حقوق : (Political Rights) اس کا ارتقا 19 ویں صدی میں ہوتا ہے۔ سیاسی حقوق میں ووٹ ڈالنے کے ساتھ نمائندگی، سیاسی حصے داری وغیرہ کئی سارے حقوق شامل ہے۔

3. آخری عرصہ جو 20 ویں صدی کا ہے سماجی حقوق (Social Rights) کی بات ہونے لگتی ہے۔ مارسل کے مطابق 20 ویں صدی میں ہی فلاحی مملکت (Welfare State) کا ارتقا ہوتا ہے۔ جس میں لوگوں کے فلاح و بہبود کی طرف مملکت متوجہ ہوتی ہے۔ اس دور میں سماجی حقوق کے ارتقا کے ساتھ معیشت کا بھی عروج ہوتا ہے اور یہ شہریت کے ارتقا کا بھی دور ہے۔ سماجی حقوق کی خاصیت ہے کہ شہریت کے لیے سبھی کو برابری کا درجہ حاصل ہونے کی وکالت کرتا ہے۔

جدید لبرل شہریت کا تصور : (Theory of Modern Liberal Citizenship) مارسل کے مطابق جدید لبرل کے دو خاص نظریہ(Principles) ہیں پہلا مساوی (Equality) اور آفاقیت اور دوسرا(Universality) ۔ آفاقیت میں کہا گیا کہ قانون کی فطرت بالعموم ہونا ہے۔ اس لیے شہریت کی تصدیق بھی آفاقیت (Universal) ہوتا ہے۔ شہریت میں برابری اور آفاقیت شہریت کا جدید لبرل کے دو خاص طول و عرض (Dimension) ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اس دور میں شہریت کا تصور مثالی ہے اور اس دور میں بھی شہریت کی تنقید ہوتی رہی ہے۔ خاص طور پر مساوات کو لے کر اشتراکی سماج کے رکن Communitarian اور کثیر الثقافتی کے بانی (Multiculturalist) شہریت کے جدید لبرل طول و عرض کی تنقید کی ہے۔

آگے چل کر کارل مارکس نے بھی جدید لبرل شہریت کی پرزور طریقے سے تنقید کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جدید لبرل رواج مساوی حقوق کی اور آزادی کی بات کرتے تو ہیں، لیکن حقیقت میں یہ سبھی فائدہ(Privilege) صرف اور صرف ایک خاص طبقہ کو حاصل ہوتا ہے۔ جس کو مارکس سرمایہ دار گروہ (Capitalist Class) کہتے ہیں۔

3. عہد جدید : (Modern Period) شہریت کا تیسرا عہد دور جدید ہے۔ کیونکہ عہد رومن میں شہری کو قانونی حیثیت حاصل ہوئی تھی۔ جب کہ یونانی دور میں شہریت کا قانونی شکل نہیں تھی۔ شہریت کا یہ قانونی شکل عہد رومن کی خصوصیات ہے۔ اور یہی خصوصیات عہد جدید میں بھی مسلسل بنی رہی۔ غیر متحرک شہریت کے بانی جین بودن (Jean Bodin) کو مانا جاتا ہے۔ جس نے شہریت کو قانون

اور تحفظ کی (Law and Security) حیثیت سے دیکھا۔ یہاں تک کہ کلاسیکی سیاسی مفکرین نے بھی اسی تناظر میں ہی شہریت کو دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر، تھامس ہابس کے مطابق تحفظ (Security) کے معنی ہیں زندگی جینے کی آزادی، مونٹیسکیو کے مطابق خاندان کی زندگی اور گھر کی حفاظت، جب کہ جان لاک کے مطابق Security کے معنی ہیں۔ جائیداد اور ضمیر (Concience) کی حفاظت کے ہیں۔ اس دور میں بغیر سیاسی حصے داری کے بھی افراد کو شہریت حاصل ہوتی تھی۔ اس دور میں متعدد شہریت سے غیر متحرک شہریت تک قانونی حیثیت حاصل تھی۔ جدید دور میں بھی Security اور غیر متحرک کا غلبہ بنا رہا۔ پرانی یادیں Nostalgia فرانسیسی انقلاب سے لے کر امریکی انقلاب تک، میکاولی اور روسو کے تحریر (Writings) میں بھی پایا جاتا ہے۔ روسو کے حساب سے Civic Virtue اور حصے داری (Participations) شہریت کی پہچان کے لیے اہم عناصر ہے۔ فرانسسی انقلاب نے فطری زمرہ بندی (شہریت کے تنازل) میں ختم کر دیا اور برابری کی بات سامنے آئی، جو Civic Virtue کو آگے بڑھاتا ہے۔

اٹھارویں صدی سے بیسویں صدی تک آتے آتے ایک نیا سماجی سیاق وسباق Social Context کا آغاز ہے۔ جب سرمایہ داری (Capitalism) کا عروج پورے طور پر شہریت کے مطابق مختلف نظریہ کا آغاز ہوتا ہے۔

اگر شہریت کے نظریہ سے مطلق بات کی جائے تو سب سے عمدہ کام شہریت کو لے کر ٹی۔ ایچ۔ مارشل (T.H. Marshal) نے کیا ہے۔ جس نے اپنی کتاب 'Citizenship in Social Class' میں شہریت کو لے کر یہ وضاحت کرتے ہیں کہ شہریت کے تصورات کا مسلسل عروج Class Structure میں تبدیلی، جدید سرمایہ داری اور اس کا فائدہ ایک خاص سماجی گروہ کو ہی ملتا ہے۔

دوسرا تنقید حقوق نسواں Feminist گروہ کی طرف سے لبرل تزکرہ (Discourse) کو لے کر ہے۔ آگے یہ گروہ لکھتے ہیں۔ سماج میں برابری کی بات ہوتی تو ہے، لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان غیر برابری کا پایا جانا بلکل عام بات ہے۔ چوں کے سماج میں چاروں طرف مردوں کا ہی غلبہ ہے اس لیے اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے۔ اگر پبلک اسپیر (Public Sphere) کی بات کی جائے تو یہاں بھی اکثریت حصے داری مردوں کے حق میں ہے، نہ کے عورتوں کے۔

17.8 بھارت میں شہریت کو لے کر حالیہ بحث (Recent Debate on Citizenship)

بھارت میں شہریت کے مسئلے کو لے کر بحث کوئی نئی نہیں ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے شہریت کو لے کر بحث چلی آرہی ہے۔ لیکن سال 2014 کے بعد سے شہریت کا معاملہ کافی گرما گرم رہا ہے۔ کیونکہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے سال 2014 کے الیکشن کے Manifesto میں شہریت کو ایک خاص موضوع بنایا۔ جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ بھارت میں پڑوسی ملک سے آئے دن Infiltrators غیر قانونی طریقے سے بھارت میں داخل ہوتے آرہے ہیں اس لیے اگر۔ بی۔ جے۔ پی۔ کی حکومت اقتدار میں آتی ہے تو ایسے لوگوں کی پہچان کر ان کو ملک سے باہر نکالیں گے۔ ایسا ہوا بھی بھارتیہ جنتا پارٹی اکثریت نست کے ساتھ سال 2014 میں اقتدار میں آئی اور سال 2016 میں بی جے پی حکومت کے ذریعے بھارتیہ شہری ترمیم بل کو پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا۔ کئی دور کے بحث ومباحثہ (Debate or Discussion) کے

بعد آخر دونوں ایوان، لوک سبھا اور راجیہ سبھا نے اس بل کو پاس کر دیا، جو اب یہ قانونی شکل اختیار کر چکی ہے۔ نیا شہری قانون 2019 کے مطابق پڑوسی ملک سے آئے مذہبی اقلیتی طبقہ، مسلمانوں کو چھوڑ کر بودھ، سکھ، ہندو، کرسچن، پارسی، جین، پڑوسی ملک بنگلہ دیش، پاکستان اور افغانستان سے 31 دسمبر 2014 سے پہلے بھارت میں آئے ہوئے طبقات اگر وہ یہاں کی شہریت حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں تو بھارت کی حکومت ان کو بغیر کاغذات کے بھی شہریت کا درجہ عطا کرے گی۔ حالانکہ اس پر کچھ دانشور اور پڑھے لکھے لوگوں نے بل اور قانون کی مخالفت کی اور اپنی ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح کا کوئی بھی قانون مذہب کی بنیاد پر مبنی ہے اور یہ مسلم اقلیتی گروہ کے ساتھ تفریق کرتا ہے اور یہ غیر آئینی ہے اور اگر حکومت واقعی مختلف اقلیتوں کو شہریت کا درجہ دینے کے لیے سنجیدہ ہے تو مسلمانوں کو بھی اس میں شامل کیا جانا چاہیے۔ حکومت نے ان سوالوں کے جواب میں یہ کہہ دیا کہ یہ تینوں ملکوں میں مسلمان کی حکمرانی ہے۔ اور جب آپ اقتدار پر قابض ہوتے ہیں تو آپ کا استحصال نہیں ہوتا اور ان ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہے تو ان کے مذہبی ظلم وستم کا شکار ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسے ملک میں دوسرے مذہبی اقلیتی گروہ کے ساتھ مذہبی ظلم ستم (Religious Persecution) عام بات ہے۔ ہر ایک دن ایسے لوگوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ جس سے تنگ آکر یہ لوگ اپنے ملک کو چھوڑ کر بھارت میں داخل ہونے پر مجبور ہوئے ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں کی حفاظت اور ان کے حقوق کا خیال رکھنا بھارت جیسے جمہوری ذمے دار ملک کی اخلاقی ذمے داری ہے۔

حالاں کہ جب موجودہ حکومت نے یہ تنازعہ بل (Disputed Bill) پیش کیا تو پورے ملک میں ایسا لگا جیسے آگ لگ گئی ہو۔ اور اس تفریق شہری قانون کا اختلاف پورے ملک میں شروع ہوا۔ حالاں کہ شروعات میں اس تحریک کا مرکز جامعہ ملیہ اسلامیہ تھا۔ لیکن آگے چل کر اس تحریک کا مرکز دلی کے شاہین باغ میں منتقل ہو گیا اور پھر دھیرے دھیرے پورے ملک میں کئی شاہین باغ تیار ہو گئے۔ ملک میں اس کے خلاف احتجاز میں کئی جانیں بھی گیں۔ اور کئی لوگ زخمی بھی ہوئے اور کچھ لوگوں کو جیل بھی جانا پڑا۔ اس پرزور اختلاف کے باوجود حکومت نے اس قانون کو واپس نہیں لیا۔ لیکن مارچ 2020 میں کرونہ وائرس (Corona Virus) کی آمد سے سبھی پروٹسٹ سائیٹ (Protest Sight) ختم ہو گے اور اس قانون کو ٹھنڈے بستے میں ڈال دیا گیا۔ لیکن حکومت کبھی کبھی یہ کہتی ہے کہ ہم ملک میں اس قانون کو نافذ کریں گے اور جو بھی باہری Infiltrators موجود ہے۔ اس کے لیے NRC لائیں گے اور جو بھی افراد اپنا شہریت ثابت نہیں کرے گا اس کو Detention Centre میں ڈالیں گے۔

اس قانون میں جھگڑے کی جڑ یہ ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر دیگر اقلیتی طبقات کو اگر اس کے پاس شہریت ثابت کرنے کے دستاویز نہیں بھی ہوں گے تو وہ اس ترمیمی قانون کے تحت شہری ہو جائیں گے۔ صرف مسلم اقلیتی گروہ کو ہی شہریت کا درجہ حاصل نہیں ہو گا۔ اگر وہ شہریت کے دستاویز نہیں دیکھا پاتے ہیں تو شہریت۔ قانون کے جانکار اور روشن خیال لوگوں کا کہنا ہے کہ اس طرح کا قانون مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتا ہے۔ کیونکہ شہری قانون 1955 کے مطابق کوئی بھی شخص جو بھارت میں پیدا ہوا ہے تو وہ اس ملک کا شہری ہو گا۔ اس کے باوجود بھارت کے آئین میں شہریت کو لے کر کئی خاص باتیں بتائی گئی ہے۔ جس کو پورا کر کوئی بھی افراد بھارت کا شہری ہو سکتا ہے۔

چاہے وہ کسی بھی ملک، مذہب یا نسل کا ہو۔ کیونکہ اس قانون سے پہلے بھارت کا آئین خاص کر مذہب کے نام پر کسی طرح کا کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتا ہے۔

بھارت دنیا کا سب سے بڑا جمہوری اور ذمے دار ملک ہے۔ اس کی تاریخ اور روایت کو دنیا تسلیم کرتی ہے۔ اس ملک کی ایک سنہری تاریخ خاص کر پناہ گزین (Refugee) کے لیے رہی ہے۔ جو کوئی بھی اس ملک میں آیا اور یہاں کا ہونا چاہا، بھارت نے خوشی خوشی اور باعزت طریقے سے اس کو اپنا شہری بنایا اور گلے لگایا۔ صرف اتنا ہی نہیں بھارت نے تو اپنے آئین میں سماج کے پچھڑے، دبے کچلے کے ساتھ اقلیتی طبقات کے لیے کچھ اہم تحفظ کی توضیعات کی۔ جس سے کہ اکثریتی طبقہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کر پائے۔ آئین کے کئی ساری دفعات ہیں۔ جیسے 30-25 صرف اقلیتی طبقے کو ہی حفاظت فراہم کرنے کے لیے ہیں۔

ان سارے تحفظ کے باوجود حکومت نے ایوان میں حاصل اکثریت نشست (Majority Seats) کا فائدہ اٹھا کر سماج کے پچھڑے اور اقلیتی طبقوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا۔ جو کسی بھی صحت مند جمہوریت کے لیے اچھی علامت نہیں ہے۔ اگر واقعی حکومت 'سب کا ساتھ اور سب کا وکاس اور وشواس' حاصل کرنا چاہتی اور بھارت کو 'آتم نربھر بھارت' بنانا چاہتی ہے تو بھارت کے پچھڑے اور اقلیتی طبقوں کو بھی ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔ اور آئین کے ذریعے اقلیت کو ملی آزادی اور حقوق کا تحفظ فراہم کرنا ہوگا اور حکومت کو جو بھی خرد اس ملک میں پیدا ہوا ہے اس کو اپنا شہری تسلیم کرنا چاہیے۔

17.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- شہریت کے تصورات کو سمجھا۔
- ہندوستان کے دستور میں شہریت کی توصیعات کو سمجھا۔
- اچھے شہری کے لیے لازمی عناصر کی وضاحت کی۔
- اچھے شہری بننے کی راہ میں رکاوٹوں کو جانا۔
- شہریت کے نظریے کو سمجھا۔
- بھارت میں شہریت کے تعلق سے ہونے والی بحث کو سمجھا۔

17.10 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **شہری** : ایسا شخص جس کو کسی ملک کا باشندہ ہونے کا قانونی حیثیت حاصل ہو۔
- **کثیر الثقافتی** : مختلف مذہب، نسل و تمدن کے گروہ کا ایک ساتھ مل جل کر رہنا۔

- **مستعد شہری** : ایسا شہری جس کا سیاست میں حصے داری ہو، جو مملکت کے پالیسی اور پروگرام میں شرکت کرتا ہو۔
- **غیر ملکی** : ویسے شخص جو کسی ملک میں رہتا ہو، مگر اسے شہری جیسے حقوق حاصل نہ ہو۔
- **عوام** : وہ تمام تر لوگ جو کسی ملک میں رہتے ہوں، چاہے وہ ملکی ہو یا غیر ملکی۔
- **دوہری شہریت** : شہریت کا ایسا نظام جس میں کسی فرد کو یا اس سے زائد ملک کی شہریت حاصل ہو۔

17.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

17.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. درج ذیل میں سے کس ملک میں 'دوہری شہریت' کا نظام ہے۔

(a) بھارت (b) نیپال (c) امریکہ (d) سری لنکا

2. بھارت کے دستور نے کس سال شہریت سے مطلق ایک طویل قانون پاس کیا؟

(a) 1954 (b) 1956 (c) 1953 (d) 1955

3. 'Man is a Political Animal' یہ کس مشہور مفکرین کا قول ہے؟

(a) ارسطو (b) افلاطون (c) میکاولی (d) کوٹلیا

4. 'Citizenship in Social Class' کتاب کے مصنف کون ہیں؟

(a) ٹی۔ ایچ۔ مارشل (b) میکاولی (c) افلاطون (d) ان میں سے کوئی نہیں

5. Citizenship Act 1955 کے مطابق مندرجہ ذیل میں سے کتنے طریقے سے بھارت میں شہریت حاصل کی جا سکتی ہے۔

(a) تین (b) چار (c) پانچ (d) چھ

6. دستورِ ہند کے کتنے سے کتنے دفعہ (Article) تک شہریت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے؟

(a) 5-11 (b) 3-9 (c) 4-10 (d) 10-15

7. دستورِ ہند کے کس حصے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ 'عوام ہی نے آئین کو نافذ کیا ہے' اختیار کیا اور اپنے حوالے کیا ہے۔

(a) Preamble (b) بنیادی حقوق (c) بنیادی فرائض (d) ان میں سے کوئی نہیں

8. کس دفعہ کی کس دفعہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ " کوئی بھی شخص اگر وہ دوسرے ملک کی شہریت حاصل کر لیتا ہے تو وہ بھارت کا شہری نہیں ہو گا؟"

(a) دفعہ 11 (b) دفعہ 9 (c) دفعہ 8 (d) دفعہ 6

9. ابھی حال ہی میں حکومت ہند نے شہریت قانون کو ترمیم کرا سے پاس کر دیا ہے، وہ تاریخ اور سال کیا ہے؟

(a) 11دسمبر،2019 (b) 10اکتوبر،2018 (c) 11دسمبر2020 (d) 21دسمبر2019

10. بھارت کا پہلا شہری کسے مانا جاتا ہے؟

(a) وزیر آعظم (b)صدر جمہوریہ (c) گورنر (d)ان میں سے کوئی نہیں

17.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ شہریت کیا ہے؟ دستور میں شہریت کے لیے کیا توضیعات کیے گئے ہیں۔

2۔ ٹی۔ایچ۔مارشل کے شہریت کا نظریہ پر روشنی ڈالیے۔

3۔ ایک اچھا شہری کیسا ہوتا ہے وضاحت کیجیے۔

4۔ اچھا شہری بننے کی راہ میں کیا کیا روکاوٹیں ہیں۔بیان کیجیے۔

5۔ شہریت کے نظریہ پر مختصر نوٹ لکھیے

17.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ شہریت کے تصورات پر روشنی ڈالیے۔

2۔ اچھی شہریت کے لازمی عناصر پر غور وفکر کریں۔

3۔ بھارت میں شہریت کو لے کر حالیہ بحث پر روشنی ڈالیے۔

17.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Ibtadai Ilm Shariyat (1984), Taraqqi Urdu Board, New Delhi
2. Laxmikant (2019), Indian Polity, Tata Mcgrow Hill India
3. Anupama Roy (2016), Citizenship in India, Oxford University Press
4. Bare Act (2020), Citizenship Act 1955
5. Bellamy Richard, (2008), Citizenship: A Very Short Introduction, Oxford University Press
6. Anupama Roy, (2010), Mapping Citizenship in India, Oxford University Press
7. Rajeev Bhargava & Ashok Acharya, (2008), Political Theory: An Introduction, Pearson Education in India

اکائی 18۔ اقتدار اعلا: مفہوم، خصوصیات اور اقسام
(Sovereignty: Meaning, Characteristics and Types)

اکائی کے اجزا

18.0 تمہید

18.1 مقاصد

18.2 اقتدار اعلا کا مفہوم

18.3 اقتدار اعلا کی تعریف

18.4 اقتدار اعلا کا ارتقا

18.5 اقتدار اعلا کی خصوصیات

18.6 اقتدار اعلا کی اقسام

18.7 اکتسابی نتائج

18.8 کلیدی الفاظ

18.9 نمونہ امتحانی سوالات

18.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

18.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

18.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

18.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

18.0 تمہید (Introduction)

اقتدار اعلا مملکت کا ایک اہم عنصر ہے۔ سیاسیات میں یہ تصور قدیم زمانے سے موجود ہے۔ اقتدار اعلا کے بغیر مملکت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اقتدار اعلا سیاسیات کا سب سے اہم تصور ہے۔ یہ کسی مملکت میں حکمرانی کرنے کی اعلا طاقت جو مطلق اور لامحدود مستقبل، ناقابل انتقال، ناقابل تقسیم، ناقابل تسخیر اور نہ ہی لین دین کرنے والی ایک اعلا طاقت سے ہے۔ اقتدار اعلا حکمرانی کے اعلا نظام میں موجود رہتی

ہے کسی بھی مملکت کو مملکت کہلانے کے لیے چار لازمی عناصر میں سب سے زیادہ اہم اقتدار اعلا ہے۔ عام طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مملکت جس میں اقتدار اعلا موجود ہوتی ہے ایک آزاد مملکت ہوتی ہے اور جس مملکت میں اقتدار اعلا موجود نہیں ہوتی ہے وہ ماتحت یا غلام مملکت ہوتی ہے۔

جدید زمانہ میں مملکت کے چار لازمی عناصر ہوتے ہیں۔ متعین علاقہ ' آبادی ' حکومت اور اقتدار اعلا اس میں اقتدار اعلا سب سے اہم ہے۔ اسے مملکت کی زندگی کا خون یا طاقت یا روح کہا جا سکتا ہے۔ جس طرح خون یا روح کے بغیر انسان کے جسم کا وجود باقی نہیں رہ جاتا، اسی طرح اقتدار اعلا کے بغیر مملکت کے وجود کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اقتدار اعلا ہی وہ طاقت ہے جو مملکت کے وجود کو قائم رکھتی ہے۔ چوں کہ یقیناً اپنی ٹھوس شکل میں مملکت اور اقتدار اعلا ایک دوسرے کی مترادف ہیں۔ اقتدار اعلا مملکت کا سب سے بلند اور بالا اختیار ہے جس کے ذریعے مملکت کی تخلیق ہوتی ہے اور مملکت کا وجود برقرار رہتا ہے۔ اقتدار اعلا کی وجہ سے ہی مملکت داخلی پہلو سے برتر اور خارجی پہلو سے آزاد ہوتی ہے یہ مملکت کی ایک ضروری ناگزیر سے اسی اور قانونی حیثیت ہے۔ اقتدار اعلا مملکت کی برتر طاقت ہے جو اس میں ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ اسی طاقت کے زور پر مملکت اپنے علاقہ کے باشندوں اور اداروں کو حکم دیتا اور خود کسی کے حکم کی تعمیل کرنے کا پابند نہیں ہوتا ہے۔ اسی طاقت کی بنیاد پر مملکت کو سماج کے دیگر گروہوں جیسے سماجی' معاشی' مذہبی' ثقافتی' تجارتی وغیرہ سے علاحدہ کرتا ہے۔ لاسکی کے الفاظ میں اقتدار اعلا کی وجہ سے ہی مملکت دیگر سبھی طرح کے گروہوں سے مختلف ہے۔ اس کی بنیاد پر اقتدار اعلا مملکت کا اعلا عنصر ہی نہیں بلکہ مملکت کی روح کہا جا سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقتدار اعلا میں وہ اہم عنصر ہے جو مملکت کو دیگر انسانی گروہوں سے الگ کرتا ہے۔ اقتدار اعلا لفظ کی اصطلاحات سب سے پہلے فرانسیسی مفکر Jean Bodin نے اپنی کتاب "Desk Republics" میں پیش کیا تھا۔ جدید زمانہ میں سب سے زیادہ بہتر اقتدار اعلا سے متعلق اصول جان آسٹن John Austin نے پیش کیا ہے۔ اقتدار اعلا کا تصور سیاسیات کا مرکزی خیال بن گیا ہے۔ یہ ایک قانونی تصور ہے۔ اسے مملکت کا سب سے اہم اور لازمی عنصر سمجھا جاتا ہے۔

18.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مقصد اقتدار اعلا سے متعلق معلومات حاصل کرنا ہے۔ اس اکائی سے طلبا کو اقتدار اعلا کے معنی و مفہوم سے آگاہ کرنا ہے اور اقتدار اعلا کے ارتقا اس کی خصوصیات اور اس کی قسموں پر تفصیلی بحث کرنا ہے۔ اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلباء اقتدار اعلا کا وجود اور مملکت میں کیوں ضروری ہے، اس سے واقف ہو جائیں گے۔

18.2 اقتدار اعلا کا مفہوم (Meaning of Sovereignty)

اقتدار اعلا سے مراد ہے کہ ایک ملک کے اوپر حکمرانی کرنے کا اختیار ایسی ملک کی حکومت کو حاصل ہونا چاہیے جن کو انتخاب سے لے کر اور ملک کی حکمرانی کرنے اور سارے فیصلہ لینے کے تمام اختیار حکومت کو حاصل ہوں اور اس میں کسی ملک کی کوئی مداخلت نہیں ہونی

چاہیے۔ آسان زبان میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اقتدار اعلا وہ اختیار ہے جو حکومت کو اندرونی طور پر عظیم اور بیرونی طور پر آزاد بناتا ہے ۔اقتدار اعلا لفظ لاطینی زبان کے لفظ Superanus سے ماخوذ ہے جس کے معنی برتر ارادا ہونا، اپنے فیصلہ خود لینا یعنی اپنے آپ کو منظم کرنے کے لیے کسی اور پر انحصار نہ کرنا، بالا دستی یا عظیم اختیار کے ہیں۔1576 میں فرانسیسی مفکر جین بودن (Jean Bodin) کی تصنیف "Six Book Concerning the Republic of State" کی اشاعت سے اقتدار اعلا لفظ عام ہوا۔ حالاں کہ یہ اصطلاح جدید ہے لیکن اس خیال کا سراغ قدیم یونان سے لگایا جاسکتا ہے۔ مفکرین مملکت کی اعلا طاقت پر یقین رکھتے تھے۔اس سے مراد یہ ہے کہ مملکت کے اوپر کوئی اور طاقت نہیں ہے، وہ لا محدود غیر منقولہ اور بے لگام طاقت ہے مملکت کے اندر یا باہر کوئی دوسری طاقت کے گرفت میں نہ ہو۔

جدید مملکت خود مختار مملکت ہوتی ہے۔ یہی وہ عنصر ہے جو مملکت کو دیگر انسانی برادریوں جیسے گھرانے' چرچ اور اسکول وغیرہ سے ممتاز کرتا ہے۔اس کا مقام مملکت کی اعلا طاقت میں ہے۔ اقتدار اعلا مملکت کی اعلا طاقت ہے جس کے ذریعے وہ اس کے ماتحت رہنے والے تمام طاقتوں اور برادریوں پر اعلا اختیار رکھتی ہے۔ ان سے اپنے مقاصد پر عمل پیرا ہونے پر مجبور کرتی ہے اور ایسا نہ کرنے پر سزا دینے کا اختیار رکھتی ہے۔ اسی اقتدار اعلا کی بنیاد پر مملکت کسی دباؤ کے بغیر کسی اور مملکت کے ساتھ اپنے طور پر تعلقات قائم کرتی ہیں یعنی خود مختار مملکت کے اندر اور باہر کسی بھی قسم کی طاقت کا پابند نہیں ہے۔

اس طرح ایک تصور کی حیثیت سے اقتدار اعلا قدیم ہندوستانی مملکتوں میں موجود تھی لیکن مملکتوں کی بالا دستی قائم تھی یہ بالا دستی اندرونی اور بیرونی نقطۂ نظر سے بھی قائم رہی یعنی وہ کسی دوسری مملکت کے حوالے نہیں کرتے تھے۔ مملکت کے ذریعے بنائے گئے قانون برتر تھے۔ اس کو قبول نہ کیے جانے پر سزا دی جاتی تھی۔ دوسرے لفظوں میں خود مختار مملکت کی تمام خصوصیات شروعاتی مملکتوں میں موجود تھیں۔ سیاسی فلسفہ اور سیاسیات کے تحت مملکت کا مطالعہ کیا جاتا ہے مملکت کے چار اہم عناصر ہوتے ہیں

(1) آبادی (2) علاقہ (3) حکومت (4) اقتدار اعلا۔

اقتدار اعلا بھی ایک سیاسی تصور ہے جسے مملکت کا ایک لازمی عنصر تسلیم کیا جاتا ہے اور سیاسیات کے مطالعے میں اسے اکثر مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ گیٹل (Getel) کے مطابق اقتدار اعلا کا تصور جدید سیاسیات کی بنیاد ہے مملکت کو خود مختار کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ مملکت کمیونٹیوں میں بالاتر اور آخری اختیار ہوتا ہے۔ مملکت کے ذریعے بنائے گئے قانون کسی بھی دیگر کمیٹیوں کے ذریعے بنائے گئے قانون سے اوپر ہوتا ہے۔ جین بودن پہلا سیاسی مفکر ہے جس نے اقتدار اعلا کے تصور پر علاحدہ اپنی فکر ظاہر کی ہے اور اسے ایک لازمی عنصر تسلیم کیا ہے جو مملکت کو دیگر تنظیموں سے علاحدہ کرتا ہے۔ بودن کی سیاسی فکر کا اثر پالیسی پر بھی ہوا۔ بودن سے پہلے یونانی مفکر ارسطو نے مملکت کے برتر اختیار کے متعلق اپنی رائے پیش کی تھی۔ اس طرح اقتدار اعلا مملکت کا آخری اختیار ہے۔

18.3 اقتدار اعلا کی تعریفات (Evolution of Sovereignty)

مختلف دانشوروں نے اقتدار اعلا کی مندرجہ ذیل تعریفیں بیان کی ہیں۔

1. جین بودن(Jean Bodin) "اقتدار اعلا مملکت کی رعایا اور شہریوں کے اوپر وہ برتر قوت ہے جو دوسرے قانون کے ماتحت نہیں ہیں"۔

2. ایڈورڈ جینکز(Edward Jenks) کے مطابق، "اقتدار اعلا مملکت کا وہ میعار ہے جس کی وجہ سے وہ خود کو بیرونی طاقت سے باندھ سکتا ہے"۔

3. برگیس (Burgess) کے مطابق "اقتدار اعلا پر افراد اور اس کی انجمنوں پر مملکت کی بنیادی' بے لا محدود اختیار ہے"۔

4. ویلوبی (Willoughby) کے مطابق "اقتدار اعلا مملکت کا اعلا اختیار ہے۔"

5. ووڈرو ولسن (Woodrow Wilson) کے مطابق "اقتدار اعلا وہ طاقت ہے جو قانون بناتی ہے اور ان کو نافذ کرتی ہے۔"

6. لاسکی (Laski) کے مطابق "اقتدار اعلا قانونی طور پر ہر فرد اور انجمن سے برتر ہے۔ وہ ہر ایک قانون کے مطابق کام کرنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔"

7. گریشیس (Gracious) کے مطابق "اقتدار اعلا ایک ایسی سیاسی طاقت ہے جو اس کے بس میں ہوتی ہے جس کے اعمال دوسرے کے ماتحت نہیں ہیں اور جن کی مرضی سے کوئی خلاف ورزی نہیں کر سکتا ہے"۔

9. سولٹائے (Soltay) کے مطابق " اقتدار اعلا مملکت کے ذریعے حکمرانی کرنے کی اعلا قانونی طاقت ہے"۔

10. روسو (Rousseau) کے مطابق " عوامی قرار داد اقتدار اعلا ہے"۔

11. جان آسٹن (John Austin) کے مطابق "اگر ایک برتر انسان جو اسی طرح کے برتر کی اطاعت کا عادی نہ ہو اور ایک دیئے گئے سماج کی اکثریت سے عادتاً اطاعت حاصل کرنے ہو تو وہ برتر انسان اس سماج میں مقتدر اعلا ہو گا"۔

12. گارنر (Garnar) کے مطابق "اقتدار اعلا مملکت کی ایسی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اپنی مرضی کے علاوہ کسی اور تک محدود نہیں ہوتی ہے"۔

مندرجہ بالا تعریفوں کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقتدار اعلا مملکت کی اعلا طاقت ہے یہ مملکت کی ایک خصوصیت اور عنصر ہے۔ یہ مملکت کی ایسی طاقت ہے جس کے اختیار پر وہ اپنے زمین پر اپنی احکامات اور قانون کی اطاعت کر اس کے اور بین الاقوامی معاملوں میں دیگر ملکوں کے ساتھ ایک اکائی کے طور پر کسی طرح کا لین دین' دوستی کا معاہدہ اور جنگ کر سکے۔ مملکت اپنی اقتدار اعلا کی وجہ سے ہی قانونی طاقت کا استعمال کر سکتی ہے۔ اقتدار اعلا مملکت کی طاقت اور اعلا مرضی بھی ہے بغیر اقتدار اعلا کے مملکت کا ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ مملکت کی رکنیت لازمی ہوتی ہے اور مملکت کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے والے کو مملکت سزا دینے کا حق رکھتی ہے۔ اصولی طور پر اس پر پابندی عائد نہیں کی جاسکتی اور اقتدار اعلا مملکت کی برتر طاقت ہوتی ہے۔ جو مملکت دیگر گروہوں' تنظیموں' انجمنوں سے بالاتر ہوتی ہے۔ اقتدار اعلا کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک داخلی اور دوسرا خارجی۔ داخلی اقتدار اعلا سے مراد یہ ہے کہ مملکت کے اندر تمام فرد' ایسی تنظیم یا گروہ نہیں ہو سکتا جو اس کی برابری کا دعوہ کرے۔ یہ تمام افراد اور ادارے مملکت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ یہ اقتدار اعلا مملکت کے اندر تمام افراد

پر اپنا حق جتاتے ہیں، داخلی اقتدار اعلا سے مراد ہے کہ مملکت کسی بھی بیرونی کنٹرول سے آزاد ہوتی ہے یعنی مملکت کسی دوسرے ملک کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا ہے۔ خارجی اقتدار اعلا سے مراد ہے کہ مملکت کسی بھی باہری دباؤ سے آزاد ہوتا ہے۔ اس کا مطلب قومی آزادی سے ہے ہر مملکت دوسرے مملکت سے آزاد ہے اور دوسرے حکام کے تابع نہیں ہے۔

1. اقتدار اعلا مملکت کی ایک اہم خصوصیت ہے اور یہ مملکت کا ایک اہم جز ہے اس کے بغیر مملکت کا وجود باقی نہیں رہ جاتا۔
2. یہ مملکت کی برتر مرضی ہے۔
3. اقتدار اعلا کا اختیار مطلق اور لا محدود ہے۔
4. اقتدار اعلا قانون تشکیل دیتا ہے جس کا اختیار عوام سے حاصل کیا جاتا ہے۔
5. اقتدار اعلا مملکت کی قانونی طاقت ہے۔

18.4 اقتدار اعلا کا ارتقا (Development of Sovereignty)

اقتدار اعلا کی اصطلاح اور اس کے ارتقا کی تاریخ طویل ہے۔ مملکت کی اعلا طاقت پر ایک طویل تنازعہ ہے۔ یہ تنازعہ 11ویں صدی میں عروج پر پہنچ گے اتھا اور 14ویں صدی میں پوپ گرے گری ہشتم اور ہیزی ہشتم کے مابعین کافی تنازعہ کھڑا ہوا۔ 14ویں صدی میں جدید مملکت کی بنیاد رکھی گئی۔ سیاسیات کے مشہور مفکر میکاولی نے مملکت کے اعلا طاقت کا اصول قائم کیا۔ اس کا خیال تھا کہ مملکت کی طاقت بالاتر ہے۔ چرچ کے علاوہ دیگر تمام تنظیمیں مملکت کے ماتحت ہیں لیکن میکاولی نے اقتدار اعلا کی اصطلاح پیش نہیں کی تھی۔ میکاولی کے جانشین بودن نے اپنی کتاب "Six Book Concerning Republic" میں سب سے پہلے اقتدار اعلا کے اصول کی وضاحت کی ہے۔ لیکن انہوں نے مملکت کی طاقت پر کچھ کنٹرول قبول کر لیا۔ اس کی ترقی کی ایک طویل تاریخ ہے۔ قدیم زمانہ سے لے کر اب تک سبھی مفکروں نے اقتدار اعلا سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ سیاسیات کے بانی ارسطو نے اپنی کتاب "Politics" میں مملکت کے لیے ایک اعلا طاقت کی ضرورت محسوس کیا تھا۔ قدیم رومن مفکروں نے اپنے غور فکر میں ایک اعلا طاقت کا ذکر کیا ہے۔ اس وقت تک مملکت کی طاقت کو بالاتر اور مطلق العنان کے طور پر قبول نہیں کیا گیا تھا۔ صحیح معنوں میں اور غیر واضح الفاظ میں تھامس ہابس نے اپنی "فطری مملکت کا نظام" میں بادشاہ کے لیے اقتدار اعلا قائم کیا۔ تھامس ہابس نے اپنی کتاب "Leviathan" میں اس کی پیش گوئی کی ہے کہ بادشاہ سب سے اہم ہے اور اس کی مرضی ہی قانون ہے۔ سماجی معاہدے کے دیگر مفکر جان لاک آئینی اقتدار اعلا کے اصول کو پیش کیا اور مملکت اور بادشاہ کے اقتدار اعلا کو غلط قرار دیا۔ جین جیکس روسو نے "مقبول اقتدار اعلا کے اصول" کو پیش کر اسے جدید جمہوری نوعیت فراہم کی۔ اس کے مطابق اقتدار اعلا" عام مرضی" میں موجود ہوتی ہے۔ روسو کے بعد مونٹے سکو اور بنتھم نے اقتدار اعلا کے اصول کے ارتقا میں مدد کی ہے۔ بنتھم نے اقتدار اعلا کا ذکر قانون بنانے والی اعلا اقتدار کے طور پر پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ قانون کے ذرائع قدرتی قوانین نہیں ہیں بلکہ اقتدار اعلا ہے۔ قدیم اقتدار اعلا کے تصور کے ارتقا میں فرانسیسی انقلاب میل کا پتھر ثابت ہوا اس انقلاب نے اقتدار اعلا کی حمایت اس

بنیاد پر کی ہے کہ برتر طاقت عوام میں موجود ہوتی ہے لہذا اس پر پابندی لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صنعتی انقلاب اور فلاحی مملکت کے خیالات نے مملکت کے کام کے دائرہ میں بہت زیادہ اضافہ کیا۔ جس سے مطلق اقتدار اعلا کا تصور غالب ہوا۔ 18 ویں اور 19 ویں صدی میں اقتدار اعلا کو مضبوط حمایت حاصل ہوئی۔ ہیگل، گرین اور بوسانکے کا نام اہم ہے۔ ہیگل نے مملکت کو برتر تسلیم کیا ہے۔ ہیگل کا خیال ہے کہ مملکت زمین پر خدا کا اوتار ہے۔ انھوں نے انسان کو مکمل طور سے مملکت کے ماتحت کر دیا ہے۔ اس طرح ہیگل نے کہا ہے کہ انسان کو آزادی حاصل ہو سکتی ہے جب کہ وہ مملکت کے قانون کو قبول کرے۔

مملکت داخلی اور خارجی اقتدار اعلا دونوں نوعیت میں اعلا ہوتا ہے اس لیے ہیگل کی اقتدار اعلا مطلق اور لا محدود تھی اس پر اخلاقیات اور بین الاقوامی قانون کا بھی کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ گرین اور بوسانکے نے بھی فلسفانہ بنیاد پر مملکت کے اعلا اقتدار کی حمایت کی ہے۔ لیکن اقتدار اعلا کو قانونی حیثیت کا سہرا مشہور برطانوی فقیہ جان آسٹن کو جاتا ہے۔ دوسری طرف عصری دنیا میں اقتدار اعلا کا یہ تصور جائز ہے۔

18.5 اقتدار اعلا کی خصوصیات (Characteristics of Sovereignty)

اقتدار اعلا کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

1. مطلق اور لا محدود (Absolute and Unlimitted)
2. مستقل (Permanent)
3. آفاقی (Universal)
4. ناقابل انتقال (Inalienable)
5. ناقابل تقسیم (Indivisible)
6. محدود (Exclusive)
7. اتحاد (Unity)
8. ناقابل تسخیر (Impersceptible)
9. اصلیت (Original)

18.5.1 مطلق اور لا محدود (Absolute and Unlimitted)

مطلق اور لا محدود اقتدار اعلا کی پہلی خصوصیت ہے۔ اقتدار اعلا جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ یہ کسی کے تابع نہیں ہوتی ہے۔ مملکت کی اقتدار اعلا مطلق اور لا محدود ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اقتدار اعلا برتر، مکمل، مطلق اور لا محدود ہوتی ہے۔ اس کی لا محدودیت کے دو پہلو ہیں، داخلی اور خارجی۔ داخلی اور خارجی طور پر اقتدار اعلا آزاد ہے اس لیے مملکت داخلی طور پر کوئی بھی قانون تشکیل کر سکتی ہے۔ کسی بھی قانون کو تبدیل کر سکتی ہے اور ان کا انکار کرنے والوں کو سزا دے سکتی ہے۔ خارجی طور پر بھی اقتدار اعلا آزاد ہوتی ہے۔ اس لیے وہ

خارجہ پالیسی کی تشکیل آزادانہ طور پر کرسکتی ہے۔ جنگ اور معاہدہ کے متعلق بھی اس کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔ کوئی بھی مملکت اور نہ ہی کوئی بین الاقوامی ادارہ اس کے متعلق مداخلت کرسکتا ہے۔ اسے قانون کے ذریعے بھی محدود نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اقتدار اعلا کے اوپر کسی دوسری طاقت کی حاکمیت پر غلبہ یا کنٹرول نہیں ہوتا ہے۔ وہ خود کسی کی اطاعت نہیں کرتی ہے۔ بلکہ مملکت میں سب اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ داخلی اور خارجی طور پر مکمل طور سے آزاد ہے۔ وہ کسی بھی دوسری طاقت کے احکامات پر عمل کرنے کی پابند نہیں ہے۔ لیکن ملک کے اندر رہنے والے تمام لوگ اس کے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ اگر ایک طاقت اقتدار اعلا کو محدود کرتی ہے تو محدود طاقت اقتدار اعلا بن جاتی ہے۔ اس کے علاوہ نظریاتی نقطہ نظر سے اقتدار اعلا مطلق اور لا محدود ہوتی ہے لیکن عملی طور پر اقتدار اعلا پر رسومات' رواج' روایات' رائے عامہ' اخلاقی اور فطری قانون' مذہب اور عقیدہ اور بین الاقوامی قانون' بین الاقوامی ادارے وغیرہ مطلق اختیار پر تحدید عائد کرتے ہیں مملکت کے دستور پر چند ایک پابندیاں عائد کرتا ہے تاکہ شہریوں کے بنیادی حقوق کو پامال ہونے سے بچایا جاسکے۔

18.5.2 مستقل / دائمی (Permanent)

دائمی اقتدار اعلا کی بنیادی خصوصیت ہے۔ اقتدار اعلا اور مملکت ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں۔ جب تک ایک آزاد مملکت کا وجود باقی رہتا ہے۔ اقتدار اعلا باقی رہتا ہے جب تک مملکت باقی رہتا ہے جس سے مملکت ایک مستقل ادارہ ہے ویسے ہی اقتدار اعلا بھی مستقل ہوتی ہے جب تک مملکت قائم رہے گا تب تک اقتدار اعلا بھی قائم رہے گا۔ اقتدار اعلا کا خاتمہ مملکت کا خاتمہ تسلم کیا جاتا ہے۔ بادشاہ کی موت، حکومت کا تختہ پلٹنے اور اقتدار اعلا کی تباہی کا باعث نہیں ہوتا ہے۔ کسی مملکت میں اقتدار اعلا کی تبدیلی سے مملکت کا خاتمہ نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے برطانیہ میں یہ محاورہ مشہور ہے کہ بادشاہ کی وفات بادشاہ سلامت رہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ کی موت سے بھی بادشاہت ختم نہیں ہوتی ہے۔ مملکت کے ایک بادشاہ کی موت سے اقتدار اعلا کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ یہ مملکت کے دوسرے فرد میں منتقل ہوجاتا ہے۔ اقتدار اعلا مستقل ہوتا ہے اس کے بغیر مملکت کا تصور نہیں کیا جاسکتا مملکت کا خاتمہ اقتدار اعلا کا خاتمہ ہے اقتدار اعلا کبھی ختم نہیں ہوتی اس سے متعلق گارنر کا خیال ہے کہ دائمی سے مراد یہ ہے کہ جب تک مملکت قائم رہتی ہے تب تک اقتدار اعلا قائم رہتی ہے۔

18.5.3 آفاقی (Universal)

مملکت آفاقی ہے اور اقتدار اعلا عالمی طور پر قابل اطلاق ہے لیکن مملکت اپنی خواہش سے کسی خاص شخص کو کچھ خاص حقوق دے سکتی ہے یا وہ کسی صوبے کو اقتدار اعلا فراہم کرسکتی ہے۔ ہر فرد اور فرد کی ہر انجمن مملکت کی اقتدار اعلا کے تابع ہے۔ اقتدار اعلا کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتی ہے اور کسی کو بھی چھوٹ نہیں دیتی ہے اقتدار اعلا سے آزاد ہونے کا دعوہ کوئی نہیں کرسکتا ہے۔ یہ صرف غیر ملکی سفارتخانوں اور بیرونی ممالک کے سفارتی نمائندوں کو صرف دوٹوک بنیادوں پر چھوٹ فراہم کرتا ہے۔ اس سے قانونی مملکت میں کسی بھی طرح مملکت کی اقتدار اعلا پر پابندی نہیں ہے۔ مملکت غیر ملکوں کو دیے گئے سفارتی مراعات کو ختم اور واپس لے سکتی ہے گلراسٹ کے مطابق "کسی مملکت جو دوسرے ملکوں کے سفیر اور سفارت خانہ ہوتے ہیں ان پر اسی ملک کے قانون اور اقتدار اعلا نافذ ہوتی ہے جس مملکت

میں وہ ہوتے ہیں اقتدار اعلا کی آفاقیت کا مطلب یہ ہے کہ مملکت خود مختار انسان کے ذاتی اور عوامی زندگی کے ہر پہلو کے لیے قانون تشکیل کر سکتا ہے۔

18.5.4 ناقابل انتقال (Inalienable)

ناقابل انتقال اقتدار اعلا کی اہم خصوصیت ہے۔ اقتدار اعلا کو منتقل یا تفویض نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ غیر منحرف اور لامحدود ہے اس کو کسی دوسرے کو سپرد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اقتدار اعلا ہمیشہ مملکت سے منسلک ہوتی ہے لہذا مملکت اسے کسی دوسرے کو تفویض نہیں کر سکتا ہے۔ اسے دوسرے کو تفویض کرنے کا مطلب ہے کہ مملکت کا وجود ختم ہو جائے گا۔ مملکت اور اقتدار اعلا ایک دوسرے کے لیے ضروری ہے۔ لیکن جب مملکت اپنا کوئی حصہ یا علاقہ کسی دوسرے مملکت کو منتقل کر دیتا ہے تو اس کے مطلب ہر گز نہیں ہو تا کہ مملکت اپنی اقتدار اعلا سے دست بردار ہو چکا ہے Liber کہتا ہے کہ اقتدار اعلا کو منتقل نہیں کیا جاسکتا جس طرح ایک درخت اپنی نشو و نما کا حق یا کوئی شخص اپنی زندگی یا شخصیت کو منتقل نہیں کر سکتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص اپنے آپ کو خود کو قتل کیئے بغیر اپنی زندگی منتقل نہیں کر سکتا اسی طرح مملکت بھی منتقل نہیں ہو سکتا۔ یہ جب تک اپنے آپ کو تباہ نہیں کر لیتا تب تک وہ اقتدار اعلا ہے۔

18.5.5 ناقابل تقسیم(Indivisibile)

اس کا مطلب ہے اقتدار اعلا کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ مکمل اور ہر جگہ موجود ہوتی ہے اور اس کے ٹکڑے یا تقسیم نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ ایک مشہور قول ہے کہ اقتدار اعلا کو تقسیم کرنا مملکت کا خاتمہ کرنا ہے۔ جس طرح آدھا انسان یا آدھا (Triangle) نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح آدھا اقتدار اعلا نہیں ہو سکتا ہے۔ اقتدار اعلا مملکت کی زندگی اور روح ہے۔ جب تک خود مملکت اپنے آپ کو تباہ و برباد نہیں کر لیتا تب تک اقتدار اعلا کو تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مملکت اپنے آپ سے اقتدار اعلا کو علاحدہ نہیں کر سکتا ہے۔ گیٹیل نے کہا ہے کہ اگر" اقتدار اعلا مطلق نہیں ہے تو کسی بھی مملکت کا وجود باقی نہیں رہے گا اگر اقتدار اعلا کو تقسیم کر دیا جائے تو ایک سے زیادہ مملکت موجود رہیں گی جس میں ہندوستان پاکستان کے ذریعے پاکستانی طاقت کے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی جس سے ایک نئے ملک بنگلا دیش وجود میں آیا۔ کالحن نے لکھا ہے اقتدار اعلا ایک شے ہے اس کو تقسیم کرنے کا مطلب ہے اسے تباہ کرنا ہے اقتدار اعلا مملکت کا برتر اختیار ہے۔

18.5.6 محدود(Exclusive)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مملکت کے اندر صرف ایک اقتدار اعلا ہو سکتا ہے۔ ایک مملکت میں دو اقتدار اعلا نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس کی سرزمین میں اقتدار اعلا کا کوئی حریف نہیں ہو تا ہے اگر کسی مملکت میں دو خود مختار یا اقتدار اعلا کو قبول کر لیا جائے تو اس سے مملکت کا اتحاد خطرہ میں پڑ جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر وہاں ایک سے زیادہ اقتدار اعلا ہونے پر تنازعہ ہو گا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کو خارج کر دے گا۔ یہاں ایک مشہور قول ہے کہ یہاں تک کہ اگر دو سوار بھی ہوں تو لگام ایک ہی کے ہاتھ میں ہو گی۔ فارسی میں ایک قول ہے کہ

ایک میان میں دو تلوار نہیں ہو سکتی ہیں خاص طور سے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مملکت کے اندر ایک دوسرا مملکت نہیں ہو سکتا ہے کیوں کہ مملکت کا اتحاد برباد ہو جائے گا کسی نے بہت درست فرمایا ہے کہ دس بھکاری ایک کمبل میں سو سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک بادشاہت میں نہیں رہ سکتے۔

18.5.7 اتحاد(Unity)

اتحاد اقتدار اعلا کی روح ہے۔ اقتدار اعلا مملکت کی تعریف کے مطابق متحد ہونا چاہیے۔ ایک خود مختار مملکت کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہے خود مختار مملکت اسی طرح متحد ہے جس طرح انسان کا جسم ایک دوسرے اجزا سے متحد ہے۔

18.5.8 ناقابل تسخیر(Impresciptible)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک طویل عرصہ تک اقتدار اعلا کا استعمال نہیں کیا گیا ہو تو اس کا نہ تو خاتمہ ہو سکتا اور نہ کھویا جا سکتا ہے۔ غیر ملکی طاقت کے ذریعے قابو پانے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ لوگوں نے کچھ عرصہ کے لیے اقتدار اعلا کا استعمال نہیں کیا ہو۔ لیکن خود مختار اقتدار کے عدم استعمال کی وجہ سے اقتدار اعلا کا خاتمہ نہیں ہوتا ہے یہ صرف نسل در نسل منتقل ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس کا علم ہونا چاہیے کہ جب تک مملکت قائم رہتی تب تک اقتدار اعلا قائم رہتی ہے۔ چاہے اس کی مدّت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو۔

18.5.9 اصلیت(Originality)

اقتدار اعلا کی سب سے اہم خصوصیت اس کا اصلی کردار ہے۔ یہ عوام کی جانب سے حاصل ہوتی ہے۔ چوں کہ عوام مقتدر اعلا ہوتے ہیں، وہ منتخب حکومت کو اقتدار اعلا منتقل کرتے ہیں یعنی وہ اختیار جو انہیں حکومت چلانے، قانون نافذ کرنے اور نہ ماننے والوں کو سزا دینے کا حق ہوتا ہے۔ یہی وہ اصل اقتدار اعلا ہے جو بالا خصوصیات سے لیس ہے۔ اقتدار اعلا مملکت کی بنیادی طاقت ہے یعنی اسے یہ طاقت کسی دوسرے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ مملکت خود ہی اسے حاصل کر کے استعمال کرتی ہے۔ جب کہ اقتدار اعلا ہی اعلا طاقت ہے یہ نہ تو کسی کو تفویض کی جا سکتی اور نہ ہی کسی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

18.6 اقتدار اعلا کی قسمیں(Types of Sovereignty)

اقتدار اعلا کی قسمیوں کو لے کر مفکروں کے درمیان بہت زیادہ اختلافات موجود ہیں۔ اقتدار اعلا سے متعلق مفکر کبھی بھی ایک رائے نہیں رہے ہیں۔ اس بنیاد پر مفکروں نے اقتدار اعلا کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں۔ ان اختلافات کی بنیاد اقتدار اعلا کی نوعیت رہی ہے۔ اقتدار اعلا کا حقیقت میں صرف ایک ہی پہلو ہو سکتا ہے جسے مملکت کا اختیارات طاقت کہا جاتا ہے۔ مختلف مفکروں نے اقتدار اعلا کی مندرجہ ذیل قسمیں بیان کی ہیں:

1. برائے نام یا نمائیشی اقتدار اعلا(Nominalor Titular Sovereignty)

2. حقیقی اقتدار اعلا(Real Sovereignty)

3. قانونی اقتدار اعلا(Legal Sovereignty)

4. سیاسی اقتدار اعلا(Political Sovereignty)

5. قانونی اور حقیقی اقتدار اعلا(Dejure and Defacto Sovereignty)

6. عوامی اقتدار اعلا(Popular Sovereignty)

18.6.1 برائے نام یا نمائیشی اقتدار اعلا (Nominal or Titular Sovereignty)

برائے نام یا نمائیشی اقتدار اعلا وہ ہوتا ہے جس کے نام پر حکمرانی کی جاتی ہو اور تمام اختیارات اس کو سپرد کر دیے جائیں لیکن حقیقت میں اس اختیار کا وہ استعمال نہیں کرتا ہو۔ اس کے پاس تمام اختیارات علامتی ہوتے ہیں اور قومی فیصلے اسی کے نام سے کیے جاتے ہیں ایسی حالت میں مملکت کے تمام حقیقی اختیارات کسی دوسرے شخص یا ادارے سے تعلق رکھتے ہوں اس قسم کی اقتدار اعلا پارلیمانی جمہوریتوں میں موجود ہوتی ہے اس کی سب سے بہتر مثال برطانیہ اور ہندوستان ہے برطانیہ میں بادشاہ یا ملکہ برائے نام یا نمائشی اقتدار ہے اور پارلیامنٹ ہی مقتدر اعلا ہے۔ ہندوستان میں صدر جمہوریہ برائے نام اقتدار اعلا ہے جب کہ وزیر آعظم اور اس کی کابینہ کو حقیقی اقتدار اعلا حاصل ہے۔

15.6.2 حقیقی اقتدار اعلا (Real Sovereignty)

حقیقی اقتدار اعلا وہ اقتدار اعلا ہوتا جس کے ذریعے حکمرانی کے تمام اختیارات حقیقت میں کسی فرد یا ادارہ کے ذریعے استعمال کیے جاتے ہیں اس طرح کے اقتدار اعلا کو حقیقی اقتدار اعلا کہتے ہیں۔ برطانیہ اور ہندوستان میں حقیقی اقتدار اعلا کا استعمال وزیر آعظم اور اس کی کابینہ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ آج بھی برطانیہ میں تمام اختیارات بادشاہ یا ملکہ کے ہاتھوں میں ہیں لیکن عملی طور پر ان تمام اختیارات کا استعمال برطانیہ کے وزیر آعظم اور کابینہ اور پارلیمنٹ کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے اور بادشاہ اور ملکہ برائے نام صدر ہیں جب کہ حقیقی اقتدار اعلا کابینہ اور پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ یہ فرق ہندوستان کی حکمرانی میں بھی موجود ہے جہاں دستور تمام اختیارات صدر جمہوریہ کو فراہم کرتا ہے جس کا استعمال وہ خود یا اپنے ماتحت کے ذریعے استعمال کرتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا استعمال ہندوستانی وزیر آعظم اور اس کی کابینہ کرتی ہے۔ اس طرح صدر جمہوریہ برائے نام اقتدار اعلا ہے اور وزیر آعظم اور اس کی کابینہ حقیقی اقتدار اعلا ہے۔

18.6.3 قانونی اقتدار اعلا (Legal Sovereignty)

قانونی اقتدار اعلا کا مطلب ہے وہ اقتدار اعلا ہے جس کو قانون کے تحت سب سے زیادہ اختیار حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ اس کا حکم ہی قانون ہے یعنی مملکت کے تمام قانون اسی کی روشنی میں طے کیے جاتے ہیں، اس قسم کی اقتدار اعلا کو آئینی حفاظت

فراہم کی جاتی اور تمام لوگوں کو اس کے قوانین کو تسلیم کرنا ہوتا ہے۔اس کی خلاف ورزی کرنے والے سزا کے مستحق ہوتے ہیں اس کی موزونیت پر کوئی سوال نہیں اٹھا سکتا ہے قانونی اقتدار اعلا اپنے شہریوں کے حقوق فراہم کرتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شہریوں کے حقوق قانونی اقتدار اعلا کی مرضی پر منحصر رہتے ہیں اور کسی بھی وقت وہ واپس لے سکتے ہیں۔ قانونی اقتدار اعلا کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہوتی ہیں (i) قانونی اقتدار اعلا ہمیشہ قطعی اور متیعن ہوتی ہے۔(ii) یہ ایک شخص یا ادارے میں موجود ہوتی ہے۔(iii) یہ منظم 'عین مطابق اور قانون سے واقف ہوتی ہے۔(iv) شہریوں کے حقوق قانونی اقتدار اعلا کا تحفہ ہے۔(v) مملکت کی مرضی کا اظہار صرف قانونی اقتدار اعلا کے ذریعے ممکن ہے۔(vi) قانونی اقتدار اعلا مطلق ہے اس پر کوئی سوال نہیں اٹھا سکتا ہے۔

18.6.4 سیاسی اقتدار اعلا (Political Sovereignty)

بہت سے سیاسی مفکرین،سائنس دانوں اور مصنفین نے اقتدار اعلا کے قانونی تصور کو بہت ہی تنگ اور گمراہ کن قرار دیئے ہیں ان میں ڈائسی (Dicey) نے کہا ہے کہ" قانونی اقتدار اعلا کے پیچھے ایک سیاسی اقتدار اعلا ہوتا ہے جس کے سامنے قانونی اقتدار اعلا کو جھکنا پڑتا ہے" سیاسی اقتدار اعلا سے مراد عوام کے رائے ہے یہ قانونی اقتدار اعلا کی سنگ بنیاد ہے اسے عدالتوں نے تسلیم کیا ہے۔اس پر رائے عامہ کا کنٹرول رہتا ہے۔ قانونی اقتدار اعلا کے پیچھے ایک اور طاقت ہے جو قانون سے واقف نہیں ہے یہ سیاسی اقتدار اعلا ہے۔ عملی طور پر قانونی اقتدار اعلا کا مطلق اور لا محدود اختیار کہیں موجود نہیں ہے یہاں تک کہ ایک آمر آزاد اور خصوصی طور پر کام نہیں کر سکتا ہے۔ قانونی اقتدار اعلا کے پیچھے اصل طاقت ہیں اسے سیاسی اقتدار اعلا کہا جاتا ہے۔ لہذا سیاسی اقتدار اعلا سے مراد رائے دہندگان اور مملکت میں ان تمام اثرات سے ہے جو عوامی رائے کو قائم کرتے ہیں جمہوریت میں رائے دہندگان' اخبار' کانفرنسوں' احتجاج' نمائندہ کمیٹیوں' تنظیموں' ہڑتالوں اور بااثر گروہ وغیرہ کے ذریعے سے قانون تشکیل کرنے والی اختیار کے اوپر اثر ڈالا جاتا ہے اور کنٹرول کیا جاتا ہے۔اس طرح عوامی رائے کی طاقت کو سیاسی اقتدار اعلا کہا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ پروفیسر گلکرسٹ نے کہا ہے کہ" سیاسی اقتدار اعلا مملکت میں اثر ورسوخ کا ایک مجموعی حصہ ہے۔ جو قانون کے پیچھے ہے۔ سیاسی اقتدار اعلا قانون سے واقف نہیں ہوتی ہے" جدید نمائندوں کی جمہوری جماعتوں میں سیاسی اقتدار اعلا کی نشاندہی اکثر وبیشتر اپنے عوام کے ساتھ یا انتخابی حلقوں یا عوام کی رائے سے کی جاتی ہے۔ ڈائسی کا قول ہے کہ" سیاسی اقتدار سیاسی طور پر خود مختار ہوتا ہے جسے وکلا تسلیم کرتے ہیں اس کے پیچھے ایک اور اقتدار اعلا ہوتا ہے جس کے سامنے قانونی اقتدار سر تسلیم خم کرتا ہے جو بالآخر مملکت کے ہسٹری اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایسی مملکت میں جہاں رائے دہندگان سیاسی اداروں کا انتخاب کرتے ہیں ان کے رائے دہندگان برطانیہ میں انتخابی طاقتور ایوان کا انتخاب کرتا ہے۔لہذا پارلیمنٹ نے رائے دہندگان کے مطالبات اور ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے قانون سازی کرتا ہے۔ڈائیسی نے کہا ہے" کہ وہی اختیار سیاسی اقتدار اعلا ہے جس کی مرضی کو آخر میں مملکت کے شہری قبول کرتے ہیں۔گارنر نے بھی وضاحت کی ہے کے قانونی اقتدار اعلا کے پیچھے ایک دوسرا اختیار بھی ہے جو قانونی طور سے نامعلوم اور غیر منظم ہیں اور جس میں اتنی قوت نہیں ہوتی ہے کہ وہ مملکتوں کی مرضی کو قانونی حکم کے طور پر ظاہر کر سکے۔

18.6.5 قانونی اور حقیقی اقتدار اعلا(Dejure and De Facto Sovereignty)

قانونی اقتدار اعلا وہ اقتدار اعلا ہوتا ہے جو ملک کے آئین، قائم قانون و روایتوں کے مطابق عہدہ پر فائز ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو حکم دینے اور اس کو قبول کرانے کا قانونی اختیار ہوتا ہے جب کہ حقیقی اقتدار اعلا وہ اقتدار اعلا ہوتا ہے جو مملکت بر تر عہدہ پر غیر قانونی یا غیر آئین طریقہ سے فائز ہو جاتا ہے اور بعد میں اپنی مرضی کو زبردستی مملکت کے تمام لوگوں پر نافذ کرنے لگتا ہے اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ قانونی اقتدار اعلا کی بنیاد قانون ہوتا ہ جب کہ حقیقی اقتدار اعلا کی بنیاد طاقت ہوتی ہے وہ اپنی طاقت کی بنیاد پر عوام سے اپنی حکم کی تعمیل کراتی ہے چاہے اسے حکمرانی کرنے یا حکم کی تعمیل کرانے کا قانونی اختیار ہو یا نہیں ہو۔ برائس کے الفاظ میں افراد کا گروہ جو اپنی اور لوگوں کی مرضی کو نشر کر سکتا ہے چاہے وہ قانون کے مطابق ہو یا قانون کے مخالف ہو وہ حکمران ہو۔ مختصر میں حقیقی حکمراں یا خود مختار جس کا حقیقت میں حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔ برائس کا خیال ہے کہ قانونی اقتدار اعلا ہی حقیقی اقتدار اعلا بھی ہو سکتا ہے اور ایک بہتر مملکت میں یہی ہونا بھی چاہے۔ آسٹن نے قانونی اقتدار اعلا اور حقیقی اقتدار اعلا میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ قانونی اقتدار اعلا اور حقیقی اقتدار اعلا لفظ حکومت کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں اقتدار اعلا کے لیے ان کا استعمال نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اقتدار اعلا کا دارومدار اطاعت میں مشتمل ہے اس لیے حقیقی اقتدار اعلا کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔

قانونی اقتدار اعلا اور حقیقی اقتدار اعلا کے مابین فرق جنگ یا انقلاب کے وقت واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ جنگ اور انقلاب مقبول قانونی اقتدار اعلا کو بر طرف کر دوسرے خود مختار حکمران کو فائز کر دیتی ہے ایسے حالات میں عوام کے لیے یہ مسائل پیدا اہو جاتے ہیں کہ وہ مقبول قانونی اقتدار اعلا کے حکم کی تعمیل کریں یا پیدا ہوئے طاقتور حقیقی اقتدار اعلا کے حکم کی تعمیل کریں تاریخ میں ایسی بہت زیادہ مثالیں موجود ہیں جب حقیقی خود مختار حکمراں نے حقیقی اقتدار اعلا اپنے ہاتھوں میں لے لی ہیں جیسے روس میں 1917 کے بالشویک انقلاب کے بعد بالشویک جماعت نے لینن کی قیادت میں اقتدار پر اپنا پورا قبضہ حاصل کر لیا۔ بالشویکوں کے ذریعے ثار کو بر طرف کر دیا گیا۔ اس طرح قانونی خود مختار حکمران ثار تھے جب کہ حقیقی اقتدار اعلا لینن کے قبضہ میں آگئی۔ ایسی تاریخ میں اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔ برطانیہ میں کرا مویل (Cromwell) نے طویل پارلیامنٹ کو برخواست کر کے حقیقی اقتدار اعلا حاصل کیا۔ اسی طرح فرانس میں نیپولین نے۔

18.6.6 عوامی اقتدار اعلا (Popular Sovereignty)

عوامی اقتدار اعلا کا مطلب یہ ہے کہ عوامی انتظامیہ کی طاقت جب حکمرانی کی حتمی طاقت لوگوں کے ذریعے استعمال کیا جاتا ہے اسے ہی عوامی اقتدار اعلا کہتے ہیں۔ اس میں عوام کی طاقت سب سے ابتر ہے۔ گارنر کے مطابق "عوامی اقتدار سے مراد صرف یہی ہے کہ جن مملکتوں میں جہاں کسی بالغ کو رائے دہی کا حق حاصل ہوتا ہے فی الحال اقتدار اعلا کی یہ شکل قابل قبول ہے۔ روسو کو عوامی اقتدار اعلا کا بہترین حامی سمجھا جاتا ہے۔ روسو کے مطابق کوئی بھی عوامی انتظامیہ اپنی مرضی کو فرمان کے طور پر اظہار کر سکتا ہے لیکن قانون مرضی عام کا اظہار ہوتا ہے روسو نے اپنی کتاب "Social Contract" میں عوامی اقتدار اعلا کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عوام آخری اور برتر اختیار کی

مالک اور تمام اختیار کا ذریعہ ہے اس کے مطابق اقتدار اعلا کسی فرد مخصوص یا فرد گروہ کی اختیار یا طاقت نہیں ہے بلکہ یہ پورے سماج کی مرضی ہوتی ہے۔ اس طرح سیاسی حکمران اختیار عوام کے ہاتھ میں ہوتی ہے"۔ عوامی اقتدار اعلا کا نظریہ لوگوں کو اعلا اختیار کی حیثیت قرار دیتا ہے۔ عوام ہی صحیح اور غلط کا فیصلہ کرتی ہے۔

18.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- اقتدار اعلا کے مفہوم اور تعریف کو سمجھا۔
- اقتدار اعلا کے ارتقا کو جانا۔
- اقتدار اعلا کی خصوصیات کو تفصیلی سے واضح کیا۔
- اقتدار اعلا کے مختلف اقسام پر بحث کی۔

18.8 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **اقتدار اعلا** : کسی ملک کی خود کی حکمرانی کرنے کا اختیار جس میں کسی اندورنی یا باہری طاقت کا مداخلت نہ ہو۔
- **حکومت** : لوگوں کا ایک جماعت جو کسی ملک پر کنٹرول یا حکمرانی کرتا ہو۔
- **حقیقی اقتدار اعلا** : کے تحت حکمرانی کے تمام اختیارات حقیقت میں کسی فرد یا ادارہ کے ذریعے استعمال کیے جاتے ہیں۔
- **قانون** : کسی مملکت یا ملک قانون جو سبھی فرد کے لیے لازمی قبول کرنا ہوتا ہے۔

18.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

18.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ اقتدار اعلا لفظ کی اصطلاحات سب سے پہلے کس مفکر نے پیش کی تھی؟

(a) John Austin (b) Jean Bodin (c) Laski (d) Garnar

2۔ اقتدار اعلا Sovereignty کس زبان سے اخذ کیا گیا ہے؟

(a) انگریزی (b) فرانسیسی (c) لاطینی (d) جرمن

3۔ "Six Book Concerning The Republic State" کتاب کے مصنف کون ہیں؟

(a) Russcau (b) Garnar (c) John Austin (d) Jean Bodin

4۔ مندرجہ ذیل میں کون اقتدار اعلا کی لازمی خصوصیت نہیں ہے؟

(a) مستقل (b) مطلق اور لا محدود (c) نا قابل تقسیم (d) دولت

5۔ یہ کس مفکر کا قول ہے کہ اقتدار اعلا "عام مرضی" میں موجود ہوتی ہے؟

(a) Hobbes (b) John Locke (c) Rousseau (d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ قانونی اقتدار اعلا کہاں موجود ہوتی ہے؟

(a) ایک شخص یا ادارہ میں (b) آئین (c) مملکت (d) گروہ میں

7۔ سیاسی اقتدار اعلا سے کیا مراد ہے؟

(a) عوام کی رائے (b) حکومت کی پالیسی (c) سیاسی نمائندوں (d) ان میں کوئی نہیں

8۔ یہ کس مفکر کا قول ہے کہ اقتدار اعلا کو منتقل نہیں کیا جا سکتا ہے؟

(a) Liber (b) Gilchrist (c) John Austin (d) Laski

9۔ کس مفکر کو عوامی اقتدار اعلا کے تصور کا بہترین حامی سمجھا جاتا ہے؟

(a) Hobbes (b) John Locke (c) Rousseau (d) Holland

10۔ اقتدار اعلا کس کا لازمی عنصر ہے؟

(a) سماج (b) حکومت (c) مملکت (d) علاقہ

18.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ اقتدار اعلا سے کیا مراد ہے؟

2۔ اقتدار اعلا کی کوئی پانچ تعریف بیان کیجیے۔

3۔ قانونی اقتدار اعلا سے کیا مراد ہے وضاحت کیجیے؟

4۔ عوامی اقتدار اعلا پر مختصر نوٹ لکھیے۔

5۔ برائے نام یا نمائشی اقتدار اعلا اور حقیقی اقتدار اعلا میں کیا فرق ہے؟

18.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ اقتدار اعلا کی قسمیں بیان کیجیے۔

2۔ اقتدار اعلا کے ارتقا پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

3۔ اقتدار اعلا کی اہم خصوصیات کی وضاحت کیجیے۔

18.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Anup Chand Kapur (2010), Principles of Political Science, S.Chand New Delhi
2. Asirvatham and Mishra K.K (2010), Political Theory, S.Chand New Delhi
3. S.R. Myneni (2018), Political Science, Allahabd Law Agency
4. Agrawal R.C (2004), Political Theory, S. Chand, New Delhi
5. J.C. Johari (2019), Principles of Modern Political Science, Sterling Publishing House
6. Pravin Kumar Jha (2012), Political Science, Pearson Education, New Delhi
7. Robest E. Goodin (2011), Oxford Handbook of Political Science OUP, Oxford
8. Sabine G.H.(2014), A History of Political Theory, Oxford
9. Sushil Rama Swamy (2010), Political Theory: Ideas and Concepts PHI Learning, New Delhi

اکائی 19۔ اقتدار اعلا کا وحدانی نظریہ

(Monistic Theory of Sovereignty)

اکائی کے اجزا

19.0 تمہید

19.1 مقاصد

19.2 اقتدار اعلا کی تعریف

19.3 اقتدار اعلا کے اقسام

19.4 آسٹن کے اقتدار اعلا کا نظریہ

19.5 آسٹن کا تنقیدی جائزہ

19.6 تکثیریت کے حامیوں کا نظریہ

19.7 اکتسابی نتائج

19.8 کلیدی الفاظ

19.9 نمونہ امتحانی سوالات

19.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

19.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

19.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

19.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

18.0 تمہید (Introduction)

اقتدار اعلا مملکت کا وہ لازم جز ہے جس سے کسی بھی قوم کو یا جماعت کو مملکت کا درجہ مل جاتا ہے۔اقتدار اعلا ایک درجہ ہے، ایک قرار داد ہے۔ایک بر تر اختیار اور کسی بھی علاقے میں مستقل رہائش کردہ عوام کو حاصل کرنے والا درجہ حق اقتدار اعلا ہے جس کی روسے ان کو مملکت کا درجہ مل جاتا ہے اگر اس آزادی' یا اقتدار اعلا کو کوئی مملکت یا فرد ختم کردے یا

چھین لے تو یہ علاقہ اس مملکت کی کالونی کہلائے گا۔اگر فرد نے قبضہ کیا تو یہ اس کے زیر اقتدار ہو جاتا ہے۔اس سبق میں اقتدار اعلا کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اقتدار اعلا مملکت کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔لازمی طور پر یہ ایک قانونی تصور ہے جو مملکت کو اعلا اور آخری قوت دیتا ہے یعنی یہ مملکت کا لازمی جز ہے اور اس کی وجہ سے تنظیم یا انجمن کو مملکت سے مختلف سمجھا جاتا ہے۔ہر مملکت میں ایک قانونی حکمرانی ایسی ہوتی ہے جس کے حکم کے احترام کی پابندی مملکت میں ہر شخص' ہر ادارے اور ہر تنظیم پر عائد ہوتی ہے۔مملکت کا یہ اختیار لامحدود ہے جس کے اوپر کوئی قانونی اختیار نہیں ہوتا۔

ہر مملکت میں ایک اعلا انجمن ہوتا ہے جس کے پاس اعلا اقتدار ہوتا ہے جس سے وہ مملکت کے خواہش کو قانونی درجہ دیتا ہے۔یہ اقتدار اعلا ایک شخص ہو سکتا ہے یا ایک جماعت۔اس کی خواہش کی پابندی ہر شخص' انجمن اور تنظیم پر ہے جو مملکت کے دائرے میں ہیں۔افراد اور انجمن کے درمیان اختلاف ہو یا انجمن کے بیچ میں اختلاف ہو اس میں اقتدار اعلا کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔یہ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقتدار اعلا آخری مطلق' لا محدود قوت کے مترادف ہے۔اقتدار اعلا پر کوئی قانونی پابندی نہیں ہوتی ہے۔

مملکت اپنے اقتدار اعلا کو یا تو قوت کے ذریعے یا رضا مندی سے اور اکثر دونوں کے میل سے لاگو کرتا ہے۔آمرانہ حکومت میں حکومتی جماعت اپنے قوت کی شائیس کرتی ہے اس کی طاقت عوام کی رضا مندی سے نکلی نہیں ہوتی ہے۔لیکن جمہوری مملکت میں حکومتی جماعت اپنے طاقت کا استعمال پسند اور بات چیت کے ذریعے کرتی ہے۔جمہوری مملکت میں قانون عوام کے رائے کی نمائندگی کرتی ہے۔

16.1 مقاصد (Objectives)

اس مضمون کے مطالعے سے طلبا اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ اقتدار اعلا کا مفہوم سمجھ سکیں۔اس کے معنی اور تعریف کی وضاحت کر سکیں۔اقتدار اعلا کی اقسام کو بیان کر سکیں اور اس کی خصوصیات کو بھی سمجھ سکیں۔آسٹن کے نظریہ اقتدار پر اس کے وحدانی پہلو پر اقتدار اعلا کے تکثیری پہلو اور پھر اس پر بین الاقوامیت کے اثرات کا جائزہ لے سکیں۔

19.2 اقتدار اعلا کی تعریف (Definition of Sovereignty)

مختلف سیاسی مفکرین نے مختلف طریقہ سے اقتدار اعلا کی تعریف کی ہے۔

1۔ برگیس(**Burgess**)**کے مطابق** "اقتدار اعلا افراد اور افراد کے تمام انجمنوں پر مطلق لا محدود اختیار ہے۔جان آسٹن نے اقتدار اعلا کے بارے میں کہا ہے کہ یہ مملکت کا ایک قانونی وصف ہے جو اس کے حدود کے اندر

معاملات کے تعلق سے بیرونی زور یا قید سے آزاد ہو کر فیصلہ کرنے کا حق دیتا ہے۔"

2۔ بودنؔ(Bodin)**کے مطابق**"اقتدار اعلا مملکت کا وہ بر تر اختیار ہے جو قانون کے تابع نہیں۔"

3۔ **ویلوبی**(Willoughby)**کے مطابق**" اقتدار اعلا مملکت کی بر تر خواہش ہے۔"

4۔ **جیلی نیک**(Jellineck)**کے مطابق**" اقتدار اعلا وہ خصوصیت ہے جس کی وجہ سے مملکت قانونی طور پر پابند نہیں ہوتا ہے سوائے اپنے کسی اور اقتدار کا۔"

5۔ **گروٹیس**(Grotius)**کے مطابق** "اقتدار اعلا ایک اعلا سیاسی طاقت جس میں محصل ہوتا ہے جس کا کام کسی اور کے زیر نہیں ہوتا اور ناہی اس کے خواہش کو کوئی اور مسترد کرسکتا ہے۔"

6۔ **لاسکی**(Laski) کے نظریے سے "اقتدار اعلا ہی مملکت کے علاقوں میں سب لوگوں کو اور ان کے انجمن کو حکم صادر کرتی ہے۔یہ کسی کے حکم کے پابند نہیں۔اس کی خواہش کسی قانونی حدود کی پابند نہیں۔اس کی ہر خواہش صرف فرمان ہی سے درست ہے۔اس طرح اقتدار اعلا سے مراد آخری اور لا محدود قانونی اختیار ہے۔"

لفظ اقتدار اعلا کو انگریزی میں Sovereignty کہتے ہیں جو لاطینی زبان کے لفظ Superanus سے نکلا ہے۔جس کے معنی ہے برتر۔ حالاں کہ جدید مفہوم ہے لیکن اس کی تاریخ ہمیں ارسطو تک لے جاتی ہے' جس نے مملکت کی برتری کی بات کہی تھی۔وسطی زمانے میں بھی رومن قانون داں اور شہریوں نے اس نظریہ کو اپنے ذہن میں رکھا اور مملکت کے برتر اختیار کی بات کہی۔15/ویں صدی میں پہلی بار فرانسیسی قانون داں نے اقتدار اعلا کے مفہوم کو استعمال کیا اور اس کے بعد یہ مفہوم انگریزی' اطالوی اور جرمن سیاسی ادب میں نظر آیا۔اقتدار اعلا کا مفہوم Bodin کے یہاں بھی ملتا ہے۔1776ء میں Bodin کی کتاب "The Six Books of the Republic" شائع ہوئی جس کے ذریعے علم سیاست میں پہلی بار لفظ اقتدار اعلا کا استعمال ہوا تھا۔

اقتدار اعلا مملکت کا وہ بر تر اور لا محدود آخری اور تنہا اختیار ہے جس کے آگے اور جس کے اوپر کوئی قانونی اختیار نہیں۔اقتدار اعلا کے دو پہلو ہیں ایک داخلی اور دوسرا خارجی۔

داخلی اقتدار اعلا (Internal Sovereignty)

اقتدار اعلا کے داخلی پہلو سے مراد یہ ہے کہ مملکت میں رہنے والے تمام افراد اور انجمنوں' اداروں پر اقتدار اعلا حاکم ہے ادارہ اور تنظیموں پر اقتدار اعلا کے قانون و حکم کا نفاذ ہوگا اور یہ اختیار مملکت کے رقبے میں لا محدود ہے۔مملکت اپنے قانون سازی میں کسی طرح کے اندرونی اور بیرونی دباو میں نہیں آتا ہے۔

بیرونی اقتدار اعلا (External Sovereignty)

مملکت اپنے داخلی معاملات میں ہر طرح کے بیرونی دباؤ اور مداخلت سے آزاد ہوتا ہے۔مملکت اپنے داخلی معاملات میں

بیرونی طور پر آزاد ہوتا ہے اس کی وجہ سے مملکت اپنے داخلی معاملات میں لا محدود اختیار رکھتی ہے۔جب کسی مملکت کے داخلی یا خارجی اقتدار اعلا ختم ہو جائے تو مملکت کا وجود ختم ہو جاتا ہے پھر یہ کسی دوسرے مملکت کا اکائیAnnexeیا کالونی بن جاتی ہے۔

سولھویں صدی میں Jean Bodin نے اپنی کتاب مملکت کے چھ کتابیں میں داخلی اقتدار اعلا کے پہلو کا تجزیہ کیا اور اس کے بعد اسی صدی کے ماہرین قانون Hugo Grotius نے اقتدار اعلا کے خارجی پہلو کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔بعد میں تھامس ہابس (Thomas Hobbes) نے اقتدار اعلا کے قانونی نقطہ نظر کی تشکیل کی اور اس کے بعد جان لاک (John Locke) نے سیاسی اقتدار کو واضح کیا۔ آسٹن نے اقتدار اعلا کے وحدانی نظریے کو قبول کیا۔حالیہ دور میں تکثیریت (Pluralism) کے ماننے والے سیاسی مفکروں نے اقتدار اعلا کے مطلق اور ناقابل تقسیم وحدانی نقطہ کو چیلنج کیا ان کی دلیل یہ ہے کہ اقتدار اعلا ایک وحدت نہیں ہے یہ مملکت اور انجمنوں میں یا اداروں میں تقسیم ہوتی ہے۔

اقتدار اعلا کے خوصوصیات (Characteristics of Sovereignty)

اقتدار اعلا کے معنی اور تعریف سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اقتدار اعلا کے مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔

1۔ دائمی یا مستقل حیثیت(Permanence)

اقتدار اعلا کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ لازمی طور پر دائمی ہونا چاہیے بلکہ اقتدار اعلا جب تک ہے تب تک ہی مملکت بھی ہے۔مملکت کی حیات اور موت اقتدا ر اعلا پر منحصر ہے۔اقتدار اعلا کی موت ہو سکتی ہے مگر یہ ہمیشہ باقی رہتا ہے اس لیے ایسا کہا جاتا ہے راجہ کی موت ہو جاتی ہے مگر تاج ہمیشہ باقی رہتا ہے یعنی راجہ کی موت ہوتی ہے مگر تاج نہیں مرتا۔

2۔ وحدانیت(Exclusiveness)

کسی بھی مملکت میں اقتدار اعلا واحد مقتدر اعلا کے اختیار میں ہوتی ہے۔کسی بھی مملکت میں ایک سے زیادہ مقتدر اعلا نہیں ہو سکتے۔مملکت میں صرف اقتدار اعلا کو ہی اعجاز حاصل ہے جو لوگوں کو فرماں برداری کے لیے مجبور کر سکتا ہے یہ مملکت میں رہنے والے تمام علاقے کے باشندوں پر لاگو ہوتا ہے۔اقتدار اعلا تنہا ہے اس کا کوئی نہیں نہ ہی برابری والا ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا دعوہ کر سکتا ہے۔

3۔جامعیت اور ہمہ گیریت اقتدار اعلا ہمہ گیر ہے (All Comprehensive and Universal)

یہ مملکت میں رہنے والے تمام افراد اور انجمنوں پر عاید ہوتی ہے کوئی بھی اس کے کنٹرول (Control) سے آزاد نہیں ہے صرف غیر ملکی سفارتی نمائندے اس سے مشتنی ہے۔لیکن اقتدار اعلا سفارتی نمائندوں کو دی گئی مراعت کو کبھی بھی ختم کر سکتا ہے۔اقتدار اعلا مملکت میں کام کرنے والی سبھی اداروں' جماعتوں اور انجمنوں کے کاموں سے غیر متاثر ہوتا ہے۔

4۔ناقابل تقسیم(Indivisibility)

اقتدار اعلا ناقابل تقسیم ہوتا ہے مملکت میں ایک سے زیادہ مقتدر اعلا نہیں ہو سکتے۔اقتداراعلا کو مختلف اکایوں' اداروں اور انجمنوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہے مفکر گیٹیل (Gettel) کا کہنا ہے کہ اس کو بانٹنا اس کو تباہ کرتا ہے وفاقی نظام حکومت میں مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کا بٹوارہ ہوتا ہے اقتدار اعلا کا نہیں۔لیکن جب ایک مملکت دو حصوں میں تقسیم ہوتی ہے اور اس سے دو مملکت وجود میں آتے ہیں تو دونوں کے پاس اقتدار اعلا ہوتا ہے۔

5۔ناقابل انتقال(Inalienability)

اقتدار اعلا مملکت کا ایسا لازم جز ہے جیسے جسم میں روح۔اقتدار اعلا کو مملکت سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

6۔مطلق(Absoluteness)

ہم اگر قانونی نقطہ نظر سے دیکھیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اقتدار اعلا مطلق ہے۔یہ مملکت کا سب سے اعلا اور برتر حکم ہے اس کے برابر اور برتر مملکت میں کوئی دوسرا حکم نہیں ہوتا ہے۔داخلی طورپر اقتدار اعلا مملکت میں رہنے والے ہر فرد اور ادارہ سے برتر ہے۔خارجی طور پر اقتدار اعلا بیرونی ممالک کے دباؤ اور مداخلت سے آزاد ہے۔اقتدار اعلا آخری اختیار ہے یہ آسانی سے کسی مسئلہ کو حل کر سکتا ہے اور کسی بھی قانون کو بدل سکتا ہے یا پھر اس کو ختم کر سکتا ہے۔

19.3 اقتدار اعلا کے اقسام (Types of Sovereignty)

1۔ برائے نام اقتدار اعلا (Titular Sovereignty)

جب مقتدر اعلا کو کوئی حقیقی اختیار نہ ہو تو اس کو برائے نام اقتدار اعلا کہتے ہیں۔زمانہ قدیم میں بہت ساری مملکتوں میں بادشاہت رائج تھی اور ان کے حکمران بادشاہ تھے اور ان کے پاس کم اختیارات تھے اور ان کے وزراء اور پارلیمنٹ ان کے ماتحت اور محتاج تھے۔

مثال کے طورپر انگلینڈ (England) میں بادشاہت تھی لیکن جب وہاں جمہوریت قائم ہوئی تو بادشاہت کو ختم نہیں کیا گیا کیونکہ وہاں کے عوام میں بادشاہت کی عزت تھی 1688 کے انقلاب کے بعد بادشاہ کے اختیار چھن گئے اور پارلیمنٹ کے پاس سارے اختیار آگئے بادشاہ مملکت کا مکھیا ہوتا ہے مگر اس کے پاس میں حقیقی اختیار نہیں ہوتا۔وہ ربر کی مہر کے مانند ہے وہ اب حکومت کا نگراں ہے مگر حکمران نہیں۔جیسے وہاں کے ملکہ کا کام حکومت کی حوصلہ افزائی' خبر گیری اور تنبیہ ہے لیکن اقتدار اعلا کے اختیار سے محروم ہیں۔بلکہ وزیر اعظم کے مشورے کی پابند ہیں وہ صرف انہیں کاموں کو کرتی ہیں جیسا کی ان کو وزیر اعظم سے مشورہ ملتا ہے۔

2۔ قانونی اقتدار اعلا (Legal Sovereignty)

قانونی اقتدار اعلا مملکت کا وہ قانونی اختیار ہے جس کے روسے وہ قطعی اور آخری حکم صادر کرتی ہے اور اس کے ہدایت پر مملکت میں قانون کا انعقاد ہوتا ہے اور نافذ کیا جاتا ہے کسی بھی مملکت میں جو قوانین ہوتے ہیں ان کی پابندیاں وہاں کے باشندوں پر لازم ہے مملکت میں ایک ایسی قوت ہوتی ہے جو قانون کو نافذ کرتی ہے مملکت کا یہی قانونی اختیار قانونی اقتدار اعلا کہلاتا ہے۔مثال کے طورپر انڈیا میں صدر مملکت اقتدار اعلا ہیں۔مقتدر اعلا کا اختیار کامل اور محدود ہوتا ہے۔ محض اس کی خواہش ہی قانون ہے قانونی اقتدار اعلا وہ اقتدار اعلا ہے جس میں ایک شخص یا جماعت قانونی طور پر آخری حکم جاری کرنے کی اختیار رکھتی ہو۔اقتدار اعلا کے حکم کی مخالفت کا حق کسی فرد یا جماعت کو نہیں ہوتی ہے قانونی اقتدار اعلا کا اختیار مطلق ہوتا ہے موٹے طور پر قانون اقتدار اعلا کی خواہش ہے۔اس کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔شہریوں کے تمام حقوق کو قانونی اقتدار اعلا کے ذریعے نافذ کیا جاتا ہے۔ قانونی اقتدار اعلا کے کچھ خصوصیات ہیں جس پر غور کرنا لازمی ہے۔

- قانونی اقتدار اعلا ہمیشہ قطعی اور متیعن ہوتی ہے۔
- یہ ایک شخص یا ادارے میں موجود ہوتی ہے۔
- یہ منظم ٗعین مطابق اور قانون سے واقف ہوتی ہے۔
- شہریوں کے حقوق قانونی اقتدار اعلا کا تحفہ ہے۔
- مملکت کی مرضی کا اظہار صرف قانونی اقتدار اعلا کے ذریعے ممکن ہے۔
- قانونی اقتدار اعلا مطلق ہے اس پر کوئی سوال نہیں اٹھا سکتا ہے۔

3۔ سیاسی اقتدار اعلا(Political Sovereignty)

قانونی اقتدار اعلا کا خیال عام طور سے خصوصی قانون پر مبنی ہے۔Dicey کا نظریہ یہ کہ اقتدار اعلا جس کو قانون دان مانتے ہیں اس کی پشت پر ایک اور اقتدار اعلا ہوتا ہے جس کے سامنے قانونی اقتدار اعلا بھی جھکتا ہے اسے سیاسی اقتدار اعلا کہتے ہیں۔ ہر منظم مملکت میں قانونی اقتدار اعلا سیاسی اقتدار اعلا کو واجب توجہ دیتا ہے۔Gilchrist کے مطابق مملکت میں قانون کے پشت پر عوامی اجتماعی اثر سیاسی اقتدار اعلا ہے۔جدید جمہوری نظام میں ہم سیاسی اقتدار اعلا کو عوام کی اجتماعی قوت واثر کہہ سکتے ہیں۔اس کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سیاسی اقتدار اعلا عوام کے اس جماعت کے ہاتھ میں ہوتی ہے جن کے اثر میں تمام لوگ ہوتے ہیں۔یہ عوام کا کل نظریہ ہے جب عوام کی خواہش یا رائے کو سیاسی شکل دی جاتی ہے تو اس کو ہی سیاسی اقتدار اعلا کہتے ہیں۔جس کی ترجمانی قانونی اقتدار اعلا کرتی ہے۔یہ دونوں ہی مملکت کی اقتدار اعلا کے دو پہلو ہیں۔جب سیاسی اقتدار اعلا قانونی اقتدار اعلا کی پشت پناہی کرتی ہے تو قانونی اقتدار اعلا ہونے والی بر تر مطلق اور ہمہ گیر درجہ اختیار کرتی ہے۔اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ قانونی اقتدار اعلا سیاسی اقتدار اعلا کی خواہش کا احترام کرتی ہے اور سیاسی اقتدار اعلا

قانونی اقتدار اعلا کو کنٹرول کرتی ہے۔

قانونی اقتدار اعلا سیاسی اقتدار اعلا کے ذریعے وجود میں آتی ہے اور اقتدار میں رہتی ہے اور اس کے مقاصد کی تکمیل کرتی ہے۔ یہ قانون کے پس پشت ایک مملکت کار فرما اثرات کا مکمل مجموعہ ہے۔ مفکرین کے رائے میں رائے دہندگان یا شہریوں کی دو جماعت قرار دیا ہے۔ جس کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے اور بعض ان کو عوامی رائے قرار دیتے ہیں۔ بعض عوامی اثر' طاقت یا خواہش کا نام دیتے ہیں۔

4۔ عام اقتدار اعلا(Popular Sovereignty)

اس سے مراد عوام کا اقتدار اعلا ہے جو تمام عوام کی حقیقی مرضی کی نمائندگی کرتی ہے۔ عوامی اقتدار اعلا کا نظریہ جمہوریت کی بنیاد ہے۔ ایک جمہوری مملکت میں اس نقطہ نظر کے تحت عوام کو اقتدار اعلا کا سر چشمہ سمجھا جاتا ہے۔ اس نظریہ کا بڑا مبلغ روسوہے۔ اس کی رائے میں رائے عامہ ہی اقتدار اعلا ہے جو عوام کی حقیقی رائے کی نمائندگی کرتی ہے۔ کچھ مفکرین نے عوامی اقتدار اعلا کو کسی مملکت میں حکمرانی کی ذاتی اختیار اعلا سے تضاد کا نام دیا ہے۔ عوامی اقتدار اعلا میں عوام کو بر تر سمجھا جاتا ہے۔

امریکہ میں عام اقتدار اعلا کے اصول کا بانی جیفرسن کو سمجھا جاتا ہے۔ امریکہ کے آئین کی تجویز عام اقتدار اعلا کی عکاسی کرتا ہے۔ مملکت کے ارتقا کا مقصد ہی عوام کے رائے کی اور خواہش کی تکمیل کرنا ہے۔

5۔ قانونی اور حقیقی اقتدار اعلا(De Jure and De facto Sovereignty)

اس میں ضرور فرق کر لینا چاہیے۔ قانونی اقتدار اعلا کی بنیاد قانون پر ہے۔ اس کی خصوصیت حکومت کرنے کے حق اور فرماں برداری حاصل کرنا ہے۔ مملکت کے اعلا ترین احکامات جاری کرنے کے لیےاختیار ہوتا ہے اور اس اختیار کی تعمیل کرانے کا بھی اختیار اسے حاصل ہے۔ حقیقی اقتدار اعلا وہ ہے جس کو اصلاً لوگ مانتے ہیں او راس کے حکم کی پابندی کرتے ہیں۔

عام طور پر جب لوگ قانونی اقتدار اعلا کی نا اہلی یا ظلم و ستم یا ناانصافی سے تنگ آجاتے ہیں اور ان کو لگتا ہے کہ اب ان کو اس سے چھٹکارہ نہیں مل سکتا تب سماج میں ایک ایسا رہنما ابھرتا ہے جو انقلاب کی آواز اٹھاتے ہوئے اپنی قابلیت یا روحانی قوت سے لوگوں کو اس قدر متاثر کر لیتا ہے کہ لوگ اسے خداداد صلاحیت کا حامل سمجھنے لگتے ہیں اور اس کی اطاعت کرنا شروع کردیتے ہیں اور اپنے اس رہنما کے احکامات کو قانونی اقتدار اعلا کے احکامات سے مشابہت کرنے لگتے ہیں۔

اس طرح کی مثالیں کئی بار دیکھنے کو ملی ہیں جیسے جنوبی افریقہ میں نیلسن منڈیلا اور ایران میں آیت اللہ خمینی اور ہندوستان میں آزادی سے پہلے مہاتما گاندھی تیسری دنیا کے ممالک میں عام طورپر دیکھا گیا ہے کہ زیادہ تر حقیقی اقتدار اعلا نے انقلاب کے بعد قانونی اقتدار اعلا کی جگہ حاصل کی ہے۔ حقیقی اقتدار اعلا کی بنیاد طاقت پر قائم ہے۔ ایسا اقتداراعلا سازش یا حکومت کا تختہ پلٹنے کے لیے اقتدار حاصل کرتا ہے۔ یہ اقتدار اعلا کوئی فوجی جنرل یا وزیر اعظم کو دستور کو پامال کرکے

اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے اقتدار کا اعلان کرتا ہے۔

19.4 آسٹن کے اقتدار اعلا کا نظریہ (Austin Theory of Sovereignty)

جب ہم اقتدار اعلا کا قانونی تجزیہ کرتے ہیں تو یہ پاتے ہیں کہ تاریخی طور پر اس کا جڑ سلطنت روم سے وابستہ ہے۔روم کے قانون دانوں نے سلطنت کے اصول پر کام کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ قانون کا منبع شہنشاہ کی خواہش ہے دور جدید میں اقتدار اعلا کی ترقی اور اس کے اصول موٹے طور پر مملکت کے قوت کے ساتھ بڑھا ہےBodinسے لے کر Hobbes اور Benthamسے ہوتے ہوئے اقتدار علیٰ کا قانونی نظریہ اپنے انتہا تک آسٹن کی کتاب "Lecture on Juris"جو 1832میں شائع ہونے پر پہنچی۔

انگریز قانون داں جان آسٹن کی مذکور بالا کتاب اس کی اقتدار اعلا پر قانونی نظریہ کی عکاسی کرتی ہے آسٹن نے قانون کے تعریف کے ذریعے اقتدار اعلا کی تعریف کی ہے۔اس بنا پر وہ اقتدار اعلا کو کہتا ہے کہ یہ بر تر کی طرف سے کم ترکو دیا جانے والا حکم ہے۔جب ایک متعین بر تر شخص جو اس درجہ کے کسی برتر کے احکام کی تعمیل کا عادی نہ ہو بلکہ عوام عادتاً اس کی اطاعت کے عادی ہوں یہ مقرر برتر فرداس علاقہ میں مقتدار اعلا ہے اور وہ سماج سیاسی ہے اور آزاد ہے۔وہ مزید لکھتا ہے کہ اس متعین برتر فرد پر سماج کے سب لوگ انحصار کرتے ہیں اور اس کی کیفیت ان بر تر کی طرف ماتحتی اور انحصاری کی ہوتی ہے سماج میں ہر قانون گویا کہ وہ نرم ہویا سخت مقتدر اعلا یا جماعت ہی کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔یہ سماج سیاسی طور پر آزاد سماج ہے اور وہ شخص یا جماعت مقتدر اعلا ہے یا بر تر ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ آسٹن کا اقتدار اعلا کا نظریہ بالکل قانونی ہے اور وحدانیت ہے کہ ایک متعین جماعت یا شخص بھی کو اقتدار اعلا کا درجہ حاصل ہے جس کی اطاعت تعمیل، ماتحتی سماج میں رہنے والے ہر شخص ہر ادارے اور ہر جماعت پر واجب ہے۔اس نظریہ کے تحت ہی قانونی طور پر ایک سماج جس میں متعین برتر کو مقتدر اعلا کہا ہے۔اس سماج کو سیاسی اور آزاد کہا ہے اس طرح سے آسٹن کے نظریہ میں مملکت اور اقتدار اعلا کا واحد ہونے کی عکاسی ملتی ہے آسٹن کہ مطابق ہم دیکھتے ہیں کہ ہر آزاد سیاسی سماج میں ایک فرد یا چند کی اطاعت عوام عادتاً کرتی ہے اور مملکت میں اس مقتدر اعلا کے رتبہ کا کسی اور کو اعزاز نہیں ہوتا ہے مقتدر اعلا ایک متعین بر تر شخص یا افراد کی جماعت کا برتر اختیار ہے اور اس کے تحت وہ مقتدر اعلا کا استعمال کرتا ہے۔عوام اس کی اطاعت اس لیے نہیں کرتی کہ یہ مقتدر اعلا کا حق ہے بلکہ اس کی اطاعت اس لیے کرتی ہے کہ یہ مقتدر اعلا کا اختیار ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی اطاعت کے لیے مجبور کرے۔روسو کے نظرمیں مقتدر اعلا رائے عامہ پر مبنی ہے تو آسٹن کی نظر میں یہ زور قوت پر مبنی ہے۔آسٹن کے نظریات کی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

ہر سیاسی آزاد سماج میں ایک مقتدر اعلا ہوتا ہے یہ اقتدار اعلا ہر آزاد سیاسی سماج کا رکن ہے۔

1۔ اقتدا ر اعلا ایک مقرر متعین فرد یا افراد کی جماعت کے اختیار میں ہوتی ہے کوئی بھی مقتدر اعلا غیر مقرر یا غیر متعین ہو سکتا ہے۔

2۔ مقتدر اعلا کے اختیارات قانونی طور پر لا محدود ہیں۔

3۔ مقتدر اعلا کے اطاعت لوگ عادتاً کرتے ہیں یہ اطاعت ان کے عادت میں ضروری طور پر ہوتا ہے کبھی کبھار نہیں۔

4۔ مقتدر اعلا کے اختیارات ناقابل تقسیم، ناقابل انتقال، مطلق اور دائمی ہوتا ہے۔

5۔ مقتدر اعلا کا حکم قانون ہے اس کے حکم کی خلاف ورزی جرم ہے۔

6۔ مختصراً اقتدار اعلا کا آسٹن کے ذریعے تجزیہ بر تر اختیار کی بقاء کی نشاندہی کرتا ہے تکثیریت والے سیاست اقتدار اعلا سے متعلق دوسرے پریشانیوں کا سامنا کرتا ہے اقتداراعلا پر قابض فرد پہ مملکت کے فرائض میں فلاح و بہود گی کو بھی شامل کیا گیا ہے جس سے مملکت کے اختیارات اور زیادہ بڑھ گئے، یوں ہے کہیں تو انتہا پر پہنچ گئے کہ زندگی کا کوئی شعبہ مملکت کے مداخلت سے آزاد نہیں رہا۔

19.5 آسٹن کا تنقیدی جائزہ (Critical Evaluation of Austin)

1۔ آسٹن کے اقتدار اعلا کو اس بنا پر بھی تنقید کیا گیا ہے کہ یہ اقتدار اعلا کو مطلق اور لا محدود قوت دیتا ہے جب کہ تکثیریت کے حامیوں کا ماننا ہے کہ مملکت بھی دیگر مختلف انجمنوں کی مانند ایک انجمن ہے۔اس وجہ سے مملکت کے خود مختار اقتدار کو انوکھا اعلا قوت نہیں دیا جا سکتا۔

2۔ ایک تکثیری مملکت میں یا اس مملکت میں جہاں شہریوں کو ان کے بنیادی حقوق حاصل ہوں وہاں اقتدار اعلا کی خصوصیت آسٹن کے اقتدار اعلا کی سی نہیں ہو سکتی اس کے علاوہ قانونی اقتدار اعلا، سیاسی اقتدار اعلا اور عوامی اقتدار اعلا سے مختلف ہے اس بنا پر یہ ممکن نہیں ہے کہ قانونی اقتدار اعلا کو سیاسی فکر کے لیے مناسب مانا جائے۔

3۔ آسٹن کا اقتدار اعلا کا اصول اقتداراعلا کے بارے میں وکلاء کا نظریہ ہے جو تنقیدی تحقیق کا مضمون ہوگیا۔ہنری مین کے مطابق اقتدار اعلا ایک فرد کے تعین میں نہیں رہتا۔

4۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آسٹن کا اقتدار اعلا قانون کا واحد خالق نہیں ہے۔Duguitنے تو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مملکت قانون کو نہیں بناتا بلکہ مملکت کو قانون بناتا ہے ان کے مطابق قانون محض سماجی ضرورتوں کا اظہار ہے۔

5۔ اکثریت پسندوں کے مطابق اقتداراعلا قابل تقسیم ہے۔لاسکی(H.J.Laski)کے رائے میں سیاسی فلسفہ کے لیے اقتدار اعلا کے قانونی نظریہ کو درست بتانا ناممکن ہے۔ علم سیاست کا دائمی فائدہ ہوگا اگر اقتدار اعلا کے تصور کو چھوڑ دیا جائے۔Lindsay لینڈسے کہتا ہے کہ ہم ان حقائق پر نگاہ ڈالتے ہیں جس سے یہ واضح ہوتا ہے ہ حود مختار مملکتوں کا

نظریہ منہدم ہو گیا ہے۔(Barker) بارکر کا بھی یہی نظریہ ہے کہ علم سیاست کے کچھ بیکار اصول کی طرح اقتدار اعلا (Sovereign)کا اصول بھی کار آمد نہیں ہے۔تکثریت پسند مملکت کے برتری کے دعووں کو اس بنیاد پر چیلینج کرتے ہیں کہ معاشرہ بہت سی انظمنوں پر مشتمل ہے اور مملکت ان میں سے ایک ہے اس وجہ سے مملکت کو برادری کی حود مختار طاقت سے نہیں نواما جا سکتا ہے۔اقتدار اعلا قابل تقسیم ہے اور اسے مملکت اور افراد کے مختلف انجمنوں کے مابین تقسیم ہونا چاہیے۔

6۔ اقتدار اعلا وفاق میں کسی مطعین شخص کے ساتھ نہیں رہتی۔وفاقی مملکت میں اقتدار اعلا کی مطعین کے ساتھ نہیں رہتی اور کسی وفاقی مملکت میں خود مختار دریافت کرنا نا ممکن ہے۔کسی وفاقی مملکت میں اقتدار اعلا کا پتہ لگانا بھی بہت مشکل ہے۔مثال کے طورپر U.S.Aمیں اقتدار اعلا ناہی صدر کے فرد کے ساتھ رہتی ہے نا اس کے عہدہ کے ساتھ اور ناہی کانگریس کے ساتھ۔بلکہ اقتدار اعلا آئین (Constitution)کے ساتھ رہتا ہے۔

7۔ اقتدار اعلا قوانین کی پُشت پر صرف طاقت کی منظوری نہیں ہے بلکہ عوام کی مرضی بھی اس کے منظوری میں شامل ہے لہذا آسٹن (Austin) کا اقتدار اعلا کا نظریہ غلط ہے۔جدید دور میں قوانین عوام کے نمائندوں کے ذریعے بنائے جاتے ہیں تاکہ خود مختار کی مرضی ہے۔

8۔ Austin کا نظریہ خود مختار کو مکمل اور مطلق بناتا ہے گو کہ یہ نظریہ خود مختار کو مطلق العنان بناتا ہے مگر عملی طورپر یہ ممکن نہیں ہے۔ابتدائی اور وسطیٰ زمانے میں اس طرح کے مطلق العنان بادشاہ گزر چکے ہیں مگر یہ اپنے عمل اور طرز عمل میں مکمل طورپر مطلق نہیں رہ سکے۔وہ اخلاقیات' ضابطہ اخلاق اور مذہب کے شکنجے کے تابع تھے۔اگر انہوں نے مروج' اخلاقیات اور مذہبی اصولوں کے خلاف ورزی کرنے کی کوشش کی تو انہیں بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔

19.6 تکثیریت کے حامیوں کا نظریہ (Views of Supporters of Pluralism)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ تکثیریت کے مفکرین میں چند نام قابل ذکر ہیں۔مثلاً مٹ لینڈ' سے کول' بارکر' کریب' درخیم اور لاسکی وغیرہ۔گائرک کہتا ہے کہ یہ عام نظریہ مان لینا چاہیے کہ مستقل انجمنیں اس طرح سے حقوق اور فرائض رکھتی ہیں جس طرح گروہوں کو مملکت نے کار پوریشن کے درجہ میں مان لیا ہے۔لاسکی کے نظریہ میں مملکت سماج کی بہت سی انجمنوں میں سے ایک ہے اور اس کو قطعی حق نہیں کہ وہ عوام سے ان کے محکوم ہونے کا اقتدار اعلا بھی متحد ہونا چاہیے دعویٰ کرے۔یہ انجمنیں کسی بھی طرح مملکت سے اقتدار اعلا کے معاملے میں کم نہیں۔سماج ایک متحد انجمن ہے اس لیے بھی متحد ہونا چاہیے۔کریب کے مطابق تکثیریت کے مفہوم کو سیاسی نظریہ سے خارج کر دینا چاہیے۔Duguitکہتا ہے کہ قوانین سماجی استحکام کے شرائط کے نام ہیں مقتدر اعلا قوانین کے ماخذ کا نام نہیں' سماج کے اخلاقی قدروں اور انصاف کے احساس

سے قوانین بنتے ہیں۔ قوانین کی اطاعت اس لیے کی جاتی ہے کہ یہ سماجی زندگی کی ایک اہم ضرورت ہے۔ میکائیور نے اپنی مشہور تصنیف جدید مملکت میں لکھا ہے کہ کسی قوم میں بہت سی انجمنوں میں سے ایک انجمن مملکت ہے۔

ان نظریات سے یہ بات واضح ہوتی کہ مملکت سماج کے کئی انجمنوں میں سے ایک ہے جس طرح دیگر تنظیمیں اپنی بقاء کے لیے مملکت کی مرضی پر انحصار نہیں کرتی اس لیے ان کو بھی اپنے آپ میں مقتدر ہونے کا مجاز ہے اور اس طرح مملکت کے واحد اقتدار اعلا کے دعوے سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں۔ ہر انجمن کی اپنی شخصیت اور مرضی ہوتی ہے اور یہ انجمن سماجی طور پر کئی کار آمد فرائض انجام دیتی ہیں اور انفرادی شخصیت کی تعمیر میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے ان کو فرائض کی انجام دہی کی آزادی فراہم ہونا چاہیے اور مملکت کا ان پر کنٹرول نہیں ہونا چاہیئے مملکت کا یہ دعویٰ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ بلا شرکت دیگر انجمن سے اعلا ترین اور برتر اختیارات کی حامل ہے۔ مملکت کو چاہیے کہ وہ سماج کی دوسری انجمنوں کو بھی مقتدر اختیارات میں حصہ دے۔

تنقید(Criticism)

اقتدار اعلا کا تکثیری نظریہ تنقید سے آزاد نہیں ہے۔ اول تو اس میں داخلی طور پر تضاد موجود ہے۔ ایک طرف تو تکثیری مملکت کو برتری کا مقام دینے سے انکار کرتے ہیں اور دوسری طرف اقتدار اعلا کے ذریعے مملکت کو سماج میں اتحاد کو مضبوط کرنے والی ایجنسی کا کردار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ مختلف جماعتوں میں جو تنازعات ہیں اسے دور کرنے کے لیے یا اگر اقتدار اعلا کو مختلف انجمنوں میں تقسیم کردیں تو یہ اقتدار اعلا کو تباہ کرنا ہوگا اور نتیجے میں افرا تفری عمل میں آئیگی۔

اکثر تکثیریت کے حامی سمجھتے ہیں کہ قانون مملکت سے برتر ہے اور مملکت کو قانون ہی سے کنٹرول کیا جاتا ہے لیکن یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ مملکت ہی قانون بناتی ہے۔

یہ محض ایک قیاس ہے حقیقت نہیں کہ مملکت سماج کے مختلف انجمنوں کی طرح ایک انجمن ہے۔ لاسکی جو تکثیریت کا بڑا حامی ہے ان کاخود کا نظریہ یہ ہے کہ تکثیریت کے حامی مفکروں نے سماج کہ مختلف طبقوں کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔

اگر سماج میں اقتدار اعلا کو محدودطور میں انجمنوں میں تقسیم کر دیا جائے تو سماج میں گراوٹ آجاے گی اور آپسی اختلافات وجود میں آئیں گے۔

مملکت کی ضرورت انجمنوں کی حد تجاوز سے عوام کو بچانے کے لیے ہوتی ہے۔

تکثیریت کی اہمیت (Importance of Pluralism)

ایم۔پی۔فولٹ (M.P.Follett)نے اپنی مشہور تصنیف "The New State"میں تکثیریت کی اہمیت کو بیان کیا ہے کہ تکثیری حامیوں نے مملکت کی برتری کے غبارے کو چھوڑا ہے جب انہوں نے دیکھا کہ مملکت جو کہ عہد وسطی سے دھیرے دھیرے اپنا قدم اور اقتدار بڑھا رہی تھی اپنی ناکام اور جھوٹے دعوے کے باوجود ہماری نیک خواہشات اور عزت نہیں جیت

سکی" تکثیری گروہ کے اہمیت کو مانتے ہیں اورسیاسی زندگی میں تسلیم کرنے کی پر زور تائید کرتے ہیں وہ مقامی زندگی اور آزاد زندگی کی پر زور تائید کرتے ہیں وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ مملکت کے مقاصد اپنی خواہشوں کے مقاصد سے ملتے جلتے نہیں ہوتے ہیں۔تکثیریت میں دور اندیشی کا پیغام ہے۔جس میں متحد انجمنوں کی پہچان کی مشکلات کو دور بنی سے دیکھا ہے۔

گیٹل (Gattle) نے تکثیریت کے حامیوں کی خدمات کو اس طرح بیان کیا "گیٹل کا زور اس حقیقت پر ہے کہ مملکت سماج کا ایک لازم جز ہونے پر بھی چند اخلاقی بند ستون کا تابع ہے یہ مملکت کے آئیڈیل ہونے کے بر عکس خواہشمندانہ عمل ہے او ریہ عقیدہ کہ مملکت خود میں ایک مقصد ہے اور ہر اخلاقی بندش سے آزاد ہے۔

تکثیر پسندوں نے سماج میں بہت تیزی سے بدلتی سیاسی زندگی کے حقائق کے مطالعے پر زور دیا ہے اور پھر سماج میں بہت تیزی سے غیر سیاسی گروہ کی بڑھتی اہمیت اور پھر مملکت کے حد سے تجاوز کرتی مداخلت اور پھر اس طرح کے گروہوں کو سیاسی نظام میں قانوناً تسلیم کرنے کی پر زور حمایت کی ہے ہر شخص اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اپنی یونین بناتا ہے جس کے ذریعے حکمران حکومت پر دباؤ ڈالتے ہیں تاکہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کر سکے۔یونین اور انجمن کے اغراض اور مقاصد کی تکمیل کے لیے اس کے دائرہ عمل کو بڑھانے کے لیےخاطر خواہ آزادی کی ضرورت ہوتی ہے اور فیصلے لینے کے لیے مختاری کی۔

19.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اقتدار اعلا جدید مملکت کا ایک لازم جز ہے جو مملکت کو قانونی اختیار دیتا ہے اور اقتدار اعلا کے بنا پر مملکت دورے انجمنوں اور اداروں سے مختلف ہے۔اقتدار اعلاکے بغیر آسٹن کے نظریہ نے جہاں اقتدار اعلا کو مطلق اور ناقابل تقسیم قرار دیا ہے وہیں اس نظریہ کے بر خلاف تکثیریت محدود اقتدار اعلا کی وکالت کرتی ہے اور ساتھ ساتھ مملکت کے اندر دوسرے انجمنوں اور اداروں کے درمیان اقتدار اعلا کی وکالت کرتی ہے۔عالم گیریت کے بڑھتے اثرات نے مملکتی اقتدار اعلا پر کسی منفی اثرات ڈالے ہیں اور بین الاقوامی سماج کے ذریعے اقتدار اعلا کو محدود بھی کیا ہے۔

19.8 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **تکثیریت** : ایسانظام جہاں مختلف، مذہب، زبان، نسل اور تمدن گروہ کاایک ساتھ مل جل کر رہنا۔
- **اقتدار اعلا** : کسی ملک کی خود کی حکمرانی کرنے کا اختیار جس میں کسی اندرونی یاباہری طاقت کامداخلت نہ ہو۔
- **مملکت** : ایک طے شدہ حکمرانی کے تحت منظم طور پر سیاسی گروہ۔
- **قانون** : کسی مملکت یاملک کا قانون جو سبھی فرد کے لیےلازمی قبول کرناہوتاہے۔

- **کمیونیٹی** : لوگوں کا گروپ، سوسائٹی۔
- **بنیادی حقوق** : جن کے بغیر شخصیت کی تشکیل ممکن نہیں ہوتی۔
- **سماجی فلاحی ادارہ** : ایسا تنظیم جو سماج کے دبے کچلے گروہ کے فلاح و بہبود کے لیے کام کرتی ہے۔
- **آمریت** : آمریت یا مطلق العنان حکومت اس نظام کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص (آمریت) موجودہ قوانین کو نظر انداز کرتے ہوئے طاقت کے زور پر حکومت کرتا ہے۔
- **بین الاقوامی** : ایک سیاسی اصول ہے جو لوگوں اور قوموں میں زیادہ سے زیادہ سیاسی یا معاشی تعاون کی حمایت کرتا ہے۔
- **انجمن** : لوگوں کا ایک منظم گروہ جس کی تشکیل کسی خاص وجوہات کے لیے کی جاتی ہے، جیسے کوئی بزنس، حکومت یا دیگر انجمن۔
- **قومی حق** : ایک سیاسی نظریہ جس کی رو سے عام لوگوں کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک میں اپنی پسند خود **ارادیت** کے مطابق حکومت اور دیگر اداروں کی تشکیل کر سکے۔

19.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

19.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. لفظ اقتدار اعلا ذیل میں سے کس سے لیا گیا ہے؟

(a) سپرانس (Superanus)　(b) سوورن (Serareign)

(c) سوئے نیئر (Souveneir)　(d) سوجورن (Sojourn)

2. اقتدار اعلا لازم عنصر ہے؟

(a) حکومت　(b) عدلیہ

(c) مملکت　(d) مجلس قانون ساز

3. ان میں سے کون مطلق اقتدار اعلا میں یقین رکھتا تھا؟

(a) جان لاک　(b) تھامس ہابس

(b) جین جاک روسو　(d) بودن

4. عوامی اقتدار اعلا کا اصول کس سے منسلک ہے؟

(a) آسٹن (b)جان لاک

(c) جین جاک روسو (d)بودن

5. درج ذیل میں سے کون اقتدار اعلا کی خصوصیت نہیں ہے۔

(a) گیریت (b)دائمی حیثیت

(c)آبادی (d)مطلق

6۔ ذیل سے کس نے اقتدار اعلا کو بشر خدا نامزد کیا ہے۔

Hegel(a) Hobbes(b)

Rousseau(c) Bodin(d)

7۔ کس نے یہ دعوہ پیش کیا کہ مملکت کی اقتدار اعلا کو مملکت کی دوسرے مملکتوں کے ساتھ معاہدہ نے محدود کیا تھا۔

Austin(a) Bentham(b)

Bodin(c) Hobbes(d)

8۔ آسٹن (Austin)کے مطابق اقتدار اعلا کیسے اطاعت حاصل کرتا ہے؟

(a) عادت' اطاعت (b)زبردستی اطاعت

(c)کوئی اطاعت نہیں (c)کچھ اطاعت

9۔ آسٹن (Austin)کے مطابق اقتدار اعلا ہے۔

(a)انسانی اعلا کا تعین (b)ماتحت شخص

(c)سماجی شخص (d)سیاسی شخص

10۔ سیاسی اقتدار اعلا کا مطلب۔

(a)حکمران کی اقتداراعلا (b)بادشاہ کی اقتداراعلا

(c)وزیر اعظم کی اقتداراعلا (d)رائے دہندگان کی اقتداراعلا

19.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ اقتدار اعلا کی تعریف بیان کریں۔

2۔ بیرونی اقتدار اعلا سے کیا سمجھتے ہیں؟

3۔ اقتدار اعلا کے ناقابل تقسیم خصوصیت کو بتائیں۔

4۔ برائے نام اقتدار اعلا سے کیا مراد ہے؟

5۔ قانونی اور حقیقی اقتدار اعلا میں دو فرق بتائیں۔

19.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ اقتدار اعلا کی تعریف بیان کریں اور اس کی خصوصیات کی وضاحت کیجیے۔

2۔ اقتدار اعلا سے کیا مراد ہے؟ آسٹن کی اقتدار اعلا کی وحدانی نظریہ کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔

3۔ اقتدار اعلا سے کیا سمجھتے ہیں؟ اقتدار اعلا کے اقسام کی وضاحت کیجیے۔

19.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Ray, Amal and Bhattacharya, Mohit(1985), Political Theory' Idens and Institutions, The World Press
2. Raphael, D D.(1985), Problems of Political Philosophy, Macmillan, London
3. Appaodrai, A.(1985), The Substance of Politics, OUP. Delhi
4. Ashirvatham. Eddy (1984), Political Theory, The Upper India Political Home
5. Kapoor. A.C.(1997), Principles of Political Science, S. Chand & Company Ltd., Delhi
6. Jain, M.P. (1996), Political Theory: Liberal and Marxian, Authors Guild Publications, New Delhi
7. Gauba, O.P (2010), And Introduction to Political Theory, Mac Millan, Delhi

اکائی 20۔ اقتدار اعلا: نظریہ تکثیریت

(Sovereignty: Pluralistic Theory)

اکائی کے اجزا

20.0 تمہید

20.1 مقاصد

20.2 تکثیریت

20.2.1 نظریہ تکثیریت کا ارتقا

20.2.2 تکثیریت کی ابتدا کے معاون عناصر

20.2.3 تکثیریت کی اہم خصوصیات

20.3 اکتسابی نتائج

20.4 کلیدی الفاظ

20.5 نمونہ امتحانی سوالات

20.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

20.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

20.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

20.6 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

20.0 تمہید (Introduction)

نظریہ تکثیریت نظریہ وحدانیت کا سب سے بڑا مخالف ہے۔ وحدت پسندوں کے مطابق، اقتدار اعلا مکمل طور پر قطعی، لامحدود اور غیر منقول ہے۔ ان کے مطابق یہ مملکت کے ساتھ ہی مختص ہے اور یہ سیاسی اتھارٹی کا واحد ذریعہ ہے۔ مملکت میں رہنے والے تمام افراد اور گروہ اس کے ماتحت ہوتے ہیں۔ عوام اور اور پورے سماج کا بنیادی فرض بادشاہ کی ہدایتوں پر عمل کرنا ہے۔ مملکت قانون کا مصدر ہے اور تمام قوانین اس کے ذریعے ہی وضع کیے جاتے ہیں۔ افراد کو مملکت کے خلاف جانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ وہ صرف مملکت کے ذریعے دیے

گئے حقوق کا ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ مملکت کی بالادستی اور اجارہ داری کو سیاسی وحدانیت کہا جاتا ہے۔ تکثریت کی ابتدا اسی اقتداراعلا کی وحدانیت کے رد عمل کے طور پر معرض وجود میں آئی۔

20.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد طلبا اس قابل ہو سکیں گے کہ وہ:

- نظریہ تکثیریت کو سمجھ سکیں گے۔
- تکثیریت کی اہم خصوصیات کو سمجھ سکیں گے۔
- تکثیریت کے بارے میں لاسکی کے نظریہ کی وضاحت کر سکیں گے۔
- تکثیریت کا تنقیدی تجزیہ پیش کر سکیں گے۔

20.2 تکثیریت (Pluralistic Theory)

اس نظریہ کے مطابق اقتداراعلا کسی ایک تنظیم کی جاگیر نہیں ہے یہاں تک کہ مملکت بھی اس کی واحد مالک نہیں۔ انسان نے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے طرح طرح کی سماجی، سیاسی، مذہبی، ثقافتی اور مالیاتی تنظیمیں قائم کی ہیں۔ اس طرح مملکت بھی ایک انسانی تنظیم اور فلاحی ادارہ ہے۔ وہ کسی بھی نقطہ نظر سے دوسرے اداروں سے برتر نہیں۔ سماج کے دوسرے ادارے سماجی فلاح و بہبودگی کے بڑے بڑے کارنامے نمایاں انجام دیتے ہیں اور وہ انسانوں کی زندگی پر مکمل طرح سے اثرانداز ہوتے ہیں۔ ان اداروں یا تنظیموں کی اہمیت کے پیش نظریہ ضروری ہے کہ ان کو زیادہ بااختیار بنایا جائے۔ اس طرح اقتداراعلا مملکت کے ساتھ ساتھ، بہت سی تنظیموں میں منقسم ہے اور مملکت کو انہیں ختم کرنے کا حق نہیں ہے۔ پروفیسر ہاسیاؤ کے مطابق، "تکثیریت والی مملکت وہ مملکت ہے جہاں اقتداراعلا کا کوئی ایک ذریعہ نہیں ہے اور نہ ہی اتھارٹی کی کوئی مرکزیت ہے۔ یہاں قانون کی کوئی متفقہ پالیسی نہیں ہے اور نہ ہی مشترکہ سیاسی خواہش پر زور دیا جاتا ہے۔ یہاں اقتداراعلا میں تنوع ہے اور اسے کئی حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔" گیٹل کے الفاظ میں، "تکثیریت مملکت پر زور نہیں دیتی ہے، وہ ایک اقتداراعلا کے نظریہ کی مخالفت کرتی ہے اور سماجی کنٹرول میں دوسرے اداروں کے لیے ایک بڑے حصے کا مطالبہ کرتی ہے۔" تکثیریت پسند مملکت کو ختم نہیں کرنا چاہتے لیکن وہ اسے ایک اقتداراعلا سے آزاد بنانا چاہتے ہیں۔

20.2.1 نظریہ تکثیریت کا ارتقا (Evolution of Pluralistic Theory)

اقتداراعلا کے متعلق نظریہ تکثیریت ایک جدید نظریہ تصور کیا جاتا ہے۔ یہ انیسویں صدی کی سیاسی اور سماجی پیش رفتوں کا نتیجہ ہے، خاص طور پر جمہوریت اور صنعتی ترقی کا۔ تاہم اس کی جڑیں قرون وسطی کے زمانے میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ قرون وسطی میں،

یورپ میں مملکت بہت کمزور تھی جب کہ چرچ، سماجی اور پیشے وارانہ انجمنیں معاشرے میں بہت اہم تھیں اور انہیں بہت زیادہ آزادی حاصل تھی۔ لیکن 16 ویں اور 17 ویں صدی کی اقوام نے ، مملکتوں کی بنیاد کو بہت مظبوط بنادیا اور اسے دیگر مختلف تنظیمیوں کی مداخلت سے آزاد کر دیا۔ اگرچہ مطلق العنان حکمرانوں کے اختیارات کم ہوگئے لیکن یہ کابینہ کے سپرد کر دیے گئے۔ مملکت کی طاقت جتنی تھی اتنی ہی رہی۔ مملکتوں کے عروج کی وجہ سے ان کے رقبہ میں اضافہ ہوا لیکن ان کی اہمیت کم ہوگئی۔ مملکت کے واحد مقتدر اعلا ہونے کے رد عمل کے طور پر تکثیریت نے جنم لیا۔

20.2.2 تکثیریت کی ابتدا کے معاون عناصر

(Supportive Elements of the Evolution of Pluralistic Theory)

مندرجہ ذیل عناصر نے تکثیریت کے آغاز کی داغ بیل ڈالی۔

1. **انفرادیت پسندوں کا تعاون:** انفرادیت پسندوں نے مملکت کے اختیارات کو کم کرنے اور انفرادی آزادی پر زور دیا۔ جے ایس مل، ہربرٹ اسپینسر اور مونٹیسکیو جیسے عظیم مفکرین نے مملکت میں اقتدار کی مرکزیت کی مخالفت کی اور انفرادی آزادی پر زور دیا۔ تکثیریت پسندوں نے مملکت کے اقتدار اعلا کو کم سے کم کرنے پر بھی زور دیا لیکن جہاں انفرادیت پرستوں نے فرد کی آزادی پر زور دیا وہیں تکثیریت پسندوں نے تنظیم کی آزادی پر زور دیا۔

2. **قرون وسطی کے کلاسیکی مفکرین کا اثر:** انیسویں صدی کے آخر میں جرکے، میٹلینڈ اور فگس جیسے مصنفین نے اس بات پر زور دیا کہ قرون وسطی میں جب چرچ انجمنوں اور تنظیموں کو آزادی حاصل تھی تو پھر جدید دنیا میں بھی تنظیموں کو آزادی ہونی چاہیے۔

3. **مملکت کی نااہلی:** جدید مملکت کی نااہلی بھی تکثیریت کی ترقی کی ایک وجہ بنی۔ دور حاضر میں، مملکت کے دائرہ کار میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے، لیکن عملی طور پر اس سے مملکت کی نااہلی ثابت ہوئی ہے۔ پروفیسر وارڈ کے الفاظ میں، "اس کی وجہ سے مرکز میں منافع اور مرکز کے بیرونی حصوں میں غربت نے جنم لیا ہے۔ تکثیریت پسند جدید مملکت کے عیوب کو غیر مرکزی مملکت میں تبدیل کر کے دور کرنا چاہتے ہیں۔

4. **جمہوریت میں علاقائی نمائندگی کی وجہ سے عدم اطمینان:** انیسویں صدی کے آخر میں اور 20 ویں صدی کے آغاز میں، جمہوری نمائندگی کا طریقہ اپنایا گیا تھا، لیکن اس میں عدم اطمینان پیدا ہوا اور طبقاتی و یونین سوشلسٹ مفکرین نے اس کی جگہ پر عملی یا فعال نمائندگی کا مطالبہ کیا۔ فعال نمائندگی کے حامی مملکت جیسی تنظیم کو مساوی اہمیت دینا چاہتے تھے۔ اس طرح تکثیریت کی نشو و نما میں بہت مدد ہوئی۔

5. **لاقانونیت پرستی:** عصبیت اور طبقاتی سوشلزم نے اس مملکتی قوت کے خلاف مہم چلائی جس کی وجہ سے تکثیریت کے فروغ میں مدد ملی۔

6. **قانون مملکت کا حکم نہیں:** بہت سے مفکرین جیسے ڈوگوٹ اور کربی نے کہا ہے کہ قانون مملکت کا حکم نہیں ہے۔ ان کے نزدیک

قانون مملکت سے بالاتر اور بہتر ہے اور مملکت کو بھی قانون کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ صرف مملکت ہی کو قانون بنانے کی اجارہ داری نہیں ہے۔ ان مفکرین کے خیالات نے تکثیریت کو تقویت بخشی۔

7. **عوامی فلاح و بہبود کا مقصد:** مملکت کا مقصد عوامی فلاح و بہبود ہے اور تنظیم کا مقصد بھی اپنے ممبروں کی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ لہذا مملکت اور دیگر تنظیموں میں باہمی تعاون ہونا ہی چاہیے۔

8. **بین الاقوامی قانون:** اس نظریہ کے حامیوں نے بین الاقوامی نقطہ نظر سے بھی مملکت کے اقتدار اعلا پر حملہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی قانون اب اتنا زیادہ طاقتور ہو گیا ہے کہ آج کوئی بھی مملکت بین الاقوامی قوانین کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ محض یہ سمجھ لینا کہ بین الاقوامی قوانین اخلاقی پابندیوں کی حیثیت رکھتے ہیں، درست نہیں ہے۔ یہ قوانین اب کافی حد تک لازمی پابندی کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ لاسکی کے الفاظ میں بین الاقوامی پہلو سے ایک بااقتدار مملکت کا تصور بنی نوع انسانی کی فلاح و بہبودگی کے لیے خطرناک ہے۔ بین لاقوامی امن کے لیے یہ ضروری ہے کہ ساری مملکتیں اس اصول پر متفق ہو جائیں کہ مشترکہ مسئلوں کے بارے میں وہ بین الاقوامی تنظیم کے فیصلوں کی پابند ہوں۔ اس نظریہ نے تکثیریت کو تقویت دی۔

تکثیریت کے اہم حامی گرکے، فِگس، بارکر، میکیبر، جی ڈی ایچ۔ کول، لنڈسی، کریبی، میٹ لینڈ، ڈوگٹ اور لاسکی ہیں۔ تکثیریت پسندوں کے نظریہ اقتدار اعلا کے مطابق، مملکت کے ساتھ ساتھ افراد کو ان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے اقتدار اعلا کو مختلف تنظیموں میں منقسم کیا گیا ہے۔ لنڈسی کے مطابق، "اگر ہم حقائق پر نگاہ ڈالیں تو پھر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقتدار اعلا کے ساتھ نظریہ مملکت کو بھی کم کیا گیا ہے۔" اس کے مطابق عوام کی ضروریات صرف مملکت پوری نہیں کر سکتی، اس کے لیے دیگر مختلف تنظیمیں بھی ضروری ہیں۔ اس طرح مملکت کو دیگر تنظیموں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے۔ پروفیسر لنڈسی کے الفاظ میں، "مملکت ان تنظیموں میں سے ایک ہے جن کی اپنی سماجی پہچان اور مقاصد ہیں اور جو مملکتوں کی طرح بہت سارے عوامی کام انجام دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "مملکت اپنے تمام حصوں میں اس وقت تک تنظیم کو کنٹرول کر سکتی ہے جب تک کہ عوام اپنی خواہشات مملکت کے تابع نہ کر دیں۔ مملکت کا کوئی آزاد وجود نہیں ہوتا بلکہ یہ دیگر تنظیموں کی طرح ایک تنظیم ہوتی ہے۔

ڈاکٹر فِگس کے مطابق، "مملکت دوسری تنظیموں کی طرح ایک تنظیم ہے اور اس کا کام دوسری تنظیموں کے کام کو ہم آہنگ کرنا ہے۔ اسی لیے مملکت کی اقتدار اعلا کا تصور ایک افسانہ ہے۔

ڈوگوٹ کے مطابق، "مملکت کے اقتدار اعلا کا نظریہ صرف ایک تخیل ہے اور خود مختار ملک اپنا وجود کھو چکا ہے یا کھونے والا ہے۔"

لاسکی کے افکار (Thoughts of Professor Laski)

پروفیسر لاسکی نظریہ تکثیریت کے بہترین مفکرین میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تصانیف میں اقتدار اعلا کے متعلق کافی کچھ لکھا جیسے کہ "جدید مملکت میں اقتدار اعلا کے مسائل کا مطالعہ،" اور "اقتدار اعلا کی بنیاد"۔

اس نے اقتدار اعلا کے روایتی نظریات پر اعتراض کیا ہے جس کی تاثیر اس کے استاد ارنسٹ بارکر (Ernest Barker)، طبقاتی

سوشلسٹ مفکرین کا قول، فریڈرک ولیم میٹلینڈ(Frederic William Maitland)وغیرہ کے افکار میں محسوس کی جاسکتی ہے۔لاسکی نے بارن، ہابس، روسو اور آسٹن کے تجویز کردہ اقتدار اعلا کے نظریہ کی مخالفت کی ہے۔اس کے مطابق آسٹن کے اقتدار اعلا کے نظریہ میں تین عناصر ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ قانونی نقطہ نظر سے مملکت کہلانے کے لیے ایک مطلق العنان آمر کا ہونا ضروری ہے جو پوری قوت کا ماخذ ہوتا ہے۔

2۔ آمرانہ طاقت لامحدود اور غیر معینہ ہے۔

3۔ آمر کا حکم قانون ہے اور اگر اس کی تعمیل کسی ایک فرد نے نہیں کی تب اس کو سزا دی جاسکتی ہے۔

لاسکی کے مطابق، اقتدار اعلا کا روایتی تصور مندرجہ ذیل بنیادوں پر حقائق کے منافی ہے:

1. مطلق العنان آمر کا تعین:

لاسکی کہتا ہے کہ آسٹن کا نظریہ آمریت کو حتمی شکل دینا درست نہیں ہے۔لاسکی کا ماننا ہے کہ "معاشرے کے اصل حکمرانوں کی تلاش ایک ناممکن امر ہے، لہٰذا انہیں قطعی طور پر متعین کرنا بہت دور کی بات ہے۔انہوں نے امریکہ کی مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہاں نہ تو صدر اقتدار اعلا کے مالک ہیں اور نہ ہی کانگریس۔وہاں کسی بھی شخص کو اقتدار اعلا یا اقتدار اعلا کا مالک نہیں کہا جاسکتا۔یہی حال یونین مملکتوں کا بھی ہے یہاں مقتدر اعلا کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنا ایک مشکل امر ہے۔اگر کسی مملکت میں عوامی فیصلہ سازی کا چلن ہے اور حتمی قانونی اختیار انتخابی کمیٹی کے ہاتھ میں ہے تو پھر اس کو بھی آسٹن کے مطابق مقتدر اعلا نہیں کہا جاسکتا۔لاسکی کے مطابق "کوئی بھی منتخبہ کمیٹی ایسا غیر منقولہ محکمہ ہوتا ہے جو قانونی نقطہ نظر سے اپنے دائرہ میں کام کرتا ہے"۔جب کہ آسٹن کا خیال ہے کہ "اقتدار اعلا یا اقتدار اعلا کے اختیارات لامحدود ہیں"۔اس تعلق سے لاسکی نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا کہ ہنری مائن کا خیال تاریخی نقطہ نظر سے درست ہے کہ آسٹن کا نظریہ احمقانہ حد تک مصنوعی ہے"۔

2. اقتدار اعلا کے لامحدودیت پر تنقید:

لاسکی کے مطابق، تاریخ میں کہیں بھی اقتدار اعلا کے لامحدود اختیار نہیں ملتے اور جہاں کہیں بھی اس طرح کی خود مختار حکومت تھی تو وہاں کچھ قانونی احاطہ بھی تھا جیسے کہ ترکی کہ وہاں کا بادشاہ اپنے لامحدود اختیارات کے ہونے کے باوجود اپنی خواہش اور پسند کے مطابق سب کچھ نہیں کرسکتا تھا۔پارلیمنٹ میں انگلینڈ کے بادشاہ کے متعلق بھی ان کی وہی رائے ہے۔ان کا خیال ہے کہ آسٹن کے مطابق قانونی نقطہ نظر سے اس کا اختیار لامحدود ہے۔لیکن پارلیمنٹ بھی ان لامحدود اختیارات کو عوامی رائے یا رواج کے خلاف استعمال نہیں کرسکتی ہے۔جب کہ عملی طور پر وہ صورت حال کے مطابق اپنا لامحدود قانونی اختیار استعمال کرتی ہے۔اس پر بہت سے داخلی اور خارجی کنٹرول موجود ہیں جس پر اسے عمل کرنا ہے۔برطانوی پارلیمنٹ اپنے بہت سے اختیارات حزب اختلاف کی وجہ سے استعمال نہیں کرسکتی۔اسی طرح ایک مرتبہ امریکی کانگریس کو ریلوے کارکنوں کے دباؤ کی وجہ سے اپنی منشا کے خلاف قانون بنانا پڑا۔یونین مملکتوں میں اقتدار کی تقسیم کی وجہ سے، اقتدار اعلا کی طاقت لامحدود نہیں ہے۔

3. اقتداراعلا کا حکم قانون نہیں ہے:

لاسکی، آسٹن کے اس خیال سے متفق نہیں ہے کہ اقتداراعلا کا حکم قانون ہے۔ لاسکی کے مطابق حکم اور قانون دو مختلف چیزیں ہیں۔ قانون سب کے لیے یکساں ہے چاہے وہ قانون ساز اسمبلی کا ممبر ہو یا عام آدمی، وجہ ایسے ادارے نے دی ہے جو قانون خود ہی طے کرتا ہے۔ لہذا حکم دینے والے حاکم پر اس کا نفاذ نہیں ہوتا لیکن قانون ہر ایک کے لیے ایک جیسا ہوتا ہے۔

لاسکی ایک خود مختار مملکت کے نظریہ کو بھی اخلاقی نقطہ نظر سے غلط سمجھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کسی سے احکامات کی پابندی کا مطالبہ آنکھیں بند کر کے کرانا غیر اخلاقی ہے۔ اور یہ اس کی اخلاقی نشوونما سے ایک طرح کا انحراف ہے۔ مملکت کو فرد کی عقیدت حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔

لاسکی کے مطابق بین الاقوامی نقطہ نظر سے، مملکت کے اقتداراعلا کا نظریہ انسانوں کی فلاح و بہبود کے خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

"بین الاقوامی نقطہ نظر سے، آزاد، خود مختار مملکت کا تصور خطرناک ہے۔ مملکت کو فیصلہ کرنے کا واحد جج نہیں ہونا چاہیے۔ اس طرح سے لاسکی کے نقطہ نظر سے، بین الاقوامی قوانین کی روایات مملکت کی اقتدار اعلا کو محدود کرتی ہیں"۔

لاسکی نے فرد یا گروہ کے نقطہ نظر سے بھی اقتداراعلا کے نظریہ پر تنقید کی ہے۔ اس کی مملکت کی تنظیم اس طرح تھی کہ افراد اور گروہوں کو زیادہ آزادی ملنی چاہیے۔ وہ فرد کو مرکزی مقام دینا چاہتا ہے اور مملکت کی خواہشات پر افراد کی خواہشات کو اس حد تک فوقیت دینا چاہتا ہے کہ وہ عوامی طور پر قابل قبول ہوں۔ اس طرح یہ بات عیاں ہوگئی کہ لاسکی اخلاقی اور عملی نقطہ نظر سے وحدانیت پسندوں کے سخت مخالف ہے۔

چنانچہ لاسکی نے اپنی کتاب "سیاست کے قواعد" میں لکھا ہے کہ، "یہ مستقل فائدے کی بات ہے کہ علم سیاسیات کامل اقتداراعلا کا تصور ترک کر چکی ہے۔ مملکت کا کوئی حتمی حکم نہیں ہو سکتا۔ اس کے احکام ایک طرح کے رہنمایانہ اصول ہوتے ہیں جو ان مقاصد کی وضاحت کرتے ہیں جن کی طرف افراد، معاشرہ اور تنظیمیں آگے بڑھنا چاہتی ہیں۔ مطلق العنان، ظالم اور ناقابل احتساب مملکت زیادہ دن نہیں چل سکتی۔

لاسکی کا کہنا ہے، "چونکہ معاشرے کی شکل ایک یونین یا اتحاد کی ہوتی ہے لہذا اتھارٹی کی شکل بھی ویسی ہی ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ایسی کوئی طاقت نہیں ہے جس پر ظالم کے کنٹرول کا حق ہو۔ زیادہ سے زیادہ مملکت انسانوں کی زندگی کو جزوی طور پر کنٹرول کر سکتی ہے۔ انسان کی بہت سی ضروریات ہیں جیسے سماجی، سیاسی، معاشی، ثقافتی اور مذہبی وغیرہ۔ اپنی ان ضروریات کی تکمیل کے لیے وہ بہت سی تنظیموں کا ممبر بن جاتا ہے اور وہ تنظیمیں فرد کی زندگی پر گہری چھاپ چھوڑتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارے معاشرے میں علاقائی سطح پر بہت سے کلب، چرچ، ٹریڈ یونین یا اسی طرح معاشی، مذہبی، ثقافتی تنظیمیں موجود ہیں اور ان تنظیموں کی اپنی زندگی اور اپنے مسائل ہیں۔

لاسکی کے مطابق، اگر ان کا مطالعہ مملکت کے تناظر میں کیا جائے تو پھر کسی بھی معنی میں وہ اس سے کم اہم نہیں ہوں گے۔ دوسری طرف، اگر ہم مملکت کا جائزہ لیں تو اس سے ان تنظیموں یا گروپوں کے بارے میں معلومات نہیں ملتی ہیں۔ اسی طرح مختلف تنظیموں کا مطالعہ بھی مملکت کے متعلق کچھ معلومات نہیں دیتا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مملکت تنظیموں کو کنٹرول کرنے والی طاقت نہیں رکھتی ہے۔ مملکت کسی دوسری تنظیم کی طرح ہی ایک تنظیم ہے جو افراد کے سیاسی احاطوں کی حفاظت کرتی ہے۔ لہٰذا مملکت کو یہ اخلاقی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسری تنظیموں سے بالاتر ہو۔ مملکت کسی فرد کو صرف جزوی طور پر کنٹرول کر سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مملکت ہماری خواہشات کی صرف جزوی طور پر تکمیل کرتی ہے تب وہ ہمیں اسی تناسب میں حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ اٹلی میں مسولینی اور جرمنی میں ہٹلر نے سپریم اتھارٹی مملکت قائم کی۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ مملکت کے وجود کے لیے سماج کی تمام تنظیموں اور افراد کی قربانی دی جا سکتی ہے، لیکن ان کی مملکت کا وجود مستقل نہیں رہا بلکہ یہ ریت کے گھر کی طرح ثابت ہوا کیونکہ انہوں نے افراد اور تنظیم کی آزادانہ خواہش اور شخصیت کو ختم کر دیا تھا۔ پروفیسر لاسکی مملکت کو مختلف تنظیموں کے مابین توازن اور ہم آہنگی قائم کرنے کے لیے ایک یونین کے طور پر سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ مملکت تمام مساوی تنظیموں میں اہم ہے۔

لاسکی کے مطابق اتحاد ہی قوت ہے۔ اس کا مشاہدہ آپ زندگی کے کسی بھی شعبہ میں کر سکتے ہیں، اس لیے کسی مخصوص فرد کو آئینی قوت نہیں دی جا سکتی ہے کیونکہ وہ تنہا عوام کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ وحدانیت پسند مملکت، آزادی اور رائے عامہ کی مخالف ہے اس میں لوگوں کو انتظامیہ تک اپنی آواز پہنچانے کا موقع نہیں ملتا۔ اگر کوئی مملکت قابل قبول ہونا چاہتی ہے اور عوامی رائے کو موثر بنانا چاہتی ہے تو اسے مملکت کی مرکزی قوت کو کم کر دینا چاہیے، یعنی، یہ کہ مملکت مختلف تنظیموں میں منقسم ہونی چاہیے۔ اس طرح سے یونین اتھارٹی کا قیام عمل میں آئے گا جو کسی فرد کی شخصیت کی نشوونما کے لیے اشد ضروری ہے۔ لاسکی کا خیال ہے کہ وحدانیت پسند مملکت کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں تنظیموں کے اختیار کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جب کہ وہ تنظیمیں بھی فرد کی ترقی کے لیے اتنی ہی اہم ہوتی ہیں جتنی کہ مملکت۔ اس لیے آئینی عمل ان سب کی خواہشات پر مبنی ہونا چاہیے جن کو مملکت متاثر کرتی ہے۔ لاسکی کا یہ بھی کہنا ہے کہ مملکت بیرونی اقتدار اعلا کے لیے خطرہ ہے اور بین الاقوامی تنظیموں کے لیے بھی رکاوٹ ہے۔ مملکت کے اقتدار اعلا کو ان تمام پہلوؤں کو ترک کرنا چاہیے، بین الاقوامی تنظیموں کے لیے راہیں ہموار کرنی چاہیے اور پوری انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا چاہیے۔

لاسکی کی تکثیریت جارحانہ انفرادیت کا نظریہ ہے۔ فرد مختلف جماعتوں اور مملکتوں کا ممبر ہے۔ فرد کا خلوص حاصل کرنے کے لیے مملکت اور تنظیم میں ہمیشہ مقابلہ رہتا ہے۔ مملکت اور تنظیم میں اختلاف رائے ہونے کی صورت میں یہ اس فرد پر منحصر ہوتا ہے کہ اسے کس کے احکامات اور قواعد پر عمل کرنا ہے۔ مملکت فرد کو اپنے قواعد پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔

لاسکی نے واضح طور پر کہا ہے کہ کوئی شخص مملکت کے خوف کے سبب اس کے احکامات پر عمل نہیں کرتا ہے بلکہ اس لیے اس کی پیروی کرتا ہے کہ اس کے احکامات پر عمل کرنے میں ان کے مفاد مضمر ہیں۔ اگر مملکت کے حکم کی تعمیل کر کے کسی کو کوئی نقصان ہوا تو پھر اس فرد کو اس حکم سے انکار کرنے کا حق ہے۔

20.2.3 تکثیریت کی اہم خصوصیات (Key Charactersticses of Pluralistic Theory)

تکثیریت کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ **مملکت کامل نہیں ہے:**

اس نظریہ کے مطابق انسان کی زندگی کثیر الجہتی ہے۔ انسان اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے، مختلف گروہ یا تنظیمیں قائم کرتا ہے، جن میں، سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی اور ثقافتی تنظیمیں ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں کو مکمل طور پر اسی وقت ترقی یافتہ بنا سکتا ہے جب یہ گروہ اپنے علاقے میں آزاد اور خود مختار ہوں۔ اقتدار اعلا کو صرف مملکت کے ساتھ رہنے کے بجائے تمام اداروں میں تقسیم کیا جانا چاہیے۔ مملکت کی اقتدار اعلا پر اجارہ داری نہیں ہونی چاہیے۔

2۔ **فرد کا دیگر گروہوں سے رشتہ:**

فرد نہ صرف مملکت کے ساتھ وفادار ہوتا ہے بلکہ وہ ان تمام گروہوں کے ساتھ وفادار ہوتا ہے جن سے وہ منسلک ہوتا ہے۔ زیادہ تر لوگ اپنی مذہبی یا معاشی گروہ کے ساتھ اتنے وفادار ہوتے ہیں کہ مملکت کی مخالفت کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح صرف مملکت افراد کی وفاداریاں حاصل کرنے کی ٹھیکیدار نہیں ہے اور نہ ہی اسے تنہا اقتدار اعلا حاصل ہونا چاہیے۔

3۔ **مملکت کے کام کا محدود دائرہ کار:**

مملکت کا بنیادی مقصد افراد کی سیاسی زندگی کو ترقی دینا ہے۔ تکثیریت پسندوں کے مطابق مملکت کو اپنے کاموں کا دائرہ کار سیاسی علاقوں تک محدود رکھنا چاہیے تاکہ یہ فرد کی ترقی میں مکمل شراکت کر سکے۔ مملکت کا ان امور سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے جیسے تعلیم کس طرح کی ہونی چاہیے، پیداوار کے ذرائع کا انتظام کیا ہونا چاہیے وغیرہ۔

4۔ **مملکت کے وجود کی اجازت:**

تکثیریت مملکت کو ختم کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ وہ مملکت کو مفید سمجھتے ہیں لیکن وہ دوسری جماعتوں کو بھی آزادی دینا چاہتے ہیں۔ لہذا تکثیرت پسند مملکت کی اجارہ داری کے خلاف ہیں نہ کہ مملکت کے خلاف۔

5۔ **اقتدار اعلا کا اتحاد (یونین) پر مبنی ہونا:**

تکثیریت کے مطابق، معاشرے کی تنظیم یونین پر مبنی ہے۔ جس طرح متعدد مملکتیں، یونین مملکت بنانے کے لیے متحد ہو جاتی ہیں، لیکن وہ اپنی اقتدار اعلا یا اقتدار اعلا کو ختم نہیں کرتی ہیں۔ اسی طرح یونین یا تنظیموں پر مبنی معاشرے میں اپنے مقاصد کو پورا کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔

6۔ **افادیت پر مبنی قانون کی پیروی:**

تکثیریت پسندوں کے مطابق فرد مملکت کے احکامات کی تعمیل اس لیے نہیں کرتا ہے کہ یہ ایک خود مختار یا مقتدر مملکت ہے اور اگر اس نے حکم کی تعمیل نہیں کی تو اسے سزا دی جائے گی بلکہ وہ اس کی افادیت کی وجہ سے کرتا ہے۔

7۔ **لامرکزیت پر مرکوز:**

تکثیریت پسند اقتداراعلا کی لامرکزیت چاہتے ہیں۔ ان کے مطابق مرکزیت کے ذریعے تنظیموں کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مملکت اور دیگر کمیونیٹیوں میں اقتداراعلا کو تقسیم کیا جانا چاہیے۔

8۔ **مملکت کے ظلم کی مخالفت:**

تکثیریت پسند مملکت کی جارحیت پسندی اور لامحدود قوت کی مخالفت کرتے ہیں لیکن وہ افراد کی مکمل آزادی کے حق میں نہیں ہیں وہ فرد کے بجائے تنظیم کے حقوق اور آزادی پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

9۔ **مملکت اور معاشرے میں تفریق:**

آئیڈیلسٹ کی طرح، تکثیریت پسند بھی مملکت اور معاشرے کو ایک نہیں مانتے ہیں۔ تکثیریت پسندوں کے مطابق فاشسٹ کا یہ بیان غلط ہے کہ ہر چیز مملکت کے اندر ہے، مملکت کے باہر اور اس کی مخالفت میں کچھ بھی نہیں ہے۔ تکثیریت پسندوں کے مطابق، مملکت سماج کا وہ حصہ ہے جو مقاصد اور کام کے شعبے میں اس کا ہم سفر نہیں ہو سکتا۔ اس تناظر میں میکاورنے لکھا ہے، "مملکت ایک ایسی تنظیم ہے جسے معاشرے کا ہم عصر نہیں کہا جا سکتا ہے۔ مملکت کو سماج کے تحت کچھ مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے ایک مقررہ انتظامات کی شکل میں تشکیل دیا گیا ہے۔

10۔ **مملکت کا سماجی ادارے کے ماتحت ہونا:**

تکثیریت پسند کہتے ہیں کہ تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ مملکت ہمیشہ ہی سماجی اداروں کا تقابل کرتی ہے۔ پروفیسر لاسکی کا کہنا ہے کہ مملکت کبھی بھی ظالم اور ہمہ گیر نہیں تھی۔

پہلی جنگ عظیم میں، برطانوی حکومت ریلش بارودی سرنگوں کے باغیوں کے خلاف منشن ایکٹ کا نفاذ نہیں کر سکی اسی طرح، امریکی ریلوے ورکرز یونین نے ہڑتال کی دھمکی دے کر اپنی مانگ 24 گھنٹوں میں آٹھ گھنٹے کام کرنے کو حکومت سے قبول کرا لیا۔ ہندوستان میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حکومت کو سماجی تنظیم کے مطالبات قبول کرنا ہی ہوتے ہیں۔

گیٹل کہتا ہے کہ تکثیریت پسند مملکت کو منفرد ادارہ نہیں مانتے۔ ان کے مطابق دوسری تنظیمیں بھی اتنی ہی اہم ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ یہ تنظیمیں اپنے علاقے میں اسی طرح خود مختار ہیں جس طرح مملکت اپنے علاقے میں۔

20.2.3 نظریہ تکثیریت پر تنقید (Criticism of Pluralistic Theory)

مندرجہ ذیل بنیاد پر تکثیریت کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔

1. **تکثیریت کا انتشار کی حمایت کرنا:**

اگر تکثیریت کے نظریات کو عملی طور پر نافذ کیا جائے تو اس کا نتیجہ انتشار ہو گا۔ مملکت کے دوسرے اداروں میں اقتداراعلا کی

تقسیم سے صرف لا قانونیت اور بد امنی پھیلے گی۔ جب ہر تنظیم کا اقتدار اعلا ہو گا، تب ہر تنظیم اس کی مرضی کے مطابق ہو گی، اپنے اپنے ممبروں کے لیے قانون بنائے گی اور یہ فطری بات ہے کہ مختلف تنظیموں کے قوانین ایک دوسرے سے متصادم ہوں گے۔ پھر افراد کو یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو گا کہ کس قانون کو مانا جائے۔ قرون وسطی کے دور میں، چرچ، مملکت، تجارتی انجمنوں میں تنازعہ تھا اور اس کے نتیجے میں انتشار پیدا ہوا۔

2. **مملکت کے وجود کا انحصار دوسری جماعتوں پر:**

یہ ٹھیک ہے کہ انسان نے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے مختلف گروہ قائم کیے اور ان گروہ نے اس کی زندگی پر گہرا اثر ڈالا لیکن یہ گروہ اپنے وجود کے لیے مملکت پر منحصر ہیں۔ مختلف گروہ مملکت کے تعاون سے اپنے قواعد کو نافذ کرتے ہیں۔ یہ گروہ بغیر مملکت کے قائم نہیں ہوسکتے ہیں۔ اس طرح گروہوں کی سطح مملکت کی سطح کے برابر نہیں ہوسکتی ہے۔ مملکت ایک خود مختار اور مقتدر ادارہ ہے۔

3. **مملکت کا تنظیموں کے تنازعات کو حل کرنا:**

اگر ہم تکثیریت کے اس خیال پر غور کریں کہ سماج مختلف تنظیموں کے گروہوں پر مشتمل ہے تو پھر ہمیں ایسے اعلا ادارے کی ضرورت ہے جو مختلف تنظیموں کے تنازعات کو دور کر سکے۔ اگر ایسا کوئی اعلا ادارہ نہ ہو تو مختلف تنظیموں کے مابین تنازعات کی وجہ سے انسانی زندگی دشوار ہو جائے گی اور سماج ترقی نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سماج میں اعلا ادارہ یعنی مملکت کا قیام ہو۔

4. **تکثیریت اپنے نظریہ میں واضح نہیں:**

اس نظریہ فکر کا کوئی ایک مفکر نہیں ہے بلکہ بہت سے اسکالرس نے اس کی تائید میں اپنے دلائل پیش کیے ہیں لیکن کسی خاص اسکالر نے اس کی واضح وضاحت نہیں کی ہے۔ گرکے اور میٹلینڈ نے گروہوں کی خصوصیات کی وضاحت کی ہے لیکن ان اسکالرز نے مملکت کے قانونی اختیار کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔ خود بہت سے کمیونسٹوں نے مملکت کو گروہوں اور تنظیموں کے مابین بھائی چارہ قائم کرنے کا ادارہ تصور کیا ہے اور اس سے مملکت کی بالا دستی صاف واضح ہوتی ہے۔

5. **اقتدار اعلا کی تقسیم:**

تکثیریت پسند اقتدار اعلا کو تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن اس کی تقسیم سے اس کی تباہی ہو جاتی ہے۔ اقتدار اعلا ایک مکمل اکائی ہے جسے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اقتدار اعلا تقسیم ہو گیا تو مملکت تباہ ہو جائے گی۔ تکثیریت پسندوں کا یہ عجیب نظریہ ہے۔ کیونکہ وہ اقتدار اعلا کو تقسیم کرنا بھی چاہتے ہیں اور ساتھ ہی مملکت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں ایک ساتھ بالکل نہیں ہوسکتے۔

6. **تمام کمیونٹیز میں مساوات:**

تکثیر پسندوں کا نظریہ دراصل ایک انتہا پسندانہ نظریہ ہے۔ ایسے نظریات اگر معاشرے میں جڑ پکڑلیں تو مملکت کی سلامتی اور سیاسی استحکام کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ مملکت کو عام انجمنوں کے مساوی قرار دینے سے مملکت کا تقدس ختم ہو جاتا ہے۔ لاسکی تو

یہاں تک کہہ دیتا ہے کہ اب مناسب وقت آ گیا ہے کہ مملکت کے اقتدار اعلا کے تصور کو ہی ختم کر دیا جائے حالانکہ اقتدار اعلا کی عدم موجودگی میں مملکت کی سلامتی ہی خطرے میں پڑ جاتی ہے

7. **کمیونیٹیوں کے ممبروں پر انسداد تشدد کے متعلق مملکت کی ذمے داری:**

اگر تنظیموں اور گروہوں کو مکمل آزادی دی جائے تو پھر ان کے منتظمین ممبروں پر تشدد کرنا شروع کر دیں گے۔ ممبران کو منتظمین کے مظالم سے بچانے کے لیے، یہ ضروری ہے کہ مملکت کی بالادستی یا اقتدار اعلا ہو تا کہ مملکت تنظیموں اور گروہوں پر اپنا کنٹرول حاصل کر سکے۔ مملکت تنظیموں اور گروہوں کو اپنے قوانین کے تحت کام کرنے پر مجبور کر سکتی ہے اور حقوق العباد کا تحفظ بھی کر سکتی ہے۔

8. **مملکت کا محدود دائرہ کار:**

جدید مملکت کے دائرہ کار کو محدود نہیں کیا جا سکتا۔ تکثیر پسندوں نے دراصل مملکت کو ایک منفی ادارہ خیال کیا جب کہ جدید مملکت کا مقصد صرف امن و امان کے قیام تک محدود نہیں بلکہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں کار کردگی کے اعلا معیار برقرار رکھنے اور انجمنوں کے مفادات کی حفاظت کے لیے ایسے قوانین کا اجرا بھی ہے جن کے تحت تمام معاشی اور سماجی سرگرمیاں بہ احسن وخوبی جاری رہ سکیں، قانونی تحفظ کی عدم موجودگی میں انجمنوں کو اپنے مقاصد کے حصول میں لاتعداد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مملکت انہیں ایسا مرکز مہیا کرتی ہے جہاں سے ان تمام سرگرمیوں کو مربوط رکھا جا سکتا ہے بلکہ مملکت تو بعض انجمنوں کی مالی امداد بھی کرتی ہے اگر بعض ناگزیر حالات کے باعث مفادات میں تصادم ہو جائے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا قطعاً غیر مناسب ہو گا کہ مملکت کے اقتدار اعلا کو ہی ختم کر دیا جائے۔ بالفرض اگر انجمنوں کی ایسی آزاد خود مختار حیثیت کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر بین الاقوامی نوعیت کی انجمنیں اختیارات کی اس دوڑ میں قومی مملکتوں پر بھی سبقت لے جائیں گی۔ بلاشبہ لامرکزیت کا یہ نظریہ جذبہ حب الوطنی کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

1۔ تکثیریت کے مطابق اقتدار اعلا مملکت کے ساتھ مختص ہونے کے بجائے، مختلف تنظیموں میں تقسیم ہے۔ یہ مملکت کی واحد ملکیت نہیں ہے۔

2۔ اگرچہ 19ویں صدی اور 20ویں صدی کے آغاز میں تکثیریت کا ارتقا ہوا تاہم اس کی جڑیں قرون وسطی کے زمانے میں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

3۔ جدید مملکت کی نااہلی، تکثیریت کے ارتقا کی وجہ بنی۔ جدید مملکت کے کام کے دائرہ کار میں توسیع ہوئی اور اس میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

4۔ مملکت سماج کی ان تنظیموں میں سے ایک ہے جن کی اپنی سماجی انفرادیت اور خواہشات ہیں اور جو مملکت کی طرح بہت سے عوامی کاموں میں شامل ہیں۔

5۔ ایک فرد مملکت کے بمقابل ان تمام تنظیموں کے ساتھ زیادہ وفادار ہوتا ہے جن کا وہ ممبر ہوتا ہے۔

6۔ تکثیریت پسند اقتدار اعلا کو تقسیم کرتے ہیں لیکن اقتدار اعلا کو منقسم کرنا مملکت کے لیے ایک تباہ کن امر ہے۔ اقتدار اعلا ایک مکمل اکائی ہے جسے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔

20.3 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- تکثیریت کے معنی اور مفہوم کو جانا۔
- نظریہ تکثیریت کے ارتقا پر بحث کی۔
- تکثیریت کی ابتدا کے معاون عناصر کو سمجھا۔
- تکثیریت کی اہم خصوصیات کو واضح کیا۔

20.4 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **تکثیریت** : ایک نظریہ کہ کائنات بہت سارے عناصر پر مشتمل ہے۔
- **کمیونیٹی** : لوگوں کا گروپ، سوسائٹی۔
- **انفرادیت یا مانزم** : ایک نظریہ کہ کائنات میں صرف ایک ہی چیز موجود ہے جسے صرف مصنوعی اور من مانی طور پر بہت سی چیزوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔
- **اقتدار اعلا** : کسی ملک کی خود کی حکمرانی کرنے کا اختیار جس میں کسی اندرونی یا باہری طاقت کا مداخلت نہ ہو۔
- **بین الاقوامی** : ایک سیاسی اصول ہے جو لوگوں اور قوموں میں زیادہ سے زیادہ سیاسی یا معاشی تعاون کی حمایت کرتا۔
- **آمریت** : آمریت یا مطلق العنان حکومت اس نظام کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص (آمریت) موجودہ قوانین نظر انداز کرتے ہوئے طاقت کے زور پر حکومت کرتا ہے۔
- **سامراجیت** : سامراجیت ایک ملک کی سرحدوں سے باہر جاکے دوسرے ملک کے اختیارات پر دخل اندازی کرنے کے عمل کو کہا جاتا ہے۔
- **عالمگیریت** : اس سے مراد جہاں دنیاں کے تمام ملک معشیت، تمدن، تکنیکی، ٹرانسپورٹیشن اور مواصلات کی سطح پر ایک دوسرے پر منحصر ہو جائے دوسرے معنی میں ایک گاؤں کی شکل اختیار کرلے۔

20.5 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

20.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات(Objective Answer Type Question)

1. تکثیریت پسند چاہتے ہیں کہ:

(a) مملکت کو مطلق العنان حق دینا　　(b) مملکت کی اقتدار اعلا سے محرومی

(c)صرف گروہوں کو اقتدار اعلا کی فراہمی　　(d) مملکت کے محدود اختیارات

2. تکثیریت پسندوں کا ماننا ہے کہ:

(a)اقتدار اعلا پر صرف مملکت کا حق ہے۔

(b)اقتدار اعلا کی مختلف سماجی، مذہبی، معاشی اور سیاسی گروہوں میں تقسیم

(c))اقتدار اعلا پر صرف سماجی اور معاشی گروہوں کا حق ہے

(d)اقتدار اعلا صرف اقوام متحدہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

3. تکثیریت پسند اس پر یقین رکھتے ہیں:

(a) قانونی اقتدار اعلا　　(b)سیاسی اقتدار اعلا

(c)برائے اقتدار اعلا　　(d) مطلق العنانیت

4. تکثیریت کے اقتدار اعلا کی بنیادی خاصیت ہے

(a)مطلق العنانیت　(b)نااہلیت　(c) تقسیم　(d)یا کوئی اور خصوصیت

5. اقتدار اعلا کے متعلق تکثیریت کا نظریہ تھا:

(a) مملکت کے اقتدار اعلا کے انکار کے خلاف ایک رد عمل

(b)سماجی اور معاشی تنظیموں کی زیادہ اہمیت کے خلاف رد عمل

(c)آسٹن کے غیر قانونی قانونی اقتدار اعلا کے نظریہ کے خلاف رد عمل

(d) ان میں سے کوئی نہیں

6. تکثیریت پسندوں کا ماننا ہے کہ:

(a) مملکت ایک انوکھی تنظیم ہے

(b) مملکت دوسری سماجی، معاشی اور مذہبی تنظیموں کی طرح ہی ایک تنظیم ہے۔

(c)دوسری سماجی، معاشی اور مذہبی تنظیم مملکت سے زیادہ اہم ہیں

(d) مملکت کو دیگر تنظیموں کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے

7. تکثیریت پسند چاہتے ہیں

(a) مملکت کا خاتمہ　　(b) غیر طبقاتی اور غیر مملکتی سماج

(c) مملکت کے اختیارات میں کمی　　(d) مملکت کے اختیارات میں مزید توسیع

8. مندرجہ ذیل میں سے تکثیریت کا حامی کون ہے؟

(a) بینتھم　　(b) جے. ایس. مل　　(c) جان لاک　　(d) لاسکی

9. اقتدار اعلا کی متعدد شکلیں ہیں۔ برطانیہ کے بادشاہ کے اقتدار اعلا کی درجہ بندی مندرجہ ذیل میں سے کس میں کی جاسکتی ہے۔

(a) خطابی اقتدار اعلا　　(b) حقیقی اقتدار اعلا

(c) مقبول اقتدار اعلا　　(d) قانونی اقتدار اعلا

10 تکثیریت پسند مملکت کو یہ درجہ دیتے ہیں:

(a) عوام کی مالک　　(b) عوام کی خادم

(c) عوام کی خیر خواہ　　(d) ان میں سے کچھ نہیں

20.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ تکثیریت کے تاریخی پس منظر پر مختصر نوٹ لکھیے۔

2۔ تکثیریت کے ارتقا کے اسباب قلم بند کیجیے۔

3۔ نظریہ تکثیریت کی اہم خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔

4۔ اقتدار اعلا کے متعلق لاسکی کے نظریات لکھیے۔

5۔ تکثیریت پسند اقتدار اعلا کے اختیارات کیوں محدود کرنا چاہتے ہیں؟ واضح کیجیے۔

20.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ نظریہ تکثیریت کیا ہے اور اس کے بنیادی افکار کیا ہیں تفصیل سے لکھیے؟

2۔ نظریہ تکثیریت کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔

3۔ اقتدار اعلا کے تصورات کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

20.6 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Pruthi, R.K. (2005), Political Theory, Sarup & Sons, New Delhi

2. Kapur A.C. (2010), Principles of Political Science, S.Chand & Compny Ltd. New Delhi
3. Barry, B. (2001), Culture and Equality: An Egalitarian Critique of Multiculturalism, Cambridge, MA: Harvard University Press.
4. Sushila, Ramaswamy(2015), Political Theory-Ideas and Concepts; 2nd ed. PHI Learning, New Delhi.
5. Heywood, Andrew(2004), Political Theory: An Introduction, Palgrave Macmillan, London.
6. Almond, G. A. & Bingham, G. Powell Jr. (1966), Comparative Politics: System, Process, and Policy. Boston: Little, Brown.
7. Barrow, C. W. (1993), Critical Theories of the State: Marxist, Neo -Marxist, Post Marxist. Madison: University of Winsconsin Press.
8. Bernard, C. (1972), In Defence of Politics, University of Chicago Press.
9. Easten, D. (1953), The Political System: An Inquiry into the State of Political Science, New York: Alfred A. Knopf
10. S.P. Verma(2013), Modern Political Theory, Vikas Publishiry New Delhi
11. Sharma., U and Sharma, S.K(2007), Principles and Theory of Political Science, Vol.II, Atlanti c Publisher and Distributers (P) Ltd, New Delhi
12. Gauba, O.P(2010), An Introduction to Political Theory, Mc Millan, Delhi, 2010.
13. Obest E. Goodin(2011), Oxford Handbook of Political Science, OUP, Oxford
14. Ray, A. & Bhattacharya, M. (1983), Political Theory: Ideas and Institutions, Calcutta: The World Press

اکائی 21۔ حقوق : معنی اور اقسام

(Rights: Meaning and Types)

اکائی کے اجزا

21.0 تمہید

21.1 مقاصد

21.2 حقوق کے معنی

21.3 حقوق کی تعریفات

21.4 حقوق کی خصوصیات

21.5 حقوق کا ارتقا

21.6 حقوق کے اہم نظریات

21.7 حقوق کی اقسام

21.8 فرائض

21.9 حقوق اور فرائض کا تعلق

21.10 بنیادی حقوق

21.11 اکتسابی نتائج

21.12 کلیدی الفاظ

21.13 نمونہ امتحانی سوالات

21.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

21.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

21.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

21.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

21.0 تمہید (Introduction)

علم سیاسیات کے مطالعے میں حقوق کی طرح اہم ترین تصور کوئی اور تصور نہیں ہے۔ یہ تصور کسی فرد کو آزاداور شہری ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ جس کی وجہ سے کوئی فر د اپنے آپ کو امیر، غریب، گورے اور کالے کااحساس کیے بغیر دوسروں کے مساوی سمجھتے ہوئے کسی امتیاز کے بغیر سماج میں بہترین زندگی گزار سکتا ہے۔

21.1 مقاصد (Objectives)

اس مطالعے سے آپ حقو ق کی تعریف کو جان سکیں گے۔ حقوق کے ارتقا سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔اس کے علاوہ حقوق کے مختلف نظریات، حقوق کی قسمیں بنیادی حقوق،فرائض کی قسمیں اور حقوق و فرائض سے متعلق جانکاری حاصل کر سکیں گے۔

21.2 حقوق کے معنی (Meaning of Rights)

حقوق کا تصور جمہوریت کی دین ہے۔ آج انسانی حقوق پر سارے عالم میں خصوصی توجہ مرکوز کی جارہی ہے۔ چنانچہ حقوق کے کمیشن، حقوق کے تحفظ کے لیے حکومت کی سرپرستی میں کام کر رہی ہیں۔ جب کہ خانگی غیر حکومتی تنظیمیں انسانی حقوق کی عمل آوری کو یقینی بنانے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ حقوق کے کئی معنی ہیں۔ جیسے حق تلفی نہ کرنا، حق نہیں مارنا، بیوی بچوں اور والدین کے حقوق وغیرہ۔ اس سے ہماری مراد دوسروں کے تئیں اپنے فرائض اور ذمے داریوں کی بہترین ادائگی ہے۔ حق کے تمام معنوں میں ایک بات مشترک ہے جس کا تعلق انسانی سرگرمی کا صحیح ہونا ہے۔ غلط سرگرمی کو حق نہیں کہا جا سکتا ہے۔ حق فرد کو ملک کے آئین کے تحت عطا کردہ اختیار کی ضمانت ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق الگ الگ شعبوں میں ہوتا ہے جیسے سماجی، معاشی، سیاسی، اور اقتصادی وغیرہ۔

21.3 حقوق کی تعریفات (Definition to Rights)

حقوق کی مختلف تعریفات اس طرح ہیں۔

1۔ ہیرالڈ جے لاسکی کے مطابق "حقوق سماجی زندگی کی وہ شرائط ہیں جن کے بغیر عام طور پر کوئی شخص اپنی بہتری حاصل نہیں کر سکتا۔"

2۔ پروفیسر ہالینڈ کے مطابق "حق انسان کی وہ صلاحیت ہے جس کے ذریعے وہ دوسروں کے افعال پر ذاتی قوت سے نہیں

بلکہ سماج کی رائے اور قوت سے اثر ڈالتا ہے۔"

3۔ ٹی ایچ گرین کے مطابق "حقوق وہ طاقتیں ہیں جن کا مشترکہ بھلائی کے لیے مطالبہ کیاجاتاہے اورانہیں تسلیم کیاجاتا ہے۔"

4۔ ہاب ہاؤس کے مطابق "حقوق وہ ہیں جن کی ہم دوسروں سے اور دوسرے ہم سے امید کرتے ہیں اور تمام صحیح حقوق عام بھلائی کے شرائط ہیں۔"

21.4 حقوق کی خصوصیات (Characteristics of Rights)

مندرجہ بالا تعریف سے حقوق کی مندرجہ ذیل خصوصیات سامنے آتی ہیں۔

1۔ حقوق سماجی زندگی کی وہ شرائط ہیں جن کے بغیر کوئی بھی فرد بہتر زندگی نہیں گزار سکتا۔

2۔ حقوق سماجی زندگی کا لازمی جز ہوتا ہے یعنی جہاں سماجی زندگی ہوتی ہے وہیں حقوق کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

3۔ حقوق فرد کے دعوے ہوتے ہیں جو سماج کی عام بھلائی کے لیےسب کی جانب سے تسلیم کیے جاتے ہیں۔

4۔ فرد کو اختیار اور آزادی حقوق سے حاصل ہوتے ہیں۔ حقوق کی نوعیت عالم گیر ہوتی ہے۔

5۔ ہر سماج میں مختلف حقوق ہوتے ہیں۔چنانچہ مغرب کے تصور حقوق اور مشرق کے تصور حقوق میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔

6۔ حقوق سماجی تعلقات کو استوار کرتے ہیں جیسے پڑوسی سے تعلقات، شوہر اور بیوی کے تعلقات، استاد اور شاگرد کے تعلقات وغیرہ۔

7۔ حقوق کے ساتھ فرائض بھی ہوتے ہیں چنانچہ فرائض کے بغیر حقوق ایسے ہی ہیں جیسے سایہ کے بغیر انسان۔

8۔ کسی بھی سماج میں حقوق مطلق نہیں ہوتے ہیں۔ان پر سماج مملکت اور قانون کی پابندی عائد ہوتی ہے۔

9۔ حقوق کی حفاظت اور تشریح عدلیہ کرتی ہے۔حقوق کی حفاظت و حصول کے لیے عوام عدلیہ سے رجوع ہوتے ہیں۔

10۔ مملکت کا دستور اور قوانین حقوق کو متعین اور واضح کرتے ہیں۔

21.5 حقوق کا ارتقا (Evolution of Rights)

1.میگنا کارٹا (Magna Carta) انسانی حقوق کی تاریخ میں برطانیہ کے حکمران جون 1215 کا فرمان حقوق جسے میگنا کارٹا کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔اسے حکمران کے خلاف نوابوں کی بغاوت کے نتیجے میں جاری کیا گیا تھا۔اس میں اس اصول کو بتایا گیا کہ ہر کوئی حتی کہ حکمران بھی قانون کے تابع ہوگا اور شہریوں کو انصاف دیا جائے گا۔اس کے علاوہ مقدمات کی

منصفانہ شنوائی کا حق بھی دیا گیا۔میگنا کارٹا سے مراد "عظیم منشور" ہے۔جس نے برطانوی شہریوں کو آزادی عطا کی۔جس سے انسانی حقوق کے نئے دور کا آغاز ہوا۔اس کے ذریعے چرچ(مذہب) کو حکومت کی مداخلت سے آزاد کیا گیا۔شہریوں کو جائیداد کا حق دیا گیا اورانہیں زائد محصول(ٹیکس) سے بچایا گیا۔میگنا کارٹا دراصل مملکت میں عوام کے حقوق اور بادشاہ کے عامرانہ رویہ پر پابندی عائد کرکے عوام کے مشوروں سے قانون سازی اور حقوق کی ضمانت کا آغاز ہے۔

2.بل آف رائیٹس (Bill of Rights) 1689برطانیہ کا بل آف رائیٹس پر دستخط 1689 ء میں ولیم سوم اور میری دوم جو کہ حکمراں جیمس دوم کو اقتدار سے معذول کرتے ہوئے برطانیہ کے جڑواں حکمراں بنے تھے اور بل آف رائٹس کو پیش کیا تھا۔یہ بل دستوری اور شہری حقوق کو پیش کرتا ہے اور اس بل کی وجہ سے شاہی پر پارلیمنٹ کی برتری قائم ہوئی۔بہت سے انگریز ماہرین کے مطابق بل آف رائٹس وہ بنیادی قانون ہے جس سے برطانیہ میں دستوری بادشاہت کا آغاز ہوا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بل امریکہ کے بل آف رائیٹس کو متاثر کرتا ہے۔1688 ء تا 1689 ء کے درمیان برطانیہ میں شاہی حکومت کے خلاف بغاوت کا آغاز ہوا چونکہ برطانیہ کے عوام کیتھولک بادشاہ کے غیر معمولی اختیار سے عاجز آچکے تھے۔یہاں تک کہ برطانوی پارلیمنٹ اور شاہ کے درمیان تناؤ تھا۔یہ تناؤ دومذہبی گروہوں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان تھا جس کے نتیجے میں شاہ جیمس دوم کو اپنی بیٹی میری اوردامادولیم کے حق میں دست بردار ہونا پڑا۔ان دونوں نے مل کر جڑواں شاہی کو قائم کیا اور پارلیمنٹ کے حق میں اپنے اختیار سے دست بردار ہوئے۔اس کے نتیجے میں بل آف رائیٹس پر دستخط کیے گئے جس سے رعایا کوحقوق وآزادی ملیں تو دوسری طرف برطانیہ کے لیے جانشینی کامسئلہ ہمیشہ کے لیے حل کر دیا گیا۔اس بل کی خاصیت یہ ہے کہ اس بل میں شاہ جیمس دوم کی جانب سے اختیارات کے غلط استعمال کی مذمت کی گئی اور یہ اعلان کیا گیا کہ شاہ پارلیمنٹ کی اجازت کے بغیر اپنے اختیارات کا استعمال نہ کرے۔اس بل کے اہم حصے اس طرح سے ہیں۔

- حکمراں جیمس دوم کی غلط کاریوں کی تفصیلی فہرست۔
- شہریوں کو آزادی دینے والے 13 دفعات کا اعلان اور۔
- اس بات کی تصدیق کہ ولیم اور میری تخت برطانیہ کے جائز حکمراں ہیں۔

مختصر یہ کہ بل آف رائیٹس نے حکمراں کے اختیارات کو محدود کیا اور پارلیمنٹ کے رتبہ کو بڑا کیااور شہریوں کو خصوصی حقوق عطا کیے۔

بل آف رائیٹس 1688 ء میں عظیم الشان انقلاب کا نتیجہ تھا۔اس کے فوری بعد 1689 ء میں Mutiny Act منظورہواجس کے نتیجے میں امن کے دوران فوج ایک سال سے زیادہ مدت تک کسی مقام پر طیعنات نہیں کیا جاسکتا تھا۔اس کے بعد 1701 ء میں بل آف رائٹس کو ایک اور قانون جس کو Act of Settlement کہا جاتا ہے کے ذریعے مزید مستحکم کیا گیا۔جس سے اس بات کو یقینی بنایا گیا کہ برطانیہ کے تاج اور تخت کا وارث صرف ایک پروٹسٹنٹ ہی ہوگا۔

3. امریکی آزادی کا اعلان 1774ء (Independence of American Declaration) امریکہ کی 13 نوآبادیات نے پہلے پہل آزادی کا بگل بجاتے ہوئے برطانیہ کی حکمرانی کے خلاف بغاوت کی تھی۔ان نو آبادیات نے اپنے مادر وطن کے خلاف 4 جولائی 1774 کو آزادی کا اعلان کیا اور انگلینڈ کے حکمران پر ظلم و بربریت کا الزام لگاتے ہوئے اپنی اپنی آزادی کا اعلان کیا۔ امریکی اعلان نامہ آزادی میں کہے گئے الفاظ"انسان مساوی تخلیق کیے گئے ہیں اور ان کے خالق نے انہیں چندنا قابل تفریق حقوق دیے ہیں۔

4. امریکہ کا بل آف رائٹس 1791(U.S. Bill of Rights) امریکہ میں برطانیہ کی طرز پر 15 دسمبر 1791 میں ایک بل آف رائیٹس منظور کیا گیا جس کے ذریعے تقریر کی آزادی اور عدلیہ کی طرف سے مقدمہ کے بغیر غیر معمولی سزاؤں سے تحفظ دیا گیا۔ برطانیہ کابل آف رائٹس کا اثر امریکہ کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور آئر لینڈ کے قانونی دستاویزات پر پڑا۔ امریکہ کابل آف رائٹس دراصل امریکی دستور میں کی گئی 10 ترمیمات پر مشتمل ہے جن کو جیمس میڈیسن(James Madison)نے لکھاتھا۔ان ترمیمات کے ذریعے حکومتی اختیارات پر پابندیاں عائد ہوئی جس کا کہ کئی مملکتیں مطالبہ کررہی تھیں۔اس بل میں اظہار خیال اور عبادت کی آزادی کو فطری حق کے طور پر تسلیم کیا گیا اور یہ بات پہلی ترمیم میں ہے۔ چنانچہ یہ دفعہ کہتی ہے کہ کانگریس کوئی ایسا قانون نہیں بنا سکتی جس سے مذہب کا اظہار خیال کی آزادی متاثر ہوتی ہو۔چوتھی ترمیم کے ذریعے سے شہریوں کے گھروں میں حکومت کی جانب سے مداخلت پر پابندی عائد کی گئی۔ امریکی بل آف رائیٹس میں شہریوں کو اصل حقوق کی تفصیل اس طرح ہے۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ دستور کی پہلی دس ترمیمات شہریوں کے بنیادی حقوق سے متعلق ہیں، اس دستور میں، ہندوستان کے دستور کی طرح، بنیادی حقوق پر کوئی علاحدہ باب نہیں ہے۔4 مارچ 1789 کو پہلی دس ترمیمات کی منظوری کے بعد یہ15دسمبر 1791ء سے دستور کا جز بن گئیں، جن کے امریکی شہریوں کے حسب ذیل حقوق حاصل ہیں۔

پہلی ترمیم کی روسے شہریوں کو مذہبی آزادی، تقرر وتحریر اور جلسے منعقد کرنے کی آزادی حاصل ہے۔اس کے علاوہ عوام حکومت کو اپنی تکالیف اور مشکلات و شکایات سے مطلع کرنے کے لیے عرضیوں کو پیش کرنے کا بھی حق رکھتے ہیں۔دوسری ترمیم کے ذریعے شہریوں کو اسلحہ رکھنے اور انہیں استعمال کرنے کا حق حاصل ہے۔تیسری ترمیم فوجیوں کو زمانہ امن میں کسی کے بھی مکان میں مالک کی اجازت کے بغیر داخل ہونے سے روکتی ہے۔زمانہ جنگ میں قانون کے بغیر کوئی فوجی کسی گھر میں نہیں ٹھہر سکتا۔اس طرح فرد کو گھر اور خاندان کی نجی آزادی کا حق حاصل ہوتا ہے۔چوتھی ترمیم کے مطابق لوگوں کے گھروں، کاغذات و سامان کی تلاشی اور ضبطی کو اصولوں اور قانون کا پابند کیا گیا ہے۔پانچویں ترمیم لوگوں کو زندگی، دولت اور آزادی کی ضمانت دیتی ہے۔چنانچہ کسی بھی شخص کو اس کی زندگی، جائیداد اور آزادی سے بغیر کسی قانون کے محروم نہیں کیا جاسکتا اور حکومت نجی دولت و جائیداد کو معقول معاوضہ کی ادائیگی کے بغیر نہیں لے سکتی۔چھٹی ترمیم کے مطابق

ملزمین کو جلد انصاف حاصل کرنے اور جیوری کے ذریعے فیصلہ حاصل کرنے پر زور دینے کا اختیار حاصل ہے۔ساتویں ترمیم کے مطابق ان مقدموں میں جو عام قوانین کی خلاف ورزی اور مقدمہ کی مالیت بیس ڈالر سے زائد ہو تو شہریوں کو جیوری کے ذریعے فیصلہ حاصل کرنے کا اختیار دیتا ہے۔آٹھویں ترمیم کے مطابق شہریوں سے نہ ضرورت سے زیادہ ضمانت مانگی جائے گی، نہ زیادہ جرمانے کیے جاسکتے ہیں اور نہ ہی تین سزائیں دی جاسکتی ہیں۔نویں ترمیم کے مطابق حقوق کے مختصر بیان کا ہرگز یہ مطلب نہ ہوگا کہ شہریوں کو موجودہ حقوق سے محروم کر دیا جائے گا۔دسویں ترمیم کے مطابق دستور نے جو اختیارات وفاقی حکومت کو نہیں دیے ہیں ، وہ مملکتوں یا عوام کے لیے محفوظ ہیں۔

5.انقلاب فرانس1789 (French Revolution) 14 جولائی 1789 کو فرانس میں آئے انقلاب نے مطلق العنان بادشاہت ختم کردی۔ 4 اگست 1789 کو قومی اسمبلی نے "انسان اور شہریوں" کے حقوق کا اعلان کیا۔یہ اعلان 17 دفعات پر مشتمل ہے۔جس میں اعلان کیا گیا کہ"انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور اپنے حقوق وآزادیوں میں مساوی ہیں۔" اس انقلاب سے بادشاہی کوا کھاڑ پھینکتے ہوئے عوام کو اقتدار دیا۔شاہ لوئیس چہارم کو 1793 ء میں سولی پر چڑھایا گیا۔اس انقلاب کی جو وجوہات بتائی گئی ہیں اس میں سب سے اہم چارطبقات پر مشتمل سماجی نظام تھا۔(1) شاہی طبقہ(2) درباری طبقہ (3) جاگیرداروں کا طبقہ اور(4) عام عوام کا طبقہ۔سماج کے اوپری تین طبقات عام عوام کا استحصال کرتے تھے اور ان پر ٹیکس کا بوجھ بہت زیادہ عائد کیا گیا اور یہی طبقہ تینوں طبقات کی خدمت کے لیے ذمہ دار تھا۔

6.انقلاب روس 1917 (Russian Revolution) اس کو کمیونسٹ یا کمیونزم کا انقلاب بھی کہا جاتا ہے۔یہ انقلاب دوحصوں پر مشتمل ہے۔پہلا انقلاب فروری 1917 ء میں اور دوسرا انقلاب اکتوبر 1924 ء میں مکمل ہوا۔پہلے انقلاب سے زارؔ(Czar) کی شاہی حکومت کو معزول کیا گیا جب کہ اکتوبر کے انقلاب کے ذریعے بالشیوکوں (Bolsheviks) کو اقتدار حاصل ہوا۔یہ دونوں انقلاب گو کہ ولادیمیر لینن کی قیادت میں آئے تھے۔تاہم، اس کے پیچھے کئی نظریہ ساز جیسے جوزف اسٹالین اور لیون ٹراٹسکی وغیرہ جیسے قائدین بھی تھے۔1917 ء کے آتے آتے روس کے عوام زارؔ کی حکومت کی بدعنوانیوں اور عدم کارکردگی سے بیزار تھے۔اس انقلاب کی بنیادیں 18- 1914ء کے دوران ہی پہلی جنگ عظیم میں ہی پڑی تھیں۔جب کہ جرمن افواج کے ہاتھوں روسی افواج کی پے در پے شکست سے عوام میں شاہی کے خلاف نفرت کا احساس پیدا ہوا۔ایک تو یہ ثابت ہوا کہ مغربی یوروپ کی مملکتوں کے سامنے روس کی کوئی وقعت نہیں تھی تو دوسرے یہ کہ روس کی معیشت مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی۔عوام سڑکوں پر آ چکے تھے۔2مارچ 1917ء کوز ارنکولاس کو تخت چھوڑنے کے لیے مجبور کیا گیا جس سے رومانوی خاندان کی تین سو سال حکمرانی کاروس سے خاتمہ ہوگیا۔ڈوما(روسی پارلیمنٹ)نے نکولاس دوم کی جگہ ایک عبوری حکومت کو قائم کیا تھا جو کہ عوامی احتجاج کے سامنے ٹک نہ سکی۔فروری سے اکٹوبر 1917ء تک عبوری حکومت کو چار مرتبہ تبدیل کرنا پڑا۔بالآخراکتوبر- نومبر 1917 ء میں لینن کی سرکردگی میں پہلی کمیونسٹ حکومت قائم ہوئی جو سماجی اور معاشی

مساوات اور فرد کی آزادی کی علامت اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف عظیم جدو جہد کے طور پر تاریخ میں یاد رکھی جائے گی۔

7.انسان کے حقوق کا بین الاقوامی اعلان نامہ 1929ء (Declaration of International Rights of Man)

پہلی جنگ عظیم کے بعد انسانی حقوق اور آزادیوں کا سوال پیدا ہوا۔1929ء میں انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل لا نے انسان کے حقوق کے ایک اعلان نامہ تیار کیا۔اس کا قیام 1873ء میں بھی میں بلجیم میں عمل میں آیاتھا۔904 1ء کا نوبل انعام اس ادارے کو دیا گیا تھا۔اس میں دی گئی آزادیوں اور حقوق انسان کے لیے "بنیادی" کہا گیا۔ان حقوق و آزادیوں کو فرانس اور امریکہ کے علاوہ دنیا کے کئی دساتیر نے اپنایا۔اس طرح حقوق کو پہلی مرتبہ عالمگیر حیثیت حاصل ہوئی۔

8.اقوام متحدہ اور انسانی حقوق (United Nations and Human Rights) 24 اکتوبر 1945ء میں اقوام متحدہ کے قیام کے بعد انسانی حقوق کی اہمیت کوتسلیم کیا گیا۔اقوام متحدہ کے منشور میں کئی دفعات ہیں جو انسانی حقوق کو تسلیم کرتے ہیں۔ منشور کی شروعات خود "ہم اقوام متحد کے عوام" سے شروع ہوتی ہے۔جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقوام متحدو انسانی حقوق کے تحفظ کے لیےکام کرے گی۔چنانچہ اس منشور کے "دیباچہ" میں کہا گیا ہے کہ"انسان کی شخصیت کے وقار اور قدر راور عورت و مرد کی مساوات میں اور بنیادی انسانی حقوق میں اعتماد کو قائم کرے۔" اقوام متحدہ کے منشور کا مقصد جنگوں کو ختم کرنا اور بین الاقوامی تعاون اور امن کو قائم کرنا ہے اور منشور چاہتا ہے کہ انسان کے ناقابل بیان مسائل کو ختم کیا جائے۔ چنانچہ اس منشور کی دفعہ 1 (2)میں کہا گیا کہ"اقوام متحدہ کا مقصد اقوام کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ دیناہے جس کی بنیاد عوام کے حق خودارادئیت (Self- Determination) اور مساوی حقوق کے اصولوں کی بنیاد پر کام کرنا اور عالمی امن کے اس کام کے لیے دوسرے مناسب اقدامات کرنا ہے۔" اسی طرح دفعہ 55 میں انسانی حقوق کے مقاصد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔"قوموں کے درمیان ضروری پرامن اوردوستانہ تعلقات کے قیام اوراستحکام کے لیے قوموں کے درمیان مساوی اورخودعوام کے حق خودارادیت کو باعزت مقام دینے کے لیےاقوام متحدہ کام کرے گا ۔

1۔ اعلا معیار زندگی،مکمل روزگار، معاشی اور سماجی ترقی کے حالات ۔

2۔ بین الاقوامی معاشی، سماجی، صحت اور دوسرے مسائل، اور بین الاقوامی تمدن اور تعلیمی تعاون کے لیے مسائل کو حل کرنا۔

3۔ انسانی حقوق کے لیے عالمگیر عزت اور بنیادی اور تمام شہریوں کے لیے بلاامتیاز نسل،جنس، زبان یامذہب بنیادی حقوق کو قائم کرنا۔

وفد 56، دفعہ 55 کو مستحکم کرتا ہے۔جس میں کہا گیا ہے کہ اقوام متحدہ کا مقصد انسانی فلاح اور انسانی حقوق کو حاصل کرنا ہے۔چنانچہ یہ دفعہ کہتی ہے کہ"تمام اراکین اپنے آپ سے یہ عہد کریں کہ وہ مشترکہ یا علاحدہ طور پر تنظیم کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے دفعہ 55 میں کہے گئے مقاصد کو حاصل کریں گے۔"

چنانچہ مذکورہ بالا "دفعات کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اقوام متحدہ نے 10 دسمبر 1948 کو ایک عالمگیر انسانی

حقوق کا اعلامیہ جاری کیا۔اس کے علاوہ انسانی حقوق پر کئی کنونشن منعقد ہوئے جیسے انسانی حقوق پر یوروپ کا کنوشن 1950 ء بین الاقوامی میثاق برائے شہری و سیاسی حقوق 1966 ء بین الاقوامی میثاق برائے معاشی،سماجی اور تمدنی حقوق 1966 ء بین الاقوامی میثاق برائے تمام قسم کے نسلی امتیاز ختم کرنا 1966 ء امریکی کنوشن برائے انسانی حقوق 1969 ء کانفرنس برائے یوروپ میں سلامتی اورتعاون 1975 ء اور افریقی منشور برائے انسانی و عوام کے حقوق 1981، وغیرہ۔

انسانی حقوق کا ایک اور مسئلہ محنت کشوں کا استحصال ہے پوری دنیا میں ان کا استحصال کیا جاتا ہے خواتین اور جوان افرادکا استحصال کیا جاتا ہے اور ان سے سستی اجرت محنت اور مشقت لی جاتی ہے۔ان مسائل پر 1945 ء سے اب تک ایک سو سے زیادہ بین الاقوای لیب کنونشن منعقد ہوئے ہیں۔اقوام متحدہ نے مزدوروں کے مسئلے سے نمٹنے کے لیے ایک علاحدہ تنظیم بین الاقوامی مزدور تنظیم (ILO) جس کو1919 ء میں قائم کیاگیاتھا کو برقرار رکھا، جس کا مقصد مزدوروں کے معیار زندگی میں اضافہ کرنا ہے۔12اگست 1949 ی چارکنونشن منعقد ہوے جنہیں جنیوا ریڈ کراس(Red Cross) کنونشن برائے جنگوں کے دوران انسانی سلوک کہا جاتا ہے۔ان کنونشنوں کے ذریعے جنگی اصولوں اور جنگی قیدیوں سے متعلق ضوابط طے کیے گئے۔

9.عالمگیر اعلان نامہ برائے انسانی حقوق 1948 (Universal Declaration of Human Rights) عالمگیر علان نامہ برائے انسانی حقوق کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948 ء کو 48 کے مقابلے میں صفرووٹ سے اپنایا، جب کہ 8 اراکین غیر حاضر تھے۔انسانی حقوق اعلان نام کی ذمے داری جنرل اسمبلی اور معاشی وسماجی کونسل(ECOSOC) کو سونپی گئی تھی۔اس عالمگیر اعلان نامہ نے بنیادی انسانی حقوق، انسانی وقار، مردوں،عورتوں کے مساوی حقوق میں اپنے عقیدے کا اظہار کیا۔اقوام متحدہ کے منشورکی دفعہ (3)1 میں کہا گیا ہے کہ”اقوم متحدہ کا بنیادی مقصد بین الاقوامی تعاون کو حاصل کرنا اور انسانی حقوق کے لیے وقار کو فروغ دینا، نسل، مذہب جنس، اور زبان کے کسی امتیاز کے بغیر بنیادی آزادیوں کو فروغ دینا ہے۔“

21.6 حقوق کے اہم نظریات (Important Concepts of Rights)

1.نظریہ فطری حقوق (Natural Concept of Rights) یہ نظریہ قدیم ترین ہے۔جسے رومیوں ویونانیوں نے پیش کیا تھا۔اس نظریہ کے مطابق حقوق پیدائش سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔زندگی آزادی اور جائیداد انسانی کے فطری اور بنیادی حقوق ہیں جنہیں کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔یہ حقوق انسان کو قانون فطرت کے عطا کردہ ہیں۔ان کے مطابق قانون فطری کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔بعد میں سترہویں صدی کے مفکرجان لاک، فطری حقوق کو ایک باضابطہ شکل دی۔اس کے مطابق انسان کو مذکوہ بالا تین فطری حقوق حاصل ہوتے ہیں۔سماجی معاہدے کے ذریعے قائم ہونے والی حکومت ان حقوق

کے تحفظ کی پابند ہے۔بلکہ حکومت وجود میں آتی ہی ان حقوق کے تحفظ کے لیے ہے۔اگر حکومت ان حقوق کے نفاذاور تحفظ میں ناکام ہوتی ہے تو شہریوں کو حکومت کے خلاف بغاوت کا حق بھی جان لاک دیتا ہے۔

2. قانونی نظریہ (Legal Concept) جیریمی بنتھم کے نزدیک فطری حقوق کا نظریہ ایک بیہودہ نظریہ ہے۔قانونی نظریہ کے مطابق حقوق فطری یا پیدائشی نہیں ہوتے۔حقوق کے نفاذ کے لیے انہیں مملکت کی جانب سے تسلیم کرتے ہوئے ضروری قانون سازی پر ہی ان کے نفاذ کی ضمانت ہوتی ہے۔ چنانچہ مملکت ہی قوانین کو وضع کرنے، نفاذ کی قوت و مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔کوئی بھی فرد مملکت کی مرضی کے خلاف نہیں جا سکتا۔مملکت کی جانب سے عطا کردہ سہولتوں میں ایک حقوق بھی ہیں۔تھامس ہوبز، جان آسٹن، جان سائمنڈ اور بینتھم اس نظریے کے اہم حامیوں میں سے ہیں۔حقوق وقت کے ساتھ بدلتے جاتے ہیں اگر مملکت کا قانون تبدیل ہوتا ہے تو حقوق بھی تبدیل ہوتے ہیں اور مملکت کی مشنری حقوق کے نفاذ کو یقینی بناتی ہے۔

3. تاریخی نظریہ (Historical Concept) حقوق کا سب سے قابل قبول نظریہ تاریخی نظریہ ہے۔یہ نظریہ مانتا ہے کہ حقوق نہ تو مملکت کی دین ہوتے ہیں اور نہ ہی عدالت کی پیداوار ہوتے ہیں بلکہ انسانی ضرورت کے تقاضوں کے مطابق واضح ہوتے ہیں اور حقوق تاریخی عمل کے ذریعے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔یعنی حقوق مقامی رسم و رواج، عادات و اطوار، انسانی ماحول کے مطابق خودبہ خود واضح ہوتے ہیں جن کومملکت قانونی شکل عطا کرتی ہے۔گزشتہ زمانوں میں غلامی کو مملکت اور سماجی قبولیت حاصل تھی تاہم آج اسے قانونی طور پر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔چنانچہ حقوق سماجی ضرورتوں کے مطابق ارتقائی منازل کو طے کرتے ہوئے مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس کی مثال 1215کا میگنا کارٹا یا اقوام متحدہ کا اعلان نامہ برائے انسانی حقوق 1948ہے۔

4. نظریہ سماجی فلاح (Social Welfare Concept) اس نظریہ کا حامی افادیت پسند مکتب فکر کا بانی جیریمی بنتھم کے علاوہ جان اسٹوارٹ مل، اس فکر کے حامی تھے۔ان سب کے مطابق حقوق کے پیچھے سماجی افادیت کا پہلو اہم ہوتا ہے۔حقوق کا مقصد سب کی بہی خواہی،فلاح و بہبود اور بہتری ہوتا ہے۔افادیت پسند مکتب کے تمام مفکرین حکومت، قوانین، اقدامات، سرگرمیوں اور پالیسیوں کو سماج کے آئینے میں ان کی افادیت کے معنوں میں دیکھتے ہیں۔اس پیمانے پر وہ حقوق کے تصور کو دیکھتے ہیں۔تاہم یہ حقوق کی مجرد نوعیت سے انکار کرتے ہیں۔یہ مفکرین حقوق کے فطری ارتقا اور قانون فطرت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

5. حقوق کا مثالی نظریہ (Idealistic Concept of Rights) یہ نظریہ فرد کی شخصیت کا نظریہ بھی کہلاتا ہے۔اس نظریہ کے حامیوں میں ہیگل، ٹی ایچ گرین اور بوسنکویٹ اہم ہیں۔اس نظریے کے مطابق حقوق وہ سہولتیں اور شرائط ہیں جو فرد کی نشوونما کے لیے ضروری ہیں۔فرد اخلاقی اور روحانی ترقی اس وقت کر سکتا ہے جب کہ سماجی زندگی میں ایسے مواقع حاصل

ہوں جن سے استفادہ کرتے ہوئے ترقی حاصل کی جا سکے۔یہ نظریہ حقوق کی سماجی نوعیت کو تسلیم کرتا ہے۔سماج کے باہر فرد کے کوئی حقوق نہیں ہوتے۔یہ نظریہ حقوق کو انسان کی روحانی ترقی کے زاویہ سے دیکھتا ہے۔دوسرے الفاظ میں یہ نظریہ مثالی سماجی نظم و ضبط کو دیکھتا ہے جس میں فرد کی مثالی ترقی ہوتی ہے۔

6.حقوق کا مارکسی نظریہ (Marxist Concept) کارل مارکس کا نظریہ حقوق سماج کی معاشی کیفیت کو پیش کرتا ہے۔مارکس کے مطابق معاشی حقوق کی موجودگی میں کوئی بھی سیاسی حقوق کو حاصل نہیں کر سکتا ہے۔امیر (بورژوا) اور غریب(پرولتاریہ)میں منقسم سماج میں حقوق، استفادہ، صرف چند اامیر سرمایہ دار ہی کر سکیں گے۔چونکہ حکومت خود طبقہ امرا کے ہاتھوں میں ہوگی جو صرف امیر سرمایہ داروں کے مفادات کا تحفظ کرے گی۔ایسے سماج میں امیر مزید امیر اور غریب مزید غریب بنتا جائے گا۔تمام مرعات، آزادیاں اور سہولیات امیروں کے لیے ہوں گی۔اس لیے ایسے سماج میں مارکس انقلاب کی بات کرتا ہے۔اس کے مطابق کوئی بھی سماج امیروں اور غریبوں کے درمیان دو طبقوں میں منقسم ہوتا ہے۔امیر طبقہ تعداد میں مختصر ہونے کے باوجود حکمرانی کے ذریعے سماج کے معاشی وسائل (دولت) کا استحصال کرے گا۔اس لیے غریب مزدوروں کو حقوق اسی وقت حاصل ہوں گے جب تک وہ متحد ہو کر امیر طبقے کے خلاف انقلاب نہیں لاتے۔

21.7 حقوق کی اقسام (Types of Rights)

بین الاقوامی سطح پر حقوق کو تین درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1. شہری اور سیاسی حقوق (Civil and Political Rights) ان کو پہلی نسل کے حقوق کہا جاتا ہے جو ہر شخص کی زندگی، آزادی کا تحفظ اور شخصی و نجی زندگی کے حق پر مشتمل ہے۔اس میں غلامی سے آزادی، مقدمات کی منصفانہ سماعت، من مانی گرفتاری یا قید سے آزادی، اظہار خیال، آزادی ضمیر و مذہب، انجمن اور حکومت سازی کے حقوق وغیرہ شامل ہیں۔

2. معاشی،سماجی اور ثقافتی حقوق (Economic, Social & Cultural Rights) انہیں دوسری نسل کے حقوق کہا جاتا ہے۔ان کا تعلق تمام انسانوں کے بہتر معیار زندگی، کام و روزگار کا حق،یکساں معاوضہ و کام کے صحت مندانہ شرائط اور فرصت کی فراہمی کے علاوہ ٹریڈ یونین کی تشکیل کے حقوق پر مشتمل ہے۔

3. اجتماعی حقوق (Collective Rights) یہ تیسری نسل کے حقوق ہیں۔ان کا تعلق عالمی سطح پر عوام کے لیے حق خود مختاری سے متعلق ہے۔آج اجتماعی یا انفرادی حقوق کی اہمیت میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔چونکہ دنیا کے کئی خطوں میں خانہ جنگی، نسل مذہب یا علاقہ کی بنیاد پر قتل عام یا اکثریت کے ظلم و جبر سے کئی ممالک میں انسانی حقوق متاثر ہویے ہیں۔

اس کے علاوہ حقوق کی اخلاقی اور قانونی قسموں کی ایک تقسیم اور ہے۔قانونی حقوق کو مزید شہری اور سیاسی حقوق میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ذیل میں ہم ان پر مختصراًغور کریں گے۔

(a) **اخلاقی حقوق** (Moral Rights) اخلاقی حقوق غیر تحری ہوتے ہیں۔ان کا تعلق فرد کے اخلاقی ضمیر سے ہوتا ہے۔جن کو سماج تو قبول کرتا ہے تاہم مملکت کا قانون اور عدالتیں ان حقوق کو تسلیم نہیں کرتے۔جیسے اساتذۃ بزرگوں کی عزت و توقیر کرنا اخلاقی درس تو ہو سکتا ہے لیکن کوئی تحریری قانون نہیں ہو سکتا۔ہر سماج کے الگ الگ اخلاق اصول و قوانین ہوتے ہیں جن کے مطابق کوئی سماج کام کرتا ہے۔سماج میں ا ن حقوق کی خلاف ورز ی کو سماج برا تو سمجھتا ہے لیکن خلاف ورزی کرنے والے کو سزا نہیں دے سکتا۔گویا اخلاقی حقوق کی نوعیت غیر جبری ہوتی ہے۔اخلاقی حقوق غیر تحریری ہوتے ہیں اس لیے انہیں عدالتوں سے منوایا نہیں جا سکتا۔

(b) **قانونی حقوق** (Legal Rights) قانونی حقوق ایسے حقوق ہوتے ہیں جنہیں مملکت تحریری شکل میں عطا اور نافذ کرتی ہے۔عدالتیں ان حقوق کی محافظ ہوتی ہیں۔لیکاک کے الفاظ میں:”قانونی حقوق وہ مراعات یا سہولتیں ہیں جن سے شہری کسی دوسرے ساتھی شہری کے خلاف استفادہ کرتے ہیں اور جنہیں مملکت کا برتر اختیار جاری کرتا اور برقرار رکھتا ہے۔“قانونی حقوق واضح، متعین اور تحریری شکل میں ہوتے ہیں۔ملک کے دستور میں ان کی واضح صراحت ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف ورزی پر سزا دی جاتی ہے۔ان حقوق کا اطلاق تمام شہریوں پر یکساں ہوتا ہے۔ قانونی حقوق تو مزید شہری اور سیاسی حقوق میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔

(c) **شہری حقوق** (Civil Rights) شہری حقوق ایسے حقوق ہوتے ہیں جن کا تعلق شہری کی روز مرہ زندگی سے ہوتا ہے۔اس لیے ان حقوق کو نجی حقوق کہا جاتا ہے۔یہ حقوق بچہ کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی اسے حاصل ہوتے ہیں۔جیسے زندگی کا حق، غذا کا حق، بہترین معیاری زندگی کا حق وغیر ہ ہی شہری حقوق ہیں۔اس طرح شہری حقوق فرد کو بہتر زندگی کے حالات فراہم کرتے ہیں۔جن کے بغیرکوئی بھی فرد شہری زندگی گزار نہیں سکتا۔یہ حقوق شہری کو مطلق حاصل نہیں ہو سکتے۔بلکہ ان پر کچھ شرائط عائد ہوتے ہیں۔اس لیے جو قانون ان حقوق کو فراہم کرتا ہے اسی قانون میں لاگو ہونے والی پابندیوں اور شرائط کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔شہری حقوق کو حکومت ہنگامی حالات میں معطل بھی کر سکتی ہے۔زندگی کا حق اظہار خیال کا حق، انجمنیں بنانے کا حق، پیشہ کا ، پر امن جمع ہونے کا ، حکومت پر تنقید کا ، رہائش کا ، گھومنے پھرنے کا حق وغیرہ شہری حقوق کی مثالیں ہیں۔

4. **سیاسی حقوق** (Political Rights) سیاسی حقوق وہ حقوق ہوتے ہیں جو فرد کو بااختیاری بناتے ہیں۔یہ حقوق فرد کو اپنی مملکت، حکومت ا ور سیاسی نظام میں عملاً حصہ لینے کے قابل بناتے ہین۔جمہوری حکومتوں میں عوام ان حقوق کی وجہ سے حکومت کی کار کردگی پر نظر رکھتے ہیں۔چونکہ جمہوری حکومت عوام کی مرضی یعنی ووٹ کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔عوام کی جمہوری حکومت میں عوام کو حکومت کا حصہ بن کر فیصلے کرنے کا اختیار ہو تو یہ شہری کے سیاسی حقوق کہلاتے ہی۔قانون سازی کا عمل شہری حقوق کا اہم حصہ ہے۔

(a) ووٹ کا حق (Right to Vote) شہری کے سیاسی حقوق میں۔چنانچہ اٹھارہ سال کی عمر کے ہر فرد کو بلال تخصیص مذہب و ملت، رنگ و نسل، ذات پات یا علاقہ کے ووٹ دینے کا حق ہر جمہوری نظام حکومت میں ہوتا ہے۔اس کو بالغ رائے دہی کہا جاتا ہے۔رائے دہی کا حق شہریوں کو اپنے حکمراں ہونے کا احساس دلاتا ہے۔

(b) انتخابات میں مقابلہ کا حق (Right to Contest Elections) ووٹ دینے کی عمر اٹھارہ سال ہے، تاہم انتخابات میں حصہ لینے کی عمر21 سال ہے۔چنانچہ انتخاب میں حصہ لینے کی عمر ایوان اور لوکل باڈیز میں مختلف ہے۔ اکیس سال عمر والے رجسٹرڈ رائے دہندہ کو کسی امتیاز کے بغیر حکومت مقامی کے انتخاب سے لے کر پالیمنٹ کے انتخابات میں دوسرے امیدوار کے مقابلے حصہ لینے کا حق ہے۔

(c) عوامی عہدہ حاصل کرنے کا حق (Right to Acquire a Public Office) ملک کے تمام شہری، تمام سیاسی (منتخبہ) عوامی عہدوں کو حاصل کرتے ہوئے حکومت میں حصے داری نبھانے کا یکساں اور مساوی حق اور آزادی رکھتے ہیں چنانچہ صدر جمہوریہ سے لے کر رکن بلدیہ یا گرام پنچایت میں عہدہ حاصل کرنے کا حق و اختیار ہر شہری کو مساوی حاصل ہے۔عوامی عہدوں کے حصول میں کسی بھی قسم کے امتیاز کو غیر جمہوری و غیر دستوری سمجھا جائے گا۔اور ذات پات نسل رنگ اور مزہب کے بنیاپر امتیازی سلوک ممنوع ہے۔ جنوبی افریقہ میں 1944 کے دستور کے نفاذ سے قبل رنگ و نسل کے امتیازکی پالسی کو اپنایا گیا تھا جس کو اپارتھائیڈ(Apartheid)کی پالسی کا نام دیا گیا تھا۔

(d) شکایت وتنقید کا حق (Right to Grievance and Criticism) جمہوری حکومت میں عوام کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے۔اس طرح کوئی بھی جمہوری حکومت عوام کی مرضی، منشا و خیالات اور فیصلوں حتیٰ کہ روزمرہ کے مسائل کی ضرورتوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔عوام حکومت سے مسائل کو رجوع کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ حکومت ان مسائل پر توجہ دے گی۔عوام حکومت کے عہدے داروں سے رجوع ہو کر بذریعہ درخواست اپنے سیاسی معاشی اور سیاسی مسائل کو رجوع کر سکتے ہیں۔حکومت سے کوئی بھی شکایت اخبار میں اپنے مراسلات کے ذریعے بھی کر سکتا ہے۔اس کے علاوہ عوام حکومتی پالیسیوں،فیصلوں اور پروگراموں پر تنقید بھی کر سکتے ہیں۔آہیں۔سوئیزر لینڈ جیسی مملکت / جمہوری طریقوں پر عمل کیا جاتا ہے۔جہاں شہریوں کو اپنے منتخبہ امیدواروں کو واپس بلانے کا حق(Right to Recall) بھی رکھتے ہیں۔ سیاسی حق میں ہی ہجرت کا حق(Right to Migration) بھی شامل ہے۔ کسی بھی ملک میں رہنے والے شہری اگر نسلی، مذہبی اور سیاسی نفرت اور تشدد کا شکار ہوں تو وہ اپنے ملک کو چھوڑ کر اپنی پسند کے کسی بھی ملک میں جا کر رہنے کا حق رکھتے ہیں۔اسے ہجرت کا حق کہا جاتا ہے۔

21.8 فرائض (Duties)

فرائض کے بغیر حقوق ایسے ہی ہیں جیسے سایہ کے بغیر انسان جو کہ صرف پریوں کی کہانی میں ہی ممکن ہوتا ہے۔ اسی طرح حقوق و فرائض کے درمیا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔غرض یہ کہ فرائض کی بہتر ادائگی سے ہی دوسروں کے حقوق پورے ہوتے ہیں۔دوسرے الفاظ میں ایک کا حق دوسروں کے فرائض ہوتے ہیں۔دوسرے الفاظ میں ایک کا حق دوسرے کافرض بنتا ہے۔اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرائض کی انجام دہی میں سماج میں افراد کے حقوق پورے ہوتے ہیں۔اس طرح فرائض شہری کی وہ ذمے داریاں ہوتی ہیں جن کی ادائگی کے بغیر وہ ایک ذمہ دار شہری نہیں کہلا سکتا اور جن کو پورا کیے بغیر مملکت اور سماج میں اپنی حصے داری پورا نہیں کر سکتا ہے۔فرائض کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔اخلاقی فرائض اور قانونی فرائض

1.اخلاقی فرائض (Moral Duties) اخلاقی فرائض شہری کے وہ فرائض ہوتے ہیں جنہیں وہ اخلاقی طور پر اپنی ذمے داری سمجھتا ہے۔اگر چہ کہ وہ ان فرائض کی انجام دہی کے لیے قانوناً پابند نہیں ہوتا۔شہری ان فرائض کو سماجی اخلاقی یا مذہبی دباؤ کی وجہ سے پورا کرتا ہے۔ان فرائض کی انجام دہی کے ذریعے کوئی فرد روحانی خوشی و مسرت حاصل کرتا ہے۔جیسے غریبوں کی مدد، خیرات،ناداروں کو مدد، یتیموں یا بیماروں اور ضرورت مندوں کی مدد کے ذریعے کوئی خوشی و مسرت حاصل کرتے ہیں۔اس طرح بزرگوں، اساتذہ کی تعظیم اور چھوٹوں سے شفقت سے پیش آنا بھی اخلاقی فریضہ کی مثال ہے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ اخلاقی فریضہ کا تعلق فرد کے انفرادی اخلاق اور ضمیر سے ہوتا ہے۔

2.قانونی فرائض (Legal Duties) قانونی فرائض وہ فرائض ہوتے ہین جنہیں پورا کرنا ہرشہری کا فرض ہوتا ہے۔ان فرائض کی عدم تکمیل پر شہری کے خلاف تادیبی (قانونی) کاروائی کی جاتی ہے۔اخلاقی فرائض کے برعکس قانونی فرائض کی نوعیت یکساں ہوتی ہےاورا ن فرائض کا اطلاق تمام شہریوں پر یکساں ہوتا ہے۔دنیا کے بعض دساتیر میں شہریوں کے حقوق کی طرح فرائض کو بھی بتایا گیا ہےاور اس کی خلاف ورزی پر سزا دی جاتی ہے۔قانونی فرائض میں قوم سے وفاداری،جھنڈے اور دستور کا احترام، عوامی جائیداد کا تحفظ وغیرہ اہم ہوتے ہیں۔دستور ہند کے چوتھے حصے میں شہری کے فرائض کو1976میں شامل کیا گیا۔تاہم ان کی نوعیت جبری نہیں ہے۔قانونی فرائض کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔مثبت فرائض‌اور منفی فرائض۔

(a) مثبت فرائض (Positive Duties) مثبت فرائض وہ فرائض ہوتے ہین جن پر عمل اوری ہر شہری کے لیے لازمی ہوتی ہے۔کوئی بھی شہری ان فرائض سے رو گردانی نہیں کر سکتا۔چنانچہ ہر شہری پر لازمی ہے کہ وہ ملک کے اقتدار اعلا کا تحفظ کرے اور ایسا کوئی عمل نہ کرے جس سے ملک کے اقتدار اعلا اور سالمیت کو نقصان پہنچتا ہو۔اس طرح قانون کی اطاعت کرے۔حکومت کو ضرورت پڑنے پر تعاون کرے

(b) منفی فرائض (Negative Duties) منفی فرائض ایسے فرائض پر مشتمل ہوتے ہیں جن سے گریز کرنے کے لیے

احکامات جاری کرتے ہیں۔جیسے کرفیو کے دوران باہر نکلنے سے شہریوں کو منع کیا جاتا ہے۔اس طرح حکومت شہریوں سے امید کرتی ہے کہ وہ بلیک مارکیٹنگ نہیں کر سکتے۔عوامی جائیداد کا تحفظ کریں گے۔ ٹیکس کی چوری نہیں کریں گے۔دوسروں کے حقوق میں مداخلت نہیں کریں گے۔

21.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے سے ہمیں حقوق کے معنی،تعریف، ارتقا اور نظریات کے متعلق جانکاری ہوتی ہے۔اس کے علاوہ فرائض کے متعلق بھی معلومات ہوتی ہیں۔فرائض کو حقوق کارنامہ ہوتے ہیں۔فرائض کی قسموں سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔انسان کے بنیادی حقوق کو بھی باب میں شامل کر لیا گیا ہے۔

21.10 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **بورژوا** : کارل مارکس کا تصور امرا
- **پرولتاریہ** : کارل مارکس کا تصور غریب/مزدور
- **بنیادی حقوق** : جن کے بغیر شخصیت کی تشکیل ممکن نہیں ہوتی

21.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

21.11.1 معروضی جوابات کے حامل سولات(Objective Answer Type Questions)

1. اجتماعی حقوق کس نسل کا حقوق ہے؟

(a)پہلی نسل کا (b)دوسری نسل کا (c)تیسری نسل کا (d)ان میں سے کوئی نہیں

2. اپارتھیڈ(Apartheid) کی پالیسی کس ملک میں نافذ کیا گیا تھا؟

(a)افریکہ (b)امریکہ (c)یوروپ (d)بھارت

3 . بین الاقوامی مزدور تنظیم (ILO) کا قیام کب ہوا تھا؟

4حقوق وہ طاقتیں ہیں جن کا مشترکہ بھلائی کے لیے مطالبہ کیا جاتا ہے اور انہیں تسلیم کیاجاتا ہے یہ کس کا قول ہے؟

(a) ٹی ایچ گرین (b) لاسکی (c) ہالینڈ (d) ہاب ہاوس

5 .ان میں سے کون سا نظریہ ، نظریہ فرد کی شخصیت کا نظریہ بھی کہلاتا ہے؟

(a)حقوق کامثالی نظریہ (b)حقوق کامارکسی نظریہ (c)حقوق کا تاریخی نظریہ (d)حقوق کا قانونی نظریہ

6. اقوام متحدہ نے کس برس کو ایک عالمگیر انسانی حقوق کا اعلامیہ جاری کیا؟

(a) 10 دسمبر 1940 (b) 10 دسمبر 1950 (c) 10 دسمبر 1945 (d) 10 دسمبر 1948

7. اقوام متحدہ کے قیام کس سال عمل میں آیا؟

(a) 24 اکتوبر 1945 (b) 24 اکتوبر 1940 (c) 24 اکتوبر 1950 (d) 24 اکتوبر 1948

8. 14 جولائی 1789 کو فرانس میں آئے انقلاب نے مطلق العنان بادشاہت ختم کردی اور کس بادشاہ کو پھانسی پر چڑھادی گئ؟

(a) لوییں پہلا (b) لوئس دوسرا (c) لوئس چہارم (d) لوئس تیسرا

9. ریڈکروس سوسایٹی(Red Cross Society) کاہیڈکوارٹر کہاں ہے؟

(a) جینوا (b) نیویارک (c) پیرس (d) لندن

10. سماجی فلاحی نظریہ کے بانی تھے

(a) مارکس (b) روسو (c) بنتھم (d) ان میں سے کوئی نہں

21.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ حقوق کی چند تعریفات کو بیان کیجیے۔

2۔ حقوق کی خصوصیات کیا ہیں؟

3۔ حقوق کی اقسام بیان کیجیے۔

4۔ فرائض کسے کہتے ہیں؟

5۔ مثبت فرائض کے متعلق وضاحت کیجیے۔

21.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ بنیادی حقوق کسے کہتے ہیں؟ حقوق کے تاریخی نظریہ پر روشنی ڈالیے۔

2۔ اخلاقی اور قانونی حقوق میں کیا فرق ہے؟وضاحت کیجیے۔

3۔ حقوق اور فرائض کے تعلق پرنوٹ لکھیے۔ اخلاقی و قانونی فرائض کو بیان کیجیے۔

21.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. A.C.Kapoor: Principles of Political Sciences.

2. A. Appaduras: The resistance of politics.

3. E. Ashirvathavi: Political Theory.

اکائی 22۔ حقوق کے نظریات

(Theories of Rights)

اکائی کے اجزا

22.0 تمہید

22.1 مقاصد

22.2 معنی

22.3 تعریف

22.4 نظریاتِ حقوق

22.4.1 افادیت پسند

22.4.2 ڈیونٹولوجی

22.4.3 قدرتی حقوق کا نظریہ

22.4.4 قانونی حقوق کا نظریہ

22.4.5 حقوق کی تاریخی نظریہ

22.4.6 ہیرولڈ لاسکی کا نظریہ

22.4.7 بارکر کا نظریہ

22.4.8 سماجی بہبود کا نظریہ

22.4.9 مارکسی نظریہ

22.4.10 حقوق انسانی کا نظریہ

22.5 حقوق کی اقسام

22.5.1 قدرتی حقوق

22.5.2 اخلاقی حقوق

22.5.3 قانونی حقوق
22.5.4 مثبت حقوق
22.5.5 منفی حقوق
22.6 حقوق کی کچھ اہم خصوصیات یا نوعیت
22.7 اکتسابی نتائج
22.8 کلیدی الفاظ
22.9 نمونہ امتحانی سوالات
22.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
22.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
22.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
22.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

22.0 تمہید (Introduction)

حقوق آزادی یا استحقاق کے قانونی، سماجی یا اخلاقی اصول ہیں؛ یعنی حقوق بنیادی معیاری قوانین ہیں جو کسی قانونی نظام، سماجی کنونشن یا اخلاقی اصول کے مطابق افراد کو دیگر افراد کی جانب سے اجازت ہیں۔ دوسرے الفاظ میں حقوق کے کچھ بنیادی اصول ہیں جن کے بارے میں کچھ قانونی نظام، سماجی کنونشن، یا اخلاقی نظریہ کے مطابق لوگوں کو کسی چیز کی اجازت دی جاتی ہے یا لوگوں پر اس کی پابندی لگائی جاتی ہے۔ قانون اور اخلاقیات، خاص طور پر انصاف اور علم الاخلاق کی نظریات جیسے مضامین میں حقوق کی اہمیت پر زور ڈالا گیا ہے۔ حقوق کو اکثر تہذیب کا بنیاد سمجھا جاتا ہے، کیونکہ وہ معاشرے اور ثقافت کے قائم ستون ہیں، اور سماجی تنازعات کی تاریخ حق اور اس کی نشوونما سے مل سکتی ہے۔

22.1 مقاصد (Objectives)

اس سبق میں ہم حقوق (Rights) کے مختلف نظریات، تصوّرات اور اقسام کا ذکر کریگے۔ اس سبق کے مطالعے کے بعد طلبہ

مختلف ماہرین کے ذریعے دیے گئے نظریات کو سمجھ سکیں گے اور اُس کے اطلاق کو بھی با آسانی جان پائیں گے۔

22.2 معنی (Meaning)

کسی سماج میں حق کو دوسروں کی طرف سے حمایت یا دوسروں کی عدم مداخلت کے طور پر مانا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر دوسروں کی طرف سے کسی خاص قسم کے مثبت اور منفی سلوک کے دعوے کو حق کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ حق ایک ایسی چیز ہے جس کے لیے معاشرے میں ہر فرد کو اخلاقی طور پر اجازت دی جاتی ہے، اور جس کے لیے وہ معاشرہ کسی بھی فرد کو حاصل کرنے کی راہ میں کھڑی ہونے والی کسی بھی طرح کی رکاوٹ یا لازمی طور پر اسے ہٹانے کا حق دار ہے۔ حقوق افراد سے تعلق رکھتے ہیں، کسی فرد کے حقوق میں توسیع نہیں ہوسکتی ہے جہاں وہ کسی دوسرے فرد کے حقوق پر دخل اندازی کریں گے۔ حقوق سماجی زندگی کے وہ اہم حالات ہیں جن کے بغیر کوئی شخص عام طور پر اپنے بہترین نفس کا ادراک نہیں کر سکتا ہے۔ فرد اور اس کے معاشرے، دونوں کی صحت کے لیے یہ ضروری شرائط ہیں۔ جب لوگوں کو حقوق ملتے ہیں تب ہی وہ اُن سے لطف اندوز ہو کر اپنی شخصیات تیار کرتے ہیں اور معاشرے کے لیے اپنی بہترین خدمات میں شراکت کرتے ہیں۔

22.3 تعریفات (Definitions)

اصطلاح حقوق یا حق کی کوئی ایک متعین تعریف طے نہیں ہے، یہ مختلف مقاصد کے لیے مختلف گروہوں اور دانشوروں کی طرف سے استعمال کی گئی اصطلاح ہے۔ آسان الفاظ میں، حقوق لوگوں کے مشترکہ دعوے ہیں جن کو ہر مہذّب معاشرہ اپنی ترقی کے لیے ضروری دعووں کے طور پر تسلیم کرتا ہے، اور اسی وجہ سے مملکت کے ذریعے اس کا نفاذ کیا جاتا ہے۔

1۔ لاسکی "حقوق سماجی زندگی کے وہ حالات ہیں جن کے بغیر کوئی شخص خود کو بہترین بننے کے لیے تلاش نہیں کر سکتا ہے۔"

2۔ ٹی ایچ گرین نے وضاحت کی کہ "حقوق اخلاقی وجود کی حیثیت سے انسان کی پیشہ ورانہ تکمیل کے لیے ضروری اختیارات ہیں۔"

3۔ بنی پرساد "حقوق ان سماجی حالات سے کہیں زیادہ اور کم نہیں ہیں جو شخصیت کی نشوونما کے لیے ضروری یا موافق ہیں"

4۔ عام طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ حقوق انسانی آزادیوں کا اظہار ہیں جس کو سیاسی جماعتوں کے ذریعے کسی بھی منظم معاشرے میں سمجھا جاسکتا ہے۔

22.4 نظریاتِ حقوق (Theories of Rights)

حقوق عام طور پر عام مفادات کے تحفظ کے لیے جائز دعووں کے طور پر بیان کیے جاتے ہیں۔ حقوق کے بے شمار نظریات ہیں جو حقوق

کی نوعیت، اصلیت اور معنی بیان کرتے ہیں۔ حقوق کے مختلف نظریات کو ہم مندرجہ ذیل سرخی کے تحت ذکر کر سکتے ہیں۔

22.4.1 افادیت پسند (Utilitarians)

افادیت پسند عالموں کے لیے صرف ویسا ہی عمل اچھا ہے جو دوسرے تمام ممکنہ اقدامات کے مقابلہ میں، افادیت یعنی "اچھائی، خوشی، بہبود" کو زیادہ سے زیادہ ممکن بناتی ہے۔ یہی افادیت کا اصول ہے۔ افادیت پسندی صرف اور صرف نتیجہ خیز ہے۔ مطلب کسی عمل یا حالت سے انصاف یا ناانصافی کا تعین خاص طور پر اس کے نتیجے میں ہونے والے نتائج سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی عمل افادیت کو زیادہ سے زیادہ کرتا ہے تو، یہ انصاف اور حق کی بات ہے۔ لہٰذا، اس وجہ سے، حقوق خالصتاً آلا کار ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مفید روایت میں بہت سے لوگوں نے کسی بھی طرح کے حقوق کے تصور سے منفی رویّہ کا اظہار کیا ہے۔ افادیت پسند اس حق کا صرف اور صرف اس صورت میں احترام کریں گے جب اس سے افادیت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوگا۔ یہ بیان تمام حقوق کی حدود کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگر کسی خاص طرح کی ورزش / مشق افادیت کو زیادہ سے زیادہ نہیں کرے گی تو، افادیت پسند کی افادیت کی خاطر اس شخص کے حقوق کی خلاف ورزی کرنے کا پابند ہے۔ جس نقطہ پر حق کا استعمال مقصد کو شکست دیتا ہے (یعنی وہ نقطہ جس پر کسی خاص حق کا استعمال افادیت کو زیادہ سے زیادہ نہیں بنائے گا) وہ نقطہ ہے جس پر معاشرہ اس حق کو آسانی سے کم یا ختم کر سکتا ہے۔

22.4.2 قدرتی حقوق کا نظریہ (Theory of Natural Rights)

قدرتی حقوق کے نظریہ کی تاکید بنیادی طور پر تھامس ہوبس (لیویتھن 1651)، جان لاک (حکومت کے دو معاہدے، 1690) اور جے جے روسو (دی سماجی معاہدہ 1762) نے کی ہے۔ یہ معاہدہ کار، سماجی معاہدہ کا نظریہ فراہم کرنے کے بعد، اس خیال پر قائل ہیں کہ فطرت کی حالت میں افراد کے پاس فطری حقوق موجود ہیں اور یہ حقوق ان افراد سے منسوب کیے گئے گو کہ وہ افراد کی حیثیت سے افراد کی لازمی خصوصیات ہیں۔ معاہدہ کاروں نے، لہٰذا، اعلان کیا کہ یہ حقوق ناگزیر، ناقابل تسخیر اور ناقابل معاف ہیں۔

قدرتی حقوق کے نظریہ پر بہت ساری بنیادوں پر تنقید کی جاتی ہے۔ حقوق صرف اس لیے قدرتی نہیں ہوسکتے ہیں کیونکہ وہ فطرت کی حالت میں افراد کی ملکیت تھیں۔ معاشرے کے ظہور سے پہلے کبھی بھی حقوق نہیں مل سکتے ہیں۔ معاشرے سے پہلے کے حقوق کا تصور اس لحاظ سے تضاد ہے، اگر فطرت کی حالت میں کچھ بھی تھا تو، وہ محض جسمانی توانائیاں تھیں، نہ کہ حقوق۔ حقوق ان کے تحفظ کے لیے کسی اتھارٹی کے وجود کو ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔ فطرت کی حالت میں جہاں کوئی مملکت موجود نہیں ہے، تو کوئی مملکت کی عدم موجودگی میں حقوق کے بارے میں کیسے تصور کر سکتا ہے۔ فطرت کی حالت میں لوگوں کے حقوق کا دفاع کون کرے گا؟ سماجی معاہدہ کاروں کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ یہ کہنا کہ قدرتی حقوق فطرت کی مملکت میں موجود ہیں ان کو مطلق یا معاشرے کے قابو سے باہر کرنا ہے۔

بینتھم کے لیے، قدرتی حقوق کا نظریہ "بکواس بیان بازی تھا۔" لاسکی فطری حقوق کے پورے خیال کو بھی مسترد کرتا ہے۔ قدرتی حقوق کی حیثیت سے حقوق، جھوٹے مفروضوں پر مبنی ہیں کہ ہمارے معاشرے سے آزادانہ طور پر حقوق اور فرائض ہوسکتے ہیں۔ برک نے

نہایت فصاحت کی نشاندہی کی تھی، جب انہوں نے کہا تھا کہ ہم ایک ساتھ شہری اور غیر مہذب مملکت کے حقوق سے لطف اندوز نہیں ہوسکتے ہیں۔ لاسکی کو حقوق کی اہمیت کا ادراک اس وقت ہوا جب وہ کہتے ہیں کہ حقوق 'اس لحاظ سے قدرتی نہیں ہیں کہ ان میں سے مستقل اور غیر تبدیل شدہ کیٹلاگ مرتب کیا جاسکتا ہے، بلکہ وہ اس لحاظ سے فطری ہیں کہ مہذب زندگی کی حدود کے تحت، حقائق ان کی پہچان کا مطالبہ کرتے ہیں۔

22.4.3 قانونی حقوق کا نظریہ (Theory of Legal Rights)

'قانونی حقوق' یا 'قانونی نظریہ' حقوق کا ایک ہی نظریہ ہے۔ یہ حقوق کا مثالی نظریہ ہے جو حقوق کو مملکت کی پیداوار کی حیثیت سے رکھنا چاہتا ہے۔ ایسے نظریات کے حامیوں میں، بینتھم، ہیگل اور آسٹن کے ناموں کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔ ان نظریات کی بنیادی خصوصیات یہ ہیں: مملکت حقوق کے بل کی وضاحت پیش کرتی ہے: اس کے مطابق حقوق نہ ہی مملکت سے پہلے ہے اور نہ ہی سابقہ ہیں، کیونکہ یہ وہ مملکت ہی ہے جو حقوق کا ذریعہ ہے۔ مملکت ایک قانونی فریم ورک تیار کرتی ہے جو حقوق کی ضمانت دیتا ہے اور یہ مملکت ہی ہے جو حقوق سے لطف اندوزی میں مدد کرتی ہے۔ جیسا کہ قانون حقوق پیدا کرتا ہے اور اس کو برقرار رکھتا ہے، لہٰذا جب قانون کا مواد بدل جاتا ہے تو حقوق کے مادے میں بھی تبدیلی آتی ہے۔

وہ نظریات جو مملکت سے ہی حقوق کی نشاندہی کرتے ہیں ان پر متعدد طریقوں سے تنقید کی جاتی ہے۔ مملکت واقعتاً ہمارے حقوق کا دفاع اور حفاظت کرتی ہے۔ یہ انہیں پیدا نہیں کرتا جیسا کہ ان نظریات کے حامی ہمیں یقین دلاتے ہیں۔ اگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حقوق مملکت کی تخلیق ہیں، تو ہمیں اس نظریہ کو قبول کرنا پڑے گا کہ اگر مملکت ہمیں حقوق دے سکتی ہے تو وہ انہیں چھین بھی سکتی ہے۔

22.4.5 حقوق کی تاریخی نظریہ (Theory of Historical Rights)

حقوق کی تاریخی نظریہ، جسے تجویزی نظریہ بھی کہا جاتا ہے، مملکت کو ایک طویل تاریخی عمل کی پیداوار قرار دیتے ہیں۔ اس میں یہ نظریہ موجود ہے کہ روایات اور رواج سے حقوق بڑھتے ہیں۔ قدامت پسند مصنف، ایڈمنڈ برک نے تجویزی نظریہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ہے کہ "لوگوں کا کسی بھی ایسی چیز پر ان کا حق ہے جس میں وہ کافی وقت گزرنے کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے استعمال کرتے ہیں یا لطف اٹھاتے ہیں۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سماج میں پایا جانے والا ہر حق طویل مشاہدہ کی طاقت پر مبنی ہے۔ چوں کہ روایات اور رواج اپنے مستقل اور مستقل استعمال کی وجہ سے مستحکم ہوتے ہیں، لہذا وہ حقوق کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اس نظریہ کی ابتداء 18 ویں صدی میں برک کی تحریروں میں ہوئی تھی اور بعد میں اسے ماہرین عمرانیات نے اپنایا تھا۔ حقوق کے تاریخی نظریہ کو اہم اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ حقوق کے قانونی نظریہ کی مذمّت کرتا ہے۔ یہ فطری حقوق کے نظریہ سے بھی انکار کرتا ہے۔

حقوق کا تاریخی نظریہ اپنی ہی پابندی اور حدود سے دوچار ہے۔ یہ اعتراف نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے تمام رسم ورواج کے نتیجے میں

حقوق ملتے ہیں۔ ہندوستان میں طویل عرصے سے رائج ستی نظام، حق نہیں تشکیل دیتا ہے اور نہ ہی بچوں کا قتل کرتا ہے۔ ہمارے تمام حقوق رسم ورواج کے مطابق نہیں ہیں۔ سماجی تحفظ کا حق، مثال کے طور پر، کسی بھی رسم ورواج سے متعلق نہیں ہے۔

22.4.6 ہیرولڈ لاسکی کا نظریہ حق (Herold Laski Theory of Rights)

سیاسیات کی ایک با اثر شخصیت اور تخلیقی مصنف ہیرولڈ لاسکی نے نظریہ حقوق کے بارے میں وضاحت کی ہے اور اسے بہت سارے معاملات میں ایک کلاسیکی نمائندگی حاصل ہے۔ انہوں نے حقوق کو بطور "سماجی زندگی کے وہ حالات بتائے جس کے بغیر کوئی شخص بالعموم اپنے آپ کو بہترین بننے کے لیے، عام طور پر نہیں تلاش سکتا"۔ لاسکی حقوق کو سماجی زندگی کے حالات قرار دیتے ہیں۔ حقوق سماجی تصورات ہیں اور سماجی زندگی سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ حقوق کی لوازمیت اس حقیقت کے ذریعے قائم کی گئی ہے کہ افراد اپنے بہترین نفس کی ترقی کے لیے ان پر دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ حقوق، افراد اور مملکت کو ایک ہی تختہ پر اس معنی میں رکھتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے اور ان کے مابین کوئی دشمنی نہیں ہے۔ لاسکی نے طویل نظریہ سے دوچار نظریہ پیش کیا ہے کہ مملکت کا انسانی حقوق کو تسلیم کرنے اور اس سے پہلے ہی اس کے حصول میں ایک بہت اہم کردار ہے۔ حقوق کے قانونی نظریات پر، لاسکی، مملکت کے قانونی نظریہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ حقوق کے قانونی نظریہ کا مرکزی اصول یہ ہے کہ وہ مکمل طور پر اداروں اور مملکت کے اعتراف پر انحصار کرتے ہیں۔ اگر فرد مملکت کے ذریعے تسلیم نہیں کیا گیا تو وہ حقوق کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ، حقوق کے استعمال کے لیے، صرف اعتراف کافی نہیں ہے۔ مملکت کو قانون اور اداروں کے ذریعے حقوق پر عمل درآمد کرنا چاہیے۔

لاسکی کے نظریے کا سب سے اہم حصہ حقوق کا عملی پہلو ہے۔ یہ حق اور فرض کے مابین تعلقات پر زور دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حقوق افعال سے متعلق ہیں۔ فنکشنل تھیوری اس بات پر زور دیتی ہے کہ فرد صرف تب ہی حقوق کے دعوے کا حق دار ہے جب وہ فرض سرانجام دیتا ہے بصورت دیگر اس دعوے یا حق کے مطالبے کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ یقینی طور پر حقوق کے قانونی نظریہ کے وسیع پیمانے پر معروف نظریہ کی مخالفت کرتا ہے۔ لیکن آج حقوق بنیادی طور پر سیاسی تحفظات پر ہی تسلیم اور محفوظ ہیں۔

22.4.7 بارکر کا نظریہ حق (Barkers Theory of Rights)

ارنیسٹ بارکر کا نظریہ نظری طور پر لاسکی سے مختلف نہیں ہے۔ دونوں لبرل فلسفی ہیں، لیکن بارکر کو آئیڈیل ازم سے واضح لگاو ہے۔ مملکت کہلانے والی ہر سیاسی تنظیم کا بنیادی مقصد یہ دیکھنا ہے کہ فرد کی شخصیت کو ترقی کی گنجائش ملتی ہے یا نہیں۔ مملکت کا فرض ہے کہ وہ اس مقصد کے لیے ضروری شرائط کی ضمانت اور حفاظت کرے۔ ان محفوظ اور گارنٹی شدہ شرائط کو حقوق کہتے ہیں۔ فرد کی شخصیت خود بخود یا منفی یا مخالف ماحول کے تحت ترقی نہیں کر سکتی۔ شخصیت کی نشوونما کے لیے سازگار حالات کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کی ضمانت قانون کے نفاذ کے ذریعے مملکت کو دینی ہے۔

بارکر حقوق کے اخلاقی پہلو پر بھی گفتگو کرتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مملکت کا قانون حقوق محفوظ کرنے میں میری مدد کرتا ہے۔

لیکن حقوق دعوے ہیں اور اصلیت خود فرد ہی ہے۔ فرد ایک اخلاقی فرد ہے اور اس کا عزم ہے کہ وہ حقوق کے ذریعے اپنی اخلاقی شخصیت تیار کرے گا۔

22.4.8 سماجی بہبود کا نظریہ (Theory of Social Welfare Rights)

حقوق کی سماجی یا معاشرتی بہبود کا نظریہ یہ تصوّر کرتا ہے کہ حقوق سماجی بہبود کے حالات ہیں۔ یہ نظریہ استدلال کرتا ہے کہ مملکت کو صرف ایسے حقوق پر دوبارہ عمل کرنا چاہیے جس سے سماجی بہبود کو فروغ دینے میں مدد ملے۔ سماجی بہبود کے نظریہ کے جدید حامیوں میں، روسکو پاؤنڈ اور چافی کے نام کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے حالاں کہ بینتھم کو 18 ویں صدی کا اس کا وکیل کہا جاسکتا ہے۔ اس نظریہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حقوق معاشرے کی تخلیق ہیں اور حقوق سماجی بھلائی کی شرائط ہیں۔

حقوق کی سماجی بہبود کا نظریہ بھی اس کے غلطیوں کے بغیر نہیں ہے۔ یہ سماجی بہبود کے عنصر پر مرکوز ہے، جس کی اصطلاح بھی واضح نہیں ہوگی۔ بینتھم کے فارمولا کے مطابق 'بڑی تعداد میں سب سے بڑا مفاد' مختلف لوگوں کے لیے مختلف ہے۔ یہ نظریہ حقوق کا قانونی نظریہ نکلا ہے، اگر، آخر میں، مملکت یہ فیصلہ کرے کہ 'سماجی بہبود' کی تشکیل کیا ہے۔ ولیڈے جیسے نقاد کا مؤقف ہے کہ 'اگر سماجی استحکام پر غور کرکے حقوق پیدا کیے جائیں تو فرد کسی اپیل کے بغیر اور بے بس ہو کر اپنی من مانی پر منحصر ہے۔'

22.4.9 حقوق کا مارکسسٹ نظریہ (Marxist Theory of Rights)

حقوق کے مارکسسٹ نظریہ کو تاریخ کے ایک خاص دور میں معاشی نظام کے لحاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ ایک خاص سماجی و معاشی تشکیل کے حقوق کا ایک خاص نظام ہوگا۔ مملکت، معاشی طور پر غالب طبقے کے ہاتھوں میں ایک آلہ کار ہونے کے ناطے، یہ خود ایک طبقاتی ادارہ ہے اور وہ جس قانون کی تشکیل کرتی ہے وہ بھی ایک طبقاتی قانون ہے۔ ایسا مانا جاتا ہے کہ، جاگیر دارانہ مملکت، جاگیر دارانہ قوانین کے ذریعے، جاگیر دارانہ نظام کے حق میں ہونے والے حقوق (مراعات، مثال کے طور پر) کے نظام کی حفاظت کرتی ہے۔ اسی طرح، سرمایہ دارانہ مملکت، سرمایہ دارانہ قوانین کے ذریعے، سرمایہ دارانہ نظام کے حامی حقوق کے نظام کی حفاظت کرتی ہے۔ مارکسسٹوں کا کہنا ہے کہ ایک طبقاتی مملکت کا مقصد طبقاتی معاشرے میں سب کے حقوق کے حصول کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مقصد معاشی طاقت سے چلنے والے طبقے کے مفادات کا تحفظ اور فروغ دینا ہے۔ مارکس کے مطابق، جو طبقہ معاشرے کے معاشی / اقتصادی ڈھانچے کو کنٹرول کرتا ہے وہ سیاسی طاقت کو بھی کنٹرول کرتا ہے اور وہ اس طاقت کو سب کے مفادات کی بجائے اپنے مفادات کے تحفظ اور فروغ کے لیے استعمال کرتا ہے۔ سوشلسٹ معاشرے میں جو سرمایہ دارانہ معاشرے کے خاتمے کے بعد وجود میں آئے گا، جیسا کہ مارکسی فریم ورک سے پتہ چلتا ہے، سوشلسٹ مملکت، پرولتاری قوانین کے ذریعے، مزدور طبقے کے مفادات / حقوق کو تحفظ فراہم کرے گی۔ چوں کہ سوشلسٹ معاشرہ، سرمایہ دارانہ معاشرے کے برعکس، ایک طبقاتی معاشرہ ہے، لہٰذا اس کی مملکت اور قوانین کسی خاص طبقے کے نہیں بلکہ طبقے کے معاشرے میں بسنے والے تمام لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں۔ مارکسیوں کا کہنا ہے کہ سوشلسٹ مملکت، سماجی اور سیاسی اور معاشی تبدیلی کے ایک آلہ کی حیثیت سے،

سوشلزم کے قیام کی کوشش کرے گی جو 'ہر ایک سے اس کے صلاحیتوں کے مطابق اس کا کام' کے اصول پر مبنی ہو گی۔

22.4.10 حقوق انسانی کا نظریہ (Theory of Human Rights)

انسانی حقوق کو عام طور پر ان حقوق سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو ہماری فطرت کے مابعد ہیں اور جس کے بغیر ہم انسان کی حیثیت سے نہیں رہ سکتے۔ وہ ضروری ہیں کیونکہ وہ ہماری لیاقت، قابلیت اور ذہانت کے استعمال اور ترقی میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ وہ بنی نوع انسان کی زندگی کے بڑھتے ہوئے مطالبے پر قائم ہیں جس میں ہر انسان کی فطری وقار اور قابل قدر نہ صرف تحفظ حاصل ہو گا بلکہ عزت بھی حاصل کرے گی۔ حقوق انسانی تمام تنظیموں کی جڑ میں ہے۔ وہ اقوام متحدہ کے پورے چارٹر میں شامل ہیں۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کی پیش کش میں، بڑے اور چھوٹے، مردوں اور عورتوں اور اقوام کے مساوی حقوق کے بارے میں، بنیادی انسانی حقوق، انسانی فرد کے وقار اور قابل قدر پر، یقین کا پختہ عزم ہے۔ چارٹر کے آرٹیکل 13، 55، 62، 68 اور 76 میں انسانی حقوق کے لیے عالمی سطح پر احترام کو فروغ دینے کا ایک حوالہ موجود ہے۔ اقوام متحدہ کی اقتصادی اور سماجی کونسل کے تحت کام کرنے والے کمیشن برائے انسانی حقوق، تقریباً ڈھائی سال گزارنے کے بعد روزویلٹ کی صدارت میں ایسا مسودہ تیار کیا گیا جسے انسانی حقوق کے عالمی قرارداد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948 کو اس قرارداد کی منظوری دی تو یہ دن عالمی انسانی حقوق کے دن کے طور پر منایا جانے لگا۔ انسانی حقوق کے قرارداد جو کہ 30 مقالہ پر مشتمل ہیں، میں آرٹیکل 3 سے 15 تک روایتی حقوق کی ایک فہرست موجود ہے۔ ان حقوق میں شامل ہیں: زندگی کا حق، آزادی، سلامتی، من مانی گرفتاری سے آزادی، منصفانہ مقدمے کی سماعت قانون کے یکساں تحفظ، تحریک آزادی، قومیت، سیاسی پناہ حاصل کرنا وغیرہ۔ آرٹیکل 16 سے 21 میں دیگر اہم حقوق بھی شامل ہیں۔ ان میں مرد اور عورت کے برابر حقوق، شادی کرنا، کنبہ تشکیل دینا، جائیداد، بنیادی آزادی جیسے فکر واظہار، پر امن اسمبلی اور انجمن کا حق نیز اپنے ہی ملک کی حکومت میں حصے داری شامل ہیں۔ 22 سے 27 تک کے مضامین میں اقتصادی حقوق شامل ہیں۔ جیسے کام کرنے کا حق، بے روزگاری کے خلاف تحفظ، ٹریڈ یونین تشکیل دینے کا حق، آرام اور تفریح کا حق، معیار زندگی، تعلیم اور ملک کی ثقافتی زندگی میں شراکت کا ایک مناسب حق۔ آرٹیکل 28، 29، 30 سماجی / بین الاقوامی نظم و ضبط کو یقینی بناتے ہیں، اس معاشرے کے لیے فرائض جس میں صرف انسان کی شخصیت کی آزاد اور مکمل نشوونما ممکن ہے اور بالترتیب ان حقوق کی ضمانت بھی۔

22.5 حقوق کی اقسام (Types of Rights)

22.5.1 قدرتی حقوق (Natural Rights)

بہت سے محققین فطری حقوق پر یقین رکھتے ہیں۔ حقوق انسانی فطرت اور اسباب کا ایک حصہ ہیں۔ سیاسی نظریہ یہ مانتا ہے کہ ایک فرد کچھ بنیادی حقوق کے ساتھ معاشرے میں داخل ہوتا ہے اور کوئی بھی حکومت ان حقوق سے انکار نہیں کر سکتی ہے۔

کلاسیکی سیاسی فلسفے میں "فطری حق" صحیح چیزوں کی معروضی حقیت کی نشاندہی کرتا ہے، خواہ کسی روح کی خوبی، عمل کی درستگی، یا کسی حکومت کی فضیلت۔ ارسطو نے 'سیاست' میں بیان کیا ہے کہ کوئی بھی ایسے شخص کو خوش نہیں کہے گا جس میں ہمت، مزاج، انصاف یا حکمت کی پوری طرح کمی ہو۔ ایک شخص جو آسانی سے گھبرا گیا، کھانے پینے کی طرف کسی طرح کی حرکات کو روکنے کے قابل نہیں، اپنے دوستوں کو ایک چھوٹی سی چیز کے لیے برباد کرنے پر راضی ہوتا ہے، اور عام طور پر بے ہوش ہو جائے ممکنہ طور پر اچھی زندگی نہیں گزار سکتا ہے۔ اچھی زندگی میں اہم کردار ادا کرنے والی خوبیاں اور افعال، اور اچھی زندگی سے ملنے والی سرگرمیاں فطری طور پر درست ہیں۔

قدرتی حقوق کا جدید نظریہ قدرتی قانون کے قدیم اور قرون وسطیٰ کے عقائد سے نکلا تھا، لیکن دوسرے علماء کے نزدیک، قدرتی حقوق کا تصور غیر حقیقی ہے۔ حقوق سماجی زندگی کی پیداوار ہیں۔ یہ صرف معاشرے میں ہی استعمال ہو سکتے ہیں۔ حقوق کے پیچھے معاشرے کو ترقی کے مشترکہ دعوے کے طور پر تسلیم کرنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مملکت ان حقوق کی حفاظت کرتی ہے۔ جدید دور کے سب سے زیادہ بااثر سیاسی فلسفی جان لاک نے استدلال کیا کہ لوگوں کے پاس زندگی، آزادی اور جائیداد جیسے حقوق ہیں جو کسی خاص معاشرے کے قوانین سے آزاد ہیں۔ لاک نے دعوی کیا کہ فرد سماجی معاہدے کے نتیجے میں جائز سیاسی حکومت کو سمجھنے کے جواز کے حصے کے طور پر فطری طور پر آزاد اور مساوی ہیں جہاں فطرت کی حالت میں لوگ استحکام کو یقینی بنانے کے لیے اپنے کچھ حقوق حکومت کو منتقل کر دیتے ہیں، ان کی زندگی، آزادی اور املاک کا آرام سے لطف اندوز ہونا۔ چوں کہ عوام کے حقوق کے تحفظ اور عوام کی بھلائی کو فروغ دینے کے لیے حکومتیں عوام کی رضامندی سے وجود میں آتی ہیں۔

22.5.2 اخلاقی حقوق (Moral Rights)

اخلاقی حقوق انسانی شعور پر مبنی ہیں۔ ان کی تائید انسانی دماغ کی اخلاقی قوت سے ہوتی ہے۔ یہ انسانی احساس نیکی اور انصاف پر مبنی ہیں۔ قانون کی طاقت کے ذریعے ان کی مدد نہیں کی جاتی ہے۔ اخلاقی حقوق کے پس پردہ پابندیاں نیکی اور رائے عامہ کا احساس ہے۔ اگر کوئی فرد کسی اخلاقی حق میں خلل ڈالتا ہے تو اس کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جا سکتی ہے۔ مملکت ان حقوق کو نافذ نہیں کرتی ہے۔ اس لیے عدالتیں ان حقوق کو تسلیم نہیں کرتی ہیں۔ اخلاقی حقوق میں اچھے طرز عمل، شائستہ اور اخلاقی سلوک کے قواعد شامل ہیں۔ یہ لوگوں کے اخلاقی کمال کے لیے کھڑے ہیں۔

فرانس اور جرمنی میں اخلاقی حقوق کا پہلا اعتراف 1928 میں ادب اور فن کارانہ کاموں کے تحفظ کے لیے برن کنونشن میں شامل کیا گیا تھا۔ کینیڈا نے اپنے حق اشاعت کے ایکٹ میں اخلاقی حقوق کو تسلیم کیا تھا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ 1989ء میں اس کنونشن کا دستخط کنندہ بن گیا، اور اس نے اپنے ضابطہ حق کے تحت اخلاقی حقوق کا ایک ورژن امریکی ضابطہ اخلاق کے عنوان 17 کے تحت شامل کیا۔

22.5.3 قانونی حقوق (Legal Rights)

قانونی حقوق وہ حقوق ہیں جو مملکت کے ذریعے قبول اور نافذ ہوتے ہیں۔ کسی بھی قانونی حق سے بعید ہونے کو قانون کے ذریعے

سزا دی جاتی ہے۔ مملکت کی قانون و عدالتیں قانونی حقوق نافذ کرتی ہیں۔ یہ حقوق افراد کے خلاف اور حکومت کے خلاف بھی نافذ کیے جاسکتے ہیں۔ اس طرح، قانونی حقوق اخلاقی حقوق سے مختلف ہیں۔ قانونی حقوق تمام شہریوں کو یکساں طور پر دستیاب ہیں۔ تمام شہری بغیر کسی امتیاز کے قانونی حقوق کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ اپنے قانونی حقوق نافذ کرنے کے لیے عدالتوں میں جاسکتے ہیں۔ قانونی حقوق تین طرح کے ہیں:

22.5.3.1 شہری حقوق (Citizenship Rights)

شہری حقوق لغوی معنوں کے اعتبار سے تو کسی بھی شخص کو شہریت رکھنے کی بنیاد پر حاصل ہونے والے حقوق کو کہا جاتا ہے اس کے علاوہ اسی اصطلاح کی تعریف یوں بھی کی جاتی ہے کہ شہری حقوق سے مراد کسی بھی جگہ بسنے والے شہریوں کو حاصل ان حقوق سے ہوتی ہے کہ جن کے ذریعے سے ان کو حکومت یا مملکتی طاقت کی جانب سے کسی بھی حق تلفی، زیادتی و ظلم سے پناہ حاصل ہوتی ہو، مزید یہ کہ شہری حقوق نا صرف افراد کو حق تلفی و زیادتی سے بچانے سبب ہوتے ہیں بلکہ ان کے وسیلے سے معاشرے کے افراد کو شہری و سیاسی زندگی میں کردار ادا کرنے کی قانونی آزادی اور ایسا کرنے کی اہلیت کے لیے درکار اسباب بھی مہیا کیے جانا لازم قرار دیے جاتے ہیں۔

22.5.3.2 سیاسی حقوق (Political Rights)

سیاسی حقوق وہ حقوق ہیں جن کی وجہ سے باشندے سیاسی عمل میں حصہ لیتے ہیں۔ اس سے وہ سیاسی عمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکتے ہیں۔ ان حقوق میں ووٹ ڈالنے کا حق، منتخب ہونے کا حق، عوامی عہدہ سنبھالنے کا حق اور حکومت پر تنقید اور مخالفت کا حق شامل ہے۔ جمہوری مملکت میں عوام کو سیاسی حقوق واقعتاً دستیاب ہیں۔

22.5.3.3 اقتصادی حقوق (Economic Rights)

اقتصادی حقوق وہ حقوق ہیں جو لوگوں کو معاشی تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ یہ تمام شہریوں کو اپنے شہری اور سیاسی حقوق کا صحیح استعمال کرنے کا اختیار دیتے ہیں۔ ہر فرد کی بنیادی ضروریات کا تعلق اس کے کھانے، لباس، رہائش اور طبی علاج سے ہے۔ ان کی تکمیل کے بغیر کوئی بھی شخص واقعی میں اپنے شہری اور سیاسی حقوق سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہر فرد کو کام کرنے کا حق، مناسب اجرت کا حق، تفریح اور آرام کا حق، اور بیماری، جسمانی معذوری اور بڑھاپے کی صورت میں سماجی تحفظ کا حق ملنا چاہیے۔

22.5.4 مثبت حقوق (Positive Rights)

ایک مثبت حق دوسروں کی ذمے داری ہے کہ وہ حقوق کے حاملین کو کچھ فائدہ پہنچائے۔ حق کسی غلط کا ارتباط ہے، لہذا اگر کسی کو کسی چیز کا حق حاصل ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے لیے اس حق کی نفی کرنا یا کچھ فائدہ نہیں فراہم کرنا غلط یا غیر قانونی ہے۔ مثبت حقوق، جس کا آغاز ابتدائی طور پر 1979 میں چیک فقیہ کارل وساک نے پیش کیا تھا، اس میں دیگر شہری اور سیاسی حقوق جیسے پولیس اور فرد اور املاک کے تحفظ اور صلاح مشورہ کے حق کے ساتھ ساتھ معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق جیسے کھانے، رہائش، عوامی تعلیم، روزگار، قومی سلامتی، فوج، صحت کی دیکھ بھال، سماجی تحفظ، انٹرنیٹ تک رسائی، اور کم از کم معیار زندگی شامل ہوسکتے ہیں۔

22.5.5 منفی حقوق (Negative Rights)

منفی حقوق، یا منفی آزادی کا مطلب ہے کسی چیز سے آزادی۔ آپ کا منفی حق دوسروں پر منفی فرض عائد کرتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ کچھ نہ کرنا اور مداخلت نہ کرنا۔ میری منفی آزادی کا صرف اس سے تقاضا ہے کہ آپ مجھے اس کام کو روکنے سے رُک کر حق کا احترام کریں۔ منفی حقوق کی مثالیں زندہ رہنے، آزاد رہنے، آزادی اظہار، مذہب کی آزادی، تشدد سے آزادی، غلامی سے آزادی، اور املاک کے حقوق کا حق ہیں۔ منفی حقوق ایک قطعی حق ہیں جن کی معمولی خلاف ورزی اس حق کو توڑ دیتی ہے۔ اس کا استعمال انسانوں کے تحفظ کے دفاع میں بھی کیا جاسکتا ہے تاکہ انہیں عقلی مخلوق کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے ضرورت ہو۔

22.6 حقوق کی کچھ اہم خصوصیات یا نوعیت (Some Important Characteristics or Nature of Rights)

22.6.1 حقوق قدرتی ہیں (Rights is Natural)

پیدائش کے وقت سے ہی تمام انسانوں کے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ انسان حقوق سے محظوظ ہوتا ہے کیونکہ وہ انسان پیدا ہوئے ہیں۔ لہذا، انسانی حقوق کو 'بنیادی حقوق'، 'قدرتی حقوق' اور 'پیدائشی حقوق' بھی کہا جاتا ہے۔ انسانی حقوق فطری ہیں، اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ انسان کے ذریعے نہیں بنائے گئے ہیں بلکہ خدا یا فطرت نے تخلیق کیے ہیں۔

22.6.2 حقوق آفاقی ہیں (Rights are Universal)

حقوق صنف، نسل، مذہب، ذات پات، قومیت وغیرہ سے قطع نظر تمام انسانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ حقوق تمام انسانوں کے پاس یکساں ہیں۔ وہ بلا تفریق سب کے لیے عام ہیں۔

22.6.3 حقوق فرائض کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں (Rights and Duties are Co-related)

حقوق سے لطف اندوز ہونے میں کچھ ذمے داریوں کی تکمیل شامل ہے۔ کسی فرد کو اپنے حقوق کو اس طرح استعمال کرنا چاہیے کہ وہ سماجی بہبود اور عام فلاح میں حصہ ڈالے۔ حقوق کے قانونی تصور فرائض کے ساتھ منسلک ہوتے ہیں۔ مملکت کے ایک شہری ہونے کے تئیں متعدد مثبت قانونی فرائض سرانجام دینے کی توقع کی جاتی ہے۔ چوں کہ مملکت حقوق کا فوری وسیلہ ہے، لہذا ایک شہری کی ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مملکت کے تئیں کچھ فرائض سرانجام دے، جیسے کہ قوانین کو ماننا، ٹیکس ادا کرنا، امن و سلامتی برقرار رکھنا وغیرہ۔

22.6.4 حقوق کبھی بھی مطلق نہیں ہوتے ہیں (Rights Never be Absolute)

حقوق لازمی طور پر دوسروں کے حقوق میں محدود ہونے چاہیے۔ وہ فطرتی طور پر مطلق نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ افراد صرف معاشرے کے ممبروں کی حیثیت سے ہی حقوق سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جب معاشرے کے تمام افراد آزادی کا ذاتی مطالبہ کرتے ہیں تو، وہ خود بخود

ہر فرد کی آزادی کو مخصوص کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ مملکت سلامتی، عوامی نظم وغیرہ کے مفاد میں حقوق پر معقول پابندیاں عائد کرنے کے لیے بااختیار ہے۔

22.6.5 حقوق متحرک ہیں (Rights are Movable)

حقوق مملکت کے اندر سماجی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی تبدیلی کے ساتھ ہمیشہ تبدیل اور متحرک ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے فطرت میں وہ مستحکم نہیں ہیں بلکہ متحرک اور ترقی پزیر ہے۔

22.6.6 حقوق سماجی ہیں (Rights are Social)

حقوق کا سب سے اولین مقصد انسانی شخصیت کی ترقی اور احساس کے لیے ضروری آزادی کی فضا پیدا کرنا ہے۔ لہذا حق کسی فرد کا اپنی شخصیت کی مکمل ترقی کے لیے دعوی کرنا ہے۔ لیکن تمام دعووں کو حقوق کی حیثیت نہیں مل سکتی۔ دعویٰ کسی فرد کے ذریعے کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا مقصد مشترکہ بھلائی اور عمومی بہبود ہے۔ کسی فرد کے ذریعے صرف ایک معاشرے کے ممبر کی حیثیت سے ہی حقوق کا دعوی کیا جاتا ہے نہ کہ اس کے الگ تھلگ فرد کے طور پر۔ اُسے برادری کی طرف سے پہچان اور حمایت حاصل کرنی ہوگی۔ لیکن اپنے آپ میں سماجی پہچان کسی دعوے کو حق بنانے کے لیے کافی نہیں ہے۔ دعوے کو بھی حق بننے کے لیے مملکت کی قانونی تسلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔

22.6.7 حقوق انسانوں کو ایک انسانی زندگی گزارنے کے قابل بناتے ہیں

(Rights Makes Men to Able to Spend Life as a Human Being)

حقوق کی عدم موجودگی میں انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ حقوق تمام انسانوں کے لیے ضروری ہیں۔ حقوق کی عدم موجودگی میں یہ ایک شخص کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اپنی ہمہ جہت انسانی شخصیت کی ترقی کے لیے زیادہ سے زیادہ قابلیت کا استعمال کرسکے۔ لہذا بیشتر جمہوری ممالک حقوق کی اہمیت کا ادراک کرچکے ہیں اور انہوں نے اپنے حلقہ بندیوں میں کچھ بنیادی حقوق کو شامل کیا ہے۔

22.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

خلاصہ یہ کہ حقوق کو تہذیب کا مرکزی مقام سمجھا جاتا ہے، جسے معاشرے اور ثقافت کے قائم کردہ ستون کے طور پر مانا جاتا ہے۔ روایتی طور پر، حقوق اخلاقی قوانین ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ ایک شخص کو کیا کرنا چاہیے اور وہ قدرت کی طرف سے آتے ہیں۔ دوسرے طریقے سے، حقوق ایک ایسے سیاسی قوانین ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ کوئی شخص آزادانہ کام کرتا ہے، اور وہ حکومتوں کے ذریعے تخلیق کیا جاتا ہے۔ تیسری قسم بیان کرتی ہے کہ حقوق ایک فطری قوانین ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ انسان کو کیا کرنا چاہیے اور وہ انسان کی فطرت میں موروثی ہیں۔ حقوق انسانی کے تصور کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ حقوق اخلاقی اصول یا اصول ہیں، جو انسانی طرز عمل کے کچھ معیارات کو بیان کرتے ہیں اور

باقاعدگی سے میونسپلٹی سے لے کر بین الاقوامی قانون میں قانونی حقوق کے طور پر محفوظ ہیں۔ آج یہ دعوے واضح اور مرتب ہیں اور انسانی حقوق کے نام سے موسوم ہیں۔ یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ انسانی حقوق خوداعتمادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے ضروری اور کم از کم معیار کو پیش کرتے ہیں۔ انسانی حقوق لوگوں کو یہ آزادی دینے کا انتخاب کرتے ہیں کہ وہ انتخاب کریں کہ وہ کس طرح کی زندگی گزارتے ہیں، وہ خود کا اظہار کس طرح کرتے ہیں۔ انسانی حقوق بھی لوگوں کو ان کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ضروری ذرائع کی یقین دہانی کراتے ہیں۔

22.8 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **فطرت کی حالت** : فطرت کی حالت سے مراد معاشرے کے وجود میں آنے سے پہلے ،انسانوں کی حقیقی یافرضی حالت۔
- **افادیت پسندی** : ایک اخلاقی نظریاتی نظریات کا ایک تصوّر ہے جو ایسے افعال کو درج کرتا ہے جو تمام متاثرہ افراد کے لیے زیادہ سے زیادہ خوشی اور فلاح و بہبود کرتے ہیں۔
- **مطلق العنان** : ایک حکومتی نظام ہے جس میں تمام اختیارات ایک شخص کے ہاتھوں میں مرکوز ہوتے ہیں۔
- **قدامت پسند** : ایک سیاسی اور سماجی فلسفہ ہے جو روایتی رسوم و رواج کو برقرار رکھنے اور ان کی حمایت کو فروغ دیتا ہے۔
- **پرولتاریہ** : لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کہ "وہ شہری جو آزاد تو ہو مگر قوت محنت کے علاوہ اس کی کوئی جائداد نہ ہو"۔ مارکس نے اپنے مارکسزم میں پرولتاریہ کی اصطلاح کا ایک ترقی پسند محنت کش طبقے کی وضاحت کے لیے کی ہے جو سرمایہ دارانہ نظام اور سماجی طبقات کو ختم کرنے کے لیے انقلابی عمل کے قابل ہو۔

22.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

22.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ کس مفکر کے مطابق 'حقوق اخلاقی وجود کی حیثیت سے انسان کی پیشہ ورانہ تکمیل کے لیے ضروری اختیارات ہیں'؟

(a) لاسکی　　(b) ٹی ایچ گرین

(c) بینی پرساد　　(d) برلن

2۔ کس نظریہ کے تحت حق وہ عمل ہے جو دوسرے تمام ممکنہ اقدامات کے مقابلہ میں ، اچھائی، خوشی، بہبود" کو زیادہ سے زیادہ ممکن بناتی ہے؟

(a) سماجی بہبود نظریہ　　(b) افادیت پسند

(c)علم الاخلاق (d)تاریخی نظریہ

3۔ کس نظریہ کے مطابق وہ اقدامات جو اُصولوں کی پاسداری کرتے ہیں اخلاقی ہیں، جب کہ ایسی حرکتیں جو اس کی پاسداری نہیں کرتے وہ غیر اخلاقی ہیں؟

(a)ڈیونٹولوجی (b)افادیت پسند

(c)قدرتی نظریہ (d)قانونی نظریہ

4۔ کون سا نظریہ جرمنی کے فلسفی، ایمینول کانٹ کے ساتھ زیادہ قریب سے وابستہ ہے؟

(a)ڈیونٹولوجی (b)سماجی بہبود نظریہ

(c)مارکسسٹ نظریہ (d)قانونی نظریہ

5۔ کس مفکر کے مطابق "اخلاقی طور پر جو چیز جائز ہے وہ تمام عقلی مخلوقات پر لاگو ہوتی ہے؟"

(a)لاسکی (b)ٹی ایچ گرین

(c)کانٹ (d)برلن

6۔'فطرت کی حالت میں مردوں کے پاس فطری حقوق موجود ہیں اور یہ حقوق ان افراد سے منسوب کیے گئے ہیں۔'

(a)تاریخی نظریہ (b)افادیت پسند

(c)قدرتی نظریہ (c)قانونی نظریہ

7۔ کس طرح کے نظریات کے حامیوں میں، بینتھم، ہیگل اور آسٹن کے ناموں کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے؟

(a)ڈیونٹولوجی (b)افادیت پسند

(c)قدرتی نظریہ (d)قانونی نظریہ

8۔لوگوں کا کسی بھی چیز پر ان کا حق ہے جس میں وہ کافی وقت گزرنے کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے استعمال کرتے ہیں یا لطف اٹھاتے ہیں۔

(a)لاسکی (b)ایڈمنڈ برک

(c)کانٹ (d)برلن

9۔انسانی حقوق کے عالمی قرارداد کو کب منظوری ملی؟

(a) 10 دسمبر 1948 (b) 11 دسمبر 1948

(c) 12 دسمبر 1948 (d) 13 دسمبر 1948

10۔لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کہ "وہ شہری جو آزاد تو ہو مگر قوت محنت کے علاوہ اس کی کوئی جائداد نہ ہو۔

(a)پرولتاریہ (b)برژووا

(d)اسکووچ (c)بیرن

22.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ حقوق کی تعریف اور مطلب بیان کریں۔

2۔ حقوق کی خصوصیات اور نوعیت پر بحث کریں۔

3۔ حق کے افادیت پسند نظریہ پر روشنی ڈالیں۔

4۔ انسانی حقوق کے نظریہ سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

5۔ حق کے مختلف اقسام کا مختصر جائزہ لیں۔

22.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ حقوق کیا ہے؟ حقوق کے قدرتی نظریے کی وضاحت کیجیے۔

2۔ حقوق کی تعریف بیان کرتے ہوئے حقوق انسانی نظریہ پر تفصیلی مضمون لکھیے۔

3۔ حقوق کے اقسام پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کی وضاحت کریں کہ حقوق کیوں ضروری ہیں۔

22.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Jeremy Waldron (Edited)(1985), Theories of Rights, Oxford University Press, Oxford
2. Aditya Jha(2012), Principles and Theories of Human Rights , Laxmi Publication
3. Thomas Paine, J. Johnson(1791), Rights of Man, London
4. David Lay (2014), Rousseau's 'Social Contract': An Introduction, Williams, Cambridge University Press
5. C.L. Ten (Edited) (2006), Theories of Rights, Routledge
6. George W. Rainbolt (2006), The Concept of Rights, Springer Netherlands

اکائی 23۔ سیاسی ذمے داری کے نظریات

(Theories of Political Obligation)

اکائی کے اجزا

23.0 مقاصد

23.1 تمہید

23.2 ابتدائی تاریخ

23.2.1 ابتدائی تاریخ: نسرانی اثرات

23.2.2 جدید تصور کا ظہور

23.4 سیاسی ذمے داری کی خصوصیات

23.5 سیاسی ذمے داری کی تاریخی واثری نظریات

23.5.1 تاریخی روایتی نظریات

23.5.2 ہم اصر نظریات

23.6 اکتسابی نتائج

23.7 کلیدی الفاظ

23.8 نمونہ امتحانی سوالات

23.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

23.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

23.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

23.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

23.0 تمہید(Introduction)

عمومی طور پر سیاسی ذمے داری کا مطلب اس اخلاقی ضرورت کو سمجھا جاتا ہے جو کسی فرد کو اپنے ملک یا مملکت کے مملکتی قوانین کے تابع کردے۔ روایتی طور پر قانون کی اس تابع داری کو محض اس لیے ایک ضرورت سمجھا جاتا ہے کہ یہ ایک قانون ہے۔کسی مخصوص قانونی مواد سے مختلف یہ ایک قانون ساز کا اختیار ہے احکام کے تناظر میں Thomas Hobbes اسے مرکزی خصوصیت سمجھتا ہے۔اس کے مطابق 'فرمان یا حکم' جب ایک آدمی کہتا ہے کہ "یہ کرو" یا یہ نہیں کرو کسی اور وجہ سے قطع نظر یہ محض فرما نبروا کا ارادہ ہوتا ہے ۔لفظ 'ذمے داری' ایک لاطینی لفظ 'واجب' سے مشتق ہے جس کا اطلاق افراد کی اس پابندی پر ہے جسے انجام دینے کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔اس کے مختلف معنٰی ہیں۔اخلاقیات کے دائرے میں یہ انسان کو اپنے فرائض سرانجام دینے کے لیے مطلع کرتا ہے جسے وہ اپنی عقلی تفہیم کی بنیاد پر قبول کرتا ہے۔فقہ کے میدان میں، انسانوں کی سماجی زندگی قانون سے تنظیم پاتی ہے اور سیاست کی دنیا میں انسان کسی نہ کسی اقتدار کے تحت زندگی گزار نے کا پابند اور اس کے حکم کے تابع ہوتا ہے۔یہ عام دانش مندی کی بنیاد پر مبنی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ سیاسی ذمے داری کا معاملہ نوعیت سے متعلق امور پر قائم ہے جو حقوق، قوانین اور سیاسی تنظیم کو اپنے دائرے میں شامل کرتا ہے۔

سیاسی ذمے داری عائد کرنا یہ ہے کہ اخلاقی فرض کی بنا پر کسی ملک یا مملکت کی قوانین کو تسلیم کرنا۔سیاسی فلسفوں کے مابین اس ضمن میں تقریباً مکمل اتفاق نظر آتا ہے۔لیکن کوئی اس طرح کی ذمے داری کیسے حاصل کرتا ہے اور کتنے لوگوں نے واقعتاً وہ کام کیا ہے جو اسے حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے یا سیاسی ذمے داری 'کرنے' سے زیادہ 'ہونے' کا معاملہ ہے یعنی محض اس ملک یا مملکت کا رکن بننے کے تعلق سے ہے۔ان سوالات کے لیے بہت سارے جوابات دیے گئے ہیں مگر اب کوئی بھی وسیع پیمانے پر ان احکام سے اتفاق نہیں رکھتا۔درحقیقت' متعدد معاصر سیاسی مفکرین نے اس بات کی تردید کی ہے کہ سیاسی ذمے داری کاایک تسلی بخش نظریہ یا تو وضع کیا گیا ہے یا ہو سکتا ہے۔تاہم، دوسرے یہ مانتے ہیں کہ جسے عام طور پر'سیاسی ذمے داری' کا مسئلہ مانا جاتا ہے اس کا حل ہے۔

میک فرسن (Macpherson)کے علاوہ کچھ اور لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ سیاسی ذمے داری، سیاسی فلسفہ کا مرکزی یا بنیادی مسئلہ ہو، شبہہ سے بالاتر نہیں ہو سکتا۔ تاہم، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سقراط کے زمانے سے لے کر آج تک سیاسی ذمے داری کا تسلی بخش حساب فراہم کرنے کی کوششوں سے سیاسی فکر کی تاریخ بھری پڑی ہے۔حالیہ برسوں میں یہ کوششیں تیزی سے آگے بڑھی ہیں مگر پھر بھی 17ویں صدی میں سیاسی ذمے داری کے مسئلے کے حل کے لیے جو کام Thomas Hobbes اور John Locke نے کیا تھا اس کے میزان تک نہیں پہنچ سکی۔سیاسی ذمے داری کی پریشان کن فطرت پر اب بھی بہتر کوششیں' سیاسی فکر کی تاریخ میں تشنہ لبی کا شکار ہے۔

آزاد خیال یا جدید نظریے کا کلاسیکی طور پر اظہار John Locke کے Second Treaties of Government میں ملتا ہے اور یہ خصوصی طور پر مقبول شعور میں ضم نظر آتا ہے۔ان نظریات سے مطابقت رکھتے ہوئے منسلک سوالوں کا تسلی بخش جواب ضروری سمجھا جاتا ہے۔آزاد خیال اور Locke کے نظریات کا مرکزی ماخذ اس ضمن میں یہ ہے کہ سیاسی ذمے داریوں کی ایک مخصوص حد بندی ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ناموافق حالات میں اسے تحلیل کر دیا جاتا ہے یا ضرورت کے مطابق اس کی بالا دستی یا سبقت برقرار نہیں رہتی۔

23.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبا:

- سیاسی ذمے داری کی تصورات سے متعارف ہو سکیں گے۔
- اس کے تاریخی پس منظر اور ارتقا کو سمجھ سکیں گے۔
- اس کے مختلف نظریات سے روشناس ہوں گے اور سیاسی ذمے داری کے تئیں تنقیدی رجحان پیدا کر سکیں گے

23.2 ابتدائی تاریخ (Early History)

قدیم یونانیوں کے درمیان سیاسی ذمے داری کے تصور پہ کسی معقول تبادلائی خیال کا نقش بہت کم ملتا ہے۔ارسطو اپنی کتاب 'سیاست' میں رقم طراز ہے کہ یونانیوں کے پاس فرد کا ایک غیر ترقی یافتہ تصور تھا۔تصوراتی اعتبار سے سماج کو شخصی وجود سے پہلے سمجھا جاتا تھا اور فرد کو سماج کا حصہ ماناجاتا تھا،جس پر اس کی اخلاقی اور ذہنی ترقی منحصر تھی، جسے وہ خوش گوار زندگی کا مرکز سمجھتے تھے۔تصوراتی طور پر، اس پس منظر میں، قانون کے تابع داری کی ضرورت کو بغیر کسی جرح کے منظور کیا جاتا تھا۔یونانی سیاسی نظریات' خصوصی طور پر افلاطون کی قوانین(Laws) اور جمہوریت (Republic)اور ارسطو کی سیاست (Politics)میں سیاسی ذمے داری کی موضوع پر کوئی خاص توجہ نظر نہیں آتی۔البتہ سقراط کا مقدمہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ ارسطو کے بیان کے مطابق یہ خصوصی استثنا سقراط کے مقدمہ اور قید سے متعلق ہے جو کریٹو (Crito) میں Athens کے قوانین پر سقراط کا مکالمہ ہے۔جب سقراط کو موت کی سزا سنادی جاتی ہے اور اس پر عمل درآمد قریب نظر آتا ہے اس وقت قید سلاسل سے فرار کے حق بجانب ہونے پر سقراط معلوم کرتا ہے کہ آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔ سقراط قوانین کے روبرو تابع داری کے حق میں دلائل کا ایک سلسلہ پیش کرتا ہے اور نفی کی صورت میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس سے مملکت کو نقصان پہنچے گا۔

399 قبل مسیح میں Athens کے ایک جوری (Jury) نے سقراط کو نوجوانوں کے اخلاقیات کو خراب کرنے اور بے دینی کا مجرم قرار دیا۔ان جرائم کے سبب جوری نے اسے موت کی سزادی۔افلاطون کے بیان کے مطابق،سقراط کے دوستوں نے اس کے فرار کا بندوبست کیا لیکن اس نے وہیں ٹھہر کر جان لیوا زہر، ہیملوک ((Hemlock کو پینا پسند کیا۔سقراط کا کہنا تھا کہ اس کے خلاف فیصلے کی خلاف ورزی کرنا، اس کے معاہدوں اور وعدوں کو توڑتا ہے اور اس کے دوستوں سے،ملک اور Athens کے قوانین سے بدسلوکی کرنا ہے۔سقراط کے دلائل نقوش انگیز ہیں مگر پھر بھی یہ سیاسی ذمے داری کے نظریات کے طرف اشارہ کرتے ہیں جو اس کی موت کے بعد ڈھائی ہزار سالہ تاریخ میں سامنے آئے۔

یہ دلائل چار طرح کے ہیں۔

1. سب سے پہلے' سقراط کا کہنا ہے کہ Athens میں اس کی طویل رہائش سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے اس کے قوانین کے ساتھ معاہدہ کیا ہے اور اس کی تعمیل کے لیے خود سے عہد کیا ہے۔ایسی دلیل سماجی معاہدے یا سیاسی ذمے داری کے رضا مندی کے نظریہ کی توقع رکھتی ہے۔
2. دوسرا، اس نے اعتراف کیا کہ اس کی پیدائش،پرورش اور تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسرے خوش کن حالات Athens کے قوانین کی وجہ سے ہیں اور اب ایسی حالت میں قوانین کی نافرمانی اس کے لیے غلط ہے۔سقراط کا یہ بیان ذمے داری کے نظریہ تشکر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
3. تیسرا، وہ تجویز کرتا ہے کہ نافرمانی، اس کے ذریعے شہریوں کے ساتھ ایک طرح کی بد سلوکی ہوگی۔سقراط کا یہ اپیل آج منصفانہ رویہ کی دلیل کے طورپر جانا جاتا ہے۔
4. بالآخر سقراط، قوانین اور مملکت کے تصور پہ یہ کہتا ہے کہ"کیا آپ اس امکان پر غور کرتے ہیں کہ کوئی شہر تباہ نہیں ہو سکتا اگر اس کی عدالت کے فیصلوں میں کوئی قوت نہ ہوا اور اسے نجی افراد کے ذریعے کا لعدم قرارا دے دیا جائے"۔سقراط کے اس بیان سے افادیت پسند استدلال کا سراغ ملتا ہے۔

در حقیقت یہ تمام دلائل معاہدے کے حق میں تھے۔کیونکہ سقراط جب Athens میں قیام پذیر تھا اور اس کو کہیں اور چلے جانے کا موقع بھی میسر تھا مگر اس نے قوانین کی اطاعت پر اتفاق کیا۔سیاسی ذمے داری پر اس وقت یہ دلیل نہایت ہی نفیس اور ترقی یافتہ تھی جس کی بنیاد رضامندی پر تھی بالخصوص خاموش رضا مندی۔مگر سقراط کے ان دلائل میں کچھ قباحتیں بھی تھیں۔ان میں سے کوئی بھی دلیل مکمل طورپر بالیدہ نہیں تھا۔

23.2.1 ابتدائی تاریخ: نصرانی اثرات (Early History: Christian Influence)

قدیم یونانیوں کی طرح ابتدائی دور کے نصرانیوں نے بھی سیاسی ذمے داری کے نظریاتی ارتقا کے لیے کچھ خاص طبع آزمائی نہیں کی۔رومیوں کو لکھے گئے سینٹ پال (St. Paul) کے مکتوب کے 13/ ویں باب میں ابتدائی چرچ کی بنیادی حیثیت کا

اظہار کچھ اس طرح ہے "ہر فرد کو اقتدار کے تابع ہونا چاہیے، کیونکہ خدا کے سوا کسی کو اختیار نہیں اور جن کو اختیار ہے وہ خدا کے ذریعے قائم کیے گئے ہیں"۔ اس مکتوب کے مطابق نا فرمانی گناہ کے ساتھ ساتھ ایک جرم بھی ہے۔اگر چہ احکامات جو خدا کے حکم کے خلاف ہو ان کی پابندی نہیں کی جانی چاہیے۔ایک چھوٹی اور مشتبہ عقلیت کی حیثیت سے، جس کو رومن طاقت کے ذریعے خطرہ تھا، یہ دو ٹوک بیان ان عیسائیوں کی سیاسی صورت حال کے عین مناسب تھا۔

23.2.2 جدید تصور کا ظہور (Emergence of Modern Imagination)

سیاسی ذمے داری کے قابل ادراک جدید تصور کی نشوو نما ایک لمبے عرصے کے دوران ہوئی۔تقریباً 12/ ویں صدی سے 17/ویں صدی کے وسط تک Levellers 'Hobbes' اور Locke کے کار گزاری سے اس نظریہ کو فروغ ملا۔آزاد سیاسی نظریہ کے دوسرے اجزا کی طرح سیاسی ذمے داری کا جدید تصور بھی چرچ سے ابھرا اور اس کا فروغ ایک مخصوص محرک کی طرح رہا۔ابتدائی نصرانیوں کی ہی طرح جدید دور میں بھی اطاعت کی پختہ تقاضہ، وہ حدود تھے جن کو وہ تسلیم کرتے تھے۔در حقیقت سیاسی ذمے داری کے عنوان پر سنجیدہ توجہ اس وقت دی گئی جب اطاعت کے تقاضوں پر، بڑے پیمانے پر سوال اٹھائے جانے لگے۔خاص احکامات کی عدم اطاعت کا جواز پیش کرنے کے لیے نظریہ ساز اس بات پر مجبور ہوئے کہ عوام کو کیوں تابعدار ہونا چاہیے اور اس کے حدود کیا ہیں؟ بعد کے صدیوں میں جب عدم اطاعت کے سوالات کا زور بڑھ گیا اور اس نے مزاحمت کی شکل اختیار کرلی تو سیاسی ذمے داری کے آزاد خیال نظریہ کا ارتقا ہوا۔11/ویں اور 12/ویں صدی میں یوروپی معاشرہ کی بحالی کے ساتھ،ترقیاتی سلسلے اس بنیادی نظریہ پر یکجا ہوئے کہ سیاسی طاقت محدود ہے۔اس اثنا میں مختلف دائرہ اختیار میں بادشاہوں کو اس امر پر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے علاقے کے بر گزیدہ لوگوں سے مشورہ کریں۔ شاہی اختیارات پر پابندی کا ظہور 1215ء میں میگنا کارٹا میں ہوا جب کہ انگریزی ماڈل پارلیمنٹ کا ابتدائی اجلاس 1295ء میں اور فرانس میں Estate General کا اجلاس 1302ء میں ہوا۔

معاشرہ اقتدار کا منبع ہے، اس تنازعے کے ساتھ مصلحین نے معاشرہ کی فلاح و بہبود حکمران کے ہاتھ میں دے دی۔ مجموعی طور پر ان نظریات کی بڑھتی ہوئی مقبولیت نے رضا مندی کے نظریہ کو تقویت دی۔ عملی اور نظریاتی طورپر اس بات کو بھی فروغ ملا کہ معاشرہ کو چاہیے کہ وہ جائز اقتدار کو منظور کر لے۔اسی طرح کا کردار قدرتی قانون کے بازیافت کار نے ادا کیا۔اس نے قانون کے قانونی حیثیت پر حدود قائم کر دیے۔معیاری قدرتی قانون کے نظریے کے مطابق مثبت قوانین، قدرتی قانون کے استعمال کا نتیجہ ہے اور یہ اسی وقت تک جائزہے جب تک اس کا مواد اپنے ماخذ سے مطابقت رکھتا ہو۔اس طرح St. Thomas Acquinas لکھتا ہے کہ "ہر انسانی قانون،قدرتی قانون کا اتنا ہی عکاس ہے جتنا وہ قدرتی قانون سے اخذ کیا گیا ہے"۔لیکن اگر یہ کسی بھی نقطہ پرقدرتی قانون سے انحراف کرتا ہو تو یہ قانون نہیں رہتا بلکہ قانون کی بگڑی ہوئی شکل ہوتی ہے۔

جدید خیال کا مرکز خود مختار فرد کی رضا مندی ہے جس کے پاس سیاسی اقتدار کے مطالبات کو قبول کرنے یا نہیں کرنے کا حقیقی انتخاب ہے۔ معاشرے سے فرد کی طرف رجحان کی بنیادی تبدیلی کی وجوہات پیچیدہ ہیں۔ میک فرسن(1962)کے مطابق اس تبدیلی کے امکانات میں مارکیٹ معاشرہ ہے جو سرمایہ داری کی ترقی میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ جب کہ Oakley (1999)کے خیال کے مطابق ایک اور قابل مذموم عنصر مختلف Protestant فرقوں کی انفرادیت پسندی کا رجحان ہے۔ خصوصاً جنہوں نے انفرادی رضا مندی کے ذریعے جماعتیں تشکیل دی۔ اس کے بعد کہ سیاسی نظریہ کی ترقی کے سلسلے میں ایک بہت ہی اہم عنصر قدرتی حقوق کے تسلیم شدہ تصور کا خروج تھا۔

23.4 سیاسی ذمے داری کی خصوصیات (Characteristics of Political Obligation)

سیاسی ذمے داری ایک ایسی صورت حال ہے جس کے تحت عوام اپنے سیاسی نظام اور اس کے فرمان کو قبول کرتی ہے۔ اس سے متعلق تمام باتوں کو سمجھنے کے لیے لازم ہے کہ اس کی امتیازی خصوصیات پر نظر ڈالیں جو درج ذیل ہیں۔

1. عوامی امور کا انتظام(Management of Public Functions)
2. سیاسی جواز(Political Justifications)
3. اقتدار کے خلاف مزاحمت(Criticism Against Authority)

عوامی امور کا انتظام: کسی بھی سیاسی نظام کا مطالعہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اس کا نظم و نسق ایک انتہائی دشوار اور پیچیدہ معاملہ ہے۔ لہٰذا، حکومت کی ہموار کارکردگی اس بات پر منحصر کرتی ہے کہ تمام افراد دیانتدار ہوں اور ذمے داری کے ساتھ عوامی معاملات میں شامل ہوں۔ اہم سیاسی عہدوں پر فائز لوگ عمومی فلاح و بہبود کے تئیں اپنے فیصلے کریں۔ یعنی ذاتی اغراض کی بنیادوں پر کیے گئے فیصلے سیاسی ذمے داری اور دیانت داری کے عین مخالف سمجھا جائے۔ اس لیے نہ صرف عوام بلکہ اقتدار پر فائز ہر فرد کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ سیاسی موضوعات، عوامی امور اور حکومتی پالیسیوں پر انتہائی سنجیدگی کے ساتھ عمل درآمد کرے۔ اس طرح یہ ایک دیانتدار عوامی خدمت کے فرائض کے وسیع تصور کو فروغ دیتا ہے۔ کسی بھی حکومت کو چلانے کا فن آسان نہیں ہوتا ہے۔ یہ ایک مشکل اور وسیع کام ہے۔ کسی بھی غلط اقدام یا غلط حکمت کے سنگین نتائج بر آمد ہو سکتے ہیں۔ اس کے بر عکس، عوام کی خیر کے لیے حکومت کا ایک مثبت اور صحیح قدم قوم کی ترقی کے لیے بہتر نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ اس طرح یہ ہر ایک باضمیر فرد کی ذمے داری ہے کہ وہ عوامی امور، حکومت کی حکمت عملی اور سیاسی مسائل پر سنجیدگی سے دلچسپی لے۔ لہٰذا، سیاسی ذمے داری، حکومت اور عوام، دونوں سے ایمان داری' سالمیت اور عوامی جذبے کا مطالبہ کرتی ہے۔

سیاسی جواز(Political Justifications): کسی بھی سیاسی نظام کا استحکام صرف اس کے مخصوص بنیادی ڈھانچے پر فروغ

نہیں پاتا بلکہ یہ سیاسی جواز پر منحصر ہوتا ہے۔سیاسی جواز' نظام کی وہ استعداد یا صلاحیت ہے جو اس یقین کو برقرار رکھتا ہے کہ موجودہ سماجی' معاشی اور سیاسی ادارے سماج کے لیے مناسب ہیں۔حکومت کی بنیادیں انہیں اداروں پر قائم ہوتی ہیں۔ان کے بغیر یا مستحکم نہ ہونے کی صورت میں حکومت کا زوال آجاتا ہے یاحکومت قانونی دشواریوں کی گرفت میں ہوتی ہے۔سیاسی ذمے داری کے تصور کا معاملہ لازمی طورپر سیاسی قانونی جواز اور تاثیر سے متعلق موضوع پر تفتیش کا باعث بنتا ہے۔جمہوری سیاسی نظام کا استحکام نہ صرف معاشی ترقی پر بلکہ اس کی قانونی حیثیت پر بھی منحصر ہوتا ہے۔قانونی حیثیت کا مطلب اس یقین کو پیدا کرنے اور بحال رکھنے کی گنجائش ہے جو موجودہ سیاسی ادارے یا اس کی شکلوں کو سماج کے لیے موزوں سمجھے اور جس کی بنیاد عام مرضی پر ہو۔دوسری طرف تاثیر کا تعلق اس امر سے ہے کہ حکومت کی کارکردگی ایک اچھے نظام کا پتہ دیتی ہے اور اس کی پیمائش عوامی ردعمل سے ہوتا ہے۔

اقتدار کے خلاف مزاحمت (Criticism against Authority): سیاسی ذمے داری کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اقتدار یا کسی فرمانروا کی تقلید ہر حال میں کی جائے۔حکومتی اقدامات اور اس کے طریقوں پر تنقیدی رجحان یا اس کے خلاف مزاحمت ایک لازمی جز ہے۔عوام پر لازم ہے کہ حکومت کے کارکردگی پر مسلسل نظر رکھے اور فرائض کا تنقیدی مشاہدہ کرے۔کیونکہ اگر اقتدار اپنے حد سے تجاوز کرنے لگے تو صرف عوام ہی فرد کی آزادی کے حمایت میں مزاحم ہو سکتی ہے۔تاہم' مزاحمت' کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ سیاسی نظام کو تہہ وبالا کردے۔البتہ حقوق وآزادی کا تحفظ ضروری ہے اور اس کی کوششیں سماجی فلاح و بہبود کے تناظر میں ہونا چاہیے۔سیاسی ذمے داری کا تصور نہ صرف لوگوں کو اقتدار کے تابع کرتا ہے بلکہ ان کو اس بات پر بھی آمادہ کرتا ہے کہ وہ اقتدار کے طور طریقوں پر تنقید کرتے رہیں۔عوام کو چاہیے کہ اپنے حکمرانوں کی حرکتوں کا جائزہ لیں اور اپنی آزادی پر حملے کی مزاحمت کریں۔

23.5 سیاسی ذمے داری کی تاریخی و عصری نظریات

(Historical and Contemporary Concepts of Political Obligation)

سیاسی ذمے داری کی مختلف نظریات ہیں، جو تصوراتی رموزو اوقات کو بیان کرتے ہیں۔ان نظریات میں خصوصی طور پر جن کا ذکر آتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(a)حکم الٰہی کا نظریہ (b) سماجی معاہدہ کا نظریہ (c) عینیت پسند نظریہ (d) مارکسی نظریہ

(a)حکم الٰہی کا نظریہ (Divine Theory): یہ نظریہ قدیم نظریات میں سے ایک ہے جو کسی مملکت کے حکمران کی اطاعت کی وجوہات بیان کرتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ حکمران نے اپنا اختیار براہ راست خدا سے اخذ کیا ہے۔یعنی لوگوں کو کسی شریر حکمران کے خلاف بغاوت کرنے کا کوئی حق نہیں۔اس طرح عوام،بادشاہ کے اختیار کو تسلیم کرنے کے لیے مذہبی حکم

کے پابند ہیں۔بادشاہوں کے الٰہیہ حقوق قرون وسطٰی کے دور میں عام تھے۔تا ہم،جدید دور میں نئی تعلیم کے آغاز کے ساتھ اس کی اہمیت ختم ہوگئی۔ پوری تاریخ میں یہ عقیدہ کہ سیاسی معاشرہ اور اس کے قوانین خدائی طور پر مقرر کیے گئے ہیں، اتنے مضبوط ہیں کہ بہت سے لوگوں کو اس عقیدے پر قائم رکھا جا سکتا ہے اور بہت سے ایسے ہیں جن کے نزدیک ان قوانین کی نافرمانی کا جواز شاید ہی کبھی مل سکے۔مگر عیسائیت کی آمد کے ساتھ اس امکان کو سنجیدگی سے لیا گیا۔یعنی فرمانروا کا حکم،خدائی احکام سے مختلف ہو سکتا ہے۔جب حکمرانوں نے عیسائیت کو دبانے کی کوشش کی تب یہ نقطہ اور بھی واضح ہوگیا۔
اس کے باوجود، عیسائی نظریہ یہ سمجھتا ہے کہ حکم الٰہی کے مطابق موجود قانون کی تعمیل کرنا ایک ذمے داری ہے اس ضمن میں سب سے اہم رومیوں کو لکھا گیا سینٹ پال کا مکتوب ہے جس کے مطابق ”کسی کو کوئی اختیار نہیں بجز خدا کی طرف سے اور وہ جن کو اختیار ہے وہ خدا کے ذریعے قائم کیے گئے ہیں“۔لہٰذا جو شخص حکام سے مزاحمت کرتا ہے وہ خدا کی مقرر کردہ چیزوں کے خلاف مزاحمت کرتا ہے اور جو لوگ مزاحمت کرتے ہیں انہیں سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سیاسی ذمے داری کے نظریہ کے طور پر حکم الٰہی کو دو عام پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔سب سے پہلے یہ کسی طرح کی الوہیت کے وجود کو قیاس کرنا ہے اور دوسرا یہ کہ احکام الٰہیہ ہمیشہ واضح نہیں ہوتے ہیں۔ البتہ عیسائیوں کے لیے اصل مشکل یہ تھا کہ سینٹ پال کے متن کو اس تکلیف دہ حقیقت کے ساتھ مصالحت کرنا تھا کہ اکثر حکمران عیسائیت مخالف تھے۔تاہم،ان تنازعات کے دباؤ میں، سیاسی ذمے داری کا ایک نظریہ تیزی سے نمایاں ہوا، کیونکہ Protestantsاس عقیدے پر انحصار کرنے لگے کہ سیاسی اختیار محکوم کی رضا مندی سے حاصل ہوتی ہے۔
(b)سماجی معاہدہ کا نظریہ(Theory of Social Contract): اگرچہ معاہدہ یا رضامندی کا خیال کافی پرانا ہے اور قدیم ہند فکر میں بھی پایا جاتا ہے، مگر بنیادی طور پر 16/ویں اور 17/ویں صدی میں سیاسی ذمے داری کو سمجھانے کے لیے یورپ میں معاہدہ کے واضح نظریات کو تیار کیا گیا۔اس نظریہ کا واضح اظہار Hobbes اور Locke کی تحریروں میں پایا جاتا ہے۔ان کے خیالات کے مطابق فطرت کی حالت میں رہنے والے افراد کے درمیان ایک ایسا معاہدہ ہوا جس کے تحت سیاسی اختیار کا وجود ہوا جو درحقیقت لوگوں کی رضا مندی پر ہی مبنی تھا۔تاہم،سماجی معاہدہ کا خیال روسو کی تحریروں میں انتہائی فلسفیانہ شکل کو پہنچا جس نے سیاسی ذمے داری کی حقیقت کو جنرل ول (General Will)/عام اتفاق میں سمجھا اس کا مطلب یہ تھا کہ انسان سول معاشرے میں داخل ہونے کے بعد محض اپنے حسیات کا غلام نہیں رہتا بلکہ وہ عام فلاح کے قانون کی تابع داری کا پابند ہو جاتا ہے۔

اس طرح سماجی معاہدے کا نظریہ اس تصور کو جواز پیش کرتا ہے کہ اگر فرمانروا خود کو جائز رکھنا چاہتا ہے تو اسے محکوم کی رضا مندی پر قائم ہونا چاہیے اگر حکومت معاہدے کی شرائط کے خلاف ورزی کرتی ہے تو عوام کو مزاحمت کرنے کا حق حاصل ہوگا۔اس نظریہ کے مضمرات، عوامی حقوق و آزادی کا تحفظ اور حکمرانوں کی من مانی کو روکنا ہے۔Hobbes کے نگاہ

میں سماجی معاہدے کے نظریہ نے ایک ایسے شخص کا اختیار قائم کیاجو اسے برقرار رکھنے کے اہل تھا۔اگر ہم خود کو حالت فطرت میں تصور کریں تو، Hobbes کے استدلال کے مطابق ہماری رہنمائی کے لیے نہ تو کوئی حکومت ہے نہ کوئی قانون، سوائے قدرت کے قانون کے۔ہم یہ تسلیم کریں گے کہ ہر ایک فرد فطری طور پر مساوی اور آزاد ہے لیکن ہمیں یہ بھی تسلیم کرلینا چاہیے کہ یہ حالت قدرت،جنگ کی حالت ہوگی اور مزید طاقت کے حصول کی تمنا جو ہمیں محرک رکھتی ہے وہ 'ہر آدمی کے خلاف ہر آدمی کی جنگ' کا باعث بنے گی۔(Hobbes, Chap. 11-13)

اس خوفناک حالت سے فرار کے لیے لوگوں نے ایک خود مختار طاقت کی اطاعت کے لیے اپنی آزادی کو اس عہد کے ساتھ چھوڑ دیا کہ اس خود مختار طاقت کو قوانین بنانے، نافذ کرنے اور ان کی ترجمانی کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔سماجی معاہدے کی اس شکل کو Hobbes نے"خود مختاری بذریعہ ادارہ" کا نام دیا۔ساتھ ہی اس نے اس بات پر بھی زور دیا کہ فاتح ان لوگوں پر اختیار حاصل کرتے ہیں جن پر ان کی حکمرانی ہوتی ہے۔Hobbes کہتا ہے کہ محکوم،موثر طاقت کی تابع داری پر رضا مند ہو جاتے ہیں،خواہ طاقت ان کی پسند کی ہویا نہ ہو ایسی حالت میں ان پر ذمے داری ہے کہ وہ خود مختار کی تعمیل کریں خواہ اقتداراعلا قائم کی گئی ہو یا حاصل کی گئی ہو۔یہ ایک عملی تنازعہ ہے کہ اس ضمن میں Hobbes,Locke سے کتنا مختلف ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ Locke ان تصورات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سر گرداں نظر آتا ہے جس کی حد بہت محدود نظر آتی ہے۔Locke کے مطابق فطرت کی حالت میں آزاد اور مساوی افراد، حکومت اس لیے قائم کرتے ہیں کہ مملکت کی پریشانیوں پر قابو پایا جاسکے۔مزید یہ کہ Locke کا سماجی معاہدہ دو مراحل میں منقسم نظر آتا ہے۔پہلے مرحلے میں قدرتی طورپر آزاد اور مساوی افراد قانون کے تحت خود کو ایک سیاسی معاشرے میں تشکیل دینے پر راضی ہو جاتے ہیں اور دوسرے مرحلے میں وہ حکومت قائم کرتے ہیں۔Hobbes کے بر خلاف Locke حق انقلاب پر لکھتا ہے کہ حکومت کا تختہ پلٹنے سے لوگ فوری طور پر فطرت کی حالت میں واپس نہیں جائیں گے۔نہ ہی وہ Hobbes کی طرح اس بات کا حامی ہے کہ محض کسی فاتح کے تابع ہونے سے فاتح کی حکمرانی کے لیے رضا مندی کی تشکیل ہو جاتی ہے۔

آخر کار ان نظریات سے یہ واضح نہیں کہ رضا مندی واقعی سیاسی ذمے داری کی کلیدی ہے۔Hobbes کے نظریہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو نظم وضبط برقرار رکھ سکتا ہے اس کی اطاعت ہماری ذمے داری ہے۔جب کہ Locke کے نظریہ میں ایسا لگتا ہے کہ کچھ چیزیں ایسی ہے جن سے ہم رضا مند نہیں ہو سکتے۔

(c) عینیت پسندی کا نظریہ (Idealistic Theory): عینیت پسند مفکرین،سیاسی ذمے داری کے ماخذ کا سراغ انسان کے فطری عقلیت میں لگاتے ہیں۔وہ انسان کو ایک سیاسی اور عقلی مخلوق اور مملکت کو ایک خود کفیل طبقہ سمجھتے ہیں جسے پورے معاشرے سے مماثلت ہو۔ دراصل مکتب عینیت پسند نے ایک غیر مشروط اور لا محدود اطاعت کو جنم دیا لیکن بعد میں احتیاط کی غرض سے اس کی اصلاح کی گئی۔معروف عینیت پسند، ہیگل اس بات کی ستائش کرتا ہے کہ مملکت 'خدا کا اوتار' اور زمین

پر 'خدا کا وجود' ہے۔ ہیگل کہتا ہے کہ جب ایک فرد ریاست کی اطاعت کرتا ہے تو در حقیقت وہ عقل الٰہی کی اقتدا کرتا ہے اور اس طرح وہ آزادی سے عمل درآمد کرتا ہے۔اس کے مطابق مملکت ایک فطری وابستگی ہے جو اپنے تابع افراد کی حقیقی مرضی کی نمائندگی کرتا ہے۔ چنانچہ فرد اور مملکت کے مابین کوئی عداوت نہیں ہو سکتی بلکہ ایک فرد صرف مملکت کے حکم کی تعمیل کرکے معاشرے میں اپنی بہترین ممکن ترقی کر سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں سیاسی ذمے داری کا منبع مملکت کی اطاعت میں شامل ہے۔افلاطون اور ارسطونے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مملکت اور اس پر مشتمل افراد ایک مکمل نامیاتی (Organic)کی تشکیل دیتے ہیں۔اس طرح کے اثبات کا بہترین مظہر ہیگل کی تحریر ہے جو فرد کی آزادی کی نشاندہی مملکت کی کامل اطاعت کے ساتھ کرتا ہے۔T.H.Green بھی کہتا ہے کہ سیاسی ذمے داری کا نظریہ، اخلاقی ذمے داری سے وابستہ ہے۔وہ تجویز کرتا ہے کہ صرف ان ہی اعمال کو ذمے داری کے دائرے میں رکھنا چاہیے جو کسی مخصوص اخلاق سے منسلک ہو۔

(d) مارکسی نظریہ (Marxist Theory):مارکس کے مطابق مملکت کسی بھی طرح معاشرے کی منظم طاقت نہیں۔ البتہ یہ غالب طبقہ کی منظم طاقت ضرور ہے خصوصی طورپر وہ طبقہ جو ذرائع پیداوار کا مالک ہوتا ہے۔مارکسی نظریہ کے مطابق اسٹیٹ یا مملکت صرف ایک "بورژوا ادارہ" ہے اور ایک طبقے کے اوپر دوسرے طبقے کے ذریعے ظلم واستحصال کا ایک آلہ ہے۔مملکت کبھی بھی عام فلاح کا کام نہیں کرسکتی چنانچہ سیاسی ذمے داری کا مارکسی نظریہ خاص طورپر ماقبل انقلاب مرحلہ میں مملکت کے تیئں کسی بھی تابع داری کی حمایت نہیں کرتا۔ فرد معاشرے کے تیئں اسی وقت فرماں بردار ہوسکتا ہے جب معاشرہ طبقاتی اور مملکتی نظام سے پاک ہو۔سیاسی ذمے داری کا مارکسی نظریہ بنیادی طورپر اس موضوع کے دوسرے نظریات سے مختلف ہے۔یہ انقلاب سے پہلے کے مرحلے میں سیاسی عدم ذمے داری انقلابی مرحلے میں مکمل سیاسی ذمے داری اور انقلاب کہ بعد کے مرحلہ میں سماجی ذمے داری میں اس کے حتمی تبدیلی کہ معاملے پر پابندی عائد کرتا ہے دوسرے لفظوں میں سیاسی ذمے داری کا معاملہ اختیار کے کردار سے مربوط ہے۔سیاست کے مارکسی نظریہ کے مطابق سرمایہ دارانہ معاشرے میں مملکت ایک بورژوا ادارہ کی حیثیت سے منحرف ہوتی ہے۔اس کا مطلب ہے کہ ایک کامیاب انقلاب کے بعد محنت کش طبقے کے پاس سماجی نظام کو مستحکم کرنے کے لیے طاقت کے آلے موجود ہیں تاکہ ایک طرح سے سوشلیزم کے آخری مرحلے میں اپنے مٹ جانے کو تیار کرلیں۔مارکسی نظریہ کے مطابق سیاسی ذمے داری کے خیال میں سرمایہ دارانہ نظام کے دور میں بدنام مملکت پرولتاریہ کی آمریت کے دور میں نئی مملکت اور غیر طبقاتی ہونے پر مناسب مملکت کے معاملات شامل ہیں۔ معاشرے کو سماجی وجود کے لامملکت (Stateless)طرز پر انتہائی مقام ملتا ہے۔

سیاست کے مارکسی نظریہ کا نقطہ آغاز اور اس کے ساتھ ہی سیاسی ذمے داری اس نظریہ کو دوٹوک مسترد کرتا ہے کہ مملکت ایک معتمد آلہ کار یا مجموعی طورپر معاشرے کے ایجنٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔سیاسی ذمے داری کا معاملہ اس وقت پیدا

ہوتا ہے جب انقلاب کے بعد 'نئی مملکت' وجود میں آتی ہے۔اس نظریہ میں قابل توجہ نقطہ وہی ہے جو سوشلسٹ ترتیب میں مقرر کیا گیا ہے۔وہ سرمایہ دارانہ معاشرے میں ممنوع ہے، صرف یہ ہی نہیں بلکہ بنیادی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جو مملکت کی مخالفت کو بالکل ممنوع قرار دیتی ہیں۔مارکیسوں کا کام یہ ہے کہ وہ سیاسی ذمے داری کے خیال کو انقلاب کے ماتحت بناتے ہیں دوسرے لفظوں میں سیاسی ذمے داری کے نظریہ کا وجود سو شلزم کے آخری مرحلے میں مملکت کے مٹ جانے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے(جسے اشتراکیت کہتے ہیں)۔

2. **ہم عصر نظریات (Contemporary Theory):** اگرچہ ایک نظریہ کو دوسرے نظریہ سے ممتاز کرنے والی لکیریں ہمیشہ مخصوص نہیں ہوتی ہیں لیکن آج کل سیاسی ذمے داری کے فلسفیانہ جواز عام طورپر رضا مندی' شکر گزاری' منصفانہ طریقہ' رکنیت یا قدرتی فرض سے دلائل کی شکل اختیار کرتے ہیں۔کچھ مفکرین، دو یا دو سے زیادہ کے مخلوط طریقوں کو پیش کرتے ہیں جب کہ بعض تکثیری نظریہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔اگرچہ قانون کی پاسداری کے لیے کسی عام ذمے داری کو جواز بنانے کی کوششیں ان پانچ دلائل میں سے کسی ایک پر انحصار کرتی ہیں۔

(a)رضامندی کا نظریہ (b) شکر گزاری کا نظریہ (c)انصاف پسندی کا نظریہ

(d) رکنیت یا انجمن کا نظریہ (e) قدرتی فرض کا نظریہ

(a) رضا مندی کا نظریہ (Theory of Consent) : زیادہ تر لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ قانون کی پاسداری ان کی ذمے داری ہے شاید ان کے خیال میں یہ ذمے داری ان کی رضا پر مبنی ہے۔سیاسی مفکرین ایسے خیال پر بہت کم مائل ہیں۔تاہم، اس مرجع تنقید کی روشنی میں، جس پر ہیوم (Hume)اور حالیہ مصنفین' خاص طورپر Simmons،نے رضا مندی کا نظریہ اپنایا ہے۔ناقدین کا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ رضا مندی' ذمے داریوں کا منبع نہیں ہو سکتی بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود' سیاسی مفکرین کے مابین ابھی بھی رضا مندی کے نظریہ کے پیروکار ہیں۔ان کے رضا مندی کے نظریہ کے نسخے کافی حد تک مختلف ہیں۔تاہم' تنقیدوں کے جواب میں دو اہم نقطہ نظر سامنے آئے ہیں۔

پہلا' جسے ہیری بیرن (Harry Beran) نے پیش کیا وہ اس دعوے کو قبول کرتا ہے کہ صرف رضا مندی کا اظہار ہی ایک سیاسی ذمے داری پیدا کر سکتا ہے۔لیکن سیاسی معاشرے سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس طرح کی رضا مندی کو قائم کرنے کے لیے با ضابطہ طریقہ کار مرتب کریں۔یعنی مملکتوں پر لازم ہے کہ اپنے ارکان سے قانون کی تعمیل کرنے کی ذمے داری قبول کرنے یا انکار کرنے کو منظور کرائے۔اس ذمے داری کو مسترد کرنے والوں کے پاس پھر مملکت چھوڑنے' ہم خیال لوگوں کہ ساتھ نئی مملکت تشکیل دینے یا مملکت کے اندر کسی علاقہ میں رہائش اختیار کرنے کے اختیار ہوں گے جو اختلاف رائے دہندگان کے لیے مختص ہوں گے۔ اس طرح کے طریقے کار کی عدم موجودگی میں ایسا لگتا ہےBeran کے خیالات، فلسفہ انتشار کی طرح ہیں۔اگر یہ طریقے کار موجود ہوتے تاہم یہ بات ابھی تک واضح نہیں کہ ارکان کو دستیاب مواقع ان کی رضا

مندی کو واقعی رضا کارانہ بنائیں گے۔ رضا مندی کے نظریہ پر تنقید کے جواب کی دوسری سطر کسی نہ کسی طرح یہ بحث کرنا ہے کہ ناقدین رضا مندی کو بہت تنگی سے سمجھتے ہیں چند مفکرین کے نزدیک ووٹنگ یا بصورت دیگر انتخابات میں حصہ لینا رضا مندی کے طور پر شمار ہونا چاہئے۔

(b) شکر گزاری کا نظریہ(Theory of Thanksgiving) : سیاسی ذمے داری کے ضمن میں مباحثوں میں شکریہ ادا کرنے کی اپیلیں اتنا ہی قدیم ہے جتنا افلاطون کی کریٹو (Crito)اور اس کی مقبولیت آج بھی ہے۔اس سلسلے میں سقراط کے مطابق افلاطون کا استدلال خاص ہے کہ سقراط نے کم از کم چار امور میں سے ایک پر یہ وضاحت کی ہے کہ کیوں وہ سزائے موت سنانے والے جوری کے فیصلے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔جب Simmonsنے اپنی با اثر کتاب "اخلاقی اصول اور سیاسی ذمے داری(1979)" میں سیاسی ذمے داری کی اساس کے طور پر 'شکر' کی کمزوری پر ایک باب شامل کیا تو اس میں کوئی شکریہ کا نظریہ نہیں تھا جس پر تنقید کو مرتکز کیا جاتا۔بہت جلد ہی حالات کی تبدیلی کے ساتھ واکر (Walker)نے اپنی کتاب "سیاسی ذمے داری اور دلیل شکریہ" میں اس نظریہ کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔اگر کوئی کسی سے نفع اٹھا تا ہے تو بطور شکریہ اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے مفادات کے خلاف کام نہ کرے۔ہر شہری نے مملکت سے نفع اٹھایا ہے۔ بطور تشکر، ہر شہری پر ذمے داری ہے کہ وہ ایسا طریقہ اختیار نہ کرے جو مملکت کے مفادات کے منافی ہو۔

(c) انصاف پسندی کا نظریہ (Theory of Justice): اگرچہ سقراط سمیت چند مفکرین نے جو کچھ اپیل کیے تھے وہ منصفانہ رویہ کے نظریہ سے مشابہ تھے۔اس کی کلاسیکی تشکیل وہی ہے جو Hart نے دیا تھا کہ کیا کوئی فطری حقوق ہیں؟جو Hart کے مطابق جب متعدد افراد قواعد کے مطابق کوئی مشترکہ کاروبار کرتے ہیں اور اس طرح اپنی آزادی پر پابندی عائد کرتے ہیں تو ان پابندیوں کو پیش کرنے والے افراد کو جب ضرورت ہوتی ہے ان لوگوں سے بھی اسی طرح کی پیش کشی حاصل کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

بعد میں John Rawls نے اپنے ایک پر اثر مضمون میں اس نظریہ کو اختیار کیا۔اس نے منصفانہ رویہ سے ماخوذ فرائض کو اس اصول کے حوالے کے طورپر استعمال کیا۔منصفانہ رویہ کا اصول یہ ہے کہ جو بھی شخص منصفانہ باہمی فائدہ مند تعاون پر مبنی عمل میں حصہ لیتا ہے اس پر ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ عملی بوجھ میں معقول حصہ لے۔یہ ذمے داری دوسرے افراد پر بھی عائد ہوتی ہے جو معاملات میں تعاون کرتے ہیں۔کیونکہ تعاون ہی سے کسی بھی فرد کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ معاملات کے منافع سے وہ لطف اندوز ہو سکیں۔اس طرح جو لوگ معاملات میں حصہ لیتے ہیں ان کے لیے حقوق بھی ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ فرائض بھی۔جس طرح دوسروں کا حق ہے کہ کوئی ان کے کام کا حصہ پورا کرے اسی طرح ان پر بھی یہ ذمے داری ہے کہ وہ کسی اور کا حصہ اٹھائیں۔ منصفانہ رویہ کا اصول کسی سیاسی معاشرے پراسی وقت لاگو ہوتا ہے جب اس کے ارکان معقول حد تک اس کی تنظیم ایک معاون کاروبار کی طرح کریں۔ اراکین کی ذمے داری ہے کہ اس طرح کے

معاملات کو برقرار رکھنے میں وہ اپنا کردار ادا کریں کیونکہ اس طرح کی سیاست کی دیکھ بھال کے لیے قانون کی حکمرانی ضروری ہے۔

(d) **رکنیت یا انجمن کا نظریہ (Theory of Membership/Association)** : پچھلے تیس سالوں میں منظر عام پر آنے والے کسی نظریہ کے حامیوں کے مطابق سیاسی ذمے داری کو "رکنیت پر مبنی باہمی وابستہ ذمے داری" کے طور پر سمجھا جاتا ہے ان کا استدلال ہے کہ اگر ہم کسی جماعت کے رکن ہیں تو ہم اس پابند سلاسل کے تحت ہیں جو کسی اصول کہ تحت عمل پیرا ہوں۔رضا کارانہ ہو یا نہ ہو رکنیت کا مطلب ہے ذمے داری۔ لہٰذا جو بھی شخص کسی خاص جمہور میں رکنیت کا اعتراف کرتا ہے اسے یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ قوانین کی پاسداری اس کی عام ذمے داری ہے۔Ronald Dworkin کے الفاظ میں، سیاسی وابستگی، جیسے خاندانی اور دوستی اور دیگر مقامی اور جذباتی اجتماع کی طرح اپنے آپ میں ذمے داری کا حامل ہے ۔

(e) **قدرتی فرض کا نظریہ (Theory of Natural Obligation)**:سیاسی ذمے داری پر مباحثے کی آخری کڑی قدرتی فرض کا نظریہ ہے اس تناظر میں قدرتی فرائض کو اس طرح سمجھا جاتا ہے کہ عوام کی حیثیت محض ایک اخلاقی ایجنٹ کی ہے اسے حاصل کرنے کے لیے انہیں نہ تو کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی ان کی اس طرح کی ذمے داریوں کا انحصار ان کی سماجی تعلقات پر ہے قدرتی فرائض اپنے دائرہ کار میں آفاقی ہیں۔ یہ کسی طبقے کے تمام ارکان کو حاصل ہوتے ہیں جو جذباتیت یا عقلیت جیسے اوصاف کے مالک ہوں۔John Rawls نے سب سے پہلے سیاسی ذمے داری کے لیے اس طرح کی دلیل پیش کی جب اس نے اپنی کتاب A Theory of Justice میں یہ دعویٰ کیا کہ ہر ایک انصاف فطری فرائض کے تابع ہے کہ ہمیں صرف انصاف کرنے والے اداروں کی حمایت کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔

23.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- سیاسی ذمے داری کی ابتدائی تاریخ کو سمجھا۔
- سیاسی ذمے داری کی خصوصیات کو تفصیل سے سمجھا۔
- سیاسی ذمے داری کے تاریخی وعصری نظریات کو تفصیل سے سمجھا۔

23.7 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **مطلق العنان** : غلط طریقے سے جب کوئی حکمران مملکت کے سارے اختیارات اپنے پاس رکھتی ہے

- **انصاف** : کسی ملک یا سماج میں موجود مختلف گروہ کے ساتھ مساوی سلوک۔
- **فطری حالت** : وہ زمانہ جس میں انسان کا بنایا ہوا قانون نہیں تھا۔
- **حکومت** : یہ وہ ایجنسی ہے جس کے ذریعے مملکت اپنے اُمور کو انجام دیتا ہے۔
- **مملکت** : ایک طے شدہ حکمرانی کے تحت منظم سیاسی گروہ کا نام ہے۔
- **نظریات** : ایک ایسا خیال جو حقیقت پر مبنی ہو۔

23.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Questions Examination)

23.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ کریٹو (Crito) کس فلسفی کی تصنیف ہے؟

(a) جان رالس (b) رونلڈ ڈورکن (c) سقراط (d) مارکس

2۔ قدیم یونانی کتاب "سیاست" کس کی تصنیف ہے؟

(a) جان رالس (b) ارسطو (c) سقراط (d) میکاولی

3۔ نظریہ سماجی معاہدہ کے مفکرین کے نام بتائیں؟

(a) جان رالس (b) ہابس، لاک اور روسو (c) سقراط (d) افلاطون

4۔ "مملکت زمین پر خدا کا وجود ہے" کس فکر کے مفکر کا کلام ہے؟

(a) ہیگل (b) کارل مارکس (c) سقراط (d) لاک

5۔ کس نظریہ کے مطابق مملکت صرف ایک بورژوا ادارہ ہے۔

(a) جان رالس (b) رونلڈ ڈورکن (c) ہابس (d) مارکس

6۔ لا مملکت (Stateless Society) کی بات ان میں سے کون کرتا ہے؟

(a) ہیگل (b) رونلڈ ڈورکن (c) سقراط (d) مارکس

7۔ 'لیواتھن' کس مشہور مفکرین کی کتاب ہے؟

(a) ہابس (b) ارسطو (c) سقراط (d) جان لاک

8۔ سقراط نے جو زہر پیا اس کا کیا نام ہے؟

(a) ہیم لاک (b) روسی پیالہ (c) سنہرا پیالہ (d) ان میں سے کوئی نہیں

9۔ "ہر آدمی کے خلاف ہر آدمی کی جنگ" کس کا بیان ہے؟

(a) ارسطو (b)کارل مارکس (c)تھامس ہابس (d)جان لاک

10۔' General will کا تصورات کس مفکرین سے مطلق ہے

(a) میکاولی (b)ارسطو (c)سقراط (d)مارکس

23.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ سیاسی ذمے داری کی تعریف بیان کیجیے؟

2۔ سیاسی ذمے داری کی تاریخ پر ایک نوٹ لکھیے؟

3۔ سیاسی ذمے داری کے عینیت پسند اور مارکسی نظریہ کا تقابلی جائزہ لیجیے۔

4۔ سیاسی ذمے داری کے نظریہ سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔

5۔ سیاسی ذمے داری کے امتیازی خصوصیات پر ایک نوٹ لکھیے۔

23.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ مارکسی نظریہ پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے۔

2۔ جدید تصور کے ظہور پر ایک مضمون لکھیے۔

3۔ نظریہ سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

23.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Aquinas, St Thomas (1988), On Law, Morality and Politics, ed. W. Baumgarth and R. Regan. Indianapolis: Hackett
2. Bentham. J. (1988), A Fragment of Government [1776], ed. R. Harrison. Cambridge: Cambridge University Press.
3. Beran, H. (1987), The Consent Theory of Political Obligation. London: Croom Helm .
4. Beran, Harry(1987), The Consent Theory of Political Obligation. London: Croom Helm
5. Buchanan, A. (2002), "Political Legitimacy and Democracy," Ethics, 112: 689-719

اکائی 24 ۔ آزادی، مساوات اور انصاف

(Liberty, Equality and Justice)

اکائی کے اجزا

24.0 تمہید

24.1 مقاصد

24.2 آزادی کا مفہوم و تعریف

24.3 آزادی کے اقسام

24.3.1 منفی آزادی

24.3.2 مثبت آزادی

24.4 آزادی کے مختلف اقسام

24.5 مساوات کے معنی و مفہوم

24.6 مساوات کی اقسام

24.7 ایجابی عمل

24.8 انصاف: مفہوم و تعریف

24.9 انصاف کی اقسام

24.10 انصاف کے نظریات

24.11 اکتسابی نتائج

24.12 کلیدی الفاظ

24.13 نمونہ امتحانی سوالات

24.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

24.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

24.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

24.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

24.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں آزادی، مساوات اور انصاف کے تصور کو متعارف کروایا گیا ہے۔ اس اکائی میں ان نظریات کے ارتقا کے رجحانات کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ان نظریات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آزادی کا تصور بنیادی طور پر جدید دور میں ارتقا پذیر ہوا اور فلسفہ انفرادیت سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ قدیم اور قرونِ وسطیٰ کے دور میں، موجودہ شکل میں آزادی کا تصور غائب تھا۔ سقراط اور افلاطون نے معاشرے یا مملکت کے خلاف انفرادی آزادی کے تصور کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آزادی اور اس کے مختلف پہلوئوں پر بحث ومباحثے سے ایسا لگتا ہے کہ حقوق کا موضوع، آزادی کے موضوع کے ساتھ مربوط ہے۔ یہ مملکت کے ذریعے ان کے نفاذ کے ساتھ حقوق کی فراہمی ہے، جو شہریوں کی آزادی کو یقینی بناتا ہے اور اس طرح اسے اپنی شخصیت کی بہترین ترقی کا خواہاں بناتا ہے۔ آزادی کا مفہوم عام طور پر غلط طریقے سے لیا جاتا ہے کیونکہ اس کی نشاندہی حدود اور پابندیوں کی عدم موجودگی سے ہوتی ہے۔ آزادی کو انسان کے اپنی پسند سے کچھ بھی کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ ہابس آزادی کو لائسنس یا ایسی حالت قرار دیتا ہے، جس میں آپ اپنی پسند سے کچھ بھی کر سکتے ہیں ۔

24.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کو مکمل کر لینے کے بعد طلبا اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- آزادی کے سیاسی نظریہ سے واقف ہو سکیں گے۔ مساوات کے سیاسی نظریہ سے واقف ہو سکیں گے۔
- انصاف کے سیاسی نظریہ کے ساتھ ساتھ ہی طلبا ان نظریات کے منفی اور مثبت پہلو کے علاوہ خوبیاں اور خامیاں کی بھی جانیں گے۔

24.2 آزادی کا مفہوم وتعریف (Meaning and Definition of Liberty)

لبرٹی کا مفہوم عام طور پر ایک غلط طریقے سے لیا جاتا ہے کیونکہ اس کی نشاندہی حدوں اور پابندیوں کی عدم موجودگی سے ہوتی ہے۔ آزادی کو انسان کے اپنی مرضی سے کچھ بھی کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ لفظ 'لبرٹی' لاطینی لفظ 'لبر' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی 'آزاد' ہے۔ اس لحاظ سے آزادی کا مطلب پابندیوں سے اور اپنی پسند کے مطابق کام کرنے کی آزادی ہے۔ تاہم، ایک سِوِل سوسائٹی میں آزادی کے

اس طرح کے معنی کو منفی اور نقصاندہ سمجھا جانا چاہیے۔ یہ صرف جنگل میں ہو سکتا ہے جہاں جانوروں کو پابندیوں سے آزادی حاصل ہے۔ سِوِل سوسائٹی میں کسی بھی شخص کو پابندیوں سے آزادی قطعاً اجازت نہیں دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا، آزادی کا مطلب تمام پابندیوں کی عدم موجودگی نہیں بلکہ ان پابندیوں کی عدم موجودگی ہے، جو غیر معقول ہوں۔ تاہم، آزادی کے مثبت پہلو کو اجاگر کرنے کا سہرا ٹی ایچ گرین کے سر ہے۔ انہوں نے اسے کسی ایسی چیز کرنے یا محظوظ ہونے کی ایک مثبت طاقت کے طور پر بیان کیا ہے جو دوسروں کے ساتھ مشترکہ طور پر کرنے کے قابل ہے۔ چوں کہ انسان ایک سماجی مخلوق ہے، اس کی زندگی کو کچھ سماجی بندھنوں کے ذریعے منظم کرنا چاہیے۔

آزادی کی تعریفات (Definitions of Liberty) آزادی کی تعریف مختلف مفکرین کے مطابق مندرجہ ذیل ہے:

1. تھامس ہابس کے مطابق، 'لبرٹی کا مطلب ہے پابندیوں کی عدم موجودگی'۔
2. ٹی ایچ گرین کا ماننا ہے، 'آزادی کام کرنے یا محظوظ ہونے کی مثبت صلاحیت ہے، کچھ قابل کرنے یا محظوظ ہونے کی اور وہ بھی دوسروں کے ساتھ کچھ کرنے یا محظوظ ہونے کی'۔
3. بقول لاسکی، 'لبرٹی سماجی زندگی کے ان حالات کا وجود ہے جس کے بغیر کوئی بھی، عموماً، اپنی بہترین حیثیت نہیں رکھ سکتا۔ لبرٹی اس ماحول کی بے چین بحالی ہے جس میں لوگوں کو اپنی بہترین ترقی کے مواقع ملتے ہیں۔

24.3 آزادی کے اقسام (Types of Liberty)

آزادی کو موٹے طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ منفی اور مثبت آزادی

24.3.1 منفی آزادی (Negative Liberty)

رسمی معنوں میں، آزادی کو 'پابندیوں کی عدم موجودگی' کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ آزادی کا یہ نظریہ آزادی کو مملکت کے خلاف فرد کے دعوے کے طور پر مانتا ہے۔ مملکت کو فرد کے اعمال پر کوئی پابندی نہیں لگانی چاہیے۔ یہ نظریہ آزادی کا منفی نظریہ کہلاتا ہے۔ یہ نظریہ یورپ میں سترہویں اور اٹھارویں صدی کے دوران نمایاں تھا۔ آزادی کے منفی تصور کے بطورِ خاص دو اہم حامی ہیں، ایک جے ایس مِل، اور دوسرا ہیرولڈ لاسکی۔ مِل کے مطابق فرد کی سرگرمیوں میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ کی عدم موجودگی، آزادی ہے۔ کلاسیکی لبرلز کا خیال ہے کہ بیرونی رکاوٹوں کی کمی آزادی ہے۔ ان کے مطابق فرد کی سرگرمی اور خواہش پر بھی کوئی پابندی عائد نہیں کی جانی چاہیے۔ فرد کو اپنے نفس اور خواہش کے مطابق کام کرنے کی پوری آزادی سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ لیکن یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہر قسم کی پابندیوں کی عدم موجودگی کو آزادی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس سے انتشار پھیل سکتا ہے۔

منفی آزادی کی نوعیت مندرجہ ذیل نکات سے بیان کی جا سکتی ہے۔ مملکت یا معاشرے کی طرف سے عائد پابندیوں کی عدم موجودگی آزادی ہے۔ وہ حکومت بہترین ہے جو کم سے کم حکومت کرتی ہے۔ زندگی، جائے داد اور اظہارِ خیال کی آزادی لا محدود ہیں۔ شہری اور سیاسی

آزادی فرد کے لیے ضروری ہے۔

24.3.2 مثبت آزادی (Positive Liberty)

مثبت آزادی کا تصور انیسویں صدی کے آخر میں ظہور پذیر ہوا۔ اس نظریہ کی بحث کانٹ، ہیگل، گرین، بوسنکیٹ، بارکر اور لاسکی کی تحریروں میں ملتی ہے۔ تاہم، آزادی کے مثبت معنی کو اجاگر کرنے کا سہرا ٹی ایچ گرین کے سر ہے۔ انہوں نے اسے کسی ایسی چیز کو کرنے یا محظوظ ہونے کی ایک مثبت طاقت کے طور پر بیان کیا ہے جو دوسروں کے ساتھ مشترکہ طور پر کرنے کے قابل یا لطف اٹھانے کے قابل ہے۔ چوں کہ انسان ایک سماجی مخلوق ہے، لہٰذا اس کی زندگی کو کچھ سماجی بندھنوں کے ذریعے منظم کرنا چاہیے۔ مثبت آزادی سے مراد وہ آزادی ہے جس میں معاشرے کے ہر طبقے کے لیے زندگی جینے اور اس سے لطف اندوز ہونے کی مناسب سہولیات میسر ہوں، دولتمند اور طاقتور افراد کو معقول اور مطلوبہ اشیائی کی فراہمی ہو اور کمزور اور غریبوں کو مناسب طریقے سے اور باعزت زندگی گزارنے کے مواقع حاصل ہوں۔ رکاوٹوں کی عدم موجودگی کے بجائے فرد کی شخصیت کی دائمی نشو نما اور ترقی کے لیے مواقع، حقیقی آزادی ہے۔ مثبت آزادی کا حقیقی مطلب موقع کی دستیابی ہے جس کے ذریعے انسان اپنی شخصیت کی مجموعی ترقی کے لیے آگے بڑھ سکتا ہے۔ اس کی شخصیت کی نشو نما کے مواقع کا استعمال اسی وقت ممکن ہے، جب زیادہ سے زیادہ حد تک حقوق محفوظ ہوں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مملکت مواقع مہیا کرا سکتی ہے، لیکن اس کا انحصار فرد پر ہے۔ لہٰذا، آزادی کا مثبت نقطۂ نظر شہریوں کی مجموعی ترقی کے لیے مناسب موقع کی دستیابی ہے۔ آزادی کے مثبت نظریہ کا تعلق فرد کی حیثیت کو بالاتر کرنے سے ہے۔ یہ واضح ہے کہ پابندیوں کی عدم موجودگی کے بجائے، آزادی در حقیقت عقلی پابندیوں کے ذریعے غلط حدود کا متبادل ہے۔

24.4 آزادی کے مختلف اقسام (Different Types of Liberty)

مشبت آزادی کی مختلف اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) فطری آزادی (Natural Liberty) فطری آزادی سے مراد انسان کو اپنی مرضی سے ہر کام کرنے کی بے لگام آزادی، جنگل میں شیر کی طرح۔ یہ جنگل کی آزادی کا دوسرا نام ہے۔ اس سے مراد دوسروں کی پسند سے قطع نظر اپنی پسند کے مطابق کرنے کی خواہش یا اجازت نامہ ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب سماجی ہم آہنگی سے ہونے والے دستوروں سے آزادی ہے، جسے دور دراز ملک، اضلاع یا تنہا جنگل میں رہ کر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسی حالت ہے جس میں سماجی قوانین، کنونشنز اور رسوم ورواج سے کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوتی۔ ایسی آزادی مملکت کے وجود میں آنے سے پہلے ممکن تھی۔ فطری آزادی کے حامیوں میں جان لاک، تھامس ہابس اور جین جیک روسو سب سے اہم ہیں۔ قدرتی آزادی کی بنیاد طاقت ہے، مملکت کے آغاز سے پہلے ہی فرد فطری آزادی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مملکت کا فرد کی آزادی میں کوئی رول نہیں تھا۔ تھامس ہابس کا خیال تھا کہ مملکت سے پہلے یعنی فطرت کی حالت میں آزادی کا وجود تھا، یہ بالکل فطری

بات ہے کہ سول سوسائٹی کے وجود میں آنے پر اسے ختم کر دیا گیا۔ روسو کا یہ مفروضہ کہ ' انسان آزاد پیدا ہوتا ہے اور ہر جگہ زنجیروں میں جکڑ جاتا ہے' اس بات پر زور دیتا ہے انسان سماجی معاہدے سے جو کھوتا ہے، وہ اس کی فطری آزادی ہے۔

(2) **شہری آزادی (Civil Liberty)** مملکت اور معاشرے میں جب اقتدار جائز ہوں اور قانون اور آئین کے مطابق پابندیاں عائد کی جائیں، شہری آزادی غالب ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فرد کو اپنے حقوق کو مناسب اور جائز پابندیوں میں استعمال کرنا چاہیے۔ دراصل شہری آزادی سے فرد اپنی صلاحیتوں سے شہری کی حیثیت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ لہٰذا شہری آزادی کا مطلب غیر معقول اور ناجائز پابندیوں کی عدم موجودگی ہے۔ جدید دور میں تمام جمہوری اور ترقی پسند حکومت اپنے شہریوں کو بولنے، لکھنے، کسی بھی پیشے کو اپنانے، کسی بھی مذہب پر عمل پیرا ہونے، جائز طریقے سے جائیداد جمع کرنے، مملکت میں انجمنیں تشکیل دینے، پرامن متحد ہونے کی آزادی فراہم کرتی ہے

(3) **انفرادی آزادی (Individual Liberty)** افراد کو اپنی روزمرہ زندگی میں کوئی مداخلت پسند نہیں ہوتی ہے اور وہ اسے برداشت بھی نہیں کرتے ہیں۔ تمام افراد اپنے لباس، طرزِ زندگی، کھانے کی عادات، شادیوں، بچوں کی تعلیم، پیشوں، مشاغل وغیرہ کے معاملے میں آزاد رہنا پسند کرتے ہیں۔ تقریر اور اظہارِ رائے کی آزادی، رہائش کی آزادی، نقل و حرکت کی آزادی، ضمیر کی آزادی، تجارت یا پیشے کے انتخاب کی آزادی، ذاتی ملکیت کا حق، کسی بھی مذہب کا اعتراف کرنے یا نہ کرنے کی آزادی اور نظریہ کو قبول کرنے یا نہ ماننے کی آزادی، یہ سب انفرادی آزادی کے زمرے میں آتے ہیں۔ ہمیں انفرادی آزادی کا استعمال کرتے وقت دوسرے کی آزادی کا خیال رکھنا ہے

(4) **سیاسی آزادی (Political Liberty)** سیاسی آزادی کا مطلب لوگوں کا مملکت کے امور میں سرگرمِ عمل رہنے کا اختیار ہے۔ اسے آئینی آزادی بھی کہا جاسکتا ہے۔ اسے جمہوریت کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ لوگوں کے ذریعے سیاسی حقوق کے استعمال کے اچھے اور مناسب مواقع کو سیاسی آزادی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جب عوام کو سیاسی عمل میں حصہ لینے کی آزادی حاصل ہے تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ سیاسی آزادی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ سیاسی آزادی میں ووٹ ڈالنے کا حق، انتخابات لڑنے کا حق، حکومت کی پالیسیوں پر تنقید اور مخالفت کرنے کا حق، سیاسی جماعتوں، مفادات گروہوں اور اثر انداز گروہوں کی تشکیل کا حق اور آئینی ذرائع سے حکومت کی تبدیلی کا حق شامل ہے۔

(5) **معاشی آزادی (Economic Liberty)** آج معاشی آزادی کی اہمیت اجاگر ہوگئی ہے۔ یہ ایک پروڈیسر یا کارکن کے طور پر فرد کی صلاحیت کے تعلق رکھتی ہے۔ لاسکی معاشی آزادی کو کل کی خواہش سے آزادی اور معاش حاصل کرنے کے لیے مناسب مواقع کی دستیابی سے تعبیر کرتا ہے۔ معاشی آزادی سب کے لیے کم از کم بنیادی ضروریات یعنی غذا، لباس اور رہائش کی فراہمی کی دلالت کرتی ہے۔ معاشی آزادی تب ہی حاصل کی جاسکتی ہے جب بھوک، افلاس، محرومی اور بے روزگاری سے آزادی ہو۔ معاشی آزادی کے بغیر سیاسی آزادی بے معنی ہو جاتی ہے۔ جب عوام بھوک، افلاس اور بدحالی کے خوف سے آزاد نہیں ہیں تو وہ کبھی بھی اپنے حقوق اور آزادی سے لطف اندوز ہونے کے بارے میں نہیں سوچ سکتے۔ کام کرنے کا حق، مناسب اجرت کا حق، معاش کے مناسب مواقع، آرام اور فرصت کا حق اور بڑھاپے میں معاشی سلامتی کا حق معاشی آزادی کی مثالیں ہیں۔

(6) **قومی آزادی (National Liberty)** قومی آزادی ایک قوم کے ذریعے دوسری قوم کے استعماری یا سامراجی محکوم ہونے کے

معاملے کو مسترد کرتا ہے۔ اس طرح، آزادی کو قومی تحریکوں کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر امریکیوں نے میں اور ہندوستان نے میں قومی آزادی حاصل کی۔ اس کا مطلب ہر ملک کی آزادی ہے یا دوسرے لفظوں میں خود کی حکمرانی یا سوراجیہ یا غیر ملکی حکمرانی سے آزادی ہے۔ مملکت اگر غیر ملکی حکمرانی کے تابع نہ ہو تو اسے قومی آزادی حاصل ہے۔ اگر تمام افراد، ایک قوم سے وابستہ افراد کی حیثیت سے آزادی سے لطف اندوز ہوتے ہیں تو آزادی قومی ہو جاتی ہے۔

(7) مذہبی آزادی (Religious Liberty) مذہبی آزادی کا مطلب ہے کہ فرد کو کسی بھی مذہب کا اعتراف کرنے یا نہ کرنے کی آزادی ہے۔ اعتقاد اور عبادات کی آزادی اور لوگوں کے مذہبی امور میں مملکت کی عدم مداخلت، مذہبی آزادی کے لیے ضروری ہے۔ معاشرے میں آزادانہ طور پر اپنی سرگرمیاں انجام دینے کے لیے تمام مذاہب کو برابری کی حیثیت حاصل ہو، سیکولرزم ایسی مذہبی آزادی کا مطالبہ کرتا ہے۔

(8) اخلاقی آزادی (Moral Liberty) اخلاقی آزادی کا مطلب ہے یہ ہے کہ فرد کو تمام مخلوقات اور انسانوں کے ساتھ اپنے جیسا سلوک کرنا چاہیے۔ آشیر وتھم نے کہا کہ اخلاقی آزادی بے لوث انسانیت کی فلاح و بہبودی کے حصول اور پوری انسانیت کی خدمت کی میراث ہے۔ اخلاقی آزادی کا مطلب کسی کے اپنے ضمیر کے مطابق کام کرنے کی آزادی ہے۔ اخلاقی آزادی انسان کی استعداد میں ہے کہ وہ اس کی عقلی خودی کا مظاہرہ کرے

24.5 مساوات کے معنی ومفہوم (Meaning and Definition of Equality)

آزادی اور مساوات، لوگوں کے دو سب سے قیمتی حقوق ہیں۔ یہ جمہوریت کے دو بنیادی ستون ہیں۔ فرانسیسی انقلابیوں نے آزادی اور اخوت کے ساتھ ساتھ مساوات کا مطالبہ کیا تھا۔ فرانسیسی منشورِ حقوق میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ’ انسان آزاد پیدا ہوتا ہے، اور اپنے حقوق کے سلسلے میں ہمیشہ آزاد اور مساوی رہتا ہے۔

اکثر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قدرت نے انسانوں کو مساوی بنایا ہے۔ سب کے سب برابر ہے اور سب کے لیے آمدنی، کام اور سہولیات برابر ہونی چاہیے اور سب کے لیے مساوی مقدار میں جائیداد ہونی چاہیے۔ مساوات کے اس معنی کے حامی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تمام انسان مساوی پیدا ہوئے ہیں اور اسی طرح قدرت نے ان کو ایسا ہی رکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ دراصل مساوات کا صحیح معنی یہ ہے کہ تمام افراد کو ذات پات، مذہب، زبان، رنگ، مسلک، جنس، پیشہ، املاک وغیرہ کی بنیاد پر بلا امتیاز ترقی کے یکساں مواقع فراہم کیے جائیں۔ جہاں تک حقوق کے سوال کا تعلق ہے، سب کو کسی بھی طرح کے امتیاز کے بغیر مساوی موقع ملنا چاہیے اور انہیں اپنی شخصیت کی نشو نما کے لیے ضروری تعلیم، رہائش، کھانا، کپڑا اور دیگر سہولیات حاصل کرنی ہوں گی۔ مساوات سے مراد ہر طرح کے خصوصی مراعات کو ختم کیا جانا چاہیے۔ آسان الفاظ میں، انسانوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہونے دینا چاہیے۔ مساوات کی اصطلاح کا مثبت معنی سب کے لیے مناسب موقع کی فراہمی ہے۔ ہیرالڈ لاسکی کے مطابق مساوات کا مطلب یہ ہے کہ مناسب مواقع تمام لوگوں کے لیے کھلے ہوں اور خصوصی مراعات کی عدم موجودگی

ہوں۔ بنیادی طور پر مساوات، کسی خاص سطح پر لانے کے عمل سے واقع ہوتی ہے۔

1۔ ڈی ڈی رافل کے مطابق، 'مساوات کا حق بنیادی انسانی ضرورت کے مساوی اطمینان کا حق ہے، جس میں انسان کی صلاحیتوں کو فروغ دینے اور استعمال کرنے کی ضرورت بھی شامل ہے'۔

2۔ ہیرالڈ لاسکی کا ماننا ہے کہ مساوات کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو معاشرے میں ایسا مقام نہیں دیا جائے کہ وہ اپنے پڑوسی سے اس حد تک تجاوز کرے جس سے پڑوسی کی شہریت سے انکار ہوتا ہے۔

3۔ بقول بارکر، 'مساوات کا مطلب تمام لوگوں کے لیے مساوی حقوق اور تمام خصوصی مراعات و حقوق کا خاتمہ ہے'۔

24.6 مساوات کی اقسام (Types of Equality)

1۔ فطری مساوات (Natural Equality)

اس حقیقت کے باوجود کہ انسان اپنی جسمانی خصوصیات، نفسیاتی خصائص، ذہنی صلاحیتوں اور اہلیتوں کے معاملے میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، تمام انسانوں کو بطور انسان مساوی سمجھنا چاہیے۔ سب کو انسانی حقوق اور آزادیوں سے محظوظ ہونے کے قابل سمجھا جائیں۔

2۔ سماجی مساوات (Social Equality)

سماجی مساوات سے مراد معاشرے میں ہر طبقے کے لوگوں کو بغیر کسی امتیاز کے مساوی حقوق اور ترقی کے مناسب مواقع دستیاب ہو۔ خاص طور پر سماجی مساوات سے مراد کسی بھی طبقے یا ذات، مذہب یا نسلی گروہ کے لیے خصوصی مراعات کی عدم موجودگی، ذات پات، رنگ، مسلک، مذہب، جنس اور مقامِ پیدائش کی بنیاد پر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کی ممانعت۔ تمام لوگوں کے لیے عوامی مقامات پر مفت رسائی، یعنی کوئی سماجی علاحدگی نہیں اور تمام لوگوں کے لیے مواقع کی برابری۔ تاہم، معاشرے کے تمام کمزور طبقات کے حق میں حفاظتی امتیازی سلوک کے تصور کو قبول کیا جاتا ہے۔ سماجی مساوات کا جدید مرکزی موضوع صنفی عدم مساوات کا خاتمہ، خواتین کو مساوی حیثیت اور مواقع کو یقینی بنانا اور بچوں اور بچیوں کے جینے اور ترقی کے مساوی حقوق کو یقینی بنانا۔

3۔ شہری مساوات (Civil Equality)

شہری مساوات کا مطلب تمام لوگوں اور سماجی گروہوں کو مساوی حقوق اور آزادیوں کا حصول ہے۔ شہریوں کو مساوی حقوق دینا، شہری مساوات کا مقصد ہے۔ معاشرے کے سب لوگ قانون کے تابع ہونا چاہیے۔ شہری مساوات کے حقوق کے معاملے میں انسانوں کے مابین کوئی فرق نہیں کرتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، شہری مساوات اور سب کے لیے مساوی حقوق کے درمیان مماثلت ہے۔ اگر قانون انسانوں کے مابین کسی بھی درجہ یا دولت کے مطابق یا ان کی سیاسی آرائی اور وابستگی یا ان کے مذہبی عقائد کے مطابق کوئی فرق کرتا ہے تو مساوات موجود نہیں ہے۔

4۔ سیاسی مساوات (Political Equality)

سیاسی مساوات کا مطالبہ انیسویں صدی کے دوران کیا گیا اور اس کا ایک محدود معنی تھا، یعنی ووٹ کا مساوی حق یا بالغ حق رائے دہی۔ ہر فرد کو ووٹ ڈالنے، انتخابات لڑنے کا حق، عوامی خدمات کے مساوی حق اور ذات، رنگ، جنس، مذہب اور زبان کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں برتنا چاہیے۔ اس سے مراد 'ایک آدمی، ایک ووٹ' ہے۔ عملی طور پر سیاسی مساوات کا آئیڈیل عام حق رائے دہندگی اور نمائندہ حکومت میں مرکوز ہے۔ مساوات کے تحت ہر بالغ شہری کو ووٹ ڈالنے، عوامی عہدہ سنبھالنے کے لیے منتخب ہونے، اپنی حکومت کے کسی عمل کی تعریف یا تنقید کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ یہ انسان کو ایک انسان کی حیثیت سے پہچان دیتی ہے۔

5۔ معاشی مساوات (Economic Equality)

یہ بجا طور پر کہا گیا ہے کہ معاشی مساوات کے بغیر سیاسی، سماجی اور قانونی مساوات کا کوئی معنی نہیں ہے۔ تاہم، معاشی مساوات دولت کی مساوی تقسیم کا مطالبہ نہیں کرتی ہے۔ جو مطالبہ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ زندگی کی بنیادی ضروریات کے بارے میں مساوات ہونی چاہیے اور معاشی عدم مساوات کو اس مقام سے آگے جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔ معاشی مساوات اسی وقت موجود ہو سکتی ہے جب تمام لوگوں کو اپنی ترقی کے لیے مناسب معاشی مواقع میسر ہوں۔ ملازمت کے مناسب مواقع، مناسب اجرت، مناسب آرام اور دیگر معاشی حقوق، معاشی مساوات پیدا کرتے ہیں۔ معاشی مساوات نہ صرف غریب طبقوں کے لیے بلکہ سماجی استحکام اور امن و امان کے لیے بھی اہم ہے۔

6۔ قانونی مساوات (Legal Equality)

اٹھارویں صدی میں اشرافیہ نے قانونی مراعات اور جاگیردارانہ پابندیوں کو ختم کرنے کے لیے قانونی مساوات کا مطالبہ کیا گیا۔ قانونی مساوات سے مراد قانون کی نظر میں مساوات اور قانون کا مساویانہ تحفظ تھا۔ قانون امیر اور غریب میں امتیاز نہیں کرتا اور قانون کی نظر میں دونوں برابر ہیں۔ قانون کی نظر میں مساوات کا مطلب ہر ایک کے لیے مساوی قانون نہیں ہے۔ قانون کو عقلی امتیاز برتنا ضروری ہے۔ قانونی مساوات سے مراد مساوی کے لیے مساوی قانون اور غیر مساوی کے لیے غیر مساوی قانون۔ قانونی مساوات کا مطلب محض مساوی قوانین نہیں ہے، اس کا مطلب عدالتوں سے انصاف حاصل کرنے کے مساوی مواقع بھی ہیں

24.7 ایجابی عمل (Affirmative Action)

ایجابی عمل یا مثبت امتیازی سلوک، کسی پسماندہ طبقے کے لوگوں کی ترقی کی پالیسی ہے جو معاشرے میں امتیازی سلوک کا شکار ہیں۔ ایجابی عمل اس نظریہ پر مبنی ہے کہ صرف قانون کے ذریعے باضابطہ مساوات کو قائم نہیں کیا جاسکتا۔ جب ہم معاشرے میں مستحکم ہو چکی عدم مساوات کا خاتمہ چاہتے ہیں تو ہمیں ان مستحکم سماجی عدم مساوات کو کم کرنے یا جڑ سے مٹانے کے لیے کچھ زیادہ مثبت اقدام کرنے کی

ضرورت پیش آتی ہے۔ ایجابی عمل کی زیادہ تر پالیسیاں کچھ اس طرح واضح کی جاتی ہیں کہ جس سے ماضی کی عدم مساوات کے مجموعی اثر کو صحیح کیا جاسکے۔ ایجابی عمل کی پالیسی کی کئی شکلیں ہیں۔ بعض ممالک مثلاً ہندوستان، ایک کوٹہ سسٹم استعمال کرتے ہیں، جس کے تحت کسی خاص طبقے کے لوگوں کو ملازمتوں اور تعلیمی اداروں میں ایک خاص حصہ مختص کیا جاتا ہے۔ بعض ممالک میں مخصوص کوٹہ استعمال نہیں ہوتا، اس کے بجائے اقلیتوں کے رکن کو انتخابی عمل میں ترجیح دی جاتی ہے۔

' ایجابی عمل ' کی ابتدا سب سے پہلے ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اصدر جان ایف کینیڈی کے ذریعے 6 مارچ 1691 کو اس پر دستخط کیے گئے۔ اس کا استعمال غیر امتیازی سلوک کو فروغ دینے کے لیے کیا گیا تھا۔ 1965 میں صدر جانسن نے ایگزیکیوٹیو آرڈر 64211 جاری کیا، جس کے تحت سرکاری ملازمت میں ' نسل، مذہب اور قومیت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ملازمت کے لیے" ایجابی عمل ضروری کیا گیا۔ ایجابی عمل کا مقصد معاشرے میں متعین اقلیتی گروہوں کے مواقع کو فروغ دینا ہے تاکہ انہیں معاشرے میں اکثریتی آبادی کی طرح یکساں رسائی مل سکے۔ یہ اکثر حکومتی اور تعلیمی اداروں کے لیے قائم کیا جاتا ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ کسی معاشرے کے اندر نامزد ' اقلیتی گروہوں' کو بھی تمام پروگراموں میں شامل کیا جائے۔ اس کے تحت سماج کے نچلے طبقات کو ملازمت اور تعلیمی فیلڈ میں خاص انتظام کر اوپر اٹھایا جاسکے۔

فوائد (Advantages) : ایجابی عمل کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں:

- پسماندہ طبقے کو ترقی کے زیادہ مواقع ملتے ہیں۔ نسلی رواداری اور کثیر ثقافت پسندی کو فروغ ملتا ہے۔ موثر انداز میں مواقع کی مساوات فراہم کرتا ہے۔ خاص کر ویسے لوگوں کے لیے مواقع پیدا کرتا ہے جن کو پہلے کبھی نہیں ملا ہو۔

نقصانات (Disadvantages) : ایجابی عمل کے نقصانات مندرجہ ذیل ہیں:

- ایک گروہ کا فائدہ دوسرے گروہ کا نقصان کا سبب ہوگا۔ یہ فرد کے بجائے مجموعی طور پر گروہوں پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ ایجابی عمل سے ملنے والی اضافی مدد، ان لوگوں کو ملازمت کی اجازت دے سکتی ہے جو ملازمت کے اہل نہیں ہے۔

24.8 انصاف: تعریف و مفہوم (Justice: Meaning and Definitions)

انصاف کا تصور ہر ثقافت میں مختلف ہوتا ہے۔ قدیم یونانی مفکر افلاطون نے 'ری پبلک' میں ابتدائی نظریہ پیش کیا تھا۔ خدائی حکم نظریہ کے حامی دلیل دیتے ہیں کہ انصاف کا معاملہ خدا کی طرف سے ہے۔ سولہویں صدی میں جان لاک جیسے مفکروں نے فطری قانون کے نظریہ پر روشنی ڈالی۔ سماجی معاہدے کی روایت کے مفکرین نے یہ استدلال لیا کہ انصاف ہر ایک کے باہمی معاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ اٹھارویں صدی میں جان اسٹورٹ مل جیسے افادیت پسند مفکرین کا استدلال تھا کہ انصاف وہی ہے جس کے بہترین نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ توزیعی انصاف کا نظریہ اس بات پر اہمیت دیتا ہے کہ کیا تقسیم کرنا ہے، کن لوگوں میں تقسیم کرنا ہے اور مناسب تقسیم کیا ہے۔ جان رالز نے ایک سماجی معاہدے کی دلیل کو یہ ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا کہ انصاف، بالخصوص توزیعی انصاف، عدل کی ایک قسم ہے۔

انصاف کا مفہوم (Meaning of Justice): انصاف کے معنی دو ٹکڑے کرنا، کسی چیز کا نصف کرنا اور حق دینا، کسی چیز کو اس کے صحیح پر رکھنا، حق دار کو اس کا پورا حق دینا اور انفرادی و اجتماعی معاملات میں اعتدال کو اپنا کر افراط و تفریط سے بچنا ہے۔ عدل و انصاف کی ضد 'ظلم و زیادتی' ہے۔ عدل و انصاف ہی وہ پیمانہ ہے جس کی بدولت انسانیت زندہ ہے۔ اگر معاشرہ عدل و انصاف سے عاری ہو وہ صالح معاشرہ نہیں ہو سکتا، بلکہ ظلم و جبر اور دہشت و درندگی کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ انصاف بنیادی طور پر اخلاقی فلسفے کا مسئلہ ہے۔ تاہم، چوں کہ اس کو سیاسی حکم سے نافذ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ سیاسی فلسفے کا بھی مسئلہ بن جاتا ہے۔

انصاف کی تعریف (Definitions of Justice) مختلف مفکرین نے انصاف کی تعریف درج ذیل بیان کی ہے:

1۔ بارکر کے مطابق، 'انصاف کا تعلق نہ صرف انسانوں کو جوڑنے سے ہے، بلکہ سیاسی اقدار کی مصالحت اور ترکیب بھی ہے۔ یہ ایک موافق اور مربوط دائرے میں ان کا اتحاد ہے'۔

2۔ جان رالز کہتا ہے، 'انصاف ان اصولوں کا مجموعہ ہے جس میں متعلقہ امور کی نشاندہی کرنے کے بعد سماجی تعاون کے فوائد اور بوجھ کی مناسب تقسیم کی وضاحت کی جاتی ہے جو اس توازن کا تعین کرتے ہیں'۔

3۔ چارلس ایڈورڈ میریم کے مطابق، 'انصاف، مفاہمت کے نظام اور ایک طریقہ کار پر مشتمل ہوتا ہے جس کے ذریعے ہر ایک کو وہ دیا جاتا ہے جس پر اتفاق رائے ہوتا ہے'۔

انصاف کے بارے میں مفکرین کے خیالات (Views about justice of Political Thinkers)

1۔ افلاطون کا نظریہ : افلاطون انصاف کی خوبی کو عام نیکی کے حصول کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کے مطابق معاشرے کے ہر فرد کو اپنے سماجی فرائض دوسروں کے کام میں مداخلت کیے بغیر سرانجام دینا چاہیے۔

2۔ ارسطو کا نظریہ: ارسطو کا خیال تھا کہ انصاف انسان اور ان کے تفویض کردہ چیزوں کے درمیان متناسب مساوات کی نشاندہی کرتا ہے، یعنی سلوک میں ان اختلافات کو اس سطح کے متناسب ہونا چاہیے جہاں افراد متعلقہ معاملات میں مختلف ہیں۔

4۔ بارکر کا نظریہ: انصاف آزادی، مساوات اور اخوت کے اصولوں کی ترکیب کی نمائندگی کرتا ہے۔ انسانی تعلقات انسانوں میں موجود عقل و منطق سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اسی نے انسانوں کو یہ باور کرادیا کہ تمام انسان وقار میں مساوی ہیں اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق فوقیت حاصل کرنے اور سماجی بھلائی کے لیے موزوں شراکت دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

24.9 انصاف کی اقسام (Types of Justice)

انصاف کی مختلف اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ سماجی انصاف (Social Justice)

عام استعمال میں، انصاف، عدالتی اداروں کے ذریعے تنازعات کے حل سے متعلق ہوتا ہے۔لہٰذا، انصاف کی اصطلاح ایک مثبت خاصیت رکھتی ہے اور اس کی وجہ سے مملکت کا قانون اور عدالتوں کا انصاف بہت قریبی معاملات بن جاتے ہیں۔ اس طرح کے انصاف کی تین وسیع جہتیں ہیں، سماجی، معاشی اور سیاسی۔ سماجی اور معاشی میدانوں میں جمہوریت کے دخول کے ساتھ انصاف کے معنی نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کو محیط کرنے کے لیے اپنے آپ کو وسعت دی۔ بہت سارے لوگوں کا خیال ہے کہ فرد کے حقوق کو اس کی برادری کے وسیع تر مفاد میں معقول حد تک محدود کیا جانا چاہیے تاکہ سماجی انصاف کو صحیح طور پر حاصل کیا جاسکے۔ اس طرح، یہ بڑے پیمانے پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ معاشرے کی فلاح و بہبود کا انحصار برادری کے حقوق اور مفادات کے مابین رابطہ اور مفاہمت پر ہے۔ نیز، ان دونوں کے درمیان کی صورت میں مفادات پر حقوق غالب ہونا چاہیے۔ سماجی انصاف کا تصور ایک بہت وسیع نظریہ ہے جو اقلیتوں کے مفادات کے تحفظ سے لے کر غربت اور ناخواندگی، بے روزگاری اور فاقہ کشی کے خاتمے تک سے متعلق ہے۔

2۔معاشی انصاف (Economic Justice)

جب سماجی انصاف سماجی برائیوں کے خاتمے کا مطالعہ کرتا ہے، ان میں سے بیشتر کو معاشی میدان میں اپنی جگہ مل جاتی ہے۔ کیونکہ سرمایہ داروں کے ذریعے مزدوروں کا استحصال یا قومی دولت کا بعض ہاتھوں میں جمع ہونا بنیادی وجوہات ہیں جو بہت سے غیر منصفانہ سماجی عادتوں اور مشکلات کو جنم دیتی ہیں۔ یہ درست کہا گیا ہے کہ آزادی بے معنی ہے اگر وہ معاشی انصاف کے حصول کو روکے۔ کسی بھوکے آدمی یا کسی ایسے انسان کے لیے جس کے وقار و عزت مجروح کی گئی ہو، کے لیے سیاسی آزادی فقط ایک لفظ ہے۔ آج کا مسئلہ یہ ہے کہ معاشی اور سماجی انصاف کیسے حاصل کیا جائے۔ معاشی انصاف کے نظریہ کا مطلب معاشی اقدار کی بنیاد پر انسانوں کے مابین عدم تفریق ہے۔ یہ بلا امتیاز کام کے لیے مناسب ادائگی کی دلالت کرتا ہے۔ یہ عام فلاح کی شرط کے تحت سامانوں کی پیداوار اور تقسیم کے شعبوں میں بھی سب کے لیے آزادی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس میں یہ بھی مطالبہ کیا جاتا ہے کہ قومی معیشت کی حالت کو اس انداز میں تبدیل کیا جائے کہ عام لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل ہوں۔

3۔سیاسی انصاف (Political justice)

سیاسی انصاف مثبت انصاف کی ایک اہم جہت ہے۔ سیاسی انصاف کا تصور، اپنی سیاسی زندگی میں لوگوں کو آزادانہ اور منصفانہ شرکت کا مطالبہ کرتا ہے۔ لہٰذا اس میں عام حق رائے دہندگی کی ضمانت شامل ہے۔ مملکت کی پالیسی کیا ہونی چاہیے اور معاشرے کو سیاسی اور معاشی طور پر کس طرح منظم کرنا چاہیے، وہ معاملات ہیں جن کا فیصلہ عوام خود کریں۔ سیاسی انصاف کے تصور کا تقاضا ہے کہ مملکت کو فرد کے حقوق کا تحفظ کرنا چاہیے تاکہ وہ ایک شہری کی حیثیت سے اپنی شخصیت کو ترقی دے سکے اور اس طرح سیاسی جماعت کی فلاح و بہبود میں اپنا حصہ ادا کر سکیں۔ اس سلسلے میں امریکی سپریم کورٹ کے جج لوئیس برانڈیز کے نظریات کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جس نے قانونی اعتراف کے ذریعے لوگوں کے انفرادی افکار، جذبات اور احساسات کے تحفظ اور تقدس کے لیے پرزور وکالت کی تھی۔

24.10 انصاف کے نظریات (Theories of Justice)

فطری نظریہ انصاف (Natural Theory of Justice)

انصاف کا فطری نظریہ پہلے اسٹکس نے پیش کیا اور پھر رومن وکلائی سے ان سے اخذ کیا۔ اس نظریہ نے انصاف کو مطلق قدر کے مثل سمجھا جس کے تحت صحیح حکم قائم کیا جاسکے۔ مملکت کے مثبت قانون کے ساتھ 'فطری انصاف' کے خیال کا انضمام رومی وکلائی کا خصوصی کارنامہ ہے۔ اس کے نتیجے میں زور دیا گیا کہ 'شہری قانون' اور 'قومی قانون' کو 'فطرت کے قانون' کے مطابق ہونا چاہیے۔ عیسائیت کی آمد کے ساتھ ہی فطری انصاف کے نظریہ کو الٰہی منظوری کے افسانے میں ملا دیا گیا۔ اسٹوکس اور رومیوں کے لیے جو 'فطرت' تھا، وہ گرجاگھر کے پادریوں کے لیے 'خدا' بن گیا۔ اس کے نتیجے میں مذہبی کلیسا انصاف پسندوں اور ظالموں میں فرق کرنے کا آلہ کار بن گئے۔ سینٹ اگسٹین نے انصاف کے نظریہ کو عیسائی مذہب کے اصولوں سے جوڑ دیا۔ سینٹ تھامس نے فرمان جاری کیا کہ اگر شہری قانون فطری قانون کے منافی ہے تو یہ لوگوں کے ضمیر پر پابند نہیں ہوگا۔

قانونی نظریہ انصاف (Legal Theory of Justice)

قانونی نظریہ انصاف کے مطابق، انصاف مثبت قانون میں مضمر ہے۔ اس لحاظ سے انصاف کا تصور قانون کی دنیا کے بالکل قریب آتا ہے۔ جان آسٹن کا اصرار ہے کہ قانون ایک طرف انصاف کے آلہ کار کے طور پر کام کرے گا اور دوسری طرف ظلم وفساد کو دبانے کا۔ اس لحاظ سے انصاف، قانون کا فوری مقصد بن جاتا ہے اور انصاف کے بغیر قانون ظلم کا ایک ذریعہ بن جائے گا۔ انصاف کے تصور کے لیے فطری انصاف کے اصولوں اور مثبت قانون کی خوشگوار ترکیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ملزم کو اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کی نوعیت کا پتہ ہونا چاہیے، اسے اپنے آپ یا اپنے وکیل کے ذریعے اپنا مقدمہ بیان کرنے کا مناسب موقع فراہم کیا جانا چاہیے، ٹریبونل یا عدالت کو منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہونا چاہیے اور مقدمے کی سماعت وکاروائی آزادانہ اور منصفانہ انداز میں کی جانی چاہیے۔

مارکسی نظریہ انصاف (Marxist Theory of Justice)

نظریاتی موقف سے دیکھا جائے تو انصاف کے نظریہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، لبرل اور مارکسسٹ۔ قانونی نظریہ انصاف جو پہلے ذکر ہوا، سابقہ زمرے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ انصاف کو مملکت میں حکومت کے ذریعے منظور کردہ قانون کے طور پر لیتا ہے۔ ڈین روسکو پاؤنڈ زور دیتا ہے کہ انصاف اور ان کی انتظامیہ کو ہمیشہ مملکت کے قانون کے مطابق رہنا چاہیے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے جسٹس ہومز کا موقف ہے کہ انصاف فقط تکنیکی طور پر قانون کے تحت محدود نہیں ہوتا ہے بلکہ اس میں معاشرے کے غیر اعلان شدہ رواج اور ضمیر کی بھی عکاسی ہونی چاہیے جس میں انصاف ہوتا ہے۔ لہٰذا اخلاقیات، مذہب اور رسم ورواج لبرل نظریہ کے طاقتور معاون ہیں۔ مارکسسٹ نظریہ انصاف کے نظریے کہ طبقاتی جنگ کے نظریے کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق سرمایہ دار طبقہ خود کو اقتدار میں رکھنے کے لیے قانون کا استعمال کرتا ہے۔ کامیاب انقلاب کے بعد، جب کہ پورا نظام بدلا ہوا ہے، مزدوروں کی آمریت کے دوران سرمایہ دار

معاشرے کو سوشلسٹ معاشرے میں تبدیل کرنے کے لیے قوانین کی ضرورت ہے۔ چوں کہ تمام اختیارات کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ ہیں، لہٰذا عدالتوں کو اقتدار کی حمایت کرنی ہوگی۔ چنانچہ ایک کمیونسٹ ملک میں عدلیہ سائنسی سوشلزم کے نظریہ کو نافذ کرنے کے لیے پر عزم ہونا چاہیے جیسے مارکس اور لینن نے بیان کیا۔

جان رالز کا نظریہ انصاف (John Rawl's Theory of Justice)

جان رالز کا نظریہ انصاف تقسیم کے ایک عمومی اصول کا تصور کرتا ہے جو زندگی میں طبقاتی فرق کو جواز بنا سکتا ہے، جسے کوئی معاشرہ، سرمایہ دار یا غیر سرمایہ دار، پیدا کرنے کا پابند ہے۔ جان رالز اپنے اخلاقی اصول کے ذریعے اجازت دی گئی آمدنی کی تقسیم کی رقم کی ایک سخت حد نافذ کرتا ہے۔ اس حد کو مارکیٹ معیشت متعین کرتی ہے۔ رالز مسابقتی سرمایہ دارانہ مارکیٹ معیشت کے کلاسیکی ماڈل کے تحت اپنے تقسیم انصاف پر عمل در آمد کرنے کی تجویز کرتے ہیں، جس میں غیر شخصی مارکیٹ قوتیں پیداواری اور سرمایہ کاری کی سطح کا تعین کرتی ہیں۔ رالز کے نزدیک انصاف سماجی اداروں کی پہلی خوبی ہے۔ انہوں نے ان اداروں اور قوانین کو رد کرنے کی تجویز پیش کی جو ناانصافی پر مبنی ہو۔ ایک انصاف پسند معاشرے میں تمام مساوی شہریوں کی آزادیاں فراہم کی گئی ہیں، انصاف کے ذریعے فراہم کردہ حقوق سماجی مفادات یا سیاسی سودے بازی کے حساب سے مشروط نہیں ہیں۔ انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ کسی بھی اچھی طرح مرتب معاشرے کو انصاف کے عوامی تصور سے پوری طرح منظم کیا جاتا ہے، اس معاشرے میں ہر ایک قبول کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ دوسرے لوگ انصاف کے ان ہی اصولوں کو تسلیم کرتے ہیں اور سماجی ادارے ان اصولوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس طرح رالز انصاف کا نظریہ تیار کرتا ہے جو ایک ایسا معیار فراہم کر سکتا ہے جس کے ذریعے کسی مخصوص معاشرے کی تقسیم کے انتظامات کو جانچا جا سکتا ہے۔ جان رالز کا نظریہ انصاف، لبرل جمہوری انصاف کا نظریہ ہے۔

24.11 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- آزادی کے مفہوم اور تعریف کو سمجھا۔
- آزادی کے مختلف اقسام کو تفصیل سے بیان کیا۔
- مساوات کے معنی اور مفہوم کو جانا۔
- مساوات کے اقسام کو تفصیل سے سمجھا۔
- انصاف کے مفہوم و تعریف کی وضاحت کی۔
- انصاف کے اقسام کو سمجھا اور انصاف کے نظریات کو واضح طور سے بیان کیا۔

24.12 کلیدی الفاظ (Key Words)

- **قانون کی حکمرانی** : تمام لوگوں کو ایک ہی قوانین کے ماتحت ہونا چاہیے اور اسی طرح کی ذمے داریوں کا پابند ہونا چاہیے۔
- **مساوات** : سے مراد تمام غیر فطری اور غیر منصفانہ عدم مساوات کی عدم موجودگی ہے۔
- **انصاف** : کسی ملک یا سماج میں موجود مختلف گروہ کے ساتھ مساوی سلوک۔
- **اخلاقی آزادی** : کا مطلب ہے یہ ہے کہ فرد کو تمام مخلوقات اور انسانوں کے ساتھ اپنے جیسا سلوک کرنا چاہیے۔

24.13 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

24.13.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ نظریہ انصاف تقسیم کی تصورات کس مفکر سے متعلق ہے؟

(a) جان رالس (b) بنتھم (c) مارکس (d) افلاطون

2۔ ان میں سے کون جمہوریت کے دو بنیادی ستون مانے جاتے ہیں

(a) انصاف اور آزادی (b) آزادی اور حقوق (c) مساوات اور قانون (d) ان میں سے کوئی نہیں

3۔ انصاف کی خوبی کو عام نیکی کے حصول کے ساتھ ملانے کی کوشش کس نے کیا؟

(a) جان رالس (b) ارسطو (c) مارکس (d) افلاطون

4۔ فطری انصاف کا نظریہ سب سے پہلے کس نے پیش کیا تھا؟

(a) جان رالس (b) بنتھم (c) مارکس (d) اسکٹس

5۔ اصطلاح 'ایجابی عمل' سب سے پہلے کس ملک میں عمل میں آیا؟

(a) امریکہ (b) بھارت (c) انگلینڈ (d) ان میں سے کوئی نہیں

6۔ کتاب ریپبلک (Repubic) کے مصنف کون ہیں؟

(a) روسو (b) ارسطو (c) مارکس (d) افلاطون

7۔ سیاسی مساوات کا مطالبہ کس صدی میں پیش کیا گیا تھا؟

(a) آٹھارویں (b) بیسویں (c) انیسویں (d) ان میں سے کوئی نہیں

8۔ کس مفکرین نے ان اداروں اور قوانین کو رد کرنے کی تجویز پیش کی جو ناانصافی پر مبنی ہو

(a) جان رالس (b) ارسطو (c) مارکس (d) افلاطون

9۔ کس انقلاب نے آزادی اور اخوت کے ساتھ ساتھ مساوات کا مطالبہ کیا تھا

(a) انگلینڈ کا انقلاب (b) فرانس کا انقلاب (c) روسی انقلاب (d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ کس مفکرین نے انصاف کے نظریہ کو عیسائی مذہب کے اصولوں سے جوڑ دیا؟

(a) سینٹ اگسٹین (b) بنتھم (c) جے اس مل (d) افلاطون

24.13.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ انصاف کا تعریف اور مفہوم بیان کیجیے۔

2۔ جان رالس کے نظریہ انصاف پر روشنی ڈالیے۔

3۔ منفی آزادی پر ایک مضمون لکھیے۔

4۔ مساوات کے معنی اور مفہوم کیا ہے؟

5۔ ایجابی عمل یا مثبت امتیازی سلوک، کسی پسماندہ طبقے کے لوگوں کی ترقی کا سبب کیسے ہے وضاحت کیجیے؟

24.13.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ انصاف کی تعریف بیان کرتے ہوئے مختلف مفکرین کے نظریہ انصاف پر روشنی ڈالیے۔

2۔ آزادی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ منفی اور مثبت آزادی میں کیا فرق ہے؟

3۔ قانونی مساوات سے کیا مراد ہے۔ آزادی کسی فرد کے لیے کیوں ضروری ہے؟

24.14 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

---

1. Agrawal R.C (2004), Political Theory, S. Chand, New Delhi
2. Anup Chand Kapur (2010), Principles of Political Science, S.Chand New Delhi
3. Asirvatham and Mishra K.K (2010), Political Theory, S.Chand New Delhi
4. J.C. Johari (2019), Principles of Modern Political Science, Sterling Publishing House
5. Sabine G.H.(2014), A History of Political Theory, Oxford
6. Robest E. Goodin (2011), Oxford Handbook of Political Science OUP, Oxford
7. Pravin Kumar Jha (2012), Political Science, Pearson Education, New Delhi

نمونہ امتحانی پرچہ

علم سیاسیات: ایک تعارف

Time: 3 Hours   Marks: 70

ہدایات:

یہ پرچہ تین حصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم۔ ہر جواب کے لیے لفظوں کی تعداد اشارۃً ہے۔ تمام حصوں سے سوالوں کا جواب دینا لازمی ہے۔

۱۔ حصہ اول میں 10 لازمی سوالات ہیں جو کہ معروضی سوالات ہیں / خالی جگہ پُر کرنا / مختصر جوابوالے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے ایک نمبر مختص ہے۔ (10x1=10 Marks10)

۲۔ حصہ دوم میں 8 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی 5 سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباً دوسو (200) لفظوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ہر سوال کے لیے 06 نمبرات مختص ہیں۔ (5x6=30 Marks)

۳۔ حصہ سوم میں 5 سوالات ہیں۔ اس میں سے طالب علم کو کوئی 3 سوال کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریباپانچ سو (500) لفظوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبر مختص ہیں۔ (3x10=30 Marks)

حصہ اول

سوال:1

(i) سیاسیات کا بانی کس کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

(a) افلاطون (b) ارسطو (c) سقراط (d) ان میں سے کوئی نہیں

(ii) جدید علم سیاسیات کا بانی کس کو کہا جاتا ہے؟

(a) میکاولی (b) جان لاک (c) تھامس ہابس (d) روسو

(iii) A Grammar of politics کے مصنف کون ہے؟

(a) ارسطو (b) افلاطون (c) لاسکی (d) گارنر

(iv) اقوام عالم کے مابین مذاکرات کرنے کا فن اور سائنس کہلاتا ہے۔

(a) خارجی معملات (b) سفارت کاری (c) بین لاقوامی امور (d) بیوروکریسی

(v) سماج (سوشل) سائنس ریسرچ کونسل "کا تشکیل کس ملک میں دی گئی ہے؟

(a) امریکہ (b) ہندوستان (c) روس (d) جاپان

(vi)فلسفہ مارکسیزم کی بنیاد

(a) معشیت (b) سیاسیات (c) فلسفہ (d) a اور b

(vii) اس میں سے ریاست کا جز کون نہیں ہے؟

(a) حکومت (b) اقتدار آعلی (c) علاقہ (d) زبان

(viii) اخلاقی اور روحانی طاقت کو ہی اصلی اور حقیقی طاقت کس نے کہا ہے؟

(a) مہاتما گاندھی (b) مارشل (c) کوٹلیہ (d) گیٹل

(ix) جمہوریت عوام کی، عوام سے اور عوام کے لئے حکومت کا نام ہے۔ یہ کس نے کہا؟

(a) اے وی ڈایسی (b) ارسطو (c)ابراہم لنکن (d) لاسکی

(x) بنیادی حقوق کا گارجن کسے مانا جاتا ہے؟

(a) عدلیہ (b) حکومت (c) مملکت (d) پولیس

حصہ دوم

2۔ علم سیاسیات کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کی اہمیت کو بتائے۔

3۔ شہریت کے نظریہ پر مختصر نوٹ لکھیے۔

4۔ قانونی اقتدار اعلیٰ سے کیا مراد ہے وضاحت کیجئے۔

5۔ نظریہ تکثیریت کی اہم خصوصیات پر روشنی ڈالئے۔

6۔ حقوق کیا ہے اس کے خصوصیات بیان کیجئے؟

7۔ سیاسی ذمہ داری کے نظریہ سماجی معاہدہ کا تنقیدی جائزہ پیش کریں۔

8۔ ایجابی عمل کیا ہے کیسے یہ سماج کے پسماندہ طبقے کے لئے ترقی کا سبب ہے؟

9۔ سیاسی شراکت سے آپ کیا سمجھتے ہیں روشنی ڈالیے؟

حصہ سوم

10۔ سیاسیات کیا ہے سیاسیات کے مختلف اجزا پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیے؟

11۔ شہریت حاصل کرنے کے طریقے پر روشنی ڈالیئے۔

12۔ علم سیاسیات کا دیگر سماجی علوم کے ساتھ تعلقات مختصر طور پر تبادلہ خیال کریں؟

13۔ ترقی سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ پائیدار ترقی پر ایک مضمون لکھیے۔

14۔ ریاست کے بارے میں مارکس کے خیالات کیا ہیں؟

***